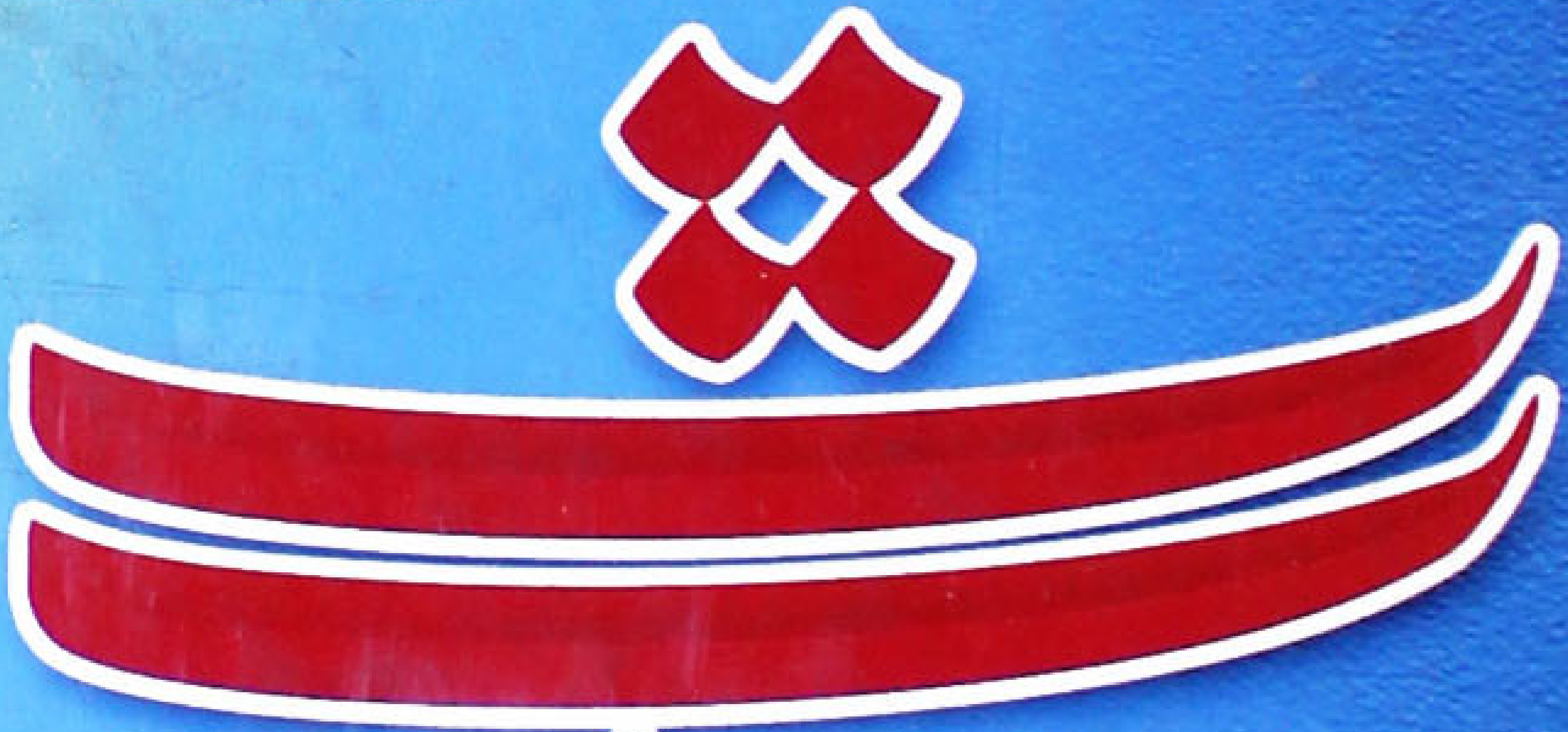
مختلف موضوعات پر پچیس ۲۵ تقاریر کا مجموعہ



مقالات و خطبات



الباقیات الصالحات

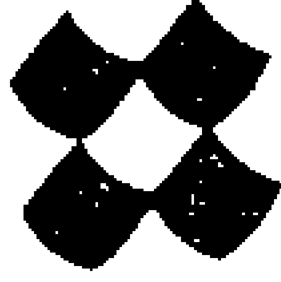
تالیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

اکبر بک سیلرز لاہور

مختلف موضوعات پر پچیس ۲۵ تقاریر کا مجموعہ




مقالات و خطبات

الباقیات الصالحات

تالیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

Ph:042-7352022-Mob:0300-4477371

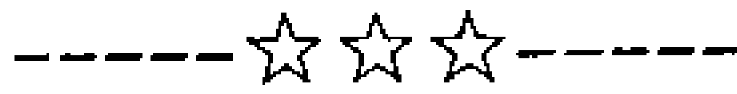
نام کتاب	:	الباقیات الصالحات (مقالات وخطبات)
مؤلف	:	مفتی غلام حسن قادری (دار العلوم حزب الاحناف، لاہور)
نظر ثانی	:	استاذ العلماء حافظ محمد عبدالغفور گولڑوی (فاضل بندیاں شریف)
تحریک وفرمائش	:	الحاج قاری محمد اصغر علی نورانی (پرنسپل جامعہ امیر حمزہ)
پروف ریڈنگ	:	حافظ محمد رضاء الحسن قادری
سرورق خطاطی	:	استاذ الخطاطین جناب محمد علی زاہد صاحب
تاریخ اشاعت	:	2008ء
باہتمام	:	محمد اکبر قادری
تعداد صفحات	:	600
تعداد	:	1100
قیمت	:	-/260 روپے

ناشر:
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار، لاہور

فہرست

۞ انتساب	6
۞ پیش لفظ	7
۞ نشانِ منزل	11
تقریر نمبر ۱: جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت وفضیلت	27
تقریر نمبر ۲: فلسفۂ صبر وشکر	64
تقریر نمبر ۳: عدل وانصاف اور اس کے تقاضے	102
تقریر نمبر ۴: صدق واخلاص	141
تقریر نمبر ۵: انفاق فی سبیل اللہ	164
تقریر نمبر ۶: مکافاتِ عمل	175
تقریر نمبر ۷: بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کا ادب واحترام	190
تقریر نمبر ۸: سُورج اُلٹے پاؤں پلٹے	200
تقریر نمبر ۹: حجیت حدیث	208
تقریر نمبر ۱۰: ایک حدیث میں تین معجزات کی تفصیل	244
تقریر نمبر ۱۱: اے میرے بندو!	298
تقریر نمبر ۱۲: ایک حدیث سے دس مسائل کا استنباط	323
تقریر نمبر ۱۳: مال اور علم (ایک حدیث کی تشریح)	332
تقریر نمبر ۱۴: نعتِ مصطفیٰ ﷺ	339
تقریر نمبر ۱۵: حضور علیہ السلام کا وصالِ پرملال	376

تقریر نمبر ۱۶: الدعاء بعد الجنازہ	404
تقریر نمبر ۱۷: نکاتِ ثلاثہ	419
تقریر نمبر ۱۸: پاکستانی جمہوریت پر ایک نظر	424
تقریر نمبر ۱۹: حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ اور فکرِ آخرت	441
تقریر نمبر ۲۰: پرویز نام کی نحوست	452
تقریر نمبر ۲۱: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	465
تقریر نمبر ۲۲: نگاہِ نبوت سے ایک سردار کا قبولِ اسلام	484
تقریر نمبر ۲۳: حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ	497
تقریر نمبر ۲۴: غازی علم الدین شہید (رحمۃ اللہ علیہ)	531
تقریر نمبر ۲۵: اصحابِ کہف کا واقعہ	551
۞ کتابیات	593



انتساب

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، امام الواصلین، حجۃ الکاملین، سلطان العارفین حضرت سخی **سلطان محمد باھو** علیہ الرحمۃ کے فارسی اشعار میں سے اپنے پسندیدہ شعر کی طرف جو ہزاروں ایسے لوگوں کی ہدایت کا سبب بنا جو کہ عوام کالانعام کو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے بعض پنجابی دوہڑوں سے مغالطہ دے کر عبادات سے دور کر کے بذات خود مغالطے میں پڑے ہوئے تھے اور وہ شعر مندرجہ ذیل ہے:

ہر مراتب از شریعت یافتم
پیشوائے خود شریعت ساختم

ترجمہ: میں نے ہر مرتبہ و مقام شریعت کی راہ پہ چل کر حاصل کیا ہے، میں نے اپنا راہنما شریعت کو بنا رکھا ہے۔

غلام حسن قادری

۰۸-۰۴-۲۰

-----☆☆☆-----

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب کے نام کے بارے میں وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ کسی قسم کا کوئی ابہام واشکال باقی نہ رہے۔ اس کتاب کا نام "الباقیات الصالحات" سورۃ الکہف آیت نمبر چھیالیس سے ماخوذ ہے۔ پوری آیت بمعہ ترجمہ اس طرح ہے:

المال و البنون زینة الحیوة الدنیا والبقیت الصلحت خیر عند ربك ثوابا و خیر املا۔

ترجمہ: مال اور بیٹے جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں، ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(مال و اولاد) راہِ قبر و آخرت کے لئے توشہ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مال و اولاد دنیا کی کھیتی ہیں اور اعمال صالحہ آخرت کی، اور اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے بندوں کو یہ سب کچھ عطا فرماتا ہے۔ باقیات صالحات سے اعمال خیر مراد ہیں جن کے ثمرے (ثمرات) انسان کے لئے باقی رہتے ہیں جیسے کہ پنجگانہ نمازیں اور تسبیح و تحمید، حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقیات صالحات کی کثرت کا حکم فرمایا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا کہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ والحمد للہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پڑھنا:

چونکہ میری اس کتاب میں موضوعات کے اعتبار سے اس طرح کا ہی زیادہ تر مواد ہے کہ جس سے انسان اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرے تو اس کے لئے

ضرور مفید ثابت ہوگا۔ اور دنیا میں بھی اس کے اثرات دیر تک باقی رہیں گے۔ یعنی کلمات خیر کے ساتھ نیک اعمال کی طرف رغبت دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے بھی کتاب کا نام اگرچہ نہایت مناسب ہے تاہم میرے ذہن میں اس نام کی جو وجہ سے وہ کچھ یوں ہے کہ علماء کرام و مقررین حضرات کے جن ''تبرکات و فیوضات'' کو بنیاد بنا کر میں نے اپنی سب سے پہلی تصنیف (شان مصطفیٰ بزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس سلسلے کا آغاز کیا تھا اور اب تک بیس کے قریب کتب معرض وجود میں آچکی ہیں زیر نظر کتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے اور اس کا نام الباقیات الصالحات رکھنے کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ جو تبرکات باقی کتابوں میں شامل نہ ہو سکے وہ تمام کے تمام مع اضافات اس کتاب میں سمو دیے گئے ہیں اور چونکہ یہ تقاریر وقتاً فوقتاً مختلف مقامات پہ خود مجھے کرنے کا موقع ملتا رہا ہے اس لیے ان کو خطبات و مقالات کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

اس سفر میں جہاں مجھے بے شمار اہل محبت و اہل علم نے اپنے محبت بھرے پیغامات و بیانات سے نوازتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمائی وہاں کچھ احباب نے اصلاح کا فریضہ بھی سرانجام دیا میں ان کی نیت پہ شک نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ ان کی نیت کے مطابق جزائے خیر سے نوازے تاہم بعض معاصرین ''معاصرانہ چپقلش'' کا شکار ہو گئے اور اس طرح اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنے لگے کہ فلاں حضرت کو نصف صدی ہو گئی ان کی اتنی کتابیں نہیں آئیں جتنی آپ کی چار سالوں میں آگئیں ہیں فلاں صاحب بیس سال سے لکھ رہے ہیں اور ان کی کتابوں کا حجم سولہ یا بتیس صفحات سے اوپر نہ بڑھ سکا، تیری کتابیں ہزار ہزار گیارہ گیارہ سو صفحات کی کس طرح منظر عام پر آگئیں اور کچھ بزرگ فرمانے لگے کہ آپ نے وہی پرانی گھسی پٹی باتیں دھرا دی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا: پہلی بات تو یہ ہے کہ میری اس محنت کا

آغاز چار سال پہلے نہیں ہوا بلکہ ۱۹۷۷ء میں یعنی آج سے تیس سال پہلے ہوا ہے اس دوران میں بڑے ذوق وشوق سے اپنے علماء کرام کے بیانات سے استفادہ کرتا رہا اور چار سال پہلے آپ جیسے دوستوں کے اصرار پر ہی یہ علمی نکات اہل محبت کے سامنے پیش کرنے شروع کیے گویا کام سارا پہلے سے تیار تھا بس کانٹ چھانٹ کر کے اس کو ترتیب دینے کی ضرورت تھی جو زیادہ محنت اور دیر کا متقاضی نہ تھا، آپ کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ اتنی دیر سے لکھ رہے ہیں اور ان کی چند کتابیں آئی ہیں اور وہ بھی چند صفحات کی، تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ ان بزرگوں کے کام سے ہی تو راہنمائی حاصل کر کے اور اس کو بنیاد بنا کر یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے تو آپ میرا ان سے مقابلہ کرانے کی بجائے مجھے ان کا خوشہ چین اور فیض یافتہ کیوں نہیں سمجھ لیتے۔ پھر ان کا کام عالمانہ ہے اور میں نے اپنے جیسے کم پڑھے لکھے لوگوں بلکہ عوام الناس کے لئے کام کرنے کی کوشش کی ہے۔

باقی رہا آپ کا یہ کہنا میں نے زیادہ تر گھسی پٹی وہی پرانی باتیں لکھ دی ہیں تو اس کے متعلق میں آپ سے عرض کروں گا کہ ذکر مصطفیٰ ﷺ ہو یا شانِ اولیاء کی باتیں ہوں یہ کبھی گھسی پٹی اور پرانی نہیں ہوتیں ان کو کستوری ہی سمجھیں کہ جتنا زیادہ ''گھساؤ'' گے خوشبو زیادہ پھیلتی جائے گی۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہی تو کہا تھا

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ
هو المسك اذا کررته یتضوع

امام اعظم نعمان بن ثابت کا ذکر بار بار میرے سامنے کیا کر کیونکہ ان کا ذکر ایسی کستوری ہے کہ جس کو جتنا رگڑو گے خوشبو زیادہ پھیلے گی۔

تو جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کی امام شافعی کے نزدیک یہ شان ہے تو رسول اعظم ﷺ کے ذکر کی یہ شان ہم گنہگاروں کے نزدیک کیوں نہ ہو کہ اگر آپ ﷺ کی

عظمت کا ایک نکتہ ہی ساری زندگی دھراتے رہیں تو پھر بھی کم از کم میں تو اس نکتے کو گھسا پٹا نہیں کہہ سکتا۔

یاد رہے کہ میں نے اب تک جتنا بھی لکھا ہے فضائل پہ لکھا ہے اور فضائل میں بھی تقریری مواد جمع کیا ہے اور فضائل کے میدان میں جو رعایت و گنجائش ہے وہ اہل علم پہ مخفی نہیں ہے یہاں تک کہ بالاتفاق ضعیف حدیث بھی فضائل میں قابل قبول ہے۔ اس کو سرقہ کا نام دینا یا تو سرقہ کے معنی سے لاعلمی ہے یا پھر تجاہل عارفانہ کی صورت میں حسد و بغض ہی کہا جا سکتا ہے قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر۔ میں تو اس کو علمی استفادہ کہوں گا۔ اور ہر لکھنے والا جب کسی موضوع پہ لکھتا ہے تو درجنوں کتابیں اپنے سامنے کھول کر اپنی پسند کا انتخاب کر لیتا ہے اور پھر وہ ''محقق عصر'' بھی بن جاتا ہے ''مصنف کتب کثیرہ'' بھی۔ حالانکہ میں نے کبھی بھی دعوی نہیں کیا کہ میں فلاں محقق کی طرح کام کر رہا ہوں اور میرا کام انہی مضبوط بنیادوں پر ہے جس طرح فلاں ''محقق صاحب'' کا۔ بس ایک طالب علمانہ شوق تھا (کہ جو کچھ میرے پاس مختلف فائلوں میں منتشر ہے اس کو یکجا کر دوں تاکہ میرے جیسے کم پڑھے ہوئے لوگوں کو مختلف موضوعات پہ اکٹھا مواد مل جائے اور کئی کتب کو کھنگالنا نہ پڑے) بس اسی شوق کو پورا کرتا رہا ہوں کیونکہ کچھ احباب نے یہ بھی کہا کہ مختلف کتب سے مواد اکٹھا کر کے ''مصنف کتب کثیرہ'' کا اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ مختلف کتب سے منتخبات کو (اپنی پسند کی علمی باتیں) جمع کرنا بھی کوئی عیب کی بات نہیں ہے اور میں نے تو ہر کتاب کی ابتداء میں وضاحت بھی کر دی ہے کہ یہ سارے کا سارا فیض علماء اہلسنت کا ہے جو میں نے زمانہ طالب علمی میں جمع کیا ہے بایں ہمہ اگر اس فیض کو عام کرنا کوئی جرم یا گناہ کی بات ہے تو میں اپنی اس آخری کوشش کے ساتھ ہی اس جرم سے ''توبہ'' کرتا ہوں اور اس میدان کے ''شہسواروں'' سے بھی معافی کا خواستگار ہوں۔

اب اس میں میرا کیا قصور ہے کہ اگر مجھ جیسے نکمے کی کتابوں کی ''مانگ'' کچھ زیادہ ہوگئی ہے؟ دست بستہ آپ سے عرض کروں گا کہ

؎ عشق والو! عشق میں ایسا اثر پیدا کرو
حسن خود مجبور ہو تم کو منانے کے لیے

بات صرف اتنی ہے کہ

؎ میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

تاہم اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ

؎ کتاب عشق و مستی کا یہی پہلا سبق ہے
جو میں کہوں وہ ''باطل'' جو تو کہے وہ ''حق'' ہے

اور حرف آخر کے طور پر عرض ہے کہ

؎ شیخ جی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں
یہ الگ بات ہے ہم ان کا ادب کرتے ہیں

لیکن یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ

؎ تمہاری زلف یہ چمکی تو حسن ٹھہرائی؟
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

-----☆☆☆-----

نشانِ منزل

تعارف مصنف وتبصرہ کتب

استاذ العلماء مولانا الحافظ القاری غلام حسن قادری مفتی

مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور اور ان کی تصنیفات

(حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری خطیب مرید کے مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان)

میری زندگی کا ربع صدی سے زائد عرصہ حضرت داتا گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا، رحمۃ اللہ علیہ کے سایۂ عاطف میں گزر رہا ہے۔ یومیہ مرید کے سے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، تدریسی فرائض کی انجام دہی کیلئے اسی بابرکت راستہ سے آنا جانا ہوتا ہے، مزار پرانوار کی زیارت سے شادکام ہونے کے ساتھ ساتھ سلام پیش کرنے کی سعادت عظمیٰ بھی نصیب ہوتی ہے۔ آپ کے دربار فیض بار کے بالکل قریب ہی لاہور کا مشہور دروازہ بھاٹی ہے اس کے ساتھ ہی پولیس اسٹیشن سٹریٹ سے جامعہ نظامیہ رضویہ میں جانا میرا معمول ہے۔ بڑی سڑک کی بجائے بھاٹی اور لوہاری دروازوں کے مابین چھوٹی چھوٹی قدیم گلیوں کو راقم امن کے راستے قرار دیتا ہے کیونکہ یہاں اختلاطِ مرد و زن نہ ہونے کے برابر ہے۔

اسی پرامن سٹریٹ کے عین درمیان میں ملت اسلامیہ کی ایک نامور علمی شخصیت حضرت مولانا علامہ اصغر علی روحی صاحب مرحوم پروفیسر اورینٹل کالج و یکے از بانیان جامعہ نعمانیہ لاہور کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب جامع مسجد مولانا روحی اہل سنت و جماعت ہے۔ اسی محلہ کے باسیوں میں پروفیسر صاحب مرحوم بھی تھے۔ آج کل اس مسجد کی امامت و خطابت کے فرائض، ممدوح اکابر، خطیب العصر، محترم المقام، حضرت

العلام مولانا الحافظ القاری مفتی غلام حسن صاحب قادری دامت برکاتۂ باحسن وجوہ سر انجام دے رہے ہیں۔ حضرت الموصوف اور راقم الحروف کا مشن اور راستہ ایک ہی ہے۔ بناء علیہ گاہے گاہے سر راہ علیک سلیک ہوتی رہی ایک عرصہ یوں ہی بیت گیا، سلام ودعا کے علاوہ بات آگے نہ بڑھی۔ تاہم موصوف کے خصائل جمیلہ وشمائل جلیلہ نے مجھے ہر ملاقات پر خاصا متاثر کیا، ان کے باطنی اوصاف ان کے ظاہری حسن و جمال پر نمایاں دکھائی دیئے، ان کی عاجزی وانکساری کی تو بات ہی کیا، کئی بار سوچا وقت میسر ہوتا کہ کھل کر تعارف کیا جائے۔ حسن اتفاق کہ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی اشرفی مدنی علیہ الرحمۃ خلیفہ اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے عطا فرمودہ ''درود شریف'' کی کتابت نے یہ خواہش بآسانی پوری کردی، یوں آپ سے ربط وتعلق نے استحکام پایا۔ رفتہ رفتہ ذہنی خلاء دور ہوتا چلا گیا اور پھر منزل قرب نے یہاں تک پہنچایا کہ اب حضرت مولانا غلام حسن قادری مدظلہٗ کے احوال وآثار لکھنے پر روحانی سکون محسوس کر رہا ہوں۔ خیال رہے کہ مجھے کثیر اہل علم وقلم پر لکھنے کی سعادت حاصل ہے جو ہر شعبۂ علم وادب سے تعلق رکھتے ہیں، برصغیر پاک وہند کی شخصیات پر بھی لکھا اور ان کی تصانیف وتراجم پر بھی، اسلاف کے کارناموں کو بھی اجاگر کیا اور اخلاف کی خدمات کو بھی خراج تحسین پیش کیا، جہاں اساتذہ کرام کی خدمت میں نذرانۂ قلم ادا کیا وہاں تلامذہ کی بھی حوصلہ افزائی میں کسر نہ چھوڑی، یہی وجہ ہے کہ میرے متعدد تلامذہ مقالات ومضامین میں ہی نہیں بلکہ تصانیف وتراجم میں بھی نام پیدا کر رہے ہیں۔ (الحمد للہ علی منہ و کرمہ تعالیٰ)

حضرت مولانا علامہ الحافظ القاری مفتی غلام حسن صاحب قادری مدظلہٗ تو میرے خاص احباء میں شامل ہیں، وہ میری ہی نہیں ہر چھوٹے بڑے، اپنے پرائے، بیگانے، یگانے کی قدر ومنزلت کو خوب جانتے پہچانتے ہیں۔ خصوصاً علمائے کرام ومشائخ عظام کے تو دلدادہ ہیں۔ ان کے ادب واحترام اور عزت وتوقیر کو ملحوظ رکھنا فرض قرار دیتے ہیں۔ موصوف کا باطن ان کے ظاہر کی طرح خوبصورت ہے۔ گویا کہ وہ اگر ظاہری طور

پر مسند، افتاء وتدریس پر فائز ہیں تو روحانی و باطنی طور پر مسند طریقت کی بھی زینت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی علمی و عملی زندگی خوب اور محبوب ہے۔ میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ مفتی صاحب مدظلہ کا علم، عمل سے اور عمل، علم سے عبارت ہے۔ حضرت مولانا علامہ مفتی غلام حسن صاحب قادری مدظلہ فی الحال اپنے آپ کو پردۂ اخفاء میں رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ وقت بہت قریب ہے کہ جب ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے لوگ برملا بہرہ مند ہوں گے اور اس دور میں ایسے پیکر شرافت کا وجود نعمت سے کم نہیں ہے کیونکہ عصر حاضر میں بعض علمائے کرام کے اعمال وافعال پر جب عوام انگلیاں اٹھا رہے ہوں تو صاحب کردار عالم دین کا وجود مسعود غنیمت ہے جن کی بارگاہ میں لوگ حاضر ہو کر استفادہ کریں۔ مفتی صاحب کے اوصاف حمیدہ و کمالات جمیلہ سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کی حیات حسنہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو ازخود آپ کی عظمت وشوکت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ولادت باسعادت:

حضرت مولانا علامہ حافظ قاری غلام حسن صاحب قادری ایک مذہبی، دینی گھرانے کے چشم چراغ ہیں۔ آپ حافظ آباد کے ایک مشہور گاؤں چک کھرل میں 3 اکتوبر 1962ء کو میاں محمد حسین ابن میاں علی محمد علیہما الرحمۃ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا۔ موصوفہ مرحومہ سے گاؤں کے علاوہ اکناف و اطراف کے متعدد دیہات کے بچوں نے قرآن کریم پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ علیہا الرحمۃ نے 5 جولائی 2004ء بروز پیر انتقال فرمایا۔ جبکہ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ تقریباً آٹھ ماہ قبل بتاریخ 7 ماہ رمضان المبارک 1424ھ/2 نومبر 2003ء کو راہی جنت ہوئے۔

خدا کی ان پہ رحمت ہو محمد ﷺ کی شفاعت ہو
دعا میری سدا یہ ہے انہیں جنت کی راحت ہو

حفظ قرآن:

کچھ عرصہ مفتی صاحب زید مجدہٗ اپنے والد ماجد کی معیت میں معاشی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے پھر فطرت نے آپ کی علوم وفنون کی طرف رہنمائی فرمائی گویا کہ جس مقصد کیلئے تخلیق فرمائے گئے تھے دست قدرت نے اسی طرف رخ پھیر دیا۔ چنانچہ 1977ء میں آپ جامعہ حنفیہ رضویہ شیخوپورہ میں حفظ القرآن کیلئے داخل ہوئے۔اور ڈیڑھ سال کی مختصر سی مدت میں مکمل قرآن کریم حفظ فرما کر اسی سال مصلی سنایا، جس سے آپ کی عظیم الشان قوت اخذ وحافظہ اور جودت طبع کا پتہ چلتا ہے۔

درسِ نظامی:

امام اہلسنت، مفتی اعظم پاکستان حضرت سیدی ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قادری اشرفی علیہ الرحمۃ ابن شیخ المحدثین حضرت سید ابومحمد محمد دیدار علی شاہ صاحب محدث الوری اشرفی علیہ الرحمۃ بانی مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے پہلے عرس مقدس کی تقریب سعید کے موقع پر آپ کے استاذ محترم حضرت فقیر سلطانی مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے شارح بخاری علامہ سید محمود احمد صاحب رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا اور آپ نے سلاطین علوم وفنون سے سات سال تک جواہر علمیہ کو بڑی شان سے وصول کیا اور اسی دار العلوم سے فراغت، دستارِ فضیلت حاصل کی جن عالی مرتبت اساتذۂ کرام سے آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی دولت ابدی کی نعمت پائی ان کے اسمائے گرامی ملاحظہ کیجئے۔

حفظ القرآن کے اساتذۂ کرام:

مکرم جناب حافظ بشیر احمد صاحب، قاری امانت علی صاحب، قاری محمد بنیامین صاحب، قاری سعید الرحمٰن صاحب، حافظ فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ محمد اکرم صاحب۔

تجوید وقرأت:

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے تجوید وقرأت کے لئے جامعہ رسولیہ

شیرازیہ بلال گنج لاہور میں داخلہ لیا اور مفسر قرآن، زینت القراء حضرت علامہ قاری محمد طیب نقشبندی بن محقق اسلام حضرت الحاج محمد علی نقشبندی (علیہ الرحمۃ) سے ایک سال کے عرصہ میں روایت حفص کا کورس مکمل کیا اور جب امتحان کا مرحلہ آیا تو شیخ القرآء حضرت قاری محمد یوسف صدیقی علیہ الرحمۃ (جامعہ صدیقیہ مستی گیٹ لاہور) نے اول پوزیشن حاصل کرنے پر آپ کو خصوصی انعام سے نوازا جس کا ثبوت آپ کی سند تجوید وقرأت پہ آج بھی موجود ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے استاذ محترم نے نہایت ذوق وشوق کا مظاہرہ فرماتے ہوئے آپ کو سبعہ کی مشہور زمانہ کتاب ''الشاطبیہ'' بھی سبقاً سبقاً پڑھا دی۔

درسِ نظامی کے اساتذہ کرام:

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا مہر دین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف، شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف و جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم خان صاحب سابق مدرس مرکزی دار العلوم حزب الاحناف، مفتی ادارہ منہاج القرآن لاہور، حضرت مولانا حافظ محمد یعقوب صاحب نقشبندی اور حضرت مولانا مفتی احمد دین صاحب توگیروی۔

راہ عمل:

حضرت مولانا علامہ حافظ قاری غلام حسن صاحب زید مجدہٗ نے آغاز ہی سے راہِ عمل اختیار فرمالی تھی۔ دوران تعلیم ہی سے آپ نے امامت وخطابت کے فرائض سنبھال لئے تھے۔ چنانچہ 1982ء سے زیر قلم سطور 2008ء تک جامعہ مسجد حضرت مولانا روحی علیہ الرحمۃ میں انہی مناصب و مراتب پر فائض ہیں۔ نیز شوال 1408ھ/1987ء سے مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کی عظمت رفتہ کو بحال کیے ہوئے ہیں۔ جملہ کتب عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ تجوید وقرأت سے طلباء کرام کو نواز رہے ہیں۔ نیز ایک عرصہ سے دارالعلوم میں آنے والے سوالات کے

شرعی جوابات کی ذمہ داری بھی آپ کی فقاہت پر منحصر ہے۔ تادم تحریر آپ کے قلم سے ہزاروں فتوے جاری ہو چکے ہیں۔ درس قرآن وحدیث بھی عرصہ دراز سے مذکورہ بالا مسجد میں دیتے آرہے ہیں۔ فن خطابت میں آپ ید طولی رکھتے ہیں۔ جمعۃ المبارک میں اجتماع قابل دید ہوتا ہے، ماہ رمضان میں قرآن کریم سنانا آپ کا خصوصی وظیفہ ہے۔

خطاطی:

علم وقلم کا آپس میں بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔ ایک صدی قبل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت ہر عالم عموماً خوشنویس بھی ہوتا تھا۔ مگر نیرنگئی دوران دیکھئے اب بہت کم علماء کرام ہیں جن کا خطاط یا خوشنویس ہونا تو کجا معمولی سی بھی خوشخطی سے بہرہ یاب نہیں ہیں۔ بلکہ بعض تو ایسے باکمال ہیں کہ انہیں اپنا لکھا ہوا بھی پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ حالانکہ خط بھی شخصیت پر اثر ڈالتا ہے اور پھر اس کمپیوٹر کے دور میں خوش خطی تو عنقاء ہوتی جا رہی ہے۔ ان حالات میں حضرت مولانا مفتی غلام حسن صاحب قادری کی ذات ستودہ صفات کی طرف آیئے تو دیکھئے گا آپ نے خطاطی میں بھی بڑا نام کمایا ہے نامور اساتذہ فن سے اس کے حصول میں قطعاً پیچھے نہیں رہے۔ خوب سے خوب تر کی طرف رواں دواں ہیں، ہر قسم کے رسم الخط پر عبور رکھتے ہیں، اس میں جہاں اساتذہ کرام کی محنت ومشقت کا تعلق ہے وہاں آپ کی دلجمعی، دلچسپی، محنت اور مسلسل جد وجہد کا بھی بڑا حصہ ہے۔ خط طغری میں بھی عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ ایک دن آپ کی ملاقات کیلئے جامع مسجد مولانا روحی میں حاضر ہوا تو باتوں ہی باتوں میں میرے نام کا ایک نہایت ہی دلکش، خوبصورت بیل سے مزین طغری سامنے رکھ دیا۔ حالانکہ میرے خواب میں بھی نہیں تھا کہ آپ ایسا نادر اور یادگار تحفہ عنایت فرمائیں گے۔ سچ فرمایا محسنِ اعظم نبی مکرم رسول معظم ﷺ نے: ''ہدیے اور تحفے دیتے رہا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے''۔ چنانچہ یوں سرکار دو عالم ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان محبت میں اضافہ فرما دیا۔ (و للہ الحمد) آپ نے جن

اساتذہ فن سے خطاطی سیکھی ان کے نام یہ ہیں۔

استاذ الخطاطین الحاج محمد اعظم صاحب منور رقم علیہ الرحمۃ، زینت الخطاط الحاج صوفی خورشید عالم صاحب خورشید رقم علیہ الرحمۃ، استاذ العصر جناب محمد علی زاہد صاحب اور جناب استاذ غلام رسول صاحب۔

زیارتِ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً:

حیات دنیوی میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان کیلئے سب سے بڑی تمنا بارگاہِ رحمۃ للعلمین ﷺ کی حاضری ہے۔ حج وعمرہ کی سعادت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کی زیارت کی دولت جسے نصیب ہو جائے میرے نزدیک وہ نہایت امیر ترین ہے۔ اور وہاں کی سچی تڑپ ایک دن ضرور رنگ دکھاتی ہے۔ اور عاشق زار اچانک اس نعمتِ عظمٰی سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔ خصوصاً مسجد کی خدمت سرانجام دینے والا خواہ مؤذن ہو یا امام وخطیب بلکہ مسجد کا جاروب کش بھی اس نعمت سے محروم نہیں رہتا حالانکہ بظاہر اس کے وسائل نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بکثرت وسائل کے مالک اس سعادت سے کورے رہتے ہیں۔ دراصل بات خلوص، عشق اور قلبی آرزو کی ہے جب طلب صادق ہو تو بات بن جاتی ہے۔

ان کے دریائے کرم میں موج اٹھتی ہے والا
کوئی دل سے پکارے تو سہی

میرا ذاتی تجربہ ہے، ایک شب میں نے بڑے درد وسوز سے بارگاہ مصطفٰی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں یوں استغاثہ پیش کیا:

میرے تاجور شہر یار مدینہ — دکھا دو مجھے اپنا شہر مبارک
کبھی ہو طواف حرم مجھ کو حاصل — کبھی دیکھوں میں سبزہ زار مدینہ

بس پھر کیا تھا کریم آقا علیہ السلام نے مسلسل نوازا اور اب یوں عرض گزار ہوں۔

مشرف گرچہ شد سہ بار تابش — ہے حسرت حاضری کی مثل جامی

حضرت مولانا مفتی غلام حسن قادری مدظلہ بھی کشتۂ عشق محبوب کبریا ہیں۔ نہ جانے روحی مسجد کے در و دیوار نے کتنی بار آپ کے درد بھرے نالے سن کر بارگاہِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں سفارش کی ہوگی کہ سرکار امام حسن رضی اللہ عنہ کے غلام کو بھی جمال جہاں آرا کی زیارت سے شادکام کیجئے۔ ہاں ہاں روضۂ مقدسہ کی زیارت بعینہٖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے عبارت ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ بشارت سے اپنی امت کو آگاہ فرمایا: من زار قبری کانّما زارنی فی حیاتِی۔ ''جس (خوش نصیب ایماندار نے) میرے روضۂ اطہر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات مبارکہ میں میری زیارت کی''۔ آخر وہ ساعت سعید آپ کو حرمین شریفین کی روانگی کا مژدۂ جان فزا سنانے کیلئے آپہنچی۔ چنانچہ دسمبر 1989ء اور اکتوبر 2006ء رمضان المبارک میں اس نعمت عظمٰی سے بہرہ مند ہوئے۔ اب پھر قسمت کا ستارہ چمک رہا ہے امید واثق ہے کہ اس بار پھر ماہِ رمضان المبارک 1429ھ میں عمرہ شریف کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی شریف میں اعتکاف کی سعادت بھی حاصل کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

شرفِ بیعت:

طریقت میں بیعت شرط ہے نیز اکابر اسلام کا یہی معمول چلا آ رہا ہے کہ ظاہری علوم و فنون کے ساتھ ساتھ روحانی فیوض و برکات کے حصول کیلئے صحیح العقیدہ صاحب علم و فضل مرشد سے اس سنت مستمرہ کی بھی تکمیل کی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کی بازیابی کیلئے آپ نے قطب الوقت حضرت حافظ سلطان غلام باہو علیہ الرحمۃ سے بیعت کا شرف پا کر منازل سلوک طے فرمائیں۔

تصانیف:

ثقہ عالم دین میں علوم و فنون کی ترویج و اشاعت اور تبلیغ کیلئے تین اوصاف کا پایا جانا از حد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مدرس ہو یا مصنف یا پھر مقرر ہو۔ خوش بخت ہیں وہ علمائے کرام جو ان تینوں اوصاف سے موصوف ہیں اور وہ خال خال ہی ہیں۔

کئی مصنف ومترجم ہوتے ہیں اور بعض مقررین کی صف میں شامل ہیں۔ حضرت مولانا مفتی غلام حسن قادری مدظلہ ان خوش نصیب علمائے کرام میں شامل ہیں جن میں یہ سبھی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ مصنف ومترجم کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس وقت تک آپ کے قلم سے بیس کتابیں مارکیٹ میں اپنی حیثیت منوا چکی ہیں۔ آپ بھی ان کتابوں کے نام بمع مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

1- شرح کلام رضا فی نعت المصطفی المعروف شرح حدائق بخشش:

یہ خوبصورت کتاب امام نعت گویان اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ و الرضوان کے اردو دیوان ''حدائق بخشش'' (1325ھ) کی عشق ومحبت اور درد وسوز سے لبریز جامع شرح ہے۔ اس میں مناقب کے علاوہ تمام نعتوں، قصائد، مناجات، قطعات، رباعیات، مخمسات اور درود وسلام کی نہایت عام فہم شرح ہے۔ مشکل الفاظ کے معانی اور مفہوم بالکل سادہ اور سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ شرح کے ضمن میں قرآن وحدیث اور دیگر شعراء کے کلام سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ دوران شرح سینکڑوں دیگر موضوعات پر بھی مواد جمع کیا گیا ہے۔ جس سے کتاب کے حسن میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ کتاب کے شروع میں علامہ سید مرغوب احمد اختر الحامدی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ''امام نعت گویاں'' شامل کیا گیا ہے۔ جس سے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فن شاعری میں مہارت تامہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس عاجز (تابش قصوری) کے قلم سے لکھے گئے شارح کے حالات بھی کتاب کا حصہ ہیں۔ صفحات 1108 ناشر مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔

2- مقام غوث اعظم اعلی حضرت کی نظر میں:

اسے ''شرح حدائق بخشش'' کی باقیات میں شمار کرنا چاہیئے کہ یہ حدائق بخشش کی وصل اول تا وصل چہارم کی شرح پر مشتمل ہے۔ وصل اول میں نعت نبوی ہے اور بقیہ تین وصلوں میں حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تعریف و

توصیف کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عربی میں لکھی گئی دو حمدوں کی بھی تشریح ہے۔ شرح کا انداز بالکل وہی ہے جو متذکرہ بالا کتاب میں اپنایا گیا تھا۔

اس کتاب میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بچپن سے لے کر وفات تک چیدہ چیدہ واقعات کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز حضور والا کے نونادر عربی قصائد مع اردو اور فارسی میں شعری ترجمہ کے ساتھ شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایصال ثواب اور گیارھویں شریف کے مسئلہ کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ آخر کتاب میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ صفحات 432 ناشر مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

3-شان مصطفیٰ بزبان مصطفیٰ بلفظ ''انا'':

یہ گراں مایہ کتاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان یک صد احادیث مبارکہ پر مشتمل ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان سے بلفظ ''انا'' اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔ ان احادیث کریمہ کی جامع تشریح کی گئی ہے۔ جس کے ضمن میں سینکڑوں ایسی روایات واحادیث سامنے آگئی ہیں جن سے پیارے مدنی مکی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا پر وقار نقشہ سامنے آتا ہے۔ پھر ان واقعات کو خوبصورت اشعار سے مزین کر کے گویا کتاب کو چار چاند لگا دیئے گئے ہیں۔ جو بلاشبہ قارئین کے ذوق مطالعہ کو دوبالا، سہ بالا، بلکہ چہار بالا کر دیتے ہیں۔ کتاب میں جابجا بزرگان دین کے واقعات بغرض اصلاح احوال امت پیش کیے گئے ہیں۔ سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے عقائد حقہ کو بڑے پیارے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جن کا بنظر انصاف مطالعہ قاری کے ذہن کو مطمئن کر دیتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ غافل مسلمانوں کو لمحات فکر کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے۔ اور حالات حاضرہ کے آئینے میں بتقاضائے وقت جذبات مسلم کو بیدار کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سرتاپا حلیۂ مبارکہ کا بڑا ہی عاشقانہ بیان ہے۔ جسے پڑھ کر ہر خاص و

عام جھوم جھوم جاتا ہے۔اور عاشقان مصطفیٰ کے دل ودماغ معطر ومنور ہو جاتے ہیں۔
ابتداء میں پانچ جید علمائے کرام اور دانشور حضرات کی تقاریظ بھی موجود ہیں اور حافظ محمد زبیر مجددی سیالکوٹی کے قلم سے لکھے ہوئے مصنف علام کے حالات زندگی بھی صدر کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔صفحات: 1000 ناشر مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

4- تقریری نکات:

ایک سو اکابر واصاغر علماء وخطباء کے خطبات وتقاریر سے ماخوذ حکمت وبصیرت اور شعور آگہی سے بھرپور علمی، تحقیقی اور اصلاحی نت نئے کام آنے والے سینکڑوں ''تقریری نکات'' جن میں سے ہر نکتہ اپنے اندر بہت سی معلومات افزا باتیں سموئے ہوئے ہے۔توحید ورسالت، عظمت وشان مصطفیٰ، محبت رسول، سیرت سید المرسلین، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عقائد اہل سنت واصلاح احوال امت جیسے موضوعات اس کتاب کا اہم حصہ ہیں۔اس کے علاوہ طنز ومزاح کے حوالے سے ایک بڑا ہی دلچسپ قابل مطالعہ باب ''مناظرانہ چٹکلے اور جہانِ ظرافت'' کا ہے، جس میں لطائف علمیہ کے علاوہ بہت سی حقیقت افروز باتیں ہیں۔یقیناً یہ ایک ایسا باب ہے جسے پڑھ کر ہر خاص وعام بے اختیار محظوظ ہوتا ہے۔(یاد رہے بعض احباب کی خواہش پر یہ باب کتاب کے پہلے ایڈیشن میں شامل کیا گیا تھا لیکن بعض بزرگوں کے حکم پر دوسرے ایڈیشن سے پورا باب نکالنا پڑا۔اس طرح بعض علماء کے نکات میں بھی مناسب ترمیم کی گئی ہے) پند ونصائح سے متعلق عربی ادب کے شاہکار تین خطبات بھی شامل کتاب ہیں۔
آخر میں ان علماء وخطبا اور کتب کی فہرست دی گئی ہے جن سے ''تقریری نکات'' نقل کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں مصنف کے حالات بھی راقم نے لکھے ہیں۔جن سے مصنف کی شخصیت کے علمی وعملی پہلوؤں کا پتہ چلتا ہے۔صفحات 672 ناشر: کرمانوالہ بک شاپ داتا دربار، لاہور۔

5-اٹھارہ تقریریں:

اس کتاب کا مکمل نام ''زبدۃ الحسن مقالات و خطبات حسن المعروف اٹھارہ تقریریں'' ہے۔ کتاب کے شروع میں حافظ محمد زبیر مجددی کے قلم سے لکھے ہوئے مصنف کے حالات ہیں۔ اس کے بعد تقاریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تقاریر کے موضوعات یہ ہیں۔

(1) فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا (2) قلب مؤمن (3) سچوں کی صحبت (4) مضامین سورۂ الحجرات (5) معجزۂ شق القمر (6) سنت کے دنیوی و طبی فوائد (7) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما (8) حقوق والدین (9) حضرت یعقوب علیہ السلام کی علمی شان (10) وسیلے کی برکت (11) محبت و نسبت کا اثر (12) دین اسلام میں مسجد کی اہمیت (13) توبہ و استغفار (14) اسلامی سلام اور اس کا صحیح جواب (15) عید الفطر کی تقریر (16) عیسائیت (حدیث ہرقل) (17) فیضان اولیاء رحمۃ اللہ علیہم (18) شب برأت۔ صفحات 640، ناشر: اکبر بک سیلرز اردو بازار، لاہور۔

6- کواکب سبعہ:

یہ کتاب سات جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں صحابہ کرام کے متعلق قرآنی آیات و احادیث دی گئی ہیں۔ اس کے بعد کتاب کا اصل موضوع شروع ہوتا ہے۔ جن سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اس کتاب میں ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: (1) سید الشہداء حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ (2) مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ (3) شیخ الامت حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (4) حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (5) حضرت سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ (6) حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (7) حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''کواکب'' کا معنی ہے ستارے، لیکن اس سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے''اصحابی کالنجوم''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ صفحات: 432

ناشر: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور۔

7-الدروس العشرہ فی السورۃ الفاتحہ:

یہ کتاب چاندنی مسجد ریگل چوک لاہور میں دیے گئے ماہانہ دس دروس قرآن پر مشتمل ہے۔ پہلا درس تعوذ و استعاذہ کے بارے میں ہے۔ دوسرا درس تسمیہ کا بیان ہے۔ بقیہ سات دروس میں سورۂ فاتحہ کی لاجواب تفسیر ہے۔ کتاب کے آخر میں ماخذ کی فہرست بھی شامل ہے۔ صفحات: 328 ناشر: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور۔

8- قرآن اور حاملین قرآن:

یعنی قرآنی انسائیکلوپیڈیا۔ جس میں کتاب ہدایت کے بارے میں معلومات کا بیش بہا خزانہ اور عظیم ذخیرہ ہے۔ کتاب زندہ قرآن حکیم کے مختلف پہلوؤں پہ تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ آئین انسانیت کے کئی گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لایزال و قدیم مرقع حکمت کے عجائبات، حیرت انگیز واقعات، حقانیت قرآن پہ غیر مسلموں کے اعترافات اور علوم قرآنی جیسے بے شمار علمی موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ نوع انسانی کے پیام آخریں کے حامل کامل و اکمل، سرور کائنات، فخر موجودات، حضور رحمت عالمیاں یعنی صاحب قرآن علیہ السلام کی عظمت پر بھی جا بجا نہایت علمی و تحقیقی مواد اس کتاب کے حسین چہرے کا جھومر ہے جو کہ مؤلف کتاب کا سرمایہ حیات اور حاصل زندگی ہے۔ کتاب کے تین حصے ایک ہی جلد میں مجلد ہیں۔ پہلے حصے میں عظمت قرآن، علوم قرآن، واقعات وعجائبات قرآن، وظائف و اعمال قرآنی اور ادعیہ قرآنیہ کے علاوہ دیگر کئی موضوعات پہ بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں حفاظ قرآن پاک کی عظمت اور ان کے فضائل قرآن وسنت اور علماء امت کی تصریحات سے واضح کیے گئے ہیں۔ تیسرے حصے میں حاملین قرآن یعنی علمائے کرام کا مرتبہ و مقام قرآن و سنت کی روشنی میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ الغرض یہ بے مثال ولاجواب و باکمال کتاب قرآنی معلومات کیلئے ایک عام قاری سے لے کر ایک عالم تک سب

کیلئے بہترین انسائیکلوپیڈیا ہے۔اور بقول اقبال:

حرف اور اریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

9-بوستان سعدی:

حضرت شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی ''بوستان سعدی'' کا انتہائی آسان اور شستہ اردو ترجمہ ہے۔ ہر حکایت کے آخر میں سبق بھی دیا گیا ہے تا کہ قاری کو حکایت کا ماحصل سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ صفحات 232۔ ناشر: مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

10- گلستان سعدی:

حضرت شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''گلستان سعدی'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں بھی مذکورہ کتاب جیسا انداز اپنایا گیا ہے۔ صفحات 236۔ ناشر: مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

11- کربل کی ہے یاد آئی:

واقعہ کربلا پر اب تک لکھی جانے والی تمام کتابوں اور اس موضوع پر علمائے اہل سنت کی تقاریر کا خلاصہ، ماحصل اور نچوڑ (سرورق) اس کتاب کے تین حصے ہیں جن میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تذکرہ، واقعہ کربلا کی روئیداد تاریخی حقائق کے ساتھ، عقائد اہل سنت وغیرہ موضوعات کا بیان ہے۔ حصہ سوم میں ''حدیث قسطنطنیہ'' پر مولانا منیر احمد یوسفی صاحب کا رسالہ خلاصۃً شامل ہے۔ جس میں انہوں نے حدیث مذکور پر محققانہ بحث کی ہے۔ اس کتاب کا اکثر حصہ سید السادات حضرت مولانا پیر سید یعقوب شاہ صاحب رضوی آف پھالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر سے ماخوذ ہے۔ (کیونکہ مصنف زمانہ طالب علمی میں حضرت شاہ صاحب کی تقریروں سے بہت متاثر تھے گویا یہ کتاب

مصنف کی شاہ صاحب قبلہ سے عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے) صفحات: 432۔ ناشر: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور۔

12-یاران مصطفیٰ مع وارثان خلافت راشدہ:

صحابہ کرام، خلفائے راشدین مہدیین کے مفصل حالات واقعات وکرامات پر مشتمل کتاب لاجواب، جس میں صحابہ کرام کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز خلافت راشدہ کا بھی تفصیلاً بیان ہے۔ صفحات 888۔ ناشر: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور۔

13-مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

حضرت سیدنا ومولانا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ پر یہ کتاب مستطاب ہے جس میں آپ کی زندگی پر قرآن وحدیث وتاریخی حقائق کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین بڑے امتحانات، آپ علیہ السلام کے مناظرے، سنگ اسود اور چاہِ زم زم کا مفصل بیان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد کے بارے میں تحقیق انیق کی گئی ہے۔ آخر کتاب میں قربانی اور اس کے مسائل واحکام کا بیان ہے۔ نیز کتاب کے آخر میں ماخذ کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ صفحات 208۔ ناشر: اکبر بک سیلرز اردو بازار، لاہور۔

14-النعمان والرضا:

اس کتاب کا عام فہم نام "دو عظیم رہنما ابوحنیفہ اور رضا" ہے جس میں امام الفقہ و شرف الفقہاء، سراج الامہ وکاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور فقیہ العشق ومجدد الملت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وفقہی مقامات اور عشقی وحُبی مراتب کا واضح بیان آپ کو پڑھنے کیلئے ملے گا۔ یہ کتاب اسلام بک ڈپو گنج بخش روڈ لاہور سے عنقریب چھپ کر باصرہ نواز ہو رہی ہے۔

15-الباقیات الصالحات:

اس کتاب میں مختلف موضوعات پہ پچیس خطابات و مقالات ہیں۔ خطباء و مقررین کیلئے یہ کتاب گراں بہا خزانہ ہے۔ اکبر بک سیلرز زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور سے چھپ کر یہ کتاب عنقریب آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ انشاءاللہ۔

16- فضائل و مسائل صیام و رمضان، 17- فضائل و مسائل حج، 18- فضائل و مسائل نماز:

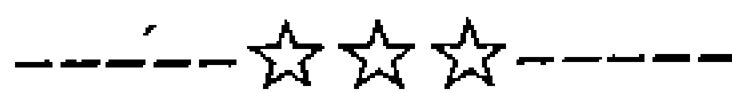
یہ تینوں کتابیں اپنے اپنے موضوعات کے اعتبار سے جامع کتب ہیں۔ ان میں موضوعات سے متعلقہ ہر قسم کے فضائل، مسائل، احکام اور حکایات و واقعات و متعلقات موجود ہیں۔ اہل علم و قلم کیلئے یہ ایک بہترین تحفہ ہیں۔ آخر الذکر تو اپنے موضوع پر بڑی ضخیم کتاب ہے۔ ناشر: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور۔

19-دو تحقیقی مقالے:

مسئلہ توحید و شرک کے حوالے سے دو تحقیقی مقالے جسے پڑھ کر مخالفین اہل سنت کے پھیلائے ہوئے بہت سے بے بنیاد شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ صفحات: 64۔ ناشر اول: قاری محمد اصغر نورانی لاہور، ناشر دوم: انوار باہو لائبریری لاہور، ناشر سوم: اکبر بک سیلرز اردو بازار لاہور۔

20-البرکات:

اس کتاب میں مفتی اعظم پاکستان علامہ سید ابو البرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد و وظائف کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ صفحات: 48۔ ناشر: قاضی پبلی کیشنز، لاہور۔



تقریر نمبرا

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت وفضیلت

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

(اقبال)

اس موضوع کو لکھنے سے پہلے میں کافی دیر سوچتا رہا کہ بطور عنوان کون سی آیت لکھوں اور جب میں نے صرف قرآن مجید کی پہلی منزل (سورۃ مائدہ کے آخر تک) میں غور کیا تو مجھے جہاد کے موضوع پر ایک سوانسٹھ آیات نظر آئیں جن میں جہاد کا موضوع بیان ہوا ہے یعنی سورۂ بقرہ میں پینتیس، ال عمران میں باسٹھ، سورۃ نساء میں بیالیس اور مائدہ میں بیس آیات ایسی ہیں جن میں جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت، فرضیت و فضیلت، بیان ہوئی اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاد پر کس قدر زور دیا گیا ہے اور پورے قرآن میں آیات جہاد کس کثرت کے ساتھ ہوں گی، ایک اندازے کے مطابق پورا ایک تہائی حصہ قرآنی آیات کا جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق اترا جبکہ اتنا ہی انفاق فی سبیل اللہ (تیاری جہاد) پر نازل ہوا اور بقیہ تیسرے حصے میں دیگر عبادات واحکام ومسائل کا ذکر ہے، بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض کتابیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ پوری فہرست میں سینکڑوں موضوعات پہ نظر پڑتی ہے ہر قسم کا موضوع پڑھنے کو مل جاتا ہے اگر نہیں ملتا تو جہاد کا موضوع نہیں ملتا جس پر قرآن نے سب سے زیادہ زور دیا ہے الغرض میں فیصلہ نہ کر پایا کہ عنوان کے طور پر کس آیت کو لکھوں اور کس کو چھوڑوں چنانچہ میں نے کوئی آیت لکھنے کی بجائے علامہ اقبال کا شعر لکھ دیا کہ جس میں اگر غور کیا جائے تو جہاد کی روح کو سمیٹ کر بیان کر دیا گیا ہے، کبھی

اس حقیقت کو اقبال نے یوں بھی بیان کیا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ضرورت جہاد:

جہادِ اسلام کا جزوِ لاینفک ہے اس کے بغیر اسلام کی شان وشوکت کا قائم رہنا محال ہے، قرونِ اولی کے مسلمانوں نے اِس اہم فریضہ کو پس پشت نہ ڈال کر اسلام کی عزت اور وقار کو قائم رکھا۔ پوری دنیا کے کفار مسلمانوں کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھے اور مسلمان پروقار زندگی بسر کرتے تھے۔ اور دینِ اسلام (جو کہ اللہ کا سچا دین ہے) پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ دو چیزیں اس مادی دنیا میں ہر وقت متصادم ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ہوسِ دنیا اور قناعت۔ اگر دونوں کا توازن قائم رکھا جائے۔ تو مسلمان بہترین زندگی گزار سکتا ہے اگر صرف ہوس دنیا کو ہی اپنا لیا جائے تو ایمان کمزور ہوتا جائے گا جو کہ ایک مسلمان کیلئے زہر قاتل ہے۔ ہمارے اسلاف نے پرقناعت زندگی اپنا کر کفار پر دبدبہ رکھا۔ حضرت محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب سومنات پر حملہ کیا اور بڑے بت کو توڑنا چاہا تو ہندو بت پرستوں نے حضرت محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں سونے کے ڈھیر لگا دیے۔ تاکہ سونا لے کر بت کو نہ توڑا جائے انہوں نے کہا: میں بت فروش نہیں بت شکن ہوں۔ لیکن آج ہماری ہوس دنیا نے ہمیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ ہندو بنیا ہماری مسجدیں گرا کر بت کدے بنا رہا ہے۔ اور کشمیر اور بوسینیا میں ہماری ماؤں، بہنوں کی عصمتوں کو تار تار کیا جا رہا ہے۔ اور مسلمان کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے برداشت کر رہا ہے۔ اب دنیا دو حصوں میں بٹ چکی ہے۔ ایک دنیائے اسلام دوسری دنیائے کفر لیکن دنیائے اسلام تو بے اتفاقی کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور دنیائے کفر یک جان ہو کر مسلمانوں کو کچل رہی ہے۔ مسئلہ کشمیر ہی لے لیجئے، ہماری حکومت دو مرتبہ جنرل اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کی کوشش کر چکی ہے مگر اپنے مقصد میں اس لئے ناکام رہی ہے کہ دوسری مسلمان حکومتوں نے ساتھ نہ

دیا جب کہ کفار کے سفارت خانے بڑے مؤثر انداز میں کام کر رہے ہیں مسلمان جب ذرا متحرک ہوتے ہیں تو ان کی اسمبلیاں پہلے ہی حرکت میں آجاتی ہیں اور مسلمان حکمرانوں کی برین واشنگ کر دیتی ہیں، کتنے دکھ کی بات ہے کہ دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کو ہی مارا جا رہا ہے آخر ہمیں کچھ تو اس کا حل سوچنا چاہیے۔

نہ ''سوچو'' گے تو مٹ جاؤ گے اے ''مسلمانو''
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مسئلہ کا حل وہی ہے جو حکم الٰہی ہے:

اور حکم الٰہی یہ ہے ولا تلقوا باید یکم الی التھلکۃ (البقرہ:۱۹۵)

ترجمہ: اور نہ ڈالو اپنے آپ کو ہلاکت میں (جہاد کو چھوڑ کر)

اس آیت سے پہلے جملے و انفقوا فی سبیل اللہ (اور راہ خدا میں خرچ کرو) کے متعلق تفسیر جلالین شریف میں ہے۔

بالا مساك عن النفقة فی الجهاد او ترکه لا یقوی العدو علیکم۔

یعنی اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ جہاد میں خرچ کرنے سے رکنا یا جہاد چھوڑ دینا کیونکہ اس سے تمہارا دشمن تم پہ غالب آجائے گا۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے بھی جہاد ہی مراد ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔ان الاقرب فی هذه الاية وقد تقدم ذكرا لجهاد انه یرادبه الانفاق فی الجهاد۔

زیادہ قریب بات یہی ہے کہ خرچ کرنے سے یہی جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ پہلے سے ہی جہاد کا ذکر چل رہا ہے اور جلالین میں ہے اگر اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا مراد ہو تو پھر بھی جہاد میں خرچ کرنا پہلے نمبر پہ ہوگا۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنے کا معنی بیان کرتے ہوئے صاحب تفسیر قرطبی لکھتے ہیں۔

ان الالقاء بالید الی التھلکة هو ترك الجهاد فی سبیل الله۔

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کو چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ اس آیت کے شان نزول سے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ یہی بات ثابت ہورہی ہے۔اس بارے میں ترمذی کے حوالے سے امام قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے جومندرجہ ذیل ہے وروی الترمذی عن اسلم ابی عمران فقال کنا بمدینۃ الروم فاجر جوا الینا صفا عظیما من الروم فخرج الیھم من المسلمین، مثلھم او اکثر وعلی اھل مصر عقبۃ بن عامر وعلی الجماعۃ فضالۃ بن عبید فحمل رجل من المسلمین علی صف الروم حتی دخل فیھم فصاح الناس وقالو اسبحان اللہ ! یلقی بیدیہ الی التھلکۃ فقام ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ فقال یا ایھا الناس انما تتأولون ھذا الایۃ ھذا التاویل وانما انزلت فینا معاشر الانصار لما اعز اللہ الاسلام و کثر ناصروہ فقال بعضنا لبعض سرادون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموالنا قد ضاعت وان اللہ قد اعز الاسلام و کثر ناصر وہ فلو اقمنا فی اموالنا فاصلحنا ماضاع منھا فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یرد علیہ ماقلنا وانفقوا فی سبیل اللہ ولو تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ فکانت التھلکۃ الاقامۃ علی الاموال واصلاحھا و ترکنا الغزو فما زال ابو ایوب شاخصا فی سبیل اللہ حتی دفن بارض الروم قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن غریب صحیح۔(القرطبی)

یعنی ترمذی کی روایت ہے کہ اسلم ابی عمران رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم روم کے کسی شہر میں تھے کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہمارے مقابلہ کے لیے نکلا مسلمانوں کی طرف سے بھی ویسا ہی یا اس سے بھی بڑا لشکر نکلا اس وقت شہر کے گورنر حضرت عقبہ بن عامر تھے۔ جب کہ لشکر کے امیر حضرت فضالہ بن عبید تھے اسلامی لشکر میں سے ایک شخص نے ررمیوں کے لشکر پر اکیلے حملہ کردیا اور (ان کی صفوں کو الٹتا ہوا) ان کے اندر تک گھس گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر لوگ چیخ پڑے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ اس شخص نے تو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں ڈالا ہے اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے اے لوگو تم اس آیت کا یہ مطلب بناتے ہو؟

حالانکہ یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی (وہ اس طرح کہ) جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور اس کے مددگار خوب زیادہ ہو گئے تو ہم انصار نے حضور اکرم ﷺ سے الگ چھپ کر ایک دوسرے سے کہا ہمارے اموال برباد ہو چکے ہیں اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطاء فرما دی ہے اور اس کے مددگار زیادہ ہو چکے ہیں تو ہم لوگ اپنے اموال (وجائیداد) میں ٹھہر کر اس کی اصلاح کر لیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرما کر ہماری اس بات کی تردید فرما دی پس اس آیت میں ہلاکت کا معنی اپنے اموال میں ٹھہر کر ان کی دیکھ بھال کرنا اور جہاد چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (راوی فرماتے ہیں) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ برابر جہاد میں لگے رہے یہاں تک کہ سرزمین روم میں دفن ہوئے امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین وتصحیح فرمائی ہے۔ (قرطبی)

ے وہ قوم جو کھیلتی تھی ننگی شمشیروں کے ساتھ
آج سینما دیکھتی ہے اپنی ہمشیروں کے ساتھ

جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ:

قرآن مجید نے اس بارے میں کتنی خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولئن قتلتم فی سبیل اللہ اومتم لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون ولئن متم او قتلتم لا الی اللہ تحشرون۔ (۱۵۷-۱۵۸)

اور اگر اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ یا مار دیے جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رحمت ہر اس شئی سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ تم اللہ ہی کے ہاں جمع کیے جاؤ گے۔

گویا فرمایا گیا کہ اگر تم نے جہاد کو ترک کر کے خود کو کچھ عرصہ کے لئے موت سے بچا بھی لیا تو کیا ہوا آخر کار مرنا تو ہے ہی اور مر کر اللہ کی ہی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے تو کیا اس وقت تمہیں شرمندگی نہیں ہوگی جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ میری دی ہوئی

جان تمہیں اتنی پیاری لگی کہ میرے دین پہ قربان کرنے سے دریغ کرتے رہے۔ دنیا کی عارضی لذتوں کی خاطر جہاد سے منہ موڑے رکھا اور جو لذتیں میں نے شہید کے لئے تیار کر رکھی ہیں ان سے محروم ہو گئے اس مقام پر علامہ آلوسی بغدادی نے امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایک خوبصورت شعر اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے:

فان لم تکن الابدا للموت انشئت

فقتل امرء بالسیف واللہ افضل

ترجمہ: جب تم موت ہی کے لئے بنائے گئے ہیں تو قسم بخدا مسلمان بندے کا (میدان جہاد میں) تلوار سے قتل ہونا ہی بہتر اور افضل ہے۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے

جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

کفر کے ظلم کو بزدل بن کر برداشت کرتے رہنا، وہ لڑنا چاہے تو اس کو مذاکرات کی دعوت دیتے رہنا اور سمجھوتہ کرنے کی باتیں کرنا ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے ہمیں تو حکم ہی یہ ہے۔

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل ولا تقاتلو ھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قتلوکم فاقتلوھم کذلک جزاء الکفرین۔ فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الاعلی الظالمین۔ (البقرہ ۱۹۰تا۱۹۳)

اللہ کی راہ میں ان کافروں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی بچوں، بوڑھوں، عورتوں، راہبوں اور کسانوں کو جن کا جنگ سے تعلق نہیں ان کو نہ مارنا، بغیر دعوت دیے اچانک حملہ نہ کرنا، لاشوں کا مثلہ نہ کرنا، بغیر کسی مصلحت کے جانوروں کو نہ مارنا اور درخت نہ

کاٹنا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، حرم میں لڑائی کا آغاز تمہاری طرف سے نہ ہو، جن سے جنگ بندی یا معاہدہ ہے ان سے عہد شکنی نہ کرنا۔ یہ زیادتی ہے جس کو اللہ پسند نہیں کرتا) قرطبی، کبیر، روح المعانی۔

اور جہاں بھی ان (کافروں) کو پاؤ انہیں قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم بھی انہیں نکال باہر کرو اور فتنہ (غلبۂ شرک) قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے وہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ وہاں بھی تم سے لڑنے سے باز نہ آئیں تو انہیں (وہیں) قتل کرو۔ یہی سزا ہے کافروں کی۔

پھر اگر وہ شرک سے یا لڑائی سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد (کفر و شرک) ختم ہو جائے اور دین (خالص) اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی نہیں ہے۔

یہ فتنہ و شر کے پروردہ تخریب کا ساماں لاکھ کریں
ہم بزم سجاتے آئے ہیں ہم بزم سجا کر دم لیں گے

ہاں! اسلام تلوار سے پھیلا ہے مگر......

ہم لوگ احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے بڑی معذرت کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں کردار سے پھیلا ہے یا یوں بھی کہہ دیتے ہیں اسلام لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق کی تلوار سے پھیلا ہے۔ ہم کب تک بزدل بن کر دشمنان اسلام کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے رہیں گے اور فریضۂ جہاد سے پہلو تہی کر کے اپنا نقصان کرتے رہیں گے ہمیں برملا ڈنکے کی چوٹ پہ، علی الاعلان، ببانگ دہل، علی رؤس الاشہاد، گج وج کے کہنا چاہیے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے اور تلوار سے چلانے کا ہمیں ہمارے رب نے حکم دیا ہے، لوہے کی تلوار سے ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے اور اخلاق و کردار کی تلوار سے معاشرے میں روحانی انقلاب آتا ہے لیکن ہائے افسوس آج ہم میں نہ تلوار رہی نہ کردار رہا گویا۔ مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

حالانکہ مسلمان کی شان تو یہ ہونی چاہیے:

؎ جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہاں وہ ڈرتے ہیں
جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

مگر عیسائیت کیسے ''پرامن'' طریقے سے پھیلی:

حال ہی میں پوپ بنی ڈکٹ نے بیان دیا کہ ''اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا ہے'' ہمیں اس الزام کے حوالے سے کوئی معذرت خواہانہ رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے بلکہ ہمیں یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ اسلام کی تلوار صرف مدافعانہ طور پر چلی ہے لیکن ہاں اسلام کی تلوار انسانیت پہ ظلم ڈھانے والی طاقتوں کے خلاف ضرور چلی ہے اگر یہ جرم ہے تو اس پر معذرت یا ندامت نہیں بلکہ ہمیں فخر ہے۔ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خاتمہ کے لیے خود عدالت جانا یا عدالت کا از خود نوٹس لے لینا جب ہر دو طریقے عدل و انصاف کی دنیا میں رائج ہیں اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں، بچہ بیمار ہو تو والدین کو کبھی علم ہو جاتا ہے بچے کے بتانے سے اور وہ ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں اور بعض بیماریاں ایسی خطرناک ہوتی ہیں اور بچہ ان سے لاعلم ہوتا ہے لیکن والدین اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جا کر زبردستی نشتر لگواتے ہیں تاکہ اس کی بیماری کا خاتمہ ہو، یہ بھی تو بچے کے ساتھ خیر خواہی ہے، اسلام کی تلوار ظلم کے خاتمے کے لیے ضرور چلی ہے اور بھرپور چلی ہے لیکن جب ظلم ختم ہو گیا تو اہلِ اسلام نے کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پہ مجبور نہیں کیا، اگر مجبور کرتے تو آج لبنان میں لاکھوں عیسائی موجود نہ ہوتے۔ اہلِ اسلام نے پورے ہندوستان پہ آٹھ سو سال حکومت کی ہے اس کے باوجود آج تک ہندوستان میں مسلم آبادی ایک چوتھائی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ تاریخ کے اوراق میں آج بھی یہ حقیقت محفوظ ہے کہ مشرقی اور وسطی افریقہ، جنوب مشرقی ایشیا اور جزائر شرق الہند (ایسٹ انڈیز) میں کوئی اسلامی فوج نہیں گئی تھی لیکن یہ سارے علاقے اسلام کا گہوارہ ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ خود اسلام کی دعوت میں اتنی کشش اور معقولیت ہے کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ خود جزیرہ نما عرب نے

پرامن طور پر اسلام قبول کیا تھا۔قبائل عرب کے وفود نے جوق در جوق مدینہ آ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کیا تھا۔اس سے پہلے مشرکین عرب اور مشرکینِ مکہ بار بار مدینہ پر حملہ آور ہوتے تھے۔پھر صلح حدیبیہ کے بعد 8 ھ میں نبی کریم ﷺ نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکہ فتح کیا تھا۔انہی دنوں سفیر نبوت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو ملک شام میں عیسائی حکمران شرجیل نے شہید کر دیا اور قیصر روم نے مدینہ پر حملہ کیلئے ایک لاکھ کا لشکر تیار کیا تو مسلمانوں اور رومی عیسائیوں میں جنگوں کا آغاز ہوا جن کے نتیجے میں شام، مصر اور طرابلس وغیرہ فتح ہوئے اور یہاں کے مسیحی و دیگر باشندے برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جبکہ فلسطین پرامن معاہدے کے تحت خون کا کوئی قطرہ بہائے بغیر اسلام کے پرچم تلے آیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بیت المقدس کے مسیحی بطریق نے دستخط کیے تھے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں لڑی جانے والی تمام جنگوں میں صرف ۳۳۴ افراد کی جانیں گئیں جن میں ۱۱۷ مسلمان اور ۲۱۷ کفار تھے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے انسانی تاریخ میں پہلی بار جنگ کا پورا اخلاقی ضابطہ عطا کیا۔کسی غیر مسلح، غیر مقابل سے اور عورتوں، بوڑھوں اور بچوں سے نہ لڑنے کا حکم دیا گیا اور درختوں کو بھی سوائے اشد ترین ضرورت کے نہ کاٹنے کی ہدایت کی گئی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ماضی کی تمام باتیں غلط یا صحیح ہوسکتی ہیں، ان کے بارے میں شکوک کا اظہار بھی کیا جا سکتا ہے لیکن آج عہد حاضر میں جبکہ مسلمان مکمل طور پر مغلوب ہیں، ہر طرف کفار کی فوجیں مسلمانوں پر حملہ آور ہیں اور دنیا بھر میں ان کا قتل عام کیا جا رہا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان حالات میں بھی یورپ و امریکہ میں اسلام پہلے سے زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے اور امریکہ و یورپ سمیت اکثر یورپی ممالک کا دوسرا بڑا مذہب اسلام بن چکا ہے۔آج آخر کون سی تلوار چل رہی ہے...... اگر تلوار چل رہی ہے تو صرف کفار کی چل رہی ہے لیکن مسلمانوں کو اس قدر خوفزدہ اور دہشت زدہ کرنے کے باوجود لوگ پھر بھی اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں سکون محسوس کرتے

ہیں۔ کیا جناب پوپ آج روز روشن کی طرح اس نا قابلِ تردید حقیقت پر بھی غور کرنے کی ہمت فرمائیں گے؟

ایک طرف اسلام کے پرامن طور پر پھیلنے کے درج بالا حقائق ہیں اور دوسری طرف ہم خود عیسائیت کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کیسے ''پرامن'' طریقے سے دنیا میں پھیلائی گئی......اور غیر عیسائیوں کے ساتھ کیسا ''حسنِ سلوک'' روا رکھا گیا۔

❁ عیسائی مصنف موسیو لیبان سے سنئے۔ وہ لکھتا ہے:

''جب صلیبیوں کی پہلی مہم بلغاریہ سے گزری تو اس نے تمام دیہات و قصبات میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا یہاں تک کہ جو بھی انسان نظر آتا، اسے مار ڈالتے (اپنے ہم مذہبوں کو بھی نہ چھوڑا) ان کا ایک شغل یہ بھی تھا کہ جو بچہ ہاتھ آتا، اس کی تکہ بوٹی کر کے آگ میں پھینک دیتے۔ یہ مرد و زن، طفل و پیر، یہودی، عیسائی اور مسلم سب کو مارتے اور لوٹتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے...... یہ جہاں جہاں سے گزرتے بستیاں قبرستان بن جاتیں''۔

❁ ''جب یہ صلیبی سورما اپنے دوسرے حملے میں معرة النعمان پہنچے تو اہلِ مصر سے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے عہد کے باوجود ایک لاکھ کے قریب لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بیت المقدس کے محاصرے میں سپہ سالار ٹنکرڈ نے لوگوں سے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا لیکن پھر مسجد مقدس بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور مردوں کے خون سے بھر گئی۔ سب کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ خود عیسائی مؤرخین اقرار کرتے ہیں کہ فوجیوں کے گھٹنوں تک خون جا پہنچا۔ صرف مسجد اقصیٰ کے اندر ستر ہزار نفوس کو ذبح کیا گیا۔ حالانکہ مسلمانوں نے حضرت عمر اور صلاح الدین ایوبی کے دور میں دو مرتبہ بیت المقدس فتح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک قطرۂ خون بہائے بغیر بیت المقدس فتح کیا گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں جب بیت المقدس فتح کیا تو کسی عیسائی کو تکلیف نہ دی۔ صرف صاحبِ استطاعت لوگوں پر ہلکا سا جزیہ لگانے کے بعد سب کو آزادی دے دی۔ مشیروں کے مشورے کے باوجود عیسائی پیٹر آف یارک کی دولت بھی ضبط نہ کی اور معاہدے کے مطابق سلوک کیا حتی کہ اپنے حریف صلیبی جنرل رچرڈ کا علاج اپنے طبیب خاص کے ذریعے کروایا"۔

- جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دوم پوپ کے حکم کی وجہ سے صلیبی جنگ میں شامل ہوا۔ دل سے اسلامی تہذیب کا گرویدہ تھا...... اس نے مسلمان بادشاہ محمد الکامل سے ایک ملاقات میں کہا۔ "سلطان کتنا خوش قسمت ہے کہ اس کا کوئی پوپ نہیں"۔
- عیسائیوں کا ایک فرقہ بھی جب دوسرے عیسائیوں پر غالب آتا تو وہ اپنے مخالف فرقہ کو ملیامیٹ کر دیتا۔ جبکہ عثمانی ترکوں کے حسن سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ جب انہوں نے بلغاریہ، یونان اور موجودہ یوگوسلاویہ وغیرہ کے یورپی علاقے فتح کیے تو ہنگری اور ٹرانسلفانیہ کے مسیحوں نے اختیار کے باوجود اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے زیرنگیں رہنے کی بجائے ترکوں کے زیراقتدار ہی رہنا گوارا کیا...... اس طرح سیلزیا کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ وہ مسلمانوں کے تابع رہ کر مذہبی آزادی حاصل کریں۔
- فرانس کی 9 جنگوں میں 4 لاکھ کے قریب لوگ قتل ہوئے۔ کریمیا کی جنگ میں روس اور اس کے اتحادیوں کے 4 لاکھ 80 ہزار افراد مارے گئے جبکہ پہلی جنگ عظیم میں ایک کروڑ اور دوسری جنگ عظیم میں 231 لاکھ افراد اپنی جان ہار بیٹھے اور اب امریکہ بہادر، عراق و افغانستان میں لاکھوں افراد کو وحشیانہ موت کا شکار کر چکا ہے۔
- یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عیسائیوں نے اپنے ابتدائی بارہ سو برس میں

تقریباً دوسو کتابیں لکھیں جبکہ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ساٹھ لاکھ سے زائد کتابیں جلا دیں۔ دوسری طرف مسلمان ابتدائی پانچ سو برس میں ہی لاکھوں کتابوں کے مصنف تھے، دینی، علمی، سائنسی غرض ہر موضوع پر کتابیں لکھی گئیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائی ہمیشہ ظلم و جہالت اور تاریکی کے خوگر رہے ہیں یا مسلمان......؟ (ماخوذ)

عیسائیوں نے مسلمانوں پر کیسا کیسا تشدد کیا؟

- جوڈس چیئر ایک مخروطی شکل کی سیٹ تھی۔ "ملزم" کے عضو مخصوصہ کو اس سیٹ کی نوک میں سے گزار کر بٹھایا جاتا اور رسوں کے ذریعے اسے آہستہ آہستہ نیچے کھینچا جاتا جس کے نتیجے میں پورا جسم ادھڑ جاتا۔
- ایڈوائس (سر کا شکنجا)۔

ملزم کے سر کو شکنجے میں رکھا جاتا اور پھر اسے اتنا کسا جاتا کہ ملزم کے دانت اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جاتیں اور آنکھوں کے پپوٹے باہر نکل آتے۔

- پیر (The Pear)۔

ایک خاص قسم کی بڑی مشین انسانی جسم کے منہ یا شرم گاہ میں داخل کی جاتی۔ دوسری طرف ایک لیور کے ذریعے اس کو آہستہ آہستہ پھیلایا جاتا۔ نتیجتاً اس کی نوکیں جسم کے کناروں سے باہر نکل آتیں۔

- پہیہ (The Wheel)۔

عیسائیت سے منحرفین کو ایک بڑے پہیے کے ساتھ اس طرح کسا جاتا کہ ان کی ہڈیاں باہر نکل آتیں۔ پھر نیچے لکڑیوں کو آگ لگا کر جسم کو اس پر وقفے وقفے سے گھما کر بھونا جاتا......اس طرح لوگوں کیلئے ایک تماشے کا سماں بھی پیدا کیا جاتا۔

- آرا کشی (Sawing)۔

منحرفین کو چھت سے الٹا لٹکایا جاتا اور ایک آرا کے ذریعے ان کا پیٹ کاٹا جاتا۔

- آنتیں نکالنا (Disembowelment)۔

اس میں آنتوں کی جگہ پر ایک سوراخ کیا جاتا اور پھر آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے اس طرح آنتیں باہر نکالی جاتیں کہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ زندہ رکھا جائے۔

❁ لکڑی پر بھوننا The stake۔

لکڑی پر بھوننے کے عمل میں جو شدت ہوتی وہ منحرف کے رویے اور اس پر الزام کی سطح کے مطابق ہوتی۔ مثلاً ایک مکمل نادم منحرف کو حبس دم کے ساتھ یا گلا گھونٹ کر مارا جاتا اور پھر اسے جلایا جاتا جبکہ مکمل طور پر غیر نادم منحرف کو وقفے وقفے سے سبز لکڑی یا گرم کوئلوں کی آگ پر گھنٹوں جلایا جاتا۔ تفتیش و احتساب (Inquisition) کا یہ وحشیانہ عمل نہ صرف مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف کیا جاتا بلکہ ان عیسائیوں کے خلاف بھی کیا جاتا جو پروٹیسٹینٹ فرقہ کو اختیار کرتے تھے۔ حتی کہ ان میں بعض اوقات رومن کیتھولک کے افراد بھی شامل ہو جاتے مثلاً جون آف آرک، سیونا رولا (Savanarola)، گیاوَڈانو برینو (Giordano Bruno) اور مشہور سائنسدان گلیلو وغیرہ۔

ان ملزمین کو اپنے اوپر الزام لگانے والے کا بھی عموماً علم نہ ہوتا۔ ان کے پاس نہ کوئی وکیل ہوتا، نہ کوئی ان کی مدد کا یارا رکھتا تھا۔ 28 اگست 1558ء کو 82 سالہ بوڑھے سکاٹ پادری کو اصلاح کے علمبردار فرقے کو اختیار کرنے پر زندہ جلا دیا گیا۔ اگرچہ جلانے کا آخری عمل 1834ء میں ہوا اور اس کے بعد نپولین کے سپین داخلے کے بعد سپینش انکوزیشن کا عمل ختم ہو گیا۔ تاہم رسمی طور پر انکوزیشن کا کام اب بھی زندہ ہے۔

الغرض پوپ کی پیروی نہ کرنے پر اڑسٹھ ملین افراد کو خاص مشینوں کے ذریعے موت کی وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ یہ تمام حقائق تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہیں۔

اب ان سارے حقائق کے باوجود بھی کوئی کہے کہ اسلام تو تلوار کے ذریعے پھیلا اور خود اپنے گریبان میں جھانکنا گوارا نہ کرے، جبکہ خود عیسائی ماضی ہی نہیں بلکہ اب حال میں بھی پوری دنیا میں مسلمانوں پر وحشیانہ تشدد کر رہے ہیں، گوانٹا ناموبے، ابوغریب اور بگرام کے جیل خانے چیخ چیخ کر گواہی دے رہے ہیں لیکن دہشت گرد پھر

بھی اسلام، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو قرار دیا جاتا ہے تو اسے ہٹ دھرمی اور تجاہل عارفانہ کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ (ماخوذ)

نبی اکرم علیہ السلام کا کردار:

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا فقاتل فی سبیل اللہ۔ (النساء ۸۴) جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جہاد کے لیے ضرور جاؤں گا اگر چہ ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر صرف آپ کو ہی حکم دیا فقاتل جو واحد حاضر امر کا صیغہ ہے) چنانچہ ستر ہمرائیوں کے ساتھ حضور علیہ السلام بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیاں کے ساتھ غزوۂ احد کے بعد ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر ایسا رعب طاری کیا کہ کوئی کافر بھی مقابلے میں نہ آسکا۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

دلت الاية على أنه صلى الله عليه وسلم كان اشجع الخلق و اعرفهم بكيفية القتال لانه تعالىٰ ما كان يأمره بذالك الا وهو صلى الله عليه وسلم موصوف بهذه الصفات، ولقد اقتدى به ابو بكر رضی اللہ عنہ حيث حاول الخروج وحده الى قتال مانعي الزكوة ومن علم ان الامر كله بيدالله وانه لم يحصل امر من الامور الابقضاء الله سهل ذلك عليه۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ امی و دقیقہ دانِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ جنگی مہارت رکھنے والے تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفات نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ (اکیلے نکل کر لڑنے کا) حکم نہ دیتا پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروری کی کہ مانعین زکوۃ کے خلاف اکیلے نکل کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ بے شک جس کا یقین ہو کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا تو اس کے لئے ایسا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

اس آیت کے آخری جملے کو بھی ساتھ ملائیں و حرض المؤمنین۔ اور اہل

ایمان کو جہاد کے لئے آمادہ کرو۔ تو حضور ﷺ کی دو ذمہ داریاں سامنے آتی ہیں جن کی طرف امام رازی ہی کے الفاظ میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی دو ذمہ داریاں:

والمعنى ان الواجب على الرسول عليه الصلوة والسلام انما هو الجهاد و تحريض الناس فى الجهاد فان أتى بهذين الامرين فقد خرج عن عهدة التكليف و ليس عليه من كون غيره تاركا للجهاد شئتى۔

ترجمہ: حضور ﷺ کے ذمہ تھا کہ آپ خود جہاد کے لیے نکلیں اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔ پس جب آپ نے یہ دو کام کر لئے تو آپ کی ذمہ داری مکمل ہو گئی، اب کسی کے جہاد چھوڑنے کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (التفسیر الکبیر)

چنانچہ آپ ﷺ نے دونوں کام خوب خوب فرمائے اور آخر تک ان دونوں کاموں کو کرتے رہے یہاں تک کہ وفات مبارک کے وقت بھی اسلامی لشکر روانہ تھا۔ پس آپ ﷺ کے ورثاء علماء کرام اور اس امت کے نوجوان کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان دونوں کاموں کو خود زندہ رکھیں اور ان میں خوب محنت کریں۔

؎ وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

(اقبال)

ہماری ذمہ داری:

؎ جنہیں آتا ہے مرنا اپنی عزت اور اصولوں پر
وہ اپنی برتری دنیا سے منوایا ہی کرتے ہیں

حضور ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ پاک تشریف لا کر ایسی تیاری کی کہ صرف آٹھ سال کے عرصے میں بیسیوں جنگیں لڑ کر واپس اسی مکہ میں تشریف لائے جہاں سے آپ کو نکالا گیا تھا اور وہاں کے غریب اور مظلوم مسلمان یہ دعا کر رہے تھے۔

ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا و

اجعل لنا من لدنك نصیرا۔ (النساء ۷۸)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمائتی اور مددگار بنادے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مظلوموں کے مددگار بن کر بارہ ہزار جانبازوں کا لشکر جرار لے کر مکہ شریف تشریف لے گئے بتوں سے بیت اللہ کو پاک کیا اور مشرکوں کے سینوں کو شرک سے پاک کیا اور مظلوموں کی داد درس فرما کر مکہ میں اسلام کا جھنڈا لہرادیا، جب کہ ہم نے بھی آج سے ٹھیک ساٹھ سال پہلے حضور علیہ السلام کی اس سنت پر عمل کرنے کے لیے پاکستان کی بنیاد رکھی تھی کہ واپس پلٹ کر ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو کے ظلم سے نجات دلائیں گے۔ ہندوستان کے جن مسلمانوں نے ہمیں ہندو کی غلامی سے نجات دلائی وہ مسلمان ساٹھ سال سے ہندو کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور آٹھ سالوں کی بجائے ساٹھ سال ہو گئے ہیں

لیکن آج تک ہم اپنے آقا علیہ السلام کی سنت پر عمل کر کے اپنے مظلوم بھائیوں کی داد رسی تو کیا کرتے ہم نے آدھا پاکستان بھی گنوا دیا ہے اور باقی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور جس لا الہ الا اللہ کے نعرے پہ پاکستان حاصل کیا تھا اس میں اللہ کا قانون بھی نافذ نہیں کر سکے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

یاد رکھو! یہودیوں نے بیت المقدس کی طرف جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا ان فیھا قوما جبارین کہ وہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں اس لیے کہ ہم وہاں نہیں جا سکتے اے موسیٰ تو جا اور تیرا رب جا کر اس قوم سے لڑو۔ اس جرم کی سزا ان کو چالیس سال میدان تیہ میں دھکے کھا کر برداشت کرنا پڑی اور ضربت علیھم الذلۃ و المسکنۃ ان پر ذلت و رسوائی مسلط کر دی گئی۔ ہم بھی ساٹھ سالوں سے کہیں اس طرح کی سزا تو نہیں پا رہے پھر اگر یہودی چالیس سال کے بعد بھی اپنی اصلاح کر لیں تو موسیٰ علیہ السلام

کی رحمت ان کی دستگیری فرماتی ہے یقیناً ہم بھی ساٹھ سال کے بعد اگر اپنی اصلاح کر لیں تو گنبد خضری کے مکین کی رحمت ضرور ہماری دستگیری فرمائے گی ذرا ان کی رحمت پہ بھروسہ کر کے ایک بار میدان کارزار میں کودو پھر دیکھنا کہ تمہیں کس طرح دنیا کی حقیقی سرداری نصیب ہوتی ہے۔

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

ہماری حالت:

جب کہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے سپاہی عیش پرست ہونے کی وجہ سے لڑائی نہیں کر سکتے اور دشمن کا بچہ کندھے پر بندوق رکھے ہوئے ہیں بھینس چوری ہو جائے تو بندوقیں نکل آتی ہیں اور کتنی کتنی ''شہادتیں'' ہو جاتی ہیں اور دنیا پر مشکل وقت آتا ہے تو ہم کہتے ہیں ہمیں کیا یہ تو مولویوں اور جہادیوں کا کام ہے۔ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اگر آج کشمیر، افغانستان عراق فلسطین کے مسلمان شہید ہو رہے ہیں تو کل تمہاری باری بھی آسکتی ہے جو ان کو مار رہے ہیں وہ تمہارے رشتہ دار نہیں ہیں لہٰذا اپنی سوچ میں بلندی پیدا کرو، ہر مسئلہ کو ذاتی سطح سے بلند ہو کر دینی، ملی اور قومی سطح پہ سوچا کرو کیونکہ ہمارا دین آفاقی دین ہے، ہمارا دین کہتا ہے ایک مسلمان کی جان بچانا ایسے ہے فکانما احیا الناس جمیعا ۔ گویا سارے جہان کے انسانوں کو مار دیا گیا ہو کیونکہ اس طرح سارے جہان کے مسلمان غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ لہٰذا اے اہل اسلام! دنیا کے کسی خطے میں کسی مسلمان پہ ظلم ہو تو یوں سمجھو کہ یہ ہم پہ ظلم ہو رہا ہے اور اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاؤ یہی اخوت اسلامی ہے اور یہی انداز مسلمانی ہے اور یہی حکم ربانی ہے۔

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو ضرب و حرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے؟

جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا؟
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے؟
(ضرب کلیم)

اخوت کس کو کہتے ہیں؟:

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل ہیں
تو ہندوستان کا ہر پیرو جواں بے تاب ہو جائے

کبھی لبنان و بیروت کی زمین پر یہودی ظلم کا بازار گرم کرتا ہے تو کبھی افغانستان وعراق کی پاک سرزمین پہ عیسائی اہل اسلام کے خون کی بے حرمتی کرتا ہے کبھی کشمیر میں ہندوستان مسلم کے خون سے ہولی کھیلتا ہے تو کبھی، فلسطین میں اسرائیل مسلمانوں کو جینے کا حق نہیں دیتا۔ کفر کی چالاکیاں دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا، دولت اسلامیہ عثمانیہ میں جب پوری دنیا کے مسلمان متحد تھے تو کفر کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے چنانچہ عرب کے لوگوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف کیا تاریخ بتاتی ہے کہ عرب کی سرزمین پر سعودیوں اور نجدیوں کے ساتھ مل کر سکھوں اور عیسائیوں نے ترکوں کے خلاف جنگ کی اور یہ ان کی لاشوں سے معلوم ہوا، صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے کیا گیا، وہ لوگ جانیں دے کر بھی اہل اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں اور ہم اپنے خدا و مصطفیٰ کو راضی کرنے کے لئے ان کے دشمنوں کی جانیں لے بھی نہیں سکتے؟ معلوم ہوا کہ وہ سپر طاقتیں ہو کر بھی مسلمانوں کے اتحاد سے خوفزدہ ہیں جس کو پارہ پارہ کرنے کے لئے وہ جانیں ضائع کر رہے ہیں۔

سوڈان میں نظام اسلام کے نفاذ کی بات ہوتی ہے تو امریکہ اس کی مالی امداد بند کر دیتا ہے کہ تم اسلام کے مفاد کی بات کیوں کرتے ہو خالی نام لیتے رہو (جس طرح پاکستان کے حکمران لیتے ہیں) تو قرضہ بھی ملے گا اور امداد بھی ملے گی۔ مگر ہمیں تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے محبوب کے ساتھیوں کی شان یہ ہے۔ اشداء علی الکفار، وہ خطروں میں کود جانے والے ہوتے ہیں، کافروں سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے ان پر

سختی کے قائل ہیں اور ظلم وستم کے پہاڑوں سے ٹکرا کر مجاہدانہ زندگی گزارنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پیش نظر میرا حکم ہے کہ میں نے یہود کو کہا تھا کہ اگر تم مجاہدانہ زندگی گزارنے سے گھبرا گئے ہو تو جاؤ چالیس سال میدان تیہ میں ذلیل ہوتے رہو۔ اور اگر موت سے اتنا ہی ڈرتے ہو تو میں حکم دیتا ہوں تم ابھی مر جاؤ چنانچہ وہ مر گئے ثم احیاھم، پھر اللہ نے ان کو زندہ کر کے بتا دیا کہ موت وحیات میرے قبضے میں ہے جب چاہوں مار دوں جب چاہوں زندہ کر دوں، تم میرے نام پر مرو گے تو مرنے میں تمہیں وہ سرور آئے گا جو ہزاروں زندگیوں میں نہیں آ سکتا۔

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

جو قوم مصائب کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہ آزادی کی زندگی نہیں گزار سکتی اور جو قوم بے مقصد زندگی گزارنے کی عادی ہو جائے وہ خدا کی رضا کو نہیں پا سکتی

قبضے میں یہ تلوار بھی آ جائے تو مومن
یا خالد جانباز ہے یا حیدر کرار

اپنی چاہت خدا و مصطفیٰ کی رضا پہ قربان کر دو:

قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرمایا گیا:

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکمج وعسی ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکمج وعسی ان تحبوا شیئا و ھو شر لکم ط واللہ یعلم وانتم لاتعلمون ع

ترجمہ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے مضر ہو اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

علامہ اقبال نے اپنی نظم ''جہاد'' میں مسلمان کا موت سے گھبرانا اور جہاد سے کنی کترانا اس طرح بیان کیا ہے۔

تیغ و تفنگ دست مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل میں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زدہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
فتوی ہے "شیخ" کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
تعلیم اس کو چاہے ترک جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ترجمہ ملاحظہ ہو۔
آیت کا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات کوئی چیز تمہیں "حال" میں بھاری اور شاق معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ "مستقبل" میں بہت عالیشان فوائد کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر کڑوی دوا پینا ایک اچھا کام ہے کیونکہ مستقبل میں اس سے صحت ملنے کی توقع ہوتی ہے، تجارتی سفر کے خطرات کو برداشت کرنا اچھا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے مستقبل میں دنیا و آخرت کی عظیم سعادتیں نصیب ہوتی ہیں، اس آیت میں بالکل یہی منظر ہے اور وہ اس طرح کہ جہاد کے چھوڑنے میں فی الحال یہ فائدہ نظر آتا ہے کہ جان خطرے میں نہیں پڑتی اور مال خرچ ہونے سے بچ جاتا ہے مگر آگے چل کر اس میں بہت سے نقصانات ہیں مثلاً دشمن کو جب چلے گا کہ تم لوگ عیش و سکون کی رغبت میں پڑ گئے تو وہ تمہارے شہروں پر حملے کرے گا اور تمہیں ختم کرنے کی کوشش کرے گا پھر یا تو تم پر غالب آ کر تمہارا خون بہائے گا اور تمہارے اموال چھین لے گا۔ یا تم مجبوراً بغیر تیاری اور سامان کے اس کا مقابلہ کرو گے۔ یہ ایسا ہی ہوگا جس طرح کوئی شخص مرض کی ابتداء میں صرف کڑوی دوا سے بچنے کے لئے اس کا علاج نہ کرے اور پھر وہ مرض اتنا بڑھ جائے کہ اسے کڑوی دوا پینے سے کئی گناہ زیادہ (اپریشن کی) تکلیف اٹھانی پڑتی ہے الغرض قتال فی سبیل اللہ امن پانے کا ذریعہ ہے اور یہ وقتی

سلامتی کے مزے لوٹنے سے بہت بہتر ہے۔ (تفسیر کبیر)

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست
فقیہہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے میں شریعت کے جنگِ دست بدست

(ضربِ کلیم)

فوائد جہاد:

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے تحت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کے چند دینی و دنیوی فوائد تحریر فرمائے ہیں۔ جو یہ ہیں:

1- مال غنیمت کا حاصل ہونا۔
2- دشمن پہ غلبہ کی خوشی نصیب ہونا۔
3- تعمیل حکم خداوندی کی وجہ سے بڑا اجر وثواب ملنا۔
4- تمہارا دشمن تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ تو پہلے ہی مرنے مارنے پر تیار ہیں نتیجتاً تم مرتد ہونے سے محفوظ ہو جاؤ گے۔
5- جب تم دین کی خاطر (لاعلاء کلمة الله) لڑو گے تو دشمن کے دل میں دین اسلام کی عظمت بیٹھ جائے گی کہ کتنا بلند دین ہے جس کی خاطر مسلمان جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے چنانچہ اس کا دل دین کی طرف مائل ہوگا اور اس کے مسلمان ہونے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے اور ثواب سارا مجاہدین کو نصیب ہوگا کیونکہ وہی اس کے مسلماں ہونے کا سبب بنے ہیں۔
6- جہاد مجاہدین کے اخلاص کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ جان اس وقت تک قربان نہیں کی جاتی جب تک کہ اللہ کے فضل و رحمت پہ یقین نہ ہو، حساب و کتاب اور اجر و ثواب پر ایمان نہ ہو، دنیا کی فنائیت اور آخرت کی بقا پر یقین نہ ہو۔
7- اس پاکیزہ عمل سے رضائے خدا اور خوشنودی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتی ہے۔

دارین کی سعادت اور یقین کا اعلیٰ درجہ حاصل ہونا ہے۔تو معلوم ہوا کہ اگر چہ جہاد بعض طبیعتوں پہ بھاری سہی لیکن اس میں خیر کثیر اور امت مسلمہ کی بھلائی ہے بشرطیکہ خلوص نیت کے ساتھ ہو اور اس میں کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے کہ جس سے اس بابرکت عمل میں خلل پیدا ہو۔ (ملخصاً) امام حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے علامہ اقبال نے اس حقیت کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

گرچہ ہر مرگ است برمومن شکر
مرگ پور مرتضی چیزے دگر
جنگ شاہانِ جہاں غارت گری است
جنگ مومن سنت پیغمبری است
جنگ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترک عالم اختیار کوئے دوست
کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کہ بخون خود خریدایں نکتہ را

(جاوید نامہ)

❁ اگر چہ مومن کے لئے ہر موت ہی نعمت ہے لیکن علی المرتضیٰ کے لخت جگر (امام حسین) کی موت تو عجیب ہی شان رکھتی ہے۔

❁ بادشاہوں کی جنگ لوٹ مار ہوتی ہے جب کہ مومن کی جنگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوتی ہے۔

❁ مومن کی جنگ کیا ہے اپنے یار (معبود حقیقی) کی طرف سفر کرنا یعنی دنیا کو ترک کر کے یار کے کوچے (عالم بقا) کو اختیار کرنا۔

❁ یہ نکتہ سوائے شہید کے کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ اپنا خون دے کر یہ نکتہ خریدتا ہے۔

اِن شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

جنت میں جانا کیا اتنا ہی آسان ہے؟

آج کل جنت کو اس قدر سستے داموں بیچا جا رہا ہے کہ شاید اس سے سستی کوئی چیز ہی نہیں ہے کوئی کہتا ہے مدینہ کی گلی پہ ہزاروں جنتیں قربان، کوئی کہتا ہے ہمیں جنت نہیں چاہیے مدینہ چاہیے، یہ بھی سنا گیا ہے کہ

اے جنت طواف کر میرا
میرے دل میں حضور رہتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

استغفر اللہ! کل ہی کی بات ہے ایک پڑھا لکھا مقرر جوش خطابت میں کہہ رہا تھا کہ ارے تم ایک جنت کی بات کرتے ہو لاکھوں جنتیں ہوں تو حضور کی گلی کے...... پہ قربان کردوں۔ (معاذ اللہ)

کیا یہی وہ جنت نہیں جو حضور علیہ السلام اپنے رب سے دعائیں کر کر کے طلب کرتے رہے اور جس جنت کی رغبت قرآن وسنت میں دلائی گئی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلو الجنة و لما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله الا ان نصر الله قریب۔ (البقرہ:۲۱۴)

ترجمہ: کیا تمہارا گمان ہے کہ (یونہی ہی آسانی کے ساتھ) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ (حالات) پیش نہیں آئے۔ جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے۔ انہیں سختی اور تکلیف نے آلیا اور ہلا کر رکھ دیے گئے یہاں تک کہ رسول اور ایمان والے پکار اٹھے اے اللہ تیری مدد کب آئے گی، سنو! اللہ کی مدد بے شک قریب ہی ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے یہ آیت غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو پہنچنے والی تکلیف، مشقت، خوف، سردی معاشی پریشانی اور طرح طرح کی اذیتوں کے پہنچنے پر نازل ہوئی کہ جب کلیجے منہ کو آرہے تھے قرآن پاک فرماتا ہے اذا زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر۔ اور جب نگاہیں ٹھٹک کر رہ گئیں اور دل حلق (گلوں) کے پاس

آ گئے۔اور ہر طرف سے کافر حملہ آور ہو گئے۔اہل نفاق بہانے بنا کر واپس ہو گئے اور یہ منظر دیکھ کر ان پر موت کے دورے پڑنے لگے اس حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کے غلاموں کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور ان کو اپنی رضا و جنت عطا کرنے کا وعدہ دیا۔

اقبال کہتے ہیں:

؎ چومی گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لا الہ را

جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں کیونکہ میں لا الہ کے نتیجہ میں پیش آنے والی مشکلات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کی رحمت و شفاعت پہ یقین رکھنے والا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن ان میں سے کبھی کسی نے نہیں کہا کہ پرواہ نہیں چھلانگیں مارتے جنت میں چلے جائیں گے قبر کے عذاب سے لوگ ڈراتے ہیں وہاں تو حضور علیہ السلام کی جلوہ گری ہوگی اور حضور علیہ السلام فرمائیں گے: ؎ ایہنوں چھڈ دیوایہہ تے میرا اے

بلکہ جس عمر بن خطاب کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں وہ بھی کہہ رہے ہیں۔

ان کل عمل عملنا بعدہ نجو نامنه کفا فارا سابراس۔ (بخاری، مشکوۃ، صفحہ ۴۵۸)

جو اعمال صالحہ ہم نے حضور علیہ السلام کے بعد کیے ہیں اگر ان کی جزا ہمیں نہ بھی ملے اور بعد والی کمی کوتاہی کے بدلے حساب برابر ہو جائے تو انا والذی نفس عمر بیدہ لوددت خدا کی قسم میری یہی خواہش ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ایحسب الانسان ان یترك سدی (القیمہ ۳۶)

کیا انسان اس گھمنڈ میں ہے کہ اسے یونہی آزاد چھوڑ دیا جائے گا (اور اس پر اوامر و نواہی کی جو ذمہ داری عائد کی تھی اس کے بارے میں سوال۔کیے بغیر اس کو جنت جانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس کو حساب و کتاب اور موت و قبر کی سختیاں نہ برداشت کرنا پڑیں گی)۔

؎ نہ کتابوں میں نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
(اکبرالہ آبادی)

حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں ہوئے ہیں، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوکر آپ کے نسب کی فضیلت بیان کرتے ہیں مگر امام فرماتے ہیں اے داؤد! نجات کا دارومدار نسب پر نہیں اعمال پر ہے اور میں تو اس سوچ میں ہوں کہ بروز حشر کونسا منہ لے کر اپنے مالک کے پاس جاؤں گا جب کہ آپ کا مقام یہ تھا کہ ایک بار آپ کی عظمت دیکھ کر خلیفہ منصور جل گیا، آپ کو دربار میں بلایا اور کارندوں کو کہا کہ جب وہ آئیں تو باتوں باتوں میں جب میں اپنا عمامہ اتار دوں تو تم ان کا سر قلم کر دینا مگر جب امام آئے تو منصور پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ آپ کو دروازے پر لینے گیا، بہت عاجزی کی اور کوئی خدمت کرنا چاہی تو امام نے فرمایا خدمت یہی ہے کہ آئندہ مجھے دربار میں نہ بلانا، بعد میں درباریوں نے منصور سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ تو اس نے تین دن بے ہوش ہوکر ہوش آنے پر کہا: میں نے ان کے ساتھ ایک بڑا اژدھا دیکھا ایسے لگتا تھا کہ تخت سمیت مجھے نگل جائے گا۔

امام نے حضرت سفیان کو فرمایا: کسی جانے والے کی طرح وفا بھی رخصت ہوگئی ہے لوگوں کی زبانیں میٹھی ہیں مگر دل بچھوؤں کی طرح زہریلے ہیں لہٰذا جھوٹے، احمق، بخیل، بزدل اور فاسق سے بچو۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ امام حسن بصری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انی لارجوا ان یکون الحسن منھم مجھے امید ہے کہ حسن بصری ابدالوں میں سے ہیں۔ غور کرو: آج معمولی پیرزادے کے لئے بڑے سے بڑا لقب بے دھڑک بول دیا جاتا ہے اسلاف کی احتیاط بھی دیکھئے اور اپنی جسارت بھی ؎ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔

؎ زمین و آسمان بھی کانپتے تھے جس کی ہیبت سے
اسی مسلم کی صورت اب تو پہچانی نہیں جاتی

شوقِ جہاد و جذبۂ شہادت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الذین استجابو لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح (ال عمران:۱۷۲)

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا زخمی ہونے کے بعد بھی۔ یہ آیت جس میں غزوۂ احد کے بعد صحابۂ کرام میں سے ستر صحابہ کی شہادت اور کئی حضرات کے زخمی ہونے کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اس حالت میں بھی حضور علیہ السلام کی آواز پہ لبیک کہا اور جب کفار کی طرف سے یہ خبر پھیلائی گئی کہ ہم فیصلہ کن جنگ کے لیے دوبارہ آ رہے ہیں تو خدا اور رسول کے یہ جان نثار زخموں کی پرواہ کیے بغیر دوبارہ جہاد کے لئے تیار ہو گئے حالانکہ ابھی بعض نے زخموں پر پٹی بھی نہ کی تھی۔ اور مجبوراً تیار نہ ہوئے بلکہ بعد والی آیت میں ہے۔

الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا و قالو احسبنا الله و نعم الو كيل۔ (ال عمران:۱۷۳)

ترجمہ: جب لوگوں نے انہیں اطلاع دی کہ لوگ (اہل مکہ پھر) تمہارے ساتھ لڑنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں پس ڈرو ان سے (کیونکہ پہلے ہی اتنا نقصان پہنچا گئے ہیں کہیں مزید نقصان نہ ہو جائے تو ان جانثاروں کی حالت یہ ہو گئی کہ) ان کا ایمان زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے (لڑنے کا مزہ تو اب آئے گا، پہلے تو ہم سے بھول ہو گئی تھی) ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے (لہٰذا کسی طرف سے ہمیں مدد کی ضرورت نہیں ہے)۔

آج ہماری بزدلی بھی ملاحظہ ہو کہ ہم ڈرتے رہتے ہیں کہ انڈیا کے ساتھ امریکہ ہے فلاں کے ساتھ اسرائیل ہے فلاں کے ساتھ روس ہے لہٰذا ان سے لڑائی کرنے کا گمان بھی نہ کرنا ارے بزدل مسلمان! ذرا یہ بھی تو دیکھ کہ تیرے ساتھ کون ہے۔ حکم خداوندی ہے۔

فلا تهنو او تدعو الى السلم وانتم الاعلون والله معكم۔ (سورۃ محمد:۳۵)

ترجمہ: پس نہ سستی کرو اور نہ خود سے ان کو صلح کی طرف بلاؤ، تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

(صادق حسین)

امام قرطبی فرماتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ "الذین استجابوا" کی آیت قبیلہ بنی عبدالاشہل کے دو افراد کے متعلق اتری کہ یہ دونوں زخمی تھے اور خون میں لت پت تھے لیکن جب حضور علیہ السلام نے ان کو دوبارہ جہاد کے لئے بلایا تو وہ اس طرح نکلے کہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا لے کر چل رہے تھے (اور کہہ رہے تھے ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے)۔

غازیان ملت بیضائے او
حافظانِ حکمت رعنائے او
ہم شہیدانِ کہ دیں راحجت اند
مثل انجم درفضائے ملت اند

وہ روشن ملت کے غازی تھے اور اُن کی جوانیاں علم وحکمت کی محافظ تھیں وہ ایسے شہید تھے جو دین کے لئے دلیل تھے، ملت کی فضا میں ستاروں کی مانند تھے۔

ہاں ہاں! وہ صرف میدان جنگ میں ہی شہادت کے متمنی نہ تھے بلکہ اقبال ہی کے بقول ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی جس کا وہ یوں برملا اظہار کرتے

من شہید تیغ ابروئے توام
خاکم و آسودۂ کوئے توام

حضور! ہم میں سے ہر ایک آپ کے ابرو کی تلوار کا شہید ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو پہ شہید ہونے کیلئے تیار ہو جاتا ہے) اور آپ کی گلی کی وہ خاک ہے جو خاک ہمارے لئے آرام جاں ہے حضرت ابو بکر صدیق کا قول النظر الی وجہ رسول اللہ۔ اسی اشارۂ ابرو کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ نگاہ میری ہو اور چہرہ سرکار کا ہو۔ حضور علیہ السلام اشارۂ ابرو فرمائیں انفق

مالی علی حکم رسول اللہ۔ تو میں اپنا سارا مال حضور کے حکم پہ لٹاتا جاؤں اور دنیا جان لے۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

بہرحال الذین استجابوا کے تحت امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں۔

وروی انه کان فیھم من یحمل صاحبه علی عنقه ساعة ثم کان المحمول یحمل الحامل ساعة أخری و کان کل ذلك لاثخان الجراحات فیھم و کان فیھم من یتوکأ علی صاحبه ساعة و یتوکأ علیه صاحبه ساعة۔

(التفسیر الکبیر)

یعنی مروی ہے کہ غزوہ حمراء الاسد میں نکلنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اس حالت میں تھے کہ ان کا ساتھی کچھ دیر انہیں اٹھا کر چلتا تھا پھر تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے ساتھی کو اٹھا کر چلتا (یعنی باری باری ایک دوسرے کو اٹھاتے تھے) اور ایک دوسرے کا سہارا لے کر کیوں چلتے تھے؟ اس لئے وہ زخموں سے چور تھے۔

قرطبی میں ہے:

فربما کان فیھم المثقل بالجراح لا یستطیع المشی والا یجد مرکوبا فربما یحمل علی الاعناق و کل ذلك امتثال لامر رسول اللہ علیه وسلم ورغبة فی الجهاد (قرطبی)

ان صحابہ کرم رضی اللہ عنہم میں کئی افراد زخموں سے بوجھل تھے نہ خود چل سکتے تھے اور نہ ان کے پاس سواری تھی بعض اوقات وہ کندھوں پر اٹھا کر لیجائے گئے یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور جہاد کے شوق میں برداشت کیا جارہا تھا۔

زندگی خود را بخویش آراستن
بروجود خود شہادت خواستن

مردِ مومن در نساز د با صفات
مصطفیٰ راضی نشد الا بذات
(جاوید نامہ، فارسی)

شہید کے لیے چھ انعامات:

امام قرطبی علیہ الرحمۃ قرآن مجید میں لفظ نعمت و فضل کی تفسیر حضور علیہ السلام کے ایک فرمان سے کرتے ہیں۔

عن المقدام بن معدی کرب قال قال رسول الله علیه وسلم للشهید عندالله ست خصال یغفرله فی اول دفعةٍ ویری مقعده من الجنة و یجار من عذاب القبرویأ من الفزع الاکبر و یوضع علی راسه تاج الوقار الیاقوتة لؤلؤ منها خیر من الدنیا وما فیا ویزوج اثنتین و سبعین زوجة من الحور العین و یشفع فی سبعین من اقاریه (قرطبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! شہید کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ انعامات ہیں (جو مندرجہ ذیل ہیں) پہلے ہی لمحے اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ اسے عذاب قبر سے بچا دیا جاتا ہے۔ وہ (قیامت کے دن کے) بڑے خوف سے مأمون رہتا ہے۔ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک موتی دنیا و مافیا سے بہتر ہے اور بہتر (۷۲) حور عین سے اس کی شادی کرا دی جاتی ہے اور اس کے قریبیوں میں سے ستر کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ ترمذی کی یہ روایت لکھنے کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

وهذا تفسیر للنعمة والفضل والاثار فی هذا المعنی کثیرة وروی عن مجاهد انه قال السیوف مفاتیح الجنة۔ (قرطبی)

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف۔ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں۔ کتاب الجہاد میں حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ اصفہان میں دشمن کے مقابلہ میں

کھڑے تھے اور حضور علیہ السلام کا یہی فرمان اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنا رہے تھے کہ اچانک ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہا اے ابوموسیٰ: کیا کہہ رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: میں حضور علیہ السلام کا فرمان پڑھ رہا ہوں کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں میں ہیں:

فالتفت الشاب الی اصحابه فسلم علیهم ثم دخل تحتها ای تحت السیوف۔ (کتاب الجہاد: ۱۸۸)

ترجمہ: اس نوجوان نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا، ان کو سلام کیا اور تلواروں کی چھاؤں میں گھس گیا۔

دوسری روایت اسی صفحہ پہ ہے کہ اس نے تلوار نکالی اس کا غلاف توڑا اس کو پھینکا اور تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا حتی قتل یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایوں میں
نماز عشق ادا ہوئی ہے تلواروں کے سایوں میں

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں فرماتے ہیں۔

انا الذی عاهدنی خلیلی
و نحن بالسفح لذی النخیل
ان لا اقوم الدهر فی الکیول
اضرب بسیف الله والرسول

ترجمہ: میں وہ ہوں کہ جس نے اس نخلستان کے دامن میں اپنے پیارے (نبی علیہ السلام) سے وعدہ کر رکھا ہے۔ کہ (جہاد کی) صفوں سے کبھی پیچھے نہ ہٹوں گا (بلکہ آگے بڑھ کر) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی (خاطر) تلوار چلاتا رہوں گا۔ (الرحیق المختوم)

مقتل میں جانا چاہتا ہوں
موت اچھی پانا چاہتا ہوں
میں خوں میں نہانا چاہتا ہوں
اور سر کٹانا چاہتا ہوں

جا تجھ کو طلاق ہے اے دنیا!

شہید کی زندگی وتمنا:

قرآن مجید کے دوسرے پارے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۴ میں اللہ تعالیٰ نے راہ حق میں قتل ہونے والے کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے، مزید فرمایا وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں اور سورۃ ال عمران کی آیت نمبر ۱۶۹ میں شہیدوں کو مردہ خیال کرنے سے بھی منع فرمادیا، وہاں زبان سے مردہ کہنے پر پابندی یہاں سوچ پر بھی پابندی، وہاں فرمایا بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں اور یہاں فرمایا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں اس سے اگلی آیت میں فرمایا:

جو اللہ نے انہیں اپنا فضل عطا کیا ہے اس پر وہ خوش ہیں اور اپنے پچھلوں کی خوشیاں منا رہے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے کہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ غمگین ہوں گے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر روح المعانی میں اس آیت (ال عمران کی آیت نمبر ۱۶۹) کے شان نزول میں دو مرفوع احادیث لکھی ہیں ان احادیث کا ترجمہ لکھ کر بیان کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔

شہید کی روح کا مقام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے بھائی احد میں قتل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے جسموں میں داخل کیں، وہ جنت کی نہروں پر اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں، اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں رہتے ہیں، جب انہوں نے اپنے لئے اتنا عمدہ اور بہترین کھانا، پینا اور رہنا دیکھا تو کہنے لگے۔کون ہمارے بھائیوں تک خبر پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق ملتا ہے تاکہ (ہمارے بھائی) جہاد نہ چھوڑیں اور جنگ میں کمزوری نہ دکھائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے ان تک یہ بات پہنچادوں گا، پھر یہ آیات نازل ہوئیں (روح المعانی - اخرج الامام احمد وجماعۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ ملے تو ارشاد فرمایا اے جابر کیا ہوا میں تمہیں پریشان دیکھتا ہوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور پیچھے قرضہ اور عیال چھوڑ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے کس طرح ملاقات فرمائی؟ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس سے بھی کلام فرماتا ہے پردے کے پیچھے سے فرماتا ہے مگر تیرے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرما کر بلا حجاب کلام فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے میرے بندے مجھ سے جو چاہے مانگ میں عطا فرماؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا ٹھیک ہے اے میرے رب میرے پیچھے والوں کو (میری خبر) پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (روح المعانی)

شہادت افتخار مؤمنیں ہے
یہی وجہ قرار مؤمنیں ہے
شہادت حافظ ناموسِ ملّت
شہادت پاسدارِ مؤمنیں ہے
شہادت ہے وجاہت زندگی کی
بلند اس سے وقارِ مؤمنیں ہے
شہادت کی تمنا کرنے والو
شہادت ہی شعارِ مؤمنیں ہے
چلے آئیں مجاہد سوئے مقتل
یہی تو لالہ زارِ مؤمنیں ہے
رہِ اللہ میں جینا اور مرنا
اسی پر تو مدارِ مؤمنیں ہے
شہادت کا ہے دل میں گر بسیرا
تو جنت بھی نثارِ مؤمنیں ہے

ہمیشہ اوج پر ہے جس کی رونق
یہی رنگِ بہارِ مؤمنیں ہے

خواتین کا جذبۂ جہاد:

مردوں کی طرح عورتیں بھی راہِ حق میں اپنی متاع عزیز قربان کرنے پر کسی سے پیچھے نہیں ہیں تاریخ اسلام میں تو کئی واقعات خواتین اسلام کے ملتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جان مال اور اولا دراہِ حق میں قربان کی، موضوع کو طوالت سے بچانے کے لئے ملتے جلتے دو واقعات ج میں سے ایک واقعہ امم سابقہ کی ایک خاتون کا ہے جو مفسرین کرام نے تفاسیر میں لکھا ہے اور دوسرا واقعہ اس امت کی ایک خاتون کا ہے دونوں واقعات یکے بعد دیگر ے ملاحظہ ہوں۔ سورۂ بروج کی آیت نمبر ے قتل اصحاب الخدود النار ذات وقالوقود کے تحت لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔

مروی ہے کہ پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا (اس زمانے میں اپنی راہنمائی کے لیے ہر بادشاہ اپنے دربار میں ایک جادوگر رکھا کرتا تھا چنانچہ) جب اس کا جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میرے پاس ایک لڑکا بھیج جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا مقرر کر دیا وہ جادو سیکھنے لگا! راہ میں ایک راہب رہتا تھا وہ لڑکا اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کا کلام اس کے دل نشین ہوتا گیا اب آتے جاتے اس نے راہب کی صحبت میں بیٹھنا مقرر کر لیا ایک روز راستہ میں ایک مہیب جانور ملا۔ لڑکے نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی: یارب اگر راہب تجھے پیارا ہے تو میرے پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے وہ جانور اس پتھر سے مر گیا اس کے بعد لڑکا مستجاب الدعوات مشہور ہو گیا اور اس کی دعا سے کوڑھی اور اندھے اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا ہو گیا تھا، وہ آیا لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا جب وہ بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا تجھے کس نے اچھا کیا۔ کہا میرے رب نے بادشاہ نے کہا: میرے سوا اور بھی کوئی رب ہے؟ یہ کہہ

کراس نے اس پر سختیاں شروع کیں۔ یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتایا۔ پھر بادشاہ نے لڑکے پر سختیاں کیں اس نے راہب کا پتہ بتایا بادشاہ نے راہب پر سختیاں کیں اور اس سے کہا اپنا دین ترک کر اس نے انکار کیا تو اس کے سر پر آرا رکھ کر چروادیا۔

پھر مصاحب کو بھی چروادیا پھر لڑکے کے بارے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیا جائے سپاہی اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے لڑکے نے دعا کی پہاڑ میں زلزلہ آیا۔ سب گر کر ہلاک ہو گے۔ لڑکا صحیح سلامت چلا آیا۔ بادشاہ نے کہا سپاہی کہاں ہیں؟ کہا سب کو خدا نے ہلاک کر دیا پھر بادشاہ نے لڑکے کو سمندر میں غرق کرانے کے لیے بھیجا۔ لڑکے نے دعا کی کشتی ڈوب گئی، تمام شاہی آدمی ڈوب گئے لڑکا صحیح وسلامت بادشاہ کے پاس آیا بادشاہ نے کہا وہ آدمی کہاں ہیں؟ کہا سب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اور تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ کام نہ کرے جو میں بتاؤں کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کر اور مجھے کھجور کے ڈھنڈ پر سولی دے پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکال کر بسم اللہ رب الغلام کہہ کر مار ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر سکے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا اس نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور واصل بحق ہو گیا یہ دیکھ کر تمام لوگ ایمان لے آئے اس سے بادشاہ کو اور زیادہ صدمہ ہوا اور اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا جو دین سے نہ پھرے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ لوگ ڈالے گئے۔ یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کی گود میں بچہ تھا وہ ذرا جھجکی بچے نے کہا اے ماں صبر کر نہ جھجک تو سچے دین پر ہے وہ بچہ اور ماں بھی آگ میں ڈال دیئے گئے یہ حدیث صحیح ہے مسلم نے اس کی تخریج کی اس سے اولیاء کی کرامتیں ثابت ہوتی ہیں آیت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن)

اور اسی واقعہ کے متعلق عارف رومی نے یہ خوبصورت شعر کہے:

اندر آماد رکہ من ایں جا خوشم
گرچہ در صورت میانِ آتشم

بچے نے آگ کے اندر سے ماں کو آواز دی کہ تو بھی آگ میں چھلانگ لگا دے کیونکہ میں تو اس جگہ بہت خوش ہوں، اس نار کو خدا نے گلزار بنا دیا ہے۔

؎ اندر آ اسرار ابرہیم بیں
کو در آتش یافت وردو یاسمین

اے ماں! آگ میں آ اور ابرہیم علیہ السلام والے راز (مناظر) دیکھ لے دیکھنے کو آگ ہے مگر اس میں ہر طرف چنبیلی کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔

؎ اندر آئید اے مسلماناں ہمہ
غیر عذاب دیں عذاب است از ہمہ

اے مسلمانو! تم بھی سارے آگ میں داخل ہو کر اپنا دین بچالو کیونکہ یہ آگ عذاب والی آگ نہیں بلکہ ہزار لذت و مٹھاس والی ہے۔ (ظالم بادشاہ یہ منظر دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آگ جلا کیوں نہیں رہی؟ آگ بول اٹھی)

؎ گفت آتش من ہمانم آتشم
اندر آتا تو بہ بینی تابشم

آگ نے اس ظالم بادشا کو پکار کر کہا: تو حیران ہو رہا ہے کہ آگ جلا کیوں نہیں رہی میں تو آگ ہی ہوں اور میرا کام جلانا ہی ہے لیکن اگر تو نے میرا کام دیکھنا ہے تو تو خود میرے اندر آ تا کہ میں تجھے بتاؤں کہ میں کیسے جلاتی ہوں۔

؎ طبع من دیگر نگشت و عنصرم
تیغ حقم ہم بدستورے برم

میری طبیعت اور میرا جوہر نہیں بدلا میں حق کی تلوار ہوں مگر آج میری کاٹ کا انداز ہ بدلا ہوا ہے۔ (آگ میں جانے والا ہر شخص کہہ رہا تھا)

بہر سو جلوہ دیدار دیدم
بہر چیز جمال یار دیدم

ام ابراہیم ہاشمیہ کا جذبہ:

تاریخ اسلام میں اس مقدس خاتون کا واقعہ سنہری حروف کے ساتھ لکھا ہوا ہے میں اس کو خلاصۃً لکھ رہا ہوں۔ ہوا یوں کہ بصرہ کے کسی علاقے پہ کافروں نے حملہ کیا اس وقت کے ایک مجاہد کبیر حضرت عبدالواحد بن زید بصری نے عربی اشعار پڑھ کر لوگوں کو جہاد کی رغبت دلائی۔ مجاہد کے لئے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام ابراہیم ہاشمیہ کا ایک ہی بیٹا تھا جس کے لئے بڑے بڑے گھروں سے رشتوں کی آفر آرہی تھی مگر ام ابراہیم ایسی لڑکی کو بہو بنانا چاہتی تھی جو اس کے معیار کے مطابق ہو بصرے کے سرداروں نے بھی رشتوں کی پیش کش کی مگر ماں نے انکار کر دیا۔ شیخ عبدالواحد نے اپنی تقریر میں ایک ایسی حور کا تذکرہ کیا کہ ام ابراہیم بول اٹھیں لست تعرف ولدی ابراہیم۔ اے شیخ کیا تو میرے بیٹے ابراہیم کو نہیں پہچانتا؟ فھل لك ان تزوجه منه۔ کیا تو میرے بیٹے کی شادی اس حور سے کرنے کی ضمانت دیتا ہے؟ میں دس ہزار دینار حق مہر لینے کی بجائے دینے کو بھی تیار ہوں۔ شیخ نے حامی بھر لی۔ ثم نادت ولدھا۔ ماں نے بھرے مجمعے سے اپنے بیٹے کو پکارا یا ابراہیم۔ فو ثب من صف الناس بیٹا صفوں کے درمیان سے اٹھا اور ماں کے قدموں میں حاضر ہو گیا لبیک یا اماہ۔ اے ماں میں حاضر ہوں تیرا فیصلہ مجھے قبول ہے۔ فجائت بعشر الاف دینار بوڑھی عورت دس ہزار دینار لے کر آئی۔ بیٹے نے گھوڑا، اور دیگر جنگی سامان خریدا، جنتی دولہا غائبانہ شادی پہ تیار ہو کر جا رہا ہے، دائیں بائیں ان اللہ اشتری کے شادیانے بج رہے ہیں مالک حقیقی کی طرف سے فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کی صدائے دلنواز آرہی ہے۔ دولہا کی ماں اپنے لاڈلے کو کہہ رہی ہے اذا اردت لقاء العدو ...... وایاك ان یراك اللہ مقصرا فی سبیلہ جب تیری دشمن کے ساتھ ٹکر ہو تو پوری استقامت سے لڑنا اور خبردار اللہ کی راہ میں جہاد کے سلسلہ میں کوتاہی سے کام نہ لینا۔ وضمتہ الی صدرھا و قبلت بین عینیہ ماں نے بیٹے کو سینے سے لگایا، اس

کی پیشانی پر بوسہ دیا اور یہ کہہ کر الوداع کیا! اب قیامت کو ملاقات ہوگی۔

مقتل کی طرف اب چلتے ہیں اے موت تیرے لب چوم کے ہم
لے جامِ شہادت پیتے ہیں ساقی کی ادا پہ جھوم کے ہم

نوجوان دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور گاجر مولی کی طرح دشمن کو کاٹتا جارہا ہے آخر سب نے یکبارگی حملہ کر دیا، ابراہیم شہید ہوگیا، مسلمانوں کا لشکر واپس آیا تو شیخ عبدالواحد نے ساتھیوں سے فرمایا ابراہیم کی بوڑھی ماں کو اس کے اکلوتے جوان بیٹے کی شہادت کی خبر نہ دینا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا کلیجہ پھٹ جائے مگر ماں نے آگے بڑھ کر خود ہی پوچھ لیا یا ابا عبید هل قبلت منی هدیتی؟ اے شیخ مجھے بتا کیا میرا ہدیہ دربار خداوندی میں قبول ہو گیا ہے؟ میں خوشی مناؤں کہ افسوس کروں؟ شیخ نے کہا! تو خوش کب ہوگی؟ کہا جب تو یہ خبر دے گا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ اور مجھے افسوس ہوگا کہ جب یہ خبر سنوں کہ میرا بیٹا زندہ وسلامت واپس میرے پاس لوٹ آیا۔ شیخ نے کہا: خوش ہو جا تیرا ہدیہ قبول ہو گیا ہے۔ بوڑھی اماں سجدے میں گرگئی خدا کا شکر ادا کیا کہ میری قربانی قبول ہوگئی ہے، رات کو سوئی تو خواب میں بیٹے کے سر پر نور کا تاج دیکھتی ہے: فی روضة حسناء علیها قبة خضراء۔ سرسبز و شاداب باغ ہے اس میں۔ ایک خوبصورت سبز رنگ کا قبہ بنا ہوا ہے جس میں اس کا بیٹا جنتی حور کے ساتھ بیٹھا مسکرا رہا ہے اچانک اس کی نظر اپنی ماں پہ پڑتی ہے تو پکار اٹھتا ہے یا اماہ الشری۔ ''اے ماں خوش ہو جا''، تیرا دولہا بھی قبول اور حق مہر بھی قبول ہو گیا ہے، مائی نے دن کے اجالے میں شیخ عبد الواحد کے سامنے اپنا خواب بیان کیا اور اس رشتے پہ شیخ کا شکریہ ادا کیا۔ (ملخصاً)

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر۲:

فلسفۂ صبر و شکر

نعمت ملنے پر شکر کیا جاتا ہے اور مصیبت و تکلیف پہ صبر کرنے کا حکم ہے شکر کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: لئن شکرتم لازیدنکم ۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور ضرور تمہیں زیادہ دوں گا۔ اور صبر کی جزا کوئی طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ان الله مع الصبرین ۔ (القرآن) ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب ۔ (القرآن) ''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتا ہے''۔ حدیث شریف میں ہے۔ و الصبر ثوابه الجنة۔ (مشکوۃ صفحہ ۱۷۳) ''صبر کی جزاء جنت ہے''۔

بعض اہل اللہ مصائب و آلام پر بھی شکر کرتے ہیں گویا تکلیف ان کے لئے نعمت ہے کیونکہ امتحان و آزمائش پر صبر کرنا اگر گناہ گاروں کے گناہ معاف کرتا ہے تو نیکو کاروں کے درجات بلند کرتا ہے اس لئے وہ ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔

حکایت:

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب گلستان میں اس طرح کے ایک درویش کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو دریا کے کنارے پر دیکھا کہ تیندوے (پانی کے ایک خوفناک جانور) کا زخم خوردہ تھا اور کوئی علاج معالجہ کارگر ثابت نہیں ہو رہا تھا عرصۂ دراز تک اس حالت میں پیچ و تاب کھاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہا۔

فرماتے ہیں میں نے حیران ہو کر ایک دن اس سے سوال کیا! ''شکر چہ می گوئی، شکر کرنے کا نہ مقام ہے نہ کوئی وجہ نظر آ رہی ہے یعنی مصیبت کے موقع پہ صبر کرنا تو سمجھ میں آتا ہے شکر کرنے کا کیا مطلب؟ تو درویش خدا مست نے حضرت سعدی کو جواب دیا: شکر اس بات پر کر رہا ہوں کہ ''بمصیبتے گرفتارم نہ بہ بمعصیتے۔ مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں معصیت (گناہ) میں مبتلا نہیں ہوا۔ پھر اس نے یہ رباعی پڑھی۔

؎ اگر زار بکشتن دھد آں یار عزیز
تانگوئم کہ دراں دم غم جانم باشد
گوئم از بندۂ مسکین چہ گناہ صادر شد
کہ دل آزردہ شد از من غم آنم باشد

اگر میرا مالک میرے قتل کا حکم دے تو یقین کر لے میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا غم نہ ہوگا، اس وقت بھی غم ہوگا تو اس بات کا کہ میری کسی خطا کی وجہ سے ہی میرا مالک مجھ سے ناراض ہوا ہوگا تو میں یہ عرض کروں گا کہ مجھ سے کونسی غلطی ہوگئی ہے کہ آپ کا دل مجھ سے آزردہ ہوا ہے۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ اپنے اس عمل پہ اس مردِ خدا نے قرآن پاک سے استدلال کیا اور فرمایا: ''مردان خدا مصیبت را بر معصیت اختیار کنند''۔ اللہ تعالیٰ کے بندے مصیبت کو معصیت پہ ترجیح دیتے ہیں یعنی گناہ سے بچنے کے لئے بڑی سے بڑی مصیبت کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔ جس طرح کہ یوسف علیہ السلام نے ایک طرف عورتوں کا مکر و فریب دیکھا اور دوسری طرف قید خانہ دیکھ کر اپنے رب سے عرض کیا۔

رب السجن احب الی ممایدعوننی الیہ۔ (قرآن)

اے اللہ! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس بات سے جس کی طرف وہ مجھے بلا رہی ہیں۔ (جبکہ ہم جیسے نکمے معمولی تکلیف دیکھ کر بلکہ اپنے نفس کو راضی کرنے کے لئے بڑے سے بڑا گناہ کر کے اپنے رب کو ناراض کر لیتے ہیں تو پھر ؎ چہ نسبت خاک

رابعالم پاک۔

اسی طرح کی ایک حکایت مخزن التوحید میں لکھی گئی ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سارے بدن پر زنبور (بھڑ۔ڈیموں) بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کو خوب کاٹ رہے ہیں لیکن اتنی تکلیف کے باوجود وہ اللہ کا شکر ادا کررہا ہے اور یہ سلسلہ چار سو سال سے جاری ہے آپ نے پوچھا شکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا اس بات پہ شکر کررہا ہوں کہ نہ نیند آتی ہے نہ غفلت طاری ہوتی ہے اور نہ یادالٰہی میں فتور آتا ہے۔ ؎عاشقان اوزخوباں خوب تر

اسی موضوع پر ایک ایمان افروز واقعہ سماعت فرمائیں۔

ایمان افروز واقعہ:

بصرہ میں ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ ''مِسکی'' کے نام سے مشہور تھے۔''مِسک'' عربی میں ''مشک'' کو کہتے ہیں۔لہٰذا مِسکی کے معنی ہوئے ''مشکبار'' یعنی مشک کی خوشبو میں بَسا ہوا۔اس بزرگ کی خاصیت یہ تھی کہ یہ ہر وقت معطر و مشکبار رہا کرتے تھے۔یہاں تک کہ جس راستے سے گزر جاتے وہ راستہ بھی مہک اٹھتا۔جب داخلِ مسجد ہوتے تو ان کی خوشبو سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرتِ مِسکی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے ہیں۔ کِسی نے باصرار دریافت کیا کہ آخر آپ کون سا عِطر اِستعمال فرماتے ہیں جو آپ سے اس قدر خوشبو آتی ہے؟ انہوں نے فرمایا:

میں کوئی خوشبو نہیں لگاتا۔میرا قِصہ بڑا عجیب ہے مَیں بغدادِ معلّٰی کا رہنے والا ہوں۔میرے والدِ محترم نے میری اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت فرمائی۔میں جوانی میں نہایت ہی حَسین و جمیل تھا اور صاحبِ شرم و حیا بھی۔ایک بزاز (کپڑے والے) کی دوکان پر میں نے ملازِمت اختیار کی۔ایک روز ایک بڑھیا آئی اور اس نے کچھ قیمتی کپڑے نِکلوائے پھر صاحبِ دوکان سے کہا کہ ان کپڑوں کو میں اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتی ہوں اس نوجوان کو میرے ساتھ بھیج دیجئے جو پسند آئیں گے

وہ رکھ لیے جائیں گے پھر ان کی قیمت اور بقیہ کپڑے اس نوجوان کے ہاتھ بھیج دیئے جائیں گے۔ چنانچہ مالک دوکان کے کہنے پر میں بڑھیا کے ساتھ ہولیا۔ وہ مجھے ایک عالی شان کوٹھی پر لے آئی اور مجھے ایک کمرہ میں بٹھا دیا کچھ دیر بعد ایک نوجوان عورت کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا پھر میرے قریب بیٹھ گئی۔ میں گھبرا کر نگاہیں نیچی کیے فوراً وہاں سے ہٹ گیا مگر اس پر شہوت سوار تھی وہ میرے پیچھے پڑ گئی میں نے بہت کہا کہ اللہ عزوجل سے ڈرو وہ ہمیں دیکھ رہا ہے لیکن وہ میرے ساتھ کالا منہ کرنے پر مصِر تھی۔ میرے ذِہن میں اس گناہ سے بچنے کی ایک تجویز آ گئی۔ لہٰذا اس سے میں نے کہا کہ مجھے بیت الخلاء میں جانے دو، اس نے اجازت دے دی۔ میں نے بیت الخلاء میں جا کر دل مضبوط کر کے وہاں کی نجاست اپنے ہاتھ، منہ اور کپڑوں پر مَل لی اَب جوں ہی میں باہر آیا میری عاشِقہ گھبرا کر بھاگی اور کوٹھی میں ''پاگل پاگل'' کا شور اٹھا۔ میں نے وہاں سے بھاگ کر ایک باغ میں پناہ لی اور وہاں جا کر غسل کیا اور کپڑے پاک کیے۔ گھر جا کر رات جب میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی آیا ہے اور میرے چہرے اور لباس پر اپنا ہاتھ پھیر رہا ہے اور کہہ رہا ہے، مجھے جانتے ہو، میں کون ہوں؟ یاد رکھو! میں جبریل امین ہوں۔ بزرگ کہتے ہیں جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میرے سارے جسم اور لباس سے خوشبو آ رہی تھی جو آج تک آ رہی ہے اور یہ جبریل امین علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کی برکت ہے۔ (روض الریاحین)

بعض کتب میں اس سے آگے یوں بھی بیان ہوا کہ جب وہ بزرگ فوت ہو گئے تو ان کی قبر سے بھی کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ گناہوں سے باز رہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

و اما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى۔ ۵

(النازعات)

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے

شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے۔

اس بارے صوفیاء کرام نے انسانوں کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ تعلیم غوثیہ (مرات الوحدت) کے مصنف سید گل حسن قلندری قادری لکھتے ہیں:

○ انسانوں کی قسمیں:

جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں مسافر تین قسم کے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ

الناس ثلثة اقسام قسم یشبھون البھائم و قسم یشبھون الملائکة و قسم یشھون الانبیاء۔

ترجمہ: آدمی تین قسم کے ہیں بعض بہائم کے مانند ہیں کہ بجز اکل و شرب وخور و خواب وشہوت رانی کے دوسرا کام نہیں رکھتے۔

اولئك كالانعام بل هم اضل اور بعض فرشتوں کے مانند ہیں کہ ان کی ہمت تسبیح وتہلیل ونماز وروزہ وغیرہ صفات ملائکہ کے حصول میں مصروف رہتی ہے۔ اور بعض مثل انبیاء کے ہیں کہ ان کی ہمت عشق ومحبت ورضا وتسلیم میں مصروف ہے اور روایت میں آیا ہے۔ المسافرون ثلثة اصناف صنف یسافر فی الدنیا راس ماله الدنیا و ربحه المعصیة و الندامة و صنف یسافر فی الاخرة راس ماله الطاعت و العبادة و ربحه الجنة و صنف یسافر الی الله راس ماله المعرفت و ربحه لقاء الله تعالیٰ۔ یعنی مسافر تین قسم کے ہیں۔ بعض سفر کرتے ہیں دنیا میں اور ان کا راس المال دنیا ہے جس کا نفع گناہ وندامت ہے یہ لوگ بہائم وچوپایوں کے مثال ہیں کہ بجز حرص وہوا ونفس پرستی کے اور مشغلہ نہیں رکھتے اور بعض آخرت کا سفر کرتے ہیں۔ ان کا راس المال اطاعت وعبادت ہے جس کا نفع جنت ہے، یہ لوگ حصول صفات ملائکہ میں کوشش کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگ خدا کی طرف سفر کرتے ہیں ان کا راس المال معرفت ہے جس کا نفع دیدار الٰہی ہے، یہ لوگ انبیاء کے مانند ہیں کہ رضا و تسلیم کا لباس اپنے تن پر آراستہ کر کے عشق ومحبت کی ریل گاڑی میں سوار ہو کر بحصول

گنجِ مخفی کنت کنزا مخفیا جو طلسماتِ بوقلموں سے معمور ہے۔ امدادِ الٰہی کا نوشتہ لے کر بہمتِ تمام اللھمَ اَرنَا الاَشیاءَ کَمَا ھیَ کی دعا مانگتے ہوئے خدا کی طرف سفر کرتے ہیں یہ تو تم معلوم کر چکے کہ اس دنیائے ناپائیدار میں مسافر تین قسم کے ہیں اول طالب دنیا جن کا سفر و مجاہدہ دنیا کے واسطے ہے وہ مخنث ہیں اور اکثر ایسے ہی ہیں۔ دوم طالب عقبیٰ جو آخرت کے لیے دوڑتے ہیں یہ مونث ہیں اور کم تر۔

طالب مولیٰ کون ہوتے ہیں؟

سوم۔ طالب مولیٰ جو معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں یہ بہت ہی تھوڑے بلکہ شاذ و نادر ہیں ان کو مذکر کہتے ہیں۔ کقول کاملے طالب الدنیا مخنث و طالب العقبی مونث و طالب المولی مذکر اور ہر ایک مسافر علی قدر استعداد و مراتب مجاہدہ اپنے مطلوب کو حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و من یرد ثواب الدنیا نؤتہٖ منھا و من یرد ثواب الاخرۃ نؤتہٖ منھا و سنجزی الشاکرین۔ (الشوریٰ) یعنی اور جو کوئی چاہے جزا دنیا کی دیں گے ہم اس کو اس میں سے؛ اور جو کوئی چاہے جزا آخرت کی دیں گے ہم اس کو اس میں سے، اور جلدی بدلہ دیں گے ہم شکر کرنے والوں کو یعنی جو لوگ ہماری بانٹ پر شکر کرتے ہیں اور بجز ہمارے کسی کی طلب و تلاش میں نہیں دوڑتے بلکہ ہماری جانب سفر کرتے ہیں تو ہم ان کو بہت جلد بدلہ دیں گے کہ وہ علم معرفت و دیدارِ الٰہی ہے۔ و سنجزی الشاکرین سے مراد یہ تیسرا گروہ ہے جس کو طالب مولیٰ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین۔ (العنکبوت) یعنی اور جن لوگوں نے محنت اور مجاہدہ کیا ہماری راہ میں (راہِ معرفت میں) تو البتہ دکھا دیں گے ہم ان کو اپنی راہ (راہ توحید و معرفت) اور تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ احسان کرنے والوں کے ہے یہاں احسان کے معنی ان تعبد اللہ کانک تراہ ہے یعنی جو خلوص دل کی شان والی عبادت کرے گا تو ہم اس کو بالضرور بالعلم و العین بمرتبۂ حق

الیقین دکھا دیں گے کہ ہم اس کے ساتھ ہیں پس اس معرفت کا نام بدلہ ہے اور کیا ہی بہتر و بے نظیر بدلہ ہے۔ فافہم۔ (صفحہ ۸۵-۸۶)

صبر کے بارے میں اقوال:

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الصبر صبران صبر عند المصیبة حسن و احسن منه الصبر عن محارم الله۔ (ابن کثیر جلد ا صفحہ ۷۹، درمنثور جلد ا صفحہ ۱۵۹)

ترجمہ: صبر دو قسم کا ہے، مصیبت کے وقت صبر کرنا، گناہوں سے باز رہنا اور یہ صبر پہلے سے زیادہ اچھا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الصبر اعتراف العبد لله اصیب فیه و احتسابه عند الله و رجاء ثوابه و قد یجزع الرجل و هو یتجلد لا یری منه الا الصبر (ایضاً)

ترجمہ: صبر یہ ہے کہ ہر چیز (نعمت و مصیبت) اللہ کی طرف سے سمجھے، ثواب کا طالب رہنا اور مصیبتوں کے نتیجے میں اجر ملنے پر امیدوار رہنا۔

تفسیر مظہری جلد ا صفحہ ۶۴، ابو سعود جلد ا صفحہ ۱۳۰ پہ صبر کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے:

بانتظار النجح و الفرج توکلا علی الله و حبس النفس عن الجزع فانه لا یغنی من القدر شیئًا و حبس النفس عن المعاصی و علی الطاعات۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پہ بھروسہ کر کے خوشی اور حاجت روائی کا انتظار کرنا اپنے نفس کو جزع و فزع سے روکنا (کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، جو نصیب میں ہے ہو کر رہے گا) اپنے نفس کو گناہوں سے بچا کر نیکیوں پہ لگانا۔

صوفیاء کرام کے نزدیک صبر کیا ہے؟

امام ابو قاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری علیہ الرحمۃ رسالہ قشیریہ میں صبر کے متعلق صوفیاء کرام کے اقوال اس طرح نقل فرماتے ہیں:

صبر کی کئی قسمیں ہیں۔ انسان کا اپنے کاموں پر صبر اور ان امور میں صبر جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔ پھر انسان کا اپنے کاموں میں صبر دو طرح کا ہے۔ ان امور پر صبر جن کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور ان چیزوں پر صبر جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ان امور پر صبر جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان پر جو مصیبت اللہ کے حکم سے آجائے اسے برداشت کرنے میں صبر کرے۔

گو سلامت محمل شامی کی ہمراہی میں ہے
عشق کی لذت مگر خطروں کی جانکاہی میں ہے

فرماتے ہیں: میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے حسین بن یحییٰ سے انہوں نے جعفر بن محمد سے سنا کہ فرماتے تھے میں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کے لئے دنیا سے آخرت کو جانا بہت آسان ہے مگر اللہ کی خاطر مخلوق سے جدائی بہت مشکل ہے۔ اور خواہشاتِ نفسانی کو چھوڑ کر اللہ کی طرف جانا اور بھی زیادہ دشوار ہے اور اللہ کو ہر دم نگاہ میں رکھنے پر صبر کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔

حضرت جنید سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ ناک چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے۔

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر اور ایمان میں وہی تعلق ہے جو سر اور بدن میں۔

ابو القاسم حکیم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں وَ اصْبِرْ فرمانا عبادت کرنے کا حکم ہے۔ اور وما صبرك الا بالله فرمانا یہ عبودیت ہے۔ چنانچہ جو شخص "لك" یعنی اپنی طاقت پر اعتماد کے ہر درجہ سے ترقی کر کے "بك" یعنی اپنی طاقت سے بیزاری اور عدم اعتماد کے درجہ کو پہنچ جائے تو سمجھ لو کہ وہ عبادت کے درجہ سے منتقل ہو کر عبودیت کے مرتبہ کو جا پہنچا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بك احيا و بك اموت (میں تیری ذات کے ذریعہ ہی سے زندہ ہوں اور تیرے مارنے سے ہی مروں گا)

فرمایا: میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ ان سے جعفر رازی نے کہا: عیاش کہتے تھے: احمد فرماتے تھے میں نے ابوسلیمان سے صبر کی نسبت سوال کیا تو فرمایا: اللہ کی قسم! ہم تو اپنی پسند کی چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے تو ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر کر سکتے ہیں (یعنی اللہ کی توفیق کا ہونا ضروری امر ہے)

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا، اور مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون واطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔

ابنِ عطاء فرماتے ہیں اچھی طرح ادب کو قائم رکھتے ہوئے مصیبت پر قائم رہنا صبر ہے۔

ابوعثمان فرماتے ہیں بہت صبر کرنے والا وہ شخص ہے جو مصیبت میں داخل ہونے کے ساتھ اپنے آپ کو عادی بنا لے۔

بعض کہتے ہیں کہ جس طرح انسان عافیت کے ہوتے ہوئے اپنی حالت پہ ثابت قدم رہتا ہے اسی طرح اچھے آداب کے ساتھ مصیبت پر ثابت قدم رہنا صبر کہلاتا ہے۔

ابوعثمان فرماتے ہیں کہ اگر کسی عبادت پر بہترین جزا ہو سکتی ہے تو وہ صبر ہے کیونکہ صبر کی جزا سے بڑھ کر کوئی جزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و لنجزین الذین صبروا باحسن ما کانوا یعملون ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔

حضرت عمرو بن عثمان فرماتے ہیں اللہ کے احکام پر ثابت قدم رہنا، اور اس کی آزمائش کو خندہ پیشانی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا صبر ہے۔

خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ عاشقوں کا صبر زاہدوں کے صبر کے مقابلہ

میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کس طرح صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

الصبر یجمل فی المواطنِ کلھا
الا علیك فانهٗ لا یجمل

ترجمہ: اے محبوب! تمام مواقع پر صبر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ سوائے تمہارے۔ کہ یہاں صبر کرنا اچھا نہیں ہے۔ حضرت رویم فرماتے ہیں: شکایت نہ کرنا صبر ہے۔

فرمایا: میں نے استاد ابو علی کو فرماتے سنا کہ صبر اپنے نام کی طرح سخت کڑوا اور مشکل ہے۔

اور مجھے ابو عبدالرحمٰن نے یہ شعر سناتے ہوئے فرمایا کہ انہیں ابو بکر رازی نے یہی شعر سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ ابن عطا نے اپنا یہ شعر مجھے سنایا۔

سا صبر کی ترضی و اتلف حسرة
و حسبی ان ترضی و یتلفنی صبری

ترجمہ: تمہیں راضی کرنے کی خاطر میں صبر کروں گا۔ خواہ مَیں حسرت سے جان ہی کیوں نہ دے دوں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں صبر کرتے ہوئے ہلاک ہو جاؤں اور تو مجھ سے راضی رہے۔

فرمایا: حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

فرمایا: میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان کو فرماتے سنا کہ انہوں نے ابو محمد جریری کو فرماتے سنا کہ صبر یہ ہے: بندہ کیلئے آرام و راحت اور مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں اور دونوں حالتوں میں اسے سکونِ قلب حاصل ہو۔ اور بناوٹی صبر یہ ہے کہ مصیبت پر سکون خاطر تو ہو مگر بندہ تکلیف کا احساس کرتا ہو۔

فرمایا: میں نے استاد ابو علی کو فرماتے ہوئے سنا: صبر کرنے والے دونوں جہانوں

کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِینَ۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان اصبروا وَ صَابروا وَ رَابطوا کی تشریح یوں بھی کی گئی ہے کہ صبر مصابرہ سے کم درجہ رکھتا ہے۔ اور مصابرہ کا رتبہ مرابطہ سے کم تر ہے۔

اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ "اصبرو" کے معنی ہیں اللہ کی اطاعت پر اپنے نفس کو روکے رکھو۔ اور اللہ کی خاطر مصیبتوں پر اپنے دلوں کو لگائے رہو اور اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کے شوق کی طرف لگائے رہو۔

بعض اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صبر کرو۔ اللہ کی مدد کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھو اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ میرا خلق اختیار کرو اور میرا ایک خلق یہ ہے کہ میں صبور (بہت صبر کرنے والا) ہوں۔

کہتے ہیں کہ صبر کے گھونٹ بھرو۔ اگر اس نے تمہیں مار ڈالا۔ تو تم شہید ہو۔ اور اگر زندہ رکھا تو عمر بھر باعزت زندہ رہو گے۔

نیز صبر فی اللہ آزمائش ہے۔ صبر مع اللہ وفا ہے اور صبر عن اللہ جفا ہے۔

اہل اللہ کا صبر:

- حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو پاگل خانے میں قید کر دیا گیا۔ تو کچھ لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ شبلی نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم آپ کے دوست ہیں اور آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اس پر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پتھر مارنے شروع کر دیئے اور وہ لوگ بھاگنے لگے یہ حالت دیکھ کر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، ارے جھوٹو! اگر تم میرے دوست ہوتے تو میرے آزمانے پر صبر کرتے۔
- ایک شخص نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر سوال کیا۔ صبر کرنے والے کیلئے کونسا صبر مشکل ہے، کیا اللہ کی اطاعت میں صبر کرنا مشکل ہے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے پھر

کہا۔ کیا وہ صبر جس میں وارداتِ الٰہیہ ہوتی ہیں مگر پھر بھی بندہ متاوب رہتا ہے۔ (یعنی صبر مع اللہ)؟ فرمایا نہیں۔ اس نے پوچھا۔ پھر آخر کونسا صبر سخت ہے؟ کہا صبر عن اللہ، یعنی وہ صبر جس میں بندہ کو قربِ الٰہی حاصل ہو جانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے سے دور کر دے مگر وہ اس کا دروازہ نہ چھوڑے اور وہیں عاجزی سے پڑا رہے۔ علی بن عبداللہ بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کہہ کر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ معلوم ہوتا تھا انہوں نے دم توڑ دیا۔

❁ امام قشیری فرماتے ہیں:

میں نے منصور بن خلف مغربی کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کو کوڑے لگانے کے لئے ننگا کیا گیا۔ جب (کوڑے لگنے کے بعد) اسے قید خانہ میں واپس لے جایا گیا تو اس نے ایک ساتھی کو بلا کر اس کے ہاتھ پر تھوکا۔ اور اپنے منہ سے چاندی کے ٹکڑے اس کے ہاتھ پر ڈال دئے۔ جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میرے منہ میں دو درہم تھے اور اس حلقہ میں میرا ایک محبوب تھا جس کی وجہ سے مجھے مار پڑ رہی تھی اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں مار کی وجہ سے چیخوں۔ جب کہ میرا محبوب مجھے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا جب مار پڑتی تو میں ان درہموں کو دانتوں سے کاٹتا اس طرح وہ درہم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

ایک صوفی کا بیان ہے۔ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ وہاں میں نے ایک فقیر کو یکھا کہ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور جیب سے ایک رقعہ نکال کر اسے دیکھا اور چل دیا۔ جب دوسرا دن ہوا۔ تو اس نے پھر ایسا ہی کیا وہ شخص کہتا ہے کہ میں کئی دن تک اسے تاڑتا رہا۔ چنانچہ ایک دن اس نے طواف کے بعد رقعہ کو دیکھا۔ اور کچھ دور ہٹ کر گرا اور مر گیا۔ میں نے اس رقعہ کو اس کی جیب سے نکالا۔ تو اس میں لکھا تھا۔

واصبر لحکم ربك فانك باعيننا۔

''اللہ کے حکم پر صبر کرنے والا اس کی نگاہوں میں رہتا ہے''۔

۞ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان کو دیکھا گیا کہ وہ ایک بوڑھے آدمی کے چہرے پر جوتے مار رہا ہے۔ کسی نے اسے کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایسے بوڑھے کے چہرے پر جوتے مار رہا ہے۔ نوجوان نے کہا کہ اس کا جرم بہت ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ بوڑھا میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر تین دن سے یہ مجھے دیکھنے کو نہیں آیا۔

۞ ایک صوفی کہتا ہے کہ میں ہندوستان گیا اور ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ ہے اور لوگ اسے "صبور" (بہت صبر کرنے والا) کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ ابتداء جوانی میں ان کے ایک دوست سفر کو نکلے اور یہ انہیں الوداع کہنے کو گئے۔ ان کی ایک آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ مگر دوسری آنکھ سے آنسو نہ نکلا۔ اس پر انہوں نے اس آنکھ کو جس سے آنسو نہ نکلے۔ کہا کہ تو نے میرے دوست کے فراق پر آنسو کیوں نہیں بہائے؟ لہٰذا اب میں تجھے دنیا کو دیکھنے سے محروم کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے آنکھ بند کر لی اور اب ساٹھ سال گزر گئے ہیں آنکھ نہیں کھولی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: و اصبر صبر اجمیلا۔ اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ساتھ والے کو بھی پتہ نہ چلے کہ میرا ساتھی کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ یہی وہ صبر تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی یعقوب علیہ السلام کو عطا فرمایا فصبر جمیل۔

۞ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صبر پر گفتگو فرمانے لگے، اسی دوران ایک بچھوان کی ٹانگ پر چڑھ گیا اور کئی ڈنگ مارے مگر آپ نے قطعاً حرکت نہ کی۔

آپ سے کسی نے کہا کہ آپ نے اسے ہٹا کیوں نہیں دیا؟ فرمایا مجھے اللہ سے شرم آ گئی کہ میں گفتگو تو صبر کے متعلق کروں مگر خود صبر نہ کروں۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے قیامت کے دن صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہمنشیں ہوں گے (اور اللہ تعالیٰ ان کا۔ان الله مع الصابرين)

ﷺ حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان انی مسنی الضر اے اللہ مجھے تکلیف آ پہنچی۔ اس لئے تھا تا کہ کمزور انسانوں کے لئے گنجائش نکل آئے کہ اگر وہ تکلیف میں ایسی بات کر بھی لیں تو صابر ہی رہیں گے۔ کیونکہ یہ الفاظ کہنے کے باوجود ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا انا وجدناه صابرا۔ ہم نے انہیں صابر پایا۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اپنے بندے پر اپنی آزمائش ڈالی اور اس پر اس نے مجھے پکارا۔ میں نے اس کی دعا قبول کرنے میں دیر کی، پھر اس نے مجھ سے شکایت کی۔ تو میں نے کہا اے میرے بندے! میں ایسی چیز (کے جدا ہونے) سے تجھ پر کیوں رحم کروں جس کی بدولت میں تجھ پر رحم کرتا ہوں؟

لہٰذا اپنی تکلیف کا اظہار اس طرح نہ کیا جائے کہ اس سے شکایت کا پہلو نکلتا ہو اور تقدیر پر اعتراض کرنا سمجھ میں آ رہا ہو قرآن مجید کی اس آیت و جعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا۔ (اور ہم نے انہیں راہنما بنا دیا اپنے حکم سے جب انہوں نے صبر کیا) کے بارے میں ابن عینیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے امرِ دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سرداری عطا فرما دی۔

حضرت ابن شبرمہ پہ جب کبھی کوئی مصیبت آتی تو آپ فرماتے (صبر کی بدولت) عنقریب یہ بادل چھٹ جائیں گے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے قطعاً اس بات کی پرواہ نہ تھی کہ میں ان میں سے کس پر سواری کروں۔

استاد ابو علی فرماتے ہیں: صبر دراصل یہ ہے کہ انسان جب مصیبت سے نکلے تو

اس کی وہی کیفیت ہو جو اس کی اس وقت تھی جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تھا، جس طرح کی حالت ایوب علیہ السلام کی تھی کہ انہوں نے اپنی مصیبت کے اختتام پر یہ الفاظ کہے رب انی مسنی الضر و انت ارحم الرحمین چنانچہ آپ نے گفتگو کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے و انت ارحم الراحمین کہا، تصریحاً ارحمنی نہیں کہا۔

یاد رکھو! عابد کا بہترین صبر یہ ہے کہ یہ دائمی ہو، اور محبین کا بہترین صبر یہ ہے کہ صبر کو ترک کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

بتین یوم البین ان اعتزامه

علی الصبر من احدی الظنون الکواذب

ترجمہ: عاشق صبر کے بڑے دعوے کیا کرتا تھا، مگر محبوب کی جدائی کے دن معلوم ہو گیا کہ اس کا صبر کرنے کا دعوی جھوٹا دعوی تھا (کیوں کہ وہ اس کی جدائی کو برداشت نہیں کر سکا۔ اور بے صبر ہو گیا۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے صبر کے بارے میں چند مشہور اشعار ہیں:

ترا گر صبوری شود دستیار

بدست آوری دولتِ پائدار

ترجمہ: اگر صبر تیرا مددگار ہو تو تو ہمیشہ رہنے والی دولت ہاتھ میں لائے گا۔

صبوری بود کارِ پیغمبراں

نہ پیچند زیں روئے دیں پروراں

ترجمہ: صبر پیغمبروں کا کام ہوتا ہے دین کے محافظ اس سے منہ نہیں پھیرتے۔

صبوری کشاید درِ کام جاں

کہ جز صابری نیست مفتاح آں

ترجمہ: صبر جان کے مقصد کا دروازہ کھولتا ہے اس لئے کہ صبر کے علاوہ اس کی چابی نہیں ہے۔

صبوری بر آرد مرادِ دلت
کہ از عالماں حل شود مشکلت

ترجمہ: صبر تیرے دل کی مراد پوری کرے گا کہ علم والوں سے ہی تیری مشکل حل ہوگی۔

صبوری کلیدِ درِ آرزوست
کشائندۂ کشورِ آرزو ست

ترجمہ: صبر آرزو کے دروازے کی چابی ہے صبر آرزو کے ملک کو کھولنے والا ہے۔

صبوری بہر حال اولی بوَد
کہ درضمنِ آں چند معنی بوَد

ترجمہ: صبر بہر حال بہتر ہوتا ہے کہ اس کے دامن میں کئی مفید چیزیں ہوتی ہیں۔

صبوری ترا کامگاری دِہد
زرنج و بلا رستگاری دِہد

ترجمہ: صبر تجھے کامیابی دے گا غم اور مصیبت سے نجات دے گا۔

صبوری کنی گر ترا دیں بود
کہ تعجیل کار شیاطین بود

ترجمہ: تو صبر کرے گا اگر تیرا دین ہو اس لئے کہ جلد بازی شیطانوں کا کام ہے۔

صبر کے متعلق چند احادیث کا خلاصہ:

ایک عورت کو حضور علیہ السلام نے فرمایا الصبر عند الصدمة الاولی ۔ صبر تو وہی ہے جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ)

❁ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عجبا لامر المؤمن ان مره کله له خیر و لیس ذلك لاحد الا المؤمن ان اصابته سراء شکر فکان خیر اله و ان اصابته ضراء صبر فکان خیرا له۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: مومن پہ تعجب ہے کہ اس کا سارا معاملہ ہی خیر ہے اور یہ حال (مومن کے

علاوہ) کسی اور کا نہیں ہے کہ اگر اس کو نعمت ملے تو شکر کرتا ہے یہ بھی اس کیلئے بہتر ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کیلئے بہتر ہے۔

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اگر تجھے تکلیف آئے تو یوں نہ کہہ لو انی فعلت کان کذا و کذا اگر میں یوں کر لیتا تو اس اس طرح ہوتا (یعنی یہ مصیبت مجھے نہ پہنچتی) و لکن قل قدر اللہ و ما شاء فعل اللہ نے ایسے ہی لکھا ہوا تھا، وہ جو چاہے کرتا ہے (فعال لمایرید) فان لو تفتح عمل الشیطان 'لو" (یعنی اگر مگر) سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے (اور بندے کا ایمان تقدیر سے اٹھ جاتا ہے) (مسلم شریف)

کیونکہ ایک حدیث میں فرمایا گیا بندے کی سعادت مندی اسی میں ہے رضاہ بما قضی اللہ لہ۔ کہ اللہ کے فیصلے پہ راضی رہے۔ (ترمذی)

حضور علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی اور چچازاد بھائی (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کو فرمایا:

و اعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوك بشئ لم ینفعوك الا بشئ قد کتبہ اللہ لك و لو اجتمعوا علی ان یضروك بشئ لم یضروك الا بشئٍ قد کتبہ اللہ علیك۔

ترجمہ: ساری کائنات اگر تجھے نفع پہنچانے پہ جمع ہو جائے تو نہیں پہنچا سکتی مگر وہی (نفع ہوگا) جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر ساری دنیا تجھے نقصان پہنچانے پہ متفق ہو جائے تو نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔

رفعت الا قلام و جفت الصحف۔

ترجمہ: قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔ (احمد، ترمذی)

❁ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

و ان تکون فی ثواب المصیبۃ اذا انت اصبت فیھا لو انھا ابقیت لك۔

(ترمذی - ابن ماجہ)

ترجمہ: اور جب تو مصیبت میں مبتلا ہوتو مصیبت کے ثواب میں زیادہ رغبت کر کہ وہ تجھ پر باقی رکھی جائے (اور تو صبر کرتا رہے تا کہ تجھے ثواب ملتا رہے)

۞ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لو ان عبیدی اطاعونی لا سقیتھم المطر بالیل و اطلعت علیھم الشمس بالنھار و لم اسمعھم صوت الرعد۔ (احمد، مشکوٰۃ)

ترجمہ: اگر میرے بندے میری اطاعت کرتے تو میں رات کو ان پر بارش برساؤں اور دن کو سورج نکالوں اور کڑک کی آواز تک نہ سناؤں (یعنی نہ کڑک کا خوف، نہ دن کو کمائی کرنے میں رکاوٹ کیونکہ اگر دن کو بارش ہوتو کام نہ ہو سکے، فائدہ تو اس میں ہے کہ بارش بھی ہو جائے اور کام بھی نہ رکے)

۞ ایک حدیث میں ہے اگر لوگ اللہ پر بھروسہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح رزق دے کہ جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔

تغدو خماصا و تروح بطانا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور رات کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ (الطلاق)

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسہ کرے گا اللہ اس کے لئے راستہ نکال دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا (کہ مجھے اس جگہ سے رزق مل سکتا تھا)۔

ایک حکایت:

اخبر ابو بکر بن الخاضیۃ انّہ کان لیلۃً من اللیالی قاعدًا ینسخ شیئًا من الحدیث بعد ان مضی وھن من اللیل قال و کنت ضیق الید فخرجت فارۃ کبیرۃ و جعلت تعدو فی البیت و اذا بعد ساعۃٍ خرجت اخری و جعلتا

تلعبان بین یدی و تتقافزان الی ان دنتا من ضوء السراج و تقدمت احدھما و کانت بین یدی طاسة فاکببتھا علیھا فجاء ت صاحبتھا و شمت الطاسة و جعلت تدور حوالی الطاسة و تضرب بنفسھا علیھا و انا ساکت انظر مشتغل بالنسخ فدخلت سربھا و اذا بعد ساعةٍ خرجت و فی فیھا دینار صحیح و ترکتہ بین یدی فنظرت الیھا و سکت و اشتغلت بالنسخ و قعدت ساعةً بین یدی تنظر الی فرجعت و جاء ت بدینارٍ اخر و قعدت ساعةً اخری و انا ساکت انظر و انسخ و کانت تمضی و تجئی الی ان جاء ت باربعة دنانیر او خمسةٍ الشك منی و قعدت زمانًا طویلًا اطول من کل نوبةٍ و رجعت و دخلت سربھا و خرجت و اذا فی فیھا جلیدة کانت فیھا دنانیر و ترکتھا فوق الدنانیر فعرفت انہٗ ما بقی معھا شیء فرفعت الطاسة فقفزتا و دخلتا البت و اخذت الدنانیر و انفقتھا فی مھم لی۔

ترجمہ: ابوبکر بن خاضیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ایک رات بیٹھا حدیث کا کچھ حصہ لکھ رہا تھا جبکہ رات کا ادھا حصہ گذر چکا تھا اور وہ ان دنوں میں تنگدست تھا اسی دوران ایک بڑا چوہا نکلا اور گھر میں دوڑنے لگا تھوڑی دیر میں دوسرا چوہا نکلا اور دونوں میرے سامنے کھیلنے لگے اور اچھل کود کرنے لگے یہاں تک کہ دونوں چراغ کی روشنی کے قریب آگئے اور ان میں سے ایک آگے بڑھ آیا اور میرے سامنے ایک برتن (طشت) رکھا تھا تو میں نے اس کو چوہے کے اوپر اوندھا کر دیا اس کا ساتھی آیا اور طشت کو سونگھا اور برتن کے اردگرد چکر لگانے لگا اور میں خاموش دیکھتا رہا اور لکھنے میں مشغول رہا پھر وہ چوہا اپنے بل میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلا تو اس کے منہ میں ایک عمدہ دینار تھا اسے اس نے میرے سامنے چھوڑ دیا میں نے اس کی طرف دیکھا اور خاموش رہا اور لکھنے میں مشغول رہا وہ چوہا میرے سامنے بیٹھا میری طرف دیکھتا رہا پھر وہ دوبارہ بل میں گیا اور ایک مزید دینار لے کر آیا اور تھوڑی دیر بیٹھا رہا اور میں چپ

چاپ دیکھتا رہا اور لکھتا رہا اسی طرح وہ چوہا آتا جاتا رہا یہاں تک کہ چار پانچ دینار لے کر آ گیا۔ (راوی کہتا ہے چار پانچ کا شک میری طرف سے ہے) اور کافی دیر تک بیٹھا رہا یعنی ہر باری سے زیادہ دیر تک، پھر لوٹ گیا اور بل میں گھس گیا اور اب نکلا تو اس کے منہ میں ایک چھوٹی سی تھیلی تھی جس میں دینار تھے وہ ان دینار کے اوپر ڈال دی تو مجھے یقین آ گیا کہ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا چنانچہ میں نے طشت کو اٹھا دیا اور وہ دونوں کودتے ہوئے اپنے بل میں جا گھسے میں نے دینار رکھ لیے اور اپنی ضرورت میں خرچ کیے۔ (مفید الطالبین)

صبر کا پھل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور جب ان کی محتاجی دیکھی تو (تنگ دستی کی وجہ سے) جنگل کا رخ کر لیا (تا کہ لکڑیاں وغیرہ کاٹ کے لائے اور جو مزدوری ملے اس سے بچوں کا پیٹ پالے) جب اس کی بیوی نے دیکھا تو وہ چکی کی طرف گئی (پاٹ پہ پاٹ رکھا) اور پھر تنور کی طرف گئی، اس میں آگ جلائی (تا کہ پڑوسی یہ نہ سمجھیں کہ بھوکے ہیں اور ہمارے فقر و فاقہ پر کوئی مطلع نہ ہو جائیں اور ہمارے ثواب میں کمی) پھر اس نے دعا کی اللھم ارزقنا۔ اے اللہ! ہمیں رزق عطا فرما۔ (دعا کرنے کی دیر تھی کہ) چکی آٹے سے بھر گئی اور تنور روٹیوں سے بھر گیا۔ خاوند واپس آیا اور اس نے پوچھا اصبتم بعدی شیئاً۔ میرے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے کہا! نعم من ربنا۔ ہاں اپنے رب کی طرف سے سب کچھ پا لیا۔ خاوند ماجرا سن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور سب کچھ کہہ سنایا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اما انہ لو لم یرفعھا لم تزل تدور الی یوم القمة۔ اگر چکی کو یہ شخص بند نہ کرتا (اور نہ بتاتا) تو قیامت تک چلتی رہتی۔ (مشکوۃ صفحہ ۴۵۴)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان الرزق لیطلب العبد کما یطلبہ اجلہ۔ رزق بندے کو ایسے ڈھونڈ لیتا ہے جس طرح اس کو اس کی

موت ڈھونڈ لیتی ہے۔ (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ، مشکوۃ)

بلکہ علماء فرماتے ہیں رزق کی تلاش موت کی تلاش سے قوی ہے کیونکہ موت تو ایک ہی بار آتی ہے جب بندہ اپنا پورا رزق کھا لیتا ہے اور رزق ہر لحہ نیا ملتا ہے فرق یہ ہے کہ رزق کی تلاش سنت ہے اور موت کی تلاش و تمنا ممنوع ہے جبکہ ہیں دونوں ہی یقینی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رزق ہی کی تلاش میں مصر گئے تھے رزق بھی مل گیا اور یوسف بھی مل گیا۔ (علیہ الصلوۃ والسلام)

بات صبر کے بارے میں ہو رہی تھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کا صبر بیان کیا کہ قوم نے ان کو مار مار کر لہولہان کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور ساتھ دعا کر رہے تھے اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ مجھے جانتے نہیں۔ (مشکوۃ صفحہ ۴۵۴) یہ نبی نوح علیہ السلام تھے یا خود حضور علیہ السلام ہیں اور عاجزی کی وجہ سے اپنا نام نہیں لیا۔

شکر کی حقیقت:

صوفیاء کرام فرماتے ہیں: شکر کی حقیقت اہل تحقیق کے نزدیک یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کیا جائے۔

اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو مجازاً شکور کہا جائے گا۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے بندوں کو شکر گزاری پر جزا دیتا ہے۔ لہٰذا شکر کی جزا دینے کو یہاں شکر کہا گیا۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے۔ و جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ معمولی سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ عربی کا محاورہ ہے۔ "دابۃ شکور" یعنی وہ جانور جسے باوجود اس کے کہ کم چارہ دیا جاتا ہو اور وہ زیادہ موٹا ہوتا جائے۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس

کی تعریف کی جائے۔ چنانچہ بندے کا شکر گزاری کرنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ ہوگا کہ وہ بھی بندے کے احسان (نیکی) کا ذکر کر کے اس کی تعریف فرماتا ہے۔ مزید براں بندے کا احسان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

شکر کی قسمیں:

شکر کی تین قسمیں ہیں۔ زبان کا شکر اور وہ اس طرح ہے کہ عجز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔ بدن اور اعضا کا شکر یہ ہے کہ انسان اپنے منعم کا وفادار اور خدمت گزار رہے اور دل کا شکر اس طرح ہے کہ منعم کے احترام کی ہمیشہ رعایت رکھتے ہوئے اس کے احسان کو ہر لحظہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے پھر آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ وہ لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالے اور کان کا شکر یہ ہے کہ جو عیب کی بات سنے اس پر پردہ ڈالے۔

ایک شکر علماء کا ہوتا ہے اور وہ اقوال و نطق کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی زبان کا شکر) دوسرا شکر عابدوں کی صفت ہوتی ہے، جو ان کے احوال کی قسم سے ہوتا ہے۔ (یعنی افعال و جوارح کا شکر) اور تیسری قسم کا شکر عارفوں کا شکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے عام احوال میں اپنے منعم کے لیے کاربند رہتے ہیں۔ ابوبکر وراق فرماتے ہیں کہ کسی کی نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ اس کے احسان کو حاصل کرنے میں اپنے آپ کو (مستحق نہ سمجھے۔ بلکہ) طفیلی سمجھے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکر کے اندر (شکر کرنے کا) سبب پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ شاکر اپنے لئے اور عنایات کا طالب ہوتا ہے۔ لہٰذا شکر گزار درحقیقت اللہ کے ساتھ ہو کر اپنی ذات کے لئے حظ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شکر یہ ہے کہ تو شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔ کہتے ہیں کسی کا شکر ادا کرنے پر شکر کرنا شکر کرنے سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ کیوں کہ تو اپنی شکر گزاری کو بھی اسی (یعنی اللہ تعالی) کی توفیق میں سے شمار کرے گا اور یہ توفیق بھی تم پر انعامات بخشنے کی خاطر ہوگی۔لہٰذا تو شکر پر بھی شکر کرے گا، پھر شکر پر شکر کرے گا اور پھر یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔

نیز کہتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ تو اپنی عاجزی کو جانتے ہوئے احسان کو احسان کرنے والے کی طرف منسوب کرے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو احسان کا اہل ہی نہ سمجھے۔

رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شکر تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام کی تمام طاقت احسان کنندہ کی اطاعت میں لگا دے۔

شاکر اور شکور میں فرق:

- شاکر وہ ہے جو موجودہ چیز پر شکر گزار ہو اور شکور وہ ہے جو ناموجود چیز پر شکر گزاری کرے۔
- شاکر وہ ہے جو کسی عطیہ پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو نہ دینے پر بھی شکر کرے۔
- جو نفع پر شکر ادا کرے وہ شاکر ہے اور جو کسی چیز کے نہ ملنے پر بھی شکر ادا کرے وہ شکور ہے۔
- جو عطیہ پر شکر ادا کرے وہ شاکر کہلاتا ہے اور جو مصیبت پر شکر ادا کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔
- جو انعام پر شکر ادا کرے وہ شاکر کہلاتا ہے جو سب کچھ لٹ جانے پر بھی شکر ادا کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔(رسالہ قشیریہ)

صوفیاء کے نزدیک شکر کا معنی ومفہوم:

حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا، انہوں نے ابوسہل صعلوکی سے سنا انہوں نے کہا کہ المرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ابھی سات سال کا تھا اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ شکر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے آپ نے مجھ سے پوچھا۔ شکر کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ شکر یہ ہے کہ تو اس کے احسان کے بدلے اس کی نافرمانی نہ کرے۔ اس پر حضرت سری نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے کرم سے تجھے زبان عطا کرے گا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سری کے ان الفاظ کی وجہ سے اب تک روتا رہتا ہوں۔

شبلی فرماتے ہیں احسان کرنے والے کو نگاہ میں رکھنا شکر ہے نہ کہ احسان کو نگاہوں میں رکھنا۔

کہا جاتا ہے کہ احسان جو کہ موجود ہے اس کی حفاظت کرنا اور طلب مزید کا جو اس وقت معدوم ہے، طلب کرنا شکر ہے۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عوام کا شکر تو کھانے اور لباس پر ہوتا ہے، مگر خواص تو ان واردات پر شکر ادا کرتے ہیں جو ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے باری تعالیٰ میں تیرا کیسے شکر ادا کروں جبکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تیری ایک عنایت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اب تو نے میرا شکریہ ادا کر دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مناجات میں عرض کیا کہ اے اللہ! تو نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ (اور پھر) اس کے ساتھ تو نے ایسا ایسا سلوک کیا۔ لہٰذا اس نے تیرا شکریہ کیسے ادا کیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے معلوم تھا کہ سب کچھ میری طرف سے ہے۔لہٰذا یہی جاننا شکر شمار کیا گیا۔

واقعات شکر:

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- کسی شخص کا ایک دوست تھا۔ جسے بادشاہ نے قید کر دیا، اس شخص نے اپنے دوست کو پیغام بھیجا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے اس نے کہا: اللہ کا شکر ادا کرو۔ پھر اس شخص کو مار پڑی اور اس نے پھر دوست کو لکھا، دوست نے پھر لکھ بھیجا کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد ایک مجوسی لایا گیا جسے پیٹ کی بیماری تھی، اور بیڑیاں لائی گئیں، بیڑیوں کا ایک حلقہ اس شخص کے پاؤں میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں، مجوسی رات کو کئی بار اجابت کے لئے اٹھتا اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑا رہنا پڑتا اس نے پھر دوست کو لکھا۔ مگر پھر وہی جواب ملا کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس نے کہا۔ تم کب تک مجھ سے یہی کہے جاؤ گے اس سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہو سکتی ہے۔ دوست نے کہا: اگر اس کا زنار (کفر کا نشان) تمہاری کمر میں ڈال دیا جاتا جس طرح کہ بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں۔ تو تم کیا کر سکتے تھے؟
- کہتے ہیں کہ ایک شخص سہل بن عبد اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا! چور میرے گھر میں گھس کر سارا سامان لے گیا۔ آپ نے فرمایا! اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر چور (یعنی شیطان) تمہارے دل میں گھس کر توحید کو خراب کر دیتا تو تو کیا کر سکتا تھا؟
- کسی صوفی سے حکایت بیان کی گئی کہ انہوں نے ایک سفر میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا اور اس کا حال پوچھا، تو بوڑھے نے بیان کیا کہ میں ابتداء عمر میں اپنی چچازاد بہن پر عاشق تھا۔ اور اسے بھی مجھ سے عشق تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میرا اس سے نکاح ہو گیا۔ شب زفاف میں ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ

نے ہم دونوں پر مہربانی فرما کر ہمیں بذریعہ نکاح اکٹھا کر دیا ہے۔ لہٰذا آج رات ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ چنانچہ ہم رات بھر نماز پڑھتے رہے اور ایک دوسرے کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ دوسری رات بھی ہم نے ایسا ہی کیا چنانچہ ستر یا اسی سال سے ہم ہر رات اس طرح کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا! کیا ایسا نہیں ہے؟ بڑھیا نے کہا بات ایسی ہی ہے جیسا کہ شیخ نے بیان کیا۔

(امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے سلمی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ محمد بن حسین نے کہا، حسین بن یحییٰ نے کہا: جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ انہوں نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ مجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو مجھ سے کوئی سوال کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا اے ابوالقاسم! شکر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی نافرمانی کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ پھر پوچھا کہ تجھے یہ بات کیسے معلوم ہوئی میں نے عرض کیا آپ کی ہم نشینی سے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

امام قشیری فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی نے خانہ کعبہ کے رکن سے چمٹ کر کہا۔ اے اللہ! تو نے مجھ پر انعام کیا مگر تو نے مجھے شاکر نہ پایا، تو نے مجھے مبتلا کیا۔ مگر مجھے صابر نہ پایا لیکن باوجود اس کے کہ میں نے شکر ادا نہیں کیا تو نے مجھ سے اپنی عنایات کو روک نہیں لیا اور نہ ہی میری بے صبری کی وجہ سے تو نے مصیبت کو دائم رکھا۔

عرض کیا: اے خدا! ''از کریماں ہیچ ناید جز کرم'' (کریموں سے کرم ہی ظاہر ہوتا ہے) فرماتے ہیں: اے بندے! جب تو جزا دینے سے قاصر ہے تو تیری زبان شکر گزاری کے ساتھ لمبی ہونی چاہیئے۔ فرمایا: چار چیزوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

1- بہرے سے راز میں بات کرنے کا۔

2- ناشکر گزار پر احسان کرنے کا۔

3- زمین شور میں بیج ڈالنے کا

4- سورج کی روشنی میں چراغ جلانے کا۔

شکر کے لیے زندگی کی تمنا:

جب اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کو مغفرت کی بشارت دی تو انہوں نے زندگی چاہی۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: میں اس لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ میں اللہ کا شکر ادا کروں۔ کیونکہ اس سے پیشتر میں مغفرت کے لئے عمل کرتا تھا۔ اس پر فرشتے نے اپنا پر پھیلایا اور انہیں اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔

پتھر کا شکرانہ:

ایک نبی علیہ السلام ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے، جس سے پانی کثرت سے نکل رہا تھا۔ نبی علیہ السلام کو اس پر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی ان سے گفتگو کرادی چنانچہ پتھر نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے۔

ناراً وقودها الناس و الحجارة۔

ترجمہ: نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی آگ میں داخل کرے گا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

اسی دن سے میں ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس پتھر کو دوزخ سے پناہ دے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی علیہ السلام کو خبر دی کہ ہم نے اسے پناہ دے دی۔ یہ سن کر نبی علیہ السلام وہاں سے روانہ ہو گئے واپس آئے تو دیکھا کہ پانی بدستور پھوٹ رہا ہے۔ انہیں پھر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر پتھر کو قوت گویائی دے دی۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر نے جواب دیا وہ رونا غم اور خوف کا تھا اور یہ رونا شکر اور سرور کا ہے۔

جولوگوں کا شکر گذار نہیں وہ اللہ کا شکر گذار بھی نہیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک وفد آیا جس میں ایک نوجوان تھا، اس نوجوان نے بات شروع کی تو حضرت عمر نے کہا جو بڑا ہو وہ بات کرے۔ نوجوان نے عرض کی: اے امیر المؤمنین اگر بات عمر پر ہوتی تو امت میں آپ سے بڑی عمر کے بہت سے لوگ ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: کہو! کہنے لگا ہم نہ تو کسی لالچ کے لیے آئے ہیں اور نہ کسی کے ڈر سے۔ رغبت کی تمام چیزیں آپ کی مہربانی سے ہم تک پہنچ رہی ہیں اور ڈر اس لئے نہیں کہ ہمیں آپ کے عدل وانصاف نے امن میں رکھا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: پھر تم کیسے آئے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا: ہم صرف شکر ادا کرنے کو آئے ہیں اور شکر ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اور پھر اس نے اس مفہوم کے اشعار پڑھے:

مشکل تو یہ ہے کہ جو احسانات آپ نے مجھ پر کیے ہیں میرا شکران کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مگر آپ کے احسانات تو بول رہے ہیں۔ میں آپ کے احسانات کو دیکھوں اور پھر انہیں چھپائے رکھوں؟ تب تو میں سخی کے احسانات کا چور ٹھہرا۔

حدیث شریف میں ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا اور شکر گزار بندے کو ہر وقت مزید انعام ملتا رہتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں ضرور بالضرور زیادہ دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں پر رحم کرو خواہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوں یا نہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! جو مبتلا نہیں ان پر کیونکر رحم کھاؤں؟ فرمایا! اس لئے کہ جو عافیت میں نے انہیں دے رکھی ہے اس پر وہ شکر گزار نہیں ہیں۔ (رسالہ قشیریہ)

حمدوشکر میں اعتباری فرق:

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حمد باری تعالیٰ انفاس صالحہ پر کی جاتی ہے اور شکر جسمانی نعمتوں پر۔

نیز فرمایا کہ حمد کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہے اور شکر تمہاری طرف سے فدیہ ہے ایک صحیح حدیث میں ہے۔ جن لوگوں کو سب سے پہلے جنت میں جانے کیلئے بلایا جائے گا وہ ایسے لوگ ہوں گے جو ہر حالت میں اللہ کی حمد بیان کرتے ہوں گے۔

فرمایا: حمد ان مصائب پر کی جاتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ دور کرے اور شکر ان انعامات پر ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بعض کہتے ہیں: شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیات پر جو کسی طرح بھی واجب نہیں ہیں اس کی تعریف کر کے لذت حاصل کی جائے۔

حضرت سعدی کی زبان میں:

کسے را کہ باشد دل حق شناس

نشاید کہ بندد زبان سپاس

ترجمہ: جس شخص کا دل حق پہچاننے والا ہو، اسے نہیں چاہئے کہ شکر کی زبان بند کرے۔

نفس جز بشکر خدا بر میار

کہ واجب بود شکر پروردگار

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شکر کے بغیر سانس باہر نہ لا، اس لئے کہ پروردگار کا شکر ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ترا مال و نعمت فزایدز شکر

ترا فتح از در در آید زشکر

ترجمہ: شکر سے تیرے مال اور نعمت میں اضافہ ہوگا، شکر سے تیرے لئے فتح دروازے

سے اندر آئے گی۔

اگر شکر حق تا بروز شمار
گزاری نباشد یکے از ہزار

ترجمہ: اگر تو اللہ تعالیٰ کا شکر قیامت کے دن تک ادا کرے، تو ہزار حصوں میں سے ایک بھی ادا نہ ہوگا۔

ولے گفتن شکر اولی ترست
کہ اسلام را شکر او زیورست

ترجمہ: لیکن شکر کا ادا کرتے رہنا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ اس کا شکر اسلام کے لئے زیور ہے۔

گراز شکر ایزدنہ بندی زباں
بدست آوری دولت جاوداں

ترجمہ: اگر تو اللہ تعالیٰ کے شکر سے زبان بند نہ کرے، تو تو دائمی دولت حاصل کرے گا۔ (کریما سعدی ترجمہ علامہ شرف قادری)

حاصل کلام:

بسا اوقات انسان غلطی کرتا ہے تو اسے تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ توبہ کر لیتا ہے لیکن بعض بدکاروں کے ساتھ عجیب طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ وہ جتنے گناہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی جناب میں جتنی بھی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں، ان کی دولت، ان کی شہرت، ان کی عزت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ کمبخت اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہ عین ثواب ہے۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کو موت کا جام پلا دیتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں، تو اپنے آپ کو وہ عذاب الٰہی میں گرفتار پاتے ہیں۔ مجرموں اور نابکاروں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو قرآن کریم

نے استدراج کہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سنستدرجهم من حيث لا يعلمون۔ (القلم:۴۴)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ نسبغ علیهم النعم وننسیهم الشکر۔ یعنی ہم ان پر پے در پے نعمتیں اتارتے رہتے ہیں اور شکر کرنا انہیں فراموش کرا دیتے ہیں۔ ابو ورق کہتے ہیں اے کلما احد ثوا خطیئة جددنالهم نعمة و انسیناهم الاستغفار۔ جب بھی وہ کوئی نئی خطا کرتے ہیں ہم ان کو نئی نعمت بخش دیتے ہیں اور استغفار کی توفیق سلب کر لیتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی اسرائیل میں سے کسی بدکار نے کہایا رب کم اعصیك و انت لا تعاقبنی۔ یا اللہ! میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں اور تو مجھے سزا ہی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی علیہ السلام کو وحی کی: اس احمق سے کہو کہ میں نے تو تمہیں کئی سزائیں دی ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔ ان جمود عینك و قساوة قلبك استدراج منی و عقوبة لو عقلت۔ اگر تجھے عقل ہوتی تو تیری آنکھوں کا آنسوؤں سے محروم ہو جانا اور تیرے دل کا سخت ہو جانا بہت بڑی سزا ہے اور میری طرف سے استدراج ہے۔

اسی مفہوم کو مزید سمجھنے کے لئے قرآن پاک کی چند آیات بمعہ ترجمہ دیکھیں۔

و ما ارسلنا فی قرية من نبی الا اخذنا اهلها بالباساء و الضراء لعلهم يضرعونo ثم بدلنا مكان السيئة الحسنة حتی عفو او قالوا قد مس اباء نا الضراء و السراء فاخذنهم بغتة و هم لا يشعرون۔ و لو ان اهل القری امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركت من السماء و الارض و لكن كذبوا فاخذنهم بما كانوا يكسبونo افا من اهل القری ان ياتيهم باسنا بياتا و هم نائمونo او امن اهل القرىٰ ان ياتيهم باسنا ضحی و هم يلعبونo افا منوا مكر الله فلا يا من مكر الله الا القوم الخسرونo اولم يهد للذين يرثون الارض من

بعد اهلها ان لو نشاء اصبنهم بذنوبهم و نطبع علی قلوبهم فهم لا یسمعونo تلك القری نقص علیك من انباء ها و لقد جاء تهم رسلهم بالبینت فما کانو الیؤمنوا بما کذبوا من قبل کذلك یطبع الله علی قلوب الکفرینo و ما وجدنا لا کثرهم من عهد و ان وجدنا اکثرهم لفسقینo

(الاعراف:۹۴-۱۰۲)

ترجمہ: اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ (اس کو جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تا کہ وہ گڑ گڑائیں۔ پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت حتی کہ وہ خوب پھلے پھولے (اور خوش ہوئے کہ ہم جو گناہ کر رہے ہیں اللہ ہم سے راضی ہے) اور کہنے لگے یوں ہی ہمارے باپ دادا کو بھی پہنچا کرتی تھی کبھی راحت اور کبھی تکلیف تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور ان کو شعور بھی نہ ہوا۔ اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ضرور ان پر زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے (ہمارے رسولوں کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کو پکڑ لیا ان کے کرتوتوں کے سبب۔ تو کیا بے خوف ہو گئے ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات جب کہ وہ (غفلت کی نیند) سو رہے ہوں۔

یا وہ بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ان پر ہمارا عذاب دوپہر کے وقت آ جائے جب کہ وہ کھیل میں مست ہوں۔ تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی (پکڑ) خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے؟ اللہ کی خفیہ تدبیر سے تو نقصان اٹھانے والی قوم ہی بے خوف ہوتی ہے۔

کیا یہ (حقیقت) ان لوگوں پہ واضح نہ ہوئی جو ان (اصل مالکوں) کے بعد زمین کے وارث بنے کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں (بھی ان کی طرح جن کے یہ وارث ہیں) سزا دیں ان کے گناہوں کے سبب اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تا کہ کچھ نہ سن سکیں۔

یہ بستیاں ہیں کہ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی کچھ خبریں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن دلیلوں کے ساتھ، پس وہ ایمان نہ لائے اس پر جس کو وہ جھٹلا چکے تھے اس سے پہلے اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے"۔

فلا تعجبك اموالهم و لا اولادهم انما يريد الله ليعذبهم بها فى الحيوة الدنيا و تزهق انفسهم و هم كافرون۔ (التوبہ:۵۵)

ترجمہ: تو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ (ان کو مال و اولاد کی فراوانی دے کر) یہی چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے انہیں عذاب دے دنیا کی زندگی میں اور ان کا سانس اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں۔

ان الذين لا يرجون لقاء نا و رضوا بالحيوة الدنيا و اطمئوا بها و الذين هم عن اياتنا غافلون۔ (یونس:۷)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے اور اس کے (سازو سامان سے) مطمئن ہو گئے اور وہ ہماری آیات سے غافل ہیں۔

الغرض! اس موضوع پہ قرآن پاک میں اتنا مواد ہے کہ اگر ہمیں معروف اختلافی مسائل سے فرصت ملے اور ہم اپنے عوام کی اصلاح کی نیت سے اس موضوع کو صرف قرآنی آیات سے ہی عوام الناس تک پہنچائیں تو بھولے بھالے مسلمانوں کی کافی حد تک اصلاح ہو سکتی ہے اور پھر ہمیں اپنے عوام سے یہ گلہ نہ رہے گا کہ لوگ بے عمل ہو رہے ہیں، نماز روزے اور دیگر فرائض کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ فکر آخرت اور خوف خدا کا جذبہ سینوں میں پیدا ہو جائے تو اعمال صالحہ کی طرف رغبت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ اس موضوع پہ مزید مطالعہ کا شوق ہو تو ہماری کتاب ''شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ المعروف شرح حدائق بخشش'' کا مطالعہ فرمائیں اور یاد رکھو کہ جب تک ظاہر و باطن اور قلب و روح کی اصلاح نہ ہو جائے تب تک بات نہیں بنے گی۔

کشف المحجوب شریف کا حوالہ:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں برگزیدۂ مشائخ حرمین، قرۃ العین محبوب پیشوا اور راہنمائے اہل عراق و خراسان حضرت ابو عبداللہ محمد بن فضل بلخی علیہ الرحمۃ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اعرفھ الناس بالله اشدھم مجاھدۃ فی اوامرہ و اتبعھم بسنۃ نبیہ (صلی الله علیہ وسلم)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پہچان رکھنے والا وہی شخص ہوسکتا ہے جو احکام الٰہیہ پر سختی سے عمل پیرا ہو اور حضور علیہ السلام کی سنت کا پابند ہو۔

مزید فرمایا:

عجبت ممن یقطع البوادی و القفار و المفاوز حتی یصل الی بیتہ و حرمہ لان فیہ اثار انبیاءہٖ و کیف لا یقطع نفسہ و ھواہ حتی یصل الی قلبہ لان فیہ اثار مولاہ۔

ترجمہ: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو وادیوں، جنگلوں اور ویرانوں کو طے کر کے اپنے گھر میں آتا ہے لیکن انبیاء کرام کی سنت و طریقہ ہے وہ کیوں اپنے نفس و ہوا کی وادیاں طے کر کے اپنے دل کے پنہاں خانے کی طرف نہیں دیکھتا جہاں مالک و مولیٰ کے نشانات ہیں۔

لان الله عند المنکسرۃ قلوبھم۔ (کشف المحجوب صفحہ ۲۲۷)

قلب مومن اس لحاظ سے کعبہ پر فضیلت رکھتا ہے کہ کعبہ قبلۂ عبادت ظاہری اور بندوں کی نگاہوں کا مرکز ہے اور دل وہ ہے کہ جس پر رب کی نظر ہوتی ہے۔

و لکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم۔

کعبہ تعمیر خلیل اطہر است
دل گذر گاہ جلیل اکبر است

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ جنہیں داتا صاحب نے زبدۂ عباد اور جمال الاوتاد اور حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے "صدیق زمانا" لکھا فرماتے ہیں۔

الشهوة ثلثة شهوة فی الاکل و شهوة فی الکلام و شهوة فی النظر۔ و احفظ الاکل بالثقة و اللسان بالصدق و النظر بالعبرة۔

ترجمہ: شہوتیں تین ہیں ایک کھانے کی دوسری کلام کرنے کی اور تیسری دیکھنے کی۔

اور فرمایا کھانے کی شہوت کا احتیاط سے علاج کر، کلام کی شہوت کا علاج سچ بولنے سے کر، اور آنکھ کی شہوت کا علاج عبرت سے کر۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

روحانی اطمینان اور دلی سکون کیلئے:

ضروری ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مال عطا کرے ترقی یا فتح عطا کرے یا کوئی بھی نعمت عطا کرے تو وہ نعمت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور اس کا شکر ادا کرے اور اللہ کی عبادت کرے یہی اس کی نعمتوں کا شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا یها الذین امنو کلوا من طیبت ما رزقنکم و اشکروا لله ان کنتم ایاه تعبدونo (البقرہ۔۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، جو ہم نے تمہیں عطا کیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

ایک جگہ فرمایا:

فاذکرونی اذکرکم و اشکروا لی و لا تکفرونo (البقرۃ-۱۵۲)

ترجمہ: پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اگر اللہ کی نعمت ملے تو اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کی پہلے سے زیادہ عبادت کرے اس پر زیادہ نعمت ملنے کا وعدہ فرمایا گیا (جیسا کہ سورۂ ابراہیم کی آیت

نمبرے کے حوالے سے گذر چکا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شکر گذار کھانے والا، صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے''۔

(سنن ابن ماجہ/ ابواب الصیام)

اور اگر کوئی تکلیف آئے یا محرومی نظر آئے تو استقلال کے ساتھ محنت کرتا رہے اور صبر سے کام لے، واویلا نہ کرے اور بدکلامی، ماتم یا بے صبری سے بچے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایها الذین امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا قف و اتقوا الله لعلکم تفلحونo (العمران-۲۰۰)

''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ کے وقت مضبوط رہو اور آپس میں رابطہ رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ''۔

ہر گناہ سے بچنے پر صبر کرنا اور ہر دکھ سکھ میں اسلام پر پختہ رہنا صبر کی صحیح تعبیر ہے اور صبر کرنے پر خوب اجر کا وعدہ کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

و لنجزین الذین صبروا اجرهم باحسن ما کانوا یعملونo (النحل-۹۲)

''اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اچھے کاموں کا جو وہ کرتے تھے ضرور اجر دیں گے''۔

کفار بدکار لوگوں کی دنیاوی شان و شوکت اور نیک و صالحین کی دنیاوی اعتبار سے کمزور حالت کو دیکھو تو اپنے آپ کو اسلام اور صالحین کے ساتھ وابستہ رکھنے پر صبر و استقلال دکھاؤ، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و اصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداوة و العشی یریدون وجههٗ و لا تعد عیناك عنهم ترید زینة الحیوة الدنیا و لا تطع من اغفلنا قلبهٗ عن ذکرنا و اتبع هواه و کان امرهٗ فرطاo (الکہف-۲۸)

ترجمہ: تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ، جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی رضامندی چاہتے ہوئے اور تو اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹا کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت تلاش کرنے لگ جائے اور اس شخص کا کہا نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔

اور اگر تکلیف آئے یا نقصان ہو یا کوئی عزیز وفات پا جائے تو صبر کرے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

و لنبلونکم بشیءٍ من الخوف و الجوع و نقصٍ من الاموال و الانفس و الثمرت و بشر الصبرینo الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله و انا الیه راجعونo اولئك علیهم صلوت من ربهم و رحمة و اولئك هم المهتدونo

(البقرہ:۱۵۵-۱۵۷)

ترجمہ: اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر والوں کو خوشخبری دے دو وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں صبر کرنے والوں کے لئے تین انعامات کا ذکر کیا۔

1۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں ہوں گی۔

2۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت ہوگی۔

3۔ اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اگر کوئی آفت یا پریشانی آئے تو اس کا علاج بھی بتا دیا۔ فرمایا:

یٰایها الذین امنوا استعینوا بالصبر و الصلوة ان الله مع الصبرینo

(البقرہ-۱۵۳)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے کہ فرمایا: مسلمان جب لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھے اور ان کی ایذا دہی پر صبر کرے تو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے اختلاط نہ رکھے مگر ان کی ایذا دہی پر صبر نہ کرے۔ (جامع ترمذی جلد ۲، ابواب صفۃ القیامۃ)

الغرض! انسان کو بہر حال صبر و شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا نیاز مند رہنا چاہیے، اگر نعمت ملے تو اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائے بلکہ پہلے سے زیادہ اس کی بارگاہ میں جھکے، اور اگر کبھی ابتلاء و آزمائش میں گرفتار ہو تو شکوہ نہ کرے بلکہ اللہ سے مدد مانگے۔ توبہ استغفار کرے، جو نعمت اس کو نہیں ملی اس کے نہ ملنے پر پریشان ہو کر شکوہ کرنے کی بجائے، جو پہلے سے موجود ہیں ان کا شکریہ بجالائے اور مصیبت آئے تو اپنی تکلیف پر بے صبری کرنے کی بجائے جو لوگ زیادہ تکلیف میں ہیں ان کو دیکھ کر شکر کرے کہ اللہ نے تجھے تو اس تکلیف میں مبتلا نہیں کیا۔ کیا یہ اس کی کم مہربانی ہے کہ

مٹی سے اگا دیتا ہے وہ گھاس ہری سی
قطرے سے بنا دیتا ہے تصویر پری سی
اللہ کا صد شکر کہ انسان بنایا
انسان بھی ایسا کہ مسلمان بنایا

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر۳:

عدل وانصاف اور اس کے تقاضے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اعدلوا هو اقرب للتقوی۔(المائدہ:۸)

ترجمہ: عدل کرو یہی تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

اس آیہ مبارکہ کے نزول کی وجہ بیان کرتے ہوئے علماء نے لکھا کہ مکہ فتح ہونے والا تھا اور مسلمانوں کے سامنے ان کی جان و مال کے بدترین دشمن پیش ہونے والے تھے لہٰذا حکم ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خوش غضب و انتقام میں اے اہل ایمان: ان پر زیادتی کرنے لگو بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کیلئے مضبوطی سے قائم رہو (قوامین لله) اگر کفار و مشرکین نے اہل ایمان شہداء کے ناک کان کاٹ کر مُثلہ بنایا ہے اور مسلمانوں کے بچوں، عورتوں کو بے دریغ قتل کیا ہے تو تم ایسا نہ کرنا۔

وہ جفا کرتے رہیں اور تم وفا کرتے رہو
اپنا اپنا فرض ہے دونوں ادا کرتے رہو

ارشادربانی ہے:

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط و لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا۔

ترجمہ: اے ایمان والو! مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر مجبور و برانگیختہ نہ کرے۔

یہ آیت سورۃ مائدہ کی ہے اور سورۃ نساء میں اسی حکم کو یوں بیان کیا......

و لو علی انفسکم اوالو الدین و الاقربین......

ترجمہ: (عدل وانصاف پر قائم رہو) اگرچہ تمہیں اپنے والدین اور قریبوں کے خلاف ہی گواہی کیوں نہ دینی پڑے۔

تلاوت کردہ آیت کریمہ کا نزول اس وقت ہوا کہ جب مسلمان مسند اقتدار پر فائز ہونے والے تھے تو ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کسی صورت میں بھی عدل وانصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی بھی قوم ہو، وہ اسی وقت تک حکومت وسلطنت کی مستحق رہتی ہے جب تک کہ وہ عدل وانصاف پر کاربند رہے اور جو قوم ظلم پہ کمر باندھ لیتی ہے آج نہیں تو کل ضرور ہی اقتدار کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ مملکت اسلامیہ کے حکمرانوں کو اس پرزور طریقہ سے عدل وانصاف کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔

سیدنا علی المرتضی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مشہور ارشاد ہے کہ حکومتیں کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہیں لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتیں۔

کسی بھی مہذب معاشرہ میں ریاستی استحکام کے لئے تین ادارے نہایت ہی ضروری ہیں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ، پاکستانی آئین میں بھی ان اداروں کا دائرہ کار باقاعدہ متعین ہے۔ آج ہم نے صرف عدلیہ پر گفتگو کرنی ہے جو مقننہ اور انتظامیہ کے لئے بھی بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اگر عدلیہ ہی مضبوط نہ ہو تو ملک میں جنگل کے قانون والا معاملہ ہوتا ہے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے نظریہ سے کوئی بھی ملک ہوتا ہی سے نہیں بچ سکتا۔ (یاد رہے! حالیہ واقعہ چیف جسٹس کی برطرفی بدست پرویز اس موضوع پہ تقریر کرنے کا سبب بنا)

مکتب کا "جواں" اگرچہ زندہ نظر آتا ہے
مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی کا نفس

قرآن مجید کی سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۰، ان الله یامر بالعدل و الاحسان...... جو ہر خطبہ جمعہ میں پڑھی جاتی ہے اور جس کی جامعیت کو دیکھ کر اسلام کے بڑے بڑے دشمن دنگ رہ گئے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضور علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ جیسے بدترین دشمن اسلام کو سنائی تو وہ انگشت بدنداں رہ گیا اور کہنے لگا یا ابن اخی اعد۔ اے بھتیجے ایک بار پھر پڑھ۔ حضور علیہ السلام نے دوبارہ پڑھی تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا:

و الله ان له لحلاوة و ان علیه لطلاوة و ان اصله لمورق و اعلاه لمثمر و ما هو بقول شاعر۔

ترجمہ: خدا کی قسم! یہ تو بڑی میٹھی ہے، اس کا ظاہر بڑا رنگین ہے، اس کا تنا پتوں والا ہے اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں، بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

اسی آیت کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں هذه اجمع آية فی القرآن لخیر یمتثل و لشر یجتنب۔ یہ قرآن مجید کی جامع ترین آیت ہے اور اس میں ہر وہ اچھی چیز جس پر عمل کرنا ضروری ہے ذکر کر دی گئی ہے اور ہر برائی جس سے بچنا ضروری ہے اس کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ خلاصۃً یوں کہا جا سکتا ہے کہ تین بنیادی چیزیں ہیں جن کے کرنے کا حکم ہے عدل، احسان اور قریبیوں کو عطا کرنا۔ اور تین چیزیں ہیں جن سے منع فرمایا گیا ہے۔ الفحشاء، المنکر، البغی، بے حیائی، برے کاموں اور سرکشی۔ گویا یوں سمجھیں کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے۔ ہر نیکی انہیں سے متعلق ہے اور جن تین برے کاموں سے روکا گیا ہے یہی تین کام ہر برائی کا سر چشمہ ہیں۔

جبکہ ہماری آج کی گفتگو صرف پہلی اچھی چیز (عدل) سے متعلق ہے جس کی وجہ بیان ہو چکی۔ حضرت سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں۔

العدل ههنا استواء السریرة۔

ترجمہ: یہاں عدل کا معنی ہے ظاہر و باطن یکساں ہوں۔

جبکہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں العدل الانصاف۔ عدل کا معنی انصاف کرنا ہے۔ یعنی کسی کی حق تلفی نہ ہو، ہر ایک کو پورا پورا حق ملے، قانون کے سامنے شاہ و گدا سب برابر ہوں۔ اسی معنی کے مطابق مندرجہ ذیل واقعات پہ غور کیجئے۔

سیدنا علی شیر خدا کا عدل:

خود حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ ہے کہ میدان جنگ میں ایک کافر کے ساتھ سارا دن مقابلہ کرتے رہے اور جب سہ پہر کے وقت اس پر قابو پالیا اور اس کے سینے میں سوار ہو گئے ابھی تلوار کا وار کرنے ہی لگے تھے کہ کافر کو یقین ہو گیا کہ اب مجھے ماردیں گے چنانچہ اس بدبخت نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا، بس تھوکنے کی دیر تھی کہ حضرت علی نے اس کو چھوڑ دیا، اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ اتنی محنت سے آپ نے میرے اوپر قابو پایا ہے اور اب چھوڑنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، آپ نے فرمایا تھوکنے سے پہلے اگر تجھے مار دیتا تو یہ مارنا صرف رضائے الٰہی کے لئے تھا اب اگر تجھے ماروں تو اس میں ذاتی انتقام بھی شامل ہو جائے گا اور جب ہمارے آقا علیہ السلام نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا تو ہم ایسا کیوں کریں۔

آپ رضی اللہ عنہ ہی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک زرہ کے سلسلہ میں یہودی سے جھگڑا ہو گیا اور فیصلہ کیلئے اپنے ہی مقرر کیے ہوئے قاضی شریح کی عدالت میں جانا پڑا زرہ اگرچہ یقیناً آپ ہی کی تھی لیکن نصاب شہادت نامکمل ہونے کی وجہ سے قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور یہودی یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور زرہ آپ کو واپس کر دی۔ اور آج ہماری حالت یہ ہو گئی کہ

اندھے جہاں کے لوگ ہیں سارے ہی اے امیر
سوجھے نہ جسے اسے کہتے ہیں بصیر

زمین وآسمان کا قیام عدل وانصاف ہی سے ہے:

جب خیبر فتح ہوا تو یہود سے معاہدہ طے پایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں رہنے کی اجازت دے گا رہ سکو گے لیکن شرط یہ ہے کہ اس زمین کی پیداوار (کھجوریں) ہمارے تمہارے درمیان آدھی آدھی ہوگی اور پیداوار کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے مقرر فرمایا: جب کھجوریں پک جائیں تو حضرت عبداللہ جاتے اندازے سے کھجوروں کے دو ڈھیر بناتے اور فرماتے: ان شئتم فلکم و ان شئتم فلی۔ جو حصہ چاہو تم لے لو اور جو چاہو مجھے دے دو چنانچہ یہود اپنی مرضی سے ایک ڈھیر اٹھا لیتے۔

ایک مرتبہ عجیب واقعہ ہوا حدیث کے اصل الفاظ کے ساتھ ملاحظہ ہو (راوی بیان کرتے ہیں)

فجمعوا حلیا عن حلی نسائهم فقالوا هذا لك و خفف عنا و تجاوز فی القسمة۔

ترجمہ: یہودیوں نے اپنی عورتوں کے زیورات کا ڈھیر جمع کیا اور عبداللہ بن رواحہ سے کہا یہ زیور لے لو اور ہم پہ تقسیم کے سلسلہ میں نرمی کرو (یعنی ہمیں زیادہ حصہ دے دو اور خود تھوڑا لے لو)"۔

فقال یا معشر الیهود و الله انکم لمن ابغض خلق الله الی و ما ذلك یحاملی ان احیف علیکم اما الذی عرضتم من الرشوة فانها سخت و انا لاناً کلها۔

ترجمہ: اے یہودیو! قسم بخدا تم میرے نزدیک اللہ کی مبغوض ترین قوم ہو، اس کے باوجود میں تم پر ظلم نہیں کروں گا اور جو تم نے مجھے رشوت دینا چاہی ہے یہ حرام ہے جو ہم نہیں کھاتے۔

قالو بهذا قامت السموات و الارض۔

ترجمہ: یہ سن کر یہودی بولے، تمہارے اس عدل کی وجہ سے ہی زمین آسمان قائم

ہیں۔(مؤطاامام محمد، کتاب الصرف وابواب الربو)

الفضل ما شهدت به الاعداء۔

''فضیلت وہ ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے''۔

بسیار دیدہ ام کہ یکے را کندد و تیغ
شمشیر عشق بیں کہ دورا یکے کند

ناانصافی کی وجہ سے بربادی:

ایک بہت پرانی حکایت مشہور ہے اور کہانی کے انداز میں بیان کی جاتی ہے کہ جہاں اور جس معاشرے میں آج بھی عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہورہے ہیں وہاں خوشحالی اور سکون ہے بصورت دیگر پریشانی ومشکلات کے اندھیروں نے ناانصاف قوموں پر وحشت طاری کی ہوئی ہے چنانچہ کہتے ہیں:

ایک ویران باغ کے درخت پر بیٹھے طوطے نے طوطی سے پوچھا کہ جب ہم پہلی بار یہاں آئے تو یہ باغ سرسبز وشاداب اور آباد تھا لیکن یہ آخر کیوں اجڑ گیا؟ طوطے نے طوطی کو جواب دیا کہ جب سے الو یہاں آیا ہے باغ اپنی شادابی کھونے لگا اور آخر اجڑ گیا۔الو بھی قریب بیٹھا یہ باتیں سن رہا تھا وہ جھٹ سے بولا یہ باغ میری وجہ سے نہیں اجڑا، بربادی ہونے کی وجہ کچھ اور ہے اور یہ وجہ ناانصافی ہے۔

علم ہے کچھ اور شی آدمیّت اور شی
جتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

طوطے نے اس کی بات نہ مانی تو الو بولا کہ چلو آزمالو۔الو نے کہا کہ میں عدالت میں دعوی دائر کرتا ہوں کہ طوطی میری بیوی ہے اور تم نے اسے اغوا کرلیا ہے! اگر میں مقدمہ جیت گیا تو تمہیں یقین آجائے گا کہ ناانصافی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔الو نے طے شدہ پروگرام کے تحت مقدمہ دائر کیا اور دونوں فریق عدالت میں پیش ہوئے۔الو نے دلائل اور شہادتوں سے ثابت کردیا کہ طوطا غاصب ہے اور طوطی اصل میں اس کی بیوی

ہے۔عدالت نے الو کے حق میں فیصلہ دے دیا اور طوطی کو حکم دیا کہ وہ الو کے ساتھ جائے۔طوطا سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ عدالت نے کس بنیاد پر یہ فیصلہ دیا ہے۔پوری دنیا جانتی ہے کہ طوطا اور طوطی ہم جنس ہیں۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دو غیر جنس آپس میں شادی کر سکیں۔طوطا یہ سب سوچ کر رونے لگا۔الو نے جب طوطے کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ اب تجھے پتہ چلا کہ باغ کیوں ویران ہوا؟ جب کسی معاشرے میں ناانصافی انتہا کو پہنچ جائے تو اخلاقی قدریں، وقار اور مرتبہ کی تکریم ختم ہو جاتی ہے۔

پھرتے ہیں دادخواہ تیرے ''حشر'' میں خراب
تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی حسرت وزاری:

حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں بہت روتے تھے ایک بار کسی قریبی دوست نے رونے کی وجہ دریافت کی۔فرمانے لگے: ایک بار میرے پاس ایک غریب یہودی فریاد لے کر آیا یہ فریاد خلیفہ وقت کے خلاف تھی۔سماعت کے دوران میرے دل میں خیال آیا کہ اس خلیفہ نے مجھے متعین کیا ہے خدا کرے کہ اپنی شہادت کی بنیاد پر یہ مقدمہ خلیفہ ہی جیت جائے۔جب سماعت شروع ہوئی تو فریادی جیت گیا خلیفہ وقت کے خلاف میں نے فیصلہ کر دیا......لیکن یہ خیال مجھے بہت ستاتا ہے کہ آخر کیوں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خلیفہ وقت کاش جیت جائے۔اس لئے کہ اس نے مجھے اس عہدہ پر متعین کیا تھا۔یہ لوگ تھے دو عالم سے بیگانہ! جستجو تھی تو فقط یہ کہ انصاف رہے۔

اس سے ایک اصول ثابت ہوتا ہے کہ جج کو بلاخوف وخطر اور بغیر کسی لالچ ولحاظ کے فیصلہ کرنا ہے لحاظ ولالچ کا خیال ہی ایسا ہے کہ اس پر رونا چاہئے کہ آخر ایسا خیال کیوں آیا؟

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلطانی

انصاف کے لیے یہ لازم ہے کہ جج پر کوئی اندرونی اور بیرونی دباؤ نہ ہو اگر کوئی ایسا دباؤ ہوگا تو پھر وہ انصاف نہیں کرسکتا اور اگر کسی جج کو یہ پتہ ہو کہ انصاف کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے تو وہ انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس کرے گا اس کے کردار کا امتحان ہوگا انسان کمزور ہے اس کو امتحان سے بچانا چاہئے اور اس کو خود امتحان سے بچنا چاہیے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا ایک تاریخی واقعہ:

تاریخ اسلام میں چیف جسٹس کی تقرری کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے جس کا تعلق ایک عظیم اور جلیل القدر ہستی حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے جو ملت اسلامیہ کے مستند عالم اور فقہ حنفی کے بانی تھے۔ آپ کا پورا نام حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت تھا۔ اس وقت کا حاکم خلیفہ ابوجعفر المنصور اپنے ہر حکم اور عزم کی تکمیل کے لئے اپنی مرضی کے فتوی پر مہر تصدیق ثبت کروانا چاہتا تھا تاکہ شرعی اور عدالتی اعتبار سے اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ خلیفہ کی منشاء یہ تھی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ''قاضی القضاۃ'' بنا دیا جائے (یہ منصب اس وقت عالم اسلام کا چیف جسٹس بنتا تھا) کیونکہ علمی اور شرعی اعتبار سے آپ کی ذات غیر متنازعہ تھی۔ یہ وہ دور تھا جب خلافت، ملوکیت میں ڈھل چکی تھی اور اختیار کل ''خلیفہ'' کی ذات کے پاس تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ''میں اس قابل نہیں'' منصور نے غیظ میں آکر کہا ''تم جھوٹ کہتے ہو'' یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا: ''میرا دعوی سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہوسکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیوں کر مقرر ہوسکتا ہے''۔

خلیفہ کے مسلسل اصرار سے تنگ آکر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر مجھے چیف جسٹس بننے یا دریائے فرات میں ڈوب مرنے میں سے کسی ایک بات کا

انتخاب کرنا پڑے تو میں دریائے فرات میں ڈوبنے کو ترجیح دوں گا۔

؎ گلہ از سختی ایام بگذار
کہ سختی ناکشیدہ کم عیار است

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ ابو جعفر المنصور کی حکومت اور سیاست کے انداز سے اختلاف تھا۔ اس حکم عدولی کی بنا پر منصور نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور مشقت کے طور پر انہیں راج مزدوروں کے لئے اینٹیں گننے اور ہر روز دس کوڑے کھانے کا حکم دیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب بغداد شہر کی تعمیر ہوئی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دس لاکھ مزدوروں میں شامل تھے جنہوں نے بغداد کی تعمیر کیلئے مزدوری کی اور اینٹیں گنیں۔ عمر رسیدہ ہونے کے باعث آپ زیادہ دیر تک یہ سختیاں برداشت نہ کر سکے اور شہادت نصیب ہوئی۔ تاریخ میں ہے کہ آپ کے جنازے میں 50 ہزار سے زائد افراد شریک ہوئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا عزم جلیل اور کلمہ حق کا فیض آج تک جاری ہے لیکن ابو جعفر المنصور کے نام کی سیاہی صرف تاریخی اوراق کا حصہ ہے۔

؎ جو ذرا سی پی کے بہک گیا اسے میکدے سے نکال دو
جو ذرا سی پی کے سنبھل گیا وہ سمجھ گیا سارے حال کو

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ما ظهر الغلول في قوم الاالقى الله في قلوبهم الرعب و لا فشا الزنا في قوم الاكثر فيهم الموت و لا نقص قوم المكيال و الميزان الا قطع عنهم الرزق و لا حكم قوم بغير حق الافشا فيهم الدم و لا ختر قوم بالعهد الا سلط عليهم العدو۔ (رواہ مالک، مشکوۃ صفحہ ۴۵۹)

ترجمہ: جس قوم میں خیانت آجائے اس کے دل میں (دشمن کا) رعب ڈال دیا جاتا ہے، جس قوم میں زنا پھیل جائے اس میں موت زیادہ ہو جاتی ہے، جو قوم ناپ تول

میں کمی کرتی ہے اس کی روزی تنگ کردی جاتی ہے جو قوم انصاف نہیں کرتی اس میں قتل وغارت آجاتی ہے اور جو قوم عہد توڑتی ہے اس پر دشمن مسلط ہو جاتا ہے۔

مغلیہ دور کے دو واقعات:

❁ چیف جسٹس یا قاضی القضاۃ کے فیصلوں کا احترام اور ان پر مکمل اعتمار تاریخ کے ابواب میں اکثر ملتا ہے۔ شخصی اور بادشاہی دور میں بادشاہ سے انصاف کے لئے مغل بادشاہ جہانگیر نے ایک زنجیر لٹکائی تھی جسے ہر شخص کسی بھی وقت ہلا کر بادشاہ سے انصاف حاصل کر سکتا تھا۔ ہوا یوں کہ ملکہ نور جہاں کا تیر فاختہ کو لگنے کی بجائے جمنا کے کنارے دھوبی گھاٹ پر کپڑے دھوتے دھوبی کو جالگا۔

زنجیر عدل ہلانے پر بادشاہ نے دھوبن کی فریاد سن کر بھرے دربار میں دھوبن کو حکم دیا ''ملکہ نے تمہارے شوہر کو تیر سے ہلاک کیا ہے تم یہ تیر کمان لو اور اس کے شوہر کو ہلاک کر دو'' اور خود سینہ تان کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ قاضی القضاۃ نے اسے قصاص دلا کر معاملہ رفع کیا اس سارے قصے کو فلمایا بھی گیا جو لاکھوں انسانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس طرح چند سال پہلے ٹی وی پر ایک فلم ''بیکٹ'' میں انگریزوں کے ملک انگلستان کے حوالے سے بارہویں صدی کا ایک واقعہ فلمایا گیا کہ کلیسا کے شاہی نامزد ''پوپ ولیسٹ منسٹر ایبے'' نے جب وہ پوپ نامزد ہو رہا تھا تو بادشاہ سے کہا آپ میرے دوست ہیں مجھے پوپ نامزد نہ کریں کیونکہ آپ کی حرکات سے مجھے ناروا فیصلہ صادر کرنا پڑے گا۔ بادشاہ نہ مانا اور آخر اسے اصول کلیسا اور قانون کے تحت پکڑ ہو گئی۔ (روزنامہ نوائے وقت مارچ ۲۰۰۷ء)

پشت پا زن تخت کیکاؤس را　　سر بدہ از خود مدہ ناموس را

❁ ایک دفعہ ایک بوڑھے نے شکایت کی کہ آپ کے دوست کلیم صوبے دار جہانگیر نگر نے ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شہر کے اندر ہاتھی کی سواری کی ہے اور مجھ ضعیف ونزار کے اکلوتے بچے کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے

کچل دیا ہے۔ موت برحق ہے۔ مگر کلیم نے میری شکایت پر کان نہیں دھرا۔
شہنشاہ نے اسی وقت کوتوال کو ہدایت کی کہ ملزم، گواہ اور موقعہ کا خاکہ دربار میں پیش ہو۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ مقدمے کی سماعت ختم ہوئی تو شہنشاہ نے مفتی اعظم سے پوچھا تو اس نے جھٹ کہا۔ ''خون کا بدلہ خون۔ مجرم کو بھی اسی طرح ہاتھی کے پاؤں تلے روندا جائے'' شہنشاہ نے فتوی پر جھٹ تصدیقی مہر ثبت کر دی۔
کلیم نے فیصلہ سن کر زبان حال سے پکار کر کہا۔

؎ لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی تو دیکھ لوں!
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی!

بہر حال جہانگیر نے کوئی رعایت ملحوظ خاطر نہ رکھی اور کلیم کو ہاتھی کے پاؤں تلے روند دیا۔ اس میں ابھی چند سانس باقی تھے کہ شہنشاہ نے اسے اپنی گود میں لے کر کہا:
''کلیم بھیا! معاف کرنا تو سلیم کا دوست تھا۔ مگر قانون کا نہیں۔ شرعی حکم کے سامنے میری ذاتی خواہش کی کچھ پیش نہیں جا سکتی''۔
یہ سن کر مجروح کے لبوں پر مسکراہٹ کی ایک لہر دوڑی۔ اس نے آہستہ آہستہ کلمہ پڑھا اور روح جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے دلی دوست کی موت پر تین دن سوگ منایا۔
ملک پاکستان میں اندھیر نگری کے پرستار حکمران سے کوئی پوچھے:

؎ گر نہ ای فرزند ابلیس اے عنید   پس بتو میراث آن سگ کے رسید

خلیفہ ترکی سلطان مراد اور ایک معمار کا واقعہ:

اسلامی تاریخ کا ایک واقعہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے۔ ترکی کے سلطان مراد جو بارہویں صدی میں ترکی کا خلیفہ تھا۔ استنبول کی مسجد کے ملاحظہ کے دوران مسجد کے داخلی دروازے کی ''آرچ'' یعنی قوس کو ٹیڑھا پایا۔ ''انجینئر'' یا مہندس جو ملاحظے میں ساتھ تھا سے استفسار کیا کہ یہ آرچ کیوں

ٹیڑھی ہے۔اس نے جواب دیا یہ ذرا سا فرق پلستر کر کے نکال دیا جائے گا لیکن سلطان مراد نہ مانا اوراس نے اپنے جلاد کو جو ہر وقت حاضر رہتا تھا حکم دیا کہ جس ہاتھ سے اس نے ''یہ آرچ'' ٹیڑھی بنائی ہے۔ اسے کاٹ دیا جائے چنانچہ منہدس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

سلطان محل میں آ کر سلطانہ سے لڈو کھیلنے لگ گیا۔مہندس نے قاضی القضاۃ کو شکایت کی۔

چنانچہ اگلے دن حاضری کا سمن دیکھ کر سلطان کانپنے لگ گیا۔سلطانہ نے کہا تمہارا خودکا بنایا ہوا یہ قاضی ہے اسے نکال باہر کرو کانپتے کیوں ہو؟ سلطان نے جواب دیا میں اس سے ڈرکرنہیں کانپ رہا'' بلکہ کانپتا ہوں اس قانون ربانی سے جو مجھ پرلاگو ہو گا اور میں ایک دفعہ اس کو بنا کر ہٹا نہیں سکتا۔ اگلے دن حاضری ہوئی سلطان نقاب پہن کر عدالت میں آواز پڑنے پر حاضر ہوا۔قاضی نے فرمایا نقاب اتاریئے تاکہ مدعی اور عدالت آپ کو دیکھ سکے۔

قاضی نے کہا: کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے مہندس کا ہاتھ کٹوایا یہ کہنے پر کہ سچ ہے۔ قاضی نے کہا قطع ید آپ پر لازم آتا ہے اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے سلطان نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔قاضی نے کہا کہ آپ نے تو اس کا دایاں ہاتھ کٹوایا ہے سلطان نے آہ بھر کر اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا تو مہندس دوڑ کر جلاد اور سلطان کے درمیان کھڑا ہو گیا اور باآواز بلند پکارا۔ ''مجھے میرا انصاف مل گیا ہے، میں سلطان کو معاف کرتا ہوں'' چنانچہ قصاص دے کر سلطان کی خلاصی ہوئی۔

؎ مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

علامہ اقبال نے یہ پورا واقعہ مثنوی کے انداز میں اپنی کتاب اسرار ورموز کے صفحہ ۱۰۷ اور صفحہ ۱۰۸ پہ بڑے ہی جاندار اور محبت بھرے الفاظ میں لکھا ہے پورا واقعہ اشعار

میں لکھنے کی جسارت کرر ہا ہوں۔

بود معمارے ز اقلیم خجند
در فن تعمیر نام او بلند
ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد
مسجدے از حکم سلطانِ مراد
خوش نیامد شاہ را تعمیر او
خشمگیں گردید از تقصیر او
آتش سو زندہ از چشمش چکید
دست آں بیچارہ از خنجر برید

ترجمہ: ہوا یوں کہ سلطان مراد نے اقلیم خجند سے مسجد کی تعمیر کیلئے ایک ماہر معمار بلایا اور جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی تو بادشاہ مسجد دیکھنے کے لئے آیا، اس کو مسجد کی تعمیر پسند نہ آئی تو اس نے غصہ میں آ کر خنجر کے ساتھ بے چارے معمار کا ہاتھ کاٹ دیا۔

جوئے خوں از ساعد معمار رفت
پیش قاضی ناتوان و زار رفت

''معمار کے بازو سے خون کی ندی جاری ہوگئی اور وہ اس بے چارگی اور خستگی کی حالت میں وہ قاضی کے سامنے پیش ہوا''۔

گفت اے پیغام حق گفتار تو
حفظ آئینِ محمد کارِ تو

ترجمہ: معمار نے کہا: اے قاضی! تیری گفتگو اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے اور تیرا فرض منصبی آئین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حفاظت کرنا ہے۔

سفتہ گوش سطوت شاہاں نیم
قطع کن از روئے قرآن دعویم

ترجمہ: میں بادشاہوں کی عظمت کا غلام نہیں ہوں۔ میرے دعوی کا فیصلہ قرآن کی رو سے کرو۔

قاضی نے اسی وقت ورانٹ جاری کیے اور بادشاہ کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔

رنگ شاہ از ہیبت قرآن پرید
پیش قاضی چوں خطا کاراں رسید

ترجمہ: قرآن کی ہیبت وجلال سے بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور خطا کاروں کی طرح قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا۔

علامہ فرماتے ہیں: اس وقت ایک عجیب مسحور کن منظر تھا۔

یک طرف فریادیٔ دعوے گرے
یک طرف شاہنشہ گردوں فرے

ترجمہ: ایک طرف فریادی کھڑا ہے اور دوسری طرف صاحب شوکت وجبروت بادشاہ ہے۔

بادشاہ نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔ اور اپنی ندامت وخجالت کا اظہار کیا۔

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد بایں قانوں ثبات

ترجمہ: قاضی نے کہا کہ اب تم سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس قانون پر عمل کرنے سے ہی زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگیں تر از معمار نیست

ترجمہ: عدالت کے سامنے غلام اور آزاد دونوں یکساں ہیں۔ معمار کے بازو سے بہنے والا خون اتنا ہی سرخ ہے جتنا بادشاہ کا خون سرخ ہے۔

چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید
دست خویش از آستیں بیروں کشید

ترجمہ: بادشاہ مراد نے قرآن کریم کی جب یہ آیت سنی تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر نکالا تا کہ اس کو کاٹ دیا جائے۔

مدعی را تاب خاموشی نماند
آیۂ بالعدل و الاحسان خواند

ترجمہ: یہ منظر دیکھ کر مدعی کو یارائے ضبط نہ رہا۔فوراً اس نے یہ آیت پڑھی۔ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان۔

گفت از بہر خدا بخشید مش
از برائے مصطفٰی بخشید مش

ترجمہ: معمار کہنے لگا، میں نے اللہ تعالٰی کے لئے اس کو بخش دیا، میں نے محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس کو معاف کر دیا۔

اس واقعہ کو ختم کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:

یافت مورے بر سلیما نے ظفر
سطوت آئین پیغمبر نگر

ترجمہ: خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کے آئین کی سطوت و ہیبت کا اندازہ لگاؤ کہ چیونٹی نے سلیمان (بادشاہ) پر کامیابی حاصل کر لی۔

پیش قرآں بندہ مولے یکے ست
بوریا و مسند دیبا یکے ست

قرآن کے سامنے آقا و غلام برابر ہیں، کوئی بوریے کے لباس میں ہو یا ریشمی لباس پہنے ہو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

وطن کی فکر کرنا داں قیامت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

معلوم ہوا! عدل و انصاف زندگی کی رعنائیوں کی جان ہے اگر عدل و انصاف

کے سوتے خشک ہو جائیں تو سارا گلستان ہی اجڑ کر رہ جائے، عدل و انصاف ایک ایسی عالمگیر صداقت ہے جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

اور جسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ظالم لوگ جن کے ظلم وستم نے شرف انسانیت کی دھجیاں بکھیر دیں وہ بھی یہی کہیں گے کہ ظلم وستم سے عدل وانصاف ہی بہتر ہے اسی لئے وہ اپنے ظلم کو بھی انصاف کے لبادے میں پیش کرتے ہیں۔

شہرت کے ہم حریص ہیں عزت نہیں تو کیا
بدنام ہوں گے گر تو کیا نام نہ ہوگا

جو معاملات عدالتوں یا بین الاقوامی کونسلوں میں پیش ہوتے ہیں ان کے لئے بھی عدل وانصاف کا حکم ہے و ان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان الله یحب المقسطین۔ (المائدہ:۴۲) یہ حکم ان یہود کے بارے میں ہے جو حضور علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جن کی عہد شکنیوں کی وجہ سے اہل اسلام کو بڑے جاں گسل حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ حکم ہوا کہ ان کے درمیان بھی فیصلہ انصاف سے فرمایئے۔ تو جب کفار مکہ اور یہود مدینہ جیسے دشمنوں کی حق تلفی کی قرآن اجازت نہیں دیتا اور ان کے ہر تنازعہ کا فیصلہ عدل وانصاف سے کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر اور کونسا ایسا دشمن ہوگا کہ جس کی دشمنی کے سبب ایک مسلمان انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں سستی سے کام لے۔

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے   تو آئین حق سے نہ کر بے وفائی

(اقبال)

ہمارا دین تو بظاہر غیر اہم اور نجی وخانگی، خاندانی وکاروباری معاملات میں بھی انصاف کا حکم دیتا ہے، جن کے بارے میں کسی عدالت کی طرف رخ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ و اوفوا

الکیل و المیزان بالقسط ...... لعلکم تذکرون۔ (الانعام:۱۵۲)

اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر عمدہ طریقے سے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے اور ناپ تول پورا پورا کرو انصاف کے ساتھ، ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور جب بات کرو تو بھی عدل سے اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرو، انہی باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو"۔

خلفاء اسلام اور مملکت اسلامیہ کے حکام کو حکم ہو رہا ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ۔ (النساء:۵۸)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو اور لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بہت عمدہ بات کی نصیحت فرماتا ہے۔

دارا رہا نہ سکندر سا بادشاہ
تخت زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے

حدیث کی روشنی میں عدل وانصاف:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ما من عبد یسترعیہ اللہ عزوجل رعیۃ یموت یوم یموت و ھو غاش رعیتہ الاحرم اللہ علیہ الجنۃ۔

ترجمہ: جس شخص کو اللہ نے رعیت کا والی بنایا ہو اور وہ اس حالت میں مرے کہ رعیت کے ساتھ دھوکہ کرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

صنفان من امتی لن تنالھما شفاعتی امام ظلوم و کل غال مارق۔

ترجمہ: میری امت کے دو گروہوں کو میری شفاعت نصیب نہ ہو گی۔

1- ظالم و دھوکہ باز حکمران۔

2- دین کی حدوں کو توڑنے والا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے دور اقدس میں نصر کی بیٹی ربیع نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیے۔ ربیع کے گھر والوں نے متاثرہ لڑکی سے درگذر کی درخواست کی جو منظور نہ ہوئی، معاوضہ دے کر صلح کرنے کی کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی اور معاملہ بارگاہ رسالت میں جا پہنچا، مظلومہ کے گھر والوں نے قصاص پر اصرار کیا، حضور علیہ السلام نے قصاص کا حکم دیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا ربیع جیسی شریف زادی کے دانت توڑے جائیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کتاب اللہ القصاص۔ قصاص قرآن کا حکم ہے۔ جب متاثرہ خاندان نے عدل و انصاف کی بالادستی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور انہوں نے ربیع کی خطا کو معاف کر دیا۔

اسی طرح بنی مخزوم کی عورت نے کسی کا زیور چرا لیا تو حضور علیہ السلام نے اس پر چوری کی حد قائم کرنے کا حکم دیا، مہاجرین نے حضرت اسامہ کو سفارش کیلئے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بھیجا تو حضور علیہ السلام کا چہرۂ انور فرط غضب سے سرخ ہو گیا اور آپ نے حضرت اسامہ کو فرمایا:

اے اسامہ کیا تو اللہ کی حد کو قائم کرنے کے متعلق سفارش کرتا ہے تم سے پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ کوئی امیر چوری کرتا تو معاف کر دیا جاتا اور اگر کوئی غریب کر لیتا تو اس کو سزا دی جاتی۔

و اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

ترجمہ: اللہ کی قسم اگر (بفرض محال) میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔

کانپتا ہے دل تیرا اندیشۂ طوفان سے
ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

عدل فاروقی کے دو تابندہ واقعات:

عہد فاروقی میں جب حضرت عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا تو حضرت فاروق اعظم نے انہیں وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ان کا ایک لڑکا جس کا نام محمد تھا۔ اسے گھڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا۔ ایک مصری نے اس کے ساتھ گھوڑا دوڑایا اور جیت گیا۔ مصر کے فاتح اور گورنر کے بیٹے کو بڑا غصہ آیا اور اسے کئی بید رسید کیے اور کہا: خذھا و انا ابن الاکرمین۔ ''بید کھاؤ، تم مجھے نہیں پہچانتے میں بڑے معزز و محترم آباؤ اجداد کا چشم و چراغ ہوں''۔ مصری مار کھانے کے بعد دادرسی کے لئے مدینہ طیبہ پہنچتا ہے، اور عدالت فاروقی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ اس کی فریاد سن کر حضرت فاروق اعظم اپنا قاصد مصر روانہ کرتے ہیں، تاکہ وہ عمرو بن عاص اور ان کے بیٹے محمد کو ساتھ لے کر فوراً حاضر ہو۔ چند روز کے بعد دونوں مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور عدالت فاروقی میں پیش کیے گئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد رشید اور جانشین، حضرت عمر فاروق، فاتح مصر کے بیٹے اور ایک عام مصری کے مقدمہ کی سماعت کر رہا ہے۔ آپ نے بلند آواز سے کہا: این المصری؟ ''وہ فریاد کرنے والا مصری کہاں ہے؟'' وہ حاضر ہوتا ہے، آپ اس کے ہاتھ میں اپنا درّہ دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ فاضرب بھا ابن الاکرمین'' معزز و محترم آباؤ اجداد کے اس چشم و چراغ کو کوڑے لگاؤ، جس طرح اس نے تجھے کوڑے لگائے تھے''، وہ کوڑے لگا رہا ہے۔ عمرو بن عاص اپنے بیٹے کو پٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، لیکن کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ فاروق اعظم فرماتے جاتے ہیں: ''اے مصری! اور مار، اور مار''۔ جب مصری اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا، تو آپ نے کہا:

اب ذرا فاتح مصر کی بھی خبر لو۔ اس کے بیٹے نے تجھے مارنے کی جرأت اس لئے کی کہ وہ اپنے آپ کو مصر کے فاتح اور گورنر کا بیٹا سمجھتا تھا۔

مصری عدل و انصاف کے اس نرالے منظر کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ عرض کرنے لگا۔

اے امیر المومنین جس نے مجھے مارا ہے میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ اس میں عمرو بن عاص کا کوئی قصور نہیں۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

حضرت فاروق اعظم غصہ سے عمرو بن عاص کی طرف دیکھتے ہیں اور ایک جملہ ان کی زبان سے نکلتا ہے جس میں اسلامی فتوحات کا فلسفہ اور روح سمٹ کر آ گئی ہے:

یا عمرو! متی تعبدتم الناس و قد ولدتھم امھاتھم احرارًا۔

ترجمہ: اے عمرو! جن لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے ان کو تم نے کب سے اپنا غلام سمجھ لیا ہے۔

اقبال نے کیا خوب کہا:

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو سلاطیں کو مسلماں کا طرفدار کہے

غسان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم اسلام قبول کرتا ہے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آتا ہے۔ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ اس کی قیمتی چادر پر ایک بدو اپنا پاؤں رکھ دیتا ہے۔ جبلہ مڑ کر دیکھتا ہے، غصہ سے بے قابو ہو جاتا ہے اور اس بدو کو زور سے طمانچہ رسید کرتا ہے، جس سے اس کی ناک زخمی ہوتی ہے اور اس کے اگلے دو دانت ٹوٹ جاتے ہیں، وہ بدو امیر المومنین کے پاس حاضر ہو کر فریاد کرتا ہے۔ آپ جبلہ کو بلاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ یا تو اس بدو سے معافی مانگ لو اور اسے راضی کر لو، ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ یہ بات سن کر حیران ہو جاتا ہے اور فرط حیرت سے پوچھتا ہے کہ کیا اس معمولی بدو کے لئے مجھ بادشاہ سے قصاص لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: ''اسلام قبول کر لینے کے بعد اب تم دونوں یکساں ہو گئے ہو۔ اب برتری کا معیار صرف تقوی ہے''۔

؎ وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے
اس دور میں جینا لازم ہے جس دور میں جینا مشکل ہو

جبلہ کہنے لگا کہ میں نے تو اسلام اس خیال سے قبول کیا تھا کہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ وقار نصیب ہو گا۔ آپ نے فرمایا: ''جبلہ یہ نادانوں کی سی باتیں چھوڑ دو''۔ اس نے جب دیکھا کہ امیر المؤمنین اس سے قصاص لینے پر مصر ہیں، تو اس نے عرض کیا، مجھے آج رات سوچنے کی مہلت دیجئے۔ رات کو ہی وہ اپنے ساز و سامان اور ہمراہیوں سمیت وہاں سے بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور عیسائی بن گیا۔

حضرت فاروق اعظم نے ایک بادشاہ کا مرتد ہونا گوارا کر لیا، لیکن قرآن کریم کی تعلیمات پر حرف نہ آنے دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس قرآن کی روشنی سے ہمارا عرصۂ حیات منور ہے، وہاں شاہ و گدا میں کوئی فرق نہیں۔ اسلام کی قوت و عظمت کا راز کسی بادشاہ یا بادشاہ زادے کے مسلمان ہونے میں مضمر نہیں بلکہ اس کے ابدی اور ازلی قواعد میں مضمر ہے، جہاں عدل و انصاف کے راستے میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے۔

؎ نہ گھبرا کثرت غم سے، حصول کامیابی میں
کہ شاخ گل پہ پھول آنے سے پہلے خار آتے ہیں

خلافت راشدہ کے عہد ہمایوں کے بعد بھی مسلمان خلفاء اور قاضیوں میں ایسی برگزیدہ ہستیاں بکثرت ملتی ہیں، جن کا وجود ظلمت کدہ عالم میں بھی ہدایت کا روشن مینارہ ہے۔

قاضی شریح کی عدالت:

عباسی خلافت کا آفتاب اپنے شباب پر ہے۔ قاضی کوفہ شریح کی عدالت میں ایک غریب عورت حاضر ہوئی اور اس نے فریاد کی کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے میری دادرسی فرمایئے۔ قاضی نے پوچھا: تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس خاتون نے کہا کہ امیر المؤمنین کے عم زاد موسیٰ بن عیسیٰ نے مجھ پر زیادتی کی ہے۔ فرات کے کنارے میرا ایک کھجوروں کا باغ تھا جو مجھے اپنے باپ سے ورثہ میں ملا تھا، میں نے اور میرے بھائیوں نے اسے آپس میں تقسیم کرلیا، میں نے اپنی حد پر ایک دیوار تعمیر کرلی، شہزادہ موسیٰ نے میرے بھائیوں سے ان کا حصہ خرید لیا اور میرا حصہ بھی خریدنا چاہا، میں رضا مند نہ ہوئی، رات کے وقت اس نے اپنے نوکر بھیج کر اس دیوار کو مسمار کرادیا، اب مجھے معلوم نہیں کہ میرا کونسا حصہ ہے۔ قاضی شریح نے اسی وقت اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور امیر المؤمنین کے عم زاد موسیٰ کو عدالت میں حاضر کرو، خادم گیا، قاضی کو حکم سنایا، موسیٰ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا اور حکم دیا کہ پولیس افسر کو میرے پاس لاؤ، جب وہ آیا تو اسے کہا کہ فوراً قاضی شریح کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم نے ایک عورت کی بات سن کر میرے خلاف وارنٹ جاری کردیئے، یہ کسی طرح درست نہیں۔ پولیس افسر نے جانے سے معذرت کی، موسیٰ کے مجبور کرنے پر اسے جانا پڑا۔ جب وہ قاضی کے پاس گیا، اور موسیٰ کا پیغام سنایا تو قاضی نے حکم سنایا کہ پولیس افسر اور اس کے سپاہیوں کو گرفتار کر کے جیل میں بند کردیا جائے۔ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ موسیٰ کو جب پتہ چلا تو وہ غصہ سے بے قابو ہوگیا، خود جیل میں گیا اور دروازہ کھول کر ان سب کو رہا کردیا۔ جیل کے داروغہ نے شریح کو صورت حال سے مطلع کیا۔ قاضی نے اپنے خادم کو کہا: اٹھو ہم بغداد جاتے ہیں۔ بخدا ہم نے خلیفہ سے درخواست نہیں کی تھی کہ وہ ہمیں قاضی بنائے، بلکہ خلیفہ نے مجبور کیا تھا، اور اس کی ضمانت دی تھی کہ اگر ہم اس کی پیشکش قبول کرلیں، تو ہماری عزت و وقار کا وہ خود ضامن ہوگا۔

ہم گناہ کر کے بھی شرمندہ نہیں کیا تھے وہ لوگ
کہ گناہ بھی نہ کیا اور پشیماں بھی رہے

قاضی جب عازم بغداد ہوا۔ موسیٰ کو اطلاع ملی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ دوڑا دوڑ پیچھے گیا۔ اور قاضی شریح کی منتیں سماجتیں کرنے لگا۔ قاضی نے کہا کہ جب تک تم میرے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے، میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اس نے یقین دلایا کہ وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ چنانچہ آپ واپس کوفہ آئے، اس عورت کو بلایا اور کہا کہ یہ تیرا مجرم موسیٰ تیرے سامنے کھڑا ہے۔ اب تم اپنا دعوی پیش کرو اس نے اپنی داستان سنائی۔ موسیٰ نے اس کی تصدیق کی۔ قاضی نے حکم دیا کہ جو تم نے اس سے چھینا ہے وہ واپس کرو اور اس کی دیوار از سر نو تعمیر کر دو۔ موسیٰ نے تعمیل حکم کا وعدہ کیا۔

مجرموں کے واسطے زیبا نہیں یہ شور و شین
کل یزید و شمر تھے اور آج بنتے ہیں حسین (جوش)

پھر قاضی نے عورت سے پوچھا۔ کیا تیرا کوئی اور مطالبہ ہے، عورت نے سراپا تشکر و امتنان بن کر کہا: میرا اور کوئی مطالبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ قاضی نے کہا: اب تم جا سکتی ہو۔ جب وہ عورت واپس چلی گئی، اس وقت اپنی نشست سے اٹھے شہزادے کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پاس بٹھایا اور کہا: و السلام علیك ایها الامیر۔ کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمایئے۔

شہزادہ ہنس دیا اور کہا: میں آپ کو کیا حکم دے سکتا ہوں، قاضی نے کہا: اے شہزادے! مظلوم کی فریاد رسی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس میں میں سر مو کوتاہی نہیں کر سکتا۔ شہزادہ سراپا ادب بن کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ بے شک جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے بڑے بڑے جابر اور طاقت ور لوگ بھی اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

تو نے جو بخشے ہمیں اسباب غم اچھے لگے
تیرے بے جا ظلم بھی تیری قسم اچھے لگے

محمود غزنوی کا انصاف:

گبن اپنی تاریخ کی مشہور کتاب (رومن امپائر) کی چھٹی جلد میں لکھتا ہے کہ ایک دن سلطان محمود غزنوی اپنے دیوان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی رعایا کا ایک غریب آدمی اس کے تخت کے سامنے مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا اور شکایت کی کہ ایک ترکی سپاہی نے اس کو اس کے گھر سے نکال دیا ہے اور اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا ہے۔ محمود نے اس کی شکایت سن کر کہا، اب صبر سے کام لو، رونا چلانا چھوڑ دو، جب وہ آئے تو مجھے اطلاع دو۔ میں بہ نفس نفیس وہاں پہنچ کر تیری دادرسی کروں گا۔ تین روز بعد مجرم دوبارہ رات کو اس کے گھر میں داخل ہوا تو وہ بھاگا ہوا سلطان محمود غزنوی کے پاس آیا۔ سلطان چند سپاہیوں کو ہمراہ لے کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، وہاں پہنچ کر مکان کے ارد گرد پہریدار متعین کر دیئے۔ تمام روشنیاں بجھا دیں گئیں اور اعلان کر دیا کہ یہ نابکار قابل گردن زدنی ہے، کیونکہ یہ موقع پر بدکاری کرتا ہوا پکڑا گیا ہے۔ جب اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا تو پھر چراغ روشن کر دیئے گئے۔ مقتول کو دیکھ کر محمود نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اس نے کہا کہ اگر گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے تو پیش کرو۔ اس غریب آدمی نے روکھی سوکھی روٹی لا کر اس کے سامنے رکھ دی جس کو سلطان نے بڑی رغبت سے کھایا۔ پھر محمود سے اس حیرت انگیز طریقہ کار کے بارے میں پوچھا گیا، تو سلطان نے جواب دیا: ''مجھے خیال گزرا، مبادا میرے کسی بیٹے نے ایسی جرأت کی ہو۔ میں نے چراغ گل کرنے کا حکم دیا تا کہ اگر اس حرام کاری کا مرتکب میرا کوئی بیٹا ہو تو شفقت پدری قیام عدل میں رکاوٹ نہ بنے۔ میرے انصاف کو نابینا اور بے رحم ہونا چاہئے۔ جب سے اس شخص نے اپنی داستان غم مجھے سنائی، مجھے اتنا دکھ ہوا کہ میں نے تین دن سے کوئی چیز نہیں کھائی۔

''عزیمت'' ایک دولت ہے جو دولت سے نہیں ملتی
یہ قسمت سے ملا کرتی ہے قیمت سے نہیں ملتی

سیرت طیبہ میں عدل وانصاف کی جھلکیاں:

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں بے شمار ایسے واقعات جابجا ملتے ہیں کہ جن میں عدل وانصاف کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے مثلاً

1- بدر کے قیدیوں میں اپنے حقیقی چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی درخواست پر بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ بغیر فدیہ لیے نہ چھوڑا۔

2- آپ (ﷺ) نے ہر امیر وغریب کی دعوت کو قبول فرمایا۔

3- فاقہ میں تمام صحابہ کرام کے ساتھ شریک ہوئے بلکہ اگر دوسروں نے پیٹ پہ ایک پتھر باندھا تو آپ نے دو پتھر باندھ کر خندق کھودی۔

4- ایک سفر جہاد میں صحابہ کرام کو ہانڈی روٹی پہ لگایا تو خود لکڑیاں چننے کی ذمہ داری کو سر انجام دیا۔

5- کوئی بیمار ہوتا تو عیادت وتیمارداری میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک فرماتے۔

6- نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت میں ہر امیر وغریب کو شریک فرماتے۔

7- فتح مکہ کے موقع پہ سب کو چھوڑ کر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی کھسر پھسر کے باوجود کعبہ کی چھت پہ آذان پڑھنے کی سعادت بخشی۔

8- مسیلمہ کذاب کے خلاف بہت بڑے لشکر کی قیادت کا اعزاز غلام ابن غلام حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو عطا کیا۔ جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد باوجود صحابہ کرام کی دوسری طرف آراء قائم ہونے کے حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت اسامہ کیلئے ہی برقرار رکھا۔

9- دودھ کا پیالا آپ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا دائیں طرف ابوبکر صدیق تھے اور بائیں طرف ایک عام اعرابی تھا آپ نے خود پیا اور پھر الایمن فالا یمن کے قانون کے مطابق حضرت ابوبکر کی خواہش کے باوجود اعرابی کو عطا فرمادیا۔

؎ آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈو چراغ رُخ زیبا لے کر

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی بائیں طرف بہت جید صحابہ حاضر خدمت تھے تو آپ نے خود پی کر دائیں طرف والے بچے سے پوچھا اتاذن لی فی ان اعطیہ ہؤلاء۔ کیا تو اجازت دیتا ہے کہ بزرگوں کو پہلے دوں؟ اس نے عرض کیا: لا و اللہ لا اوثر بنصیبی منك احدا۔ بخدا میں آپ کا بچا ہوا کسی کو نہ دوں گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے پیالا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ (مؤطا امام محمد، باب الرجل یشرب ثم یناول من عن یمینہ) ایک بار دودھ کا پیالا آیا تو پہلے ستر صحابہ کو پلایا پھر آخر میں خود نوش فرمایا۔

؎ میری نگاہ نے جھک جھک کے کر دیے سجدے
جہاں جہاں پہ تقاضائے حسن یار ہوا

10- غزوۂ بدر کی طرف جاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواریاں کم ہونے کی وجہ سے ایک صحابی سے شیئر فرمایا اور آدھا راستہ خود سواری پہ سوار ہو کر سفر کیا جبکہ باقی آدھا راستہ اپنے ساتھی صحابی کے لئے سواری کو وقف کیا اور خود پیدل تشریف لے جاتے رہے۔ (مشکوۃ) تلك عشرۃ کاملۃ۔

؎ دیکھئے کس شان سے امت کا امام آتا ہے
خود تو پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

اسلام خیر خواہی کا دین ہے:

اسلام نے امراء پہ زکوۃ، عشر اور صدقات وغیرہ دینا فرض کیا تو یہ نہیں کہا کہ غرباء تمہارے پاس چل کر آئیں تو ان کو دو بلکہ فرمایا: و فی اموالھم حق للسائل و المحروم۔ ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ہے اور حق منت سماجت سے نہیں لیا جاتا بلکہ ضرورت پڑے تو زبردستی بھی لیا جائے گا تاکہ غرباء کی عزت نفس

مجروح نہ ہو اور بقول اقبال ان کی خودی پہ حرف نہ آئے۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

پھر اگر امراء لوگ غرباء کو زکوۃ و خیرات نہ دیں تو غرباء کی تو فقط دنیا ہی بگڑے گی لیکن اگر غرباء امراء سے وصول کرنا بند کر دیں تو امراء کی آخرت بھی بگڑ جائے اس لئے اگر امیر غریب کو دے کر اس کی دنیا سنوارتا ہے تو غریب امیر سے لے کر اس کی آخرت کو سنوارتا ہے گویا امیر، غریب کی دنیا کا محسن ہے تو غریب، امیر کی عقبی کا محسن ہے اور عقبی بہر حال دنیا سے بہتر ہے اس لیے امیر زکوۃ وغیرہ دے کر بھی غریب سے پانچ سو سال بعد جنت میں جائے گا۔ امیر کو نہ صرف پانچ سو سال عرصہ محشر میں منتظر رہنا پڑے گا بلکہ اجر و ثواب بھی اگر امیر کو دس سے سات سو گنا تک ملے گا تو مصائب و آلام پہ صبر کرنے والا بے حساب ثواب پائے گا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔

ترجمہ: صابروں کو بے حساب اجر ملے گا۔

رمضان کا مہینہ بھوک اور پیاس برداشت کرنا اور غرباء کی بھوک کا احساس دلانے کے لئے ہے، حج کا سفر امراء کے لئے مسافرت و غربت کا رنگ پیدا کرنے کے لئے ہے، حصول معاش کے لئے امراء کا وطن سے دور مارے مارے پھرنا، اس دوران ہر طرح کی لذت و زینت سے دور رہنا اس لیے تو ہے تا کہ ان پر غربت کی بے کسی طاری ہو، ہمارے آقا و مولی علیہ السلام کو باوجودیکہ زمین و آسمان کے تمام خزائن کی چابیاں عطا کر دی گئیں مگر مہد سے لحد تک آپ نے فقر و فاقہ کی زندگی کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ فقر پہ فخر فرمایا۔ اور دعا کرتے رہے:

اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرة المساکین۔

ترجمہ: اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکینی کی موت دے اور قیامت کے دن

مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔

پیدا ہوتے ہی بنو سعد کی غریب عورت کی آغوش میں آپ کو دے دیا گیا پھر آپ نے بکریاں چرائیں، خندقیں کھودیں، دودھ دھوئے نہ صرف اپنا بلکہ لوگوں کا بوجھ بھی اٹھایا، پھٹے ہوئے کپڑے اور جوتے خود پہنے، قرضے لیے، سامان گروی رکھے، بھوک کی شدت کم کرنے کے لئے پیٹ پہ پتھر باندھے، دو دو مہینے آپ کے گھروں میں چولہا گرم نہ ہوتا، قریش آپ کا مذاق اڑاتے یہ سب کام غریب کو یہ احساس دلانے کے لئے تھے کہ اگر تو ان حالات سے دوچار ہو جائے تو اپنی خوش نصیبی سمجھ کہ خود بخود ہی تجھ سے تیرے نبی کی سنت ادا ہو رہی ہے تو ان تکلیفوں میں اکیلا نہیں تیرا نبی بھی تیرے ساتھ ہے امیر اگر کوٹھی، کار، کارخانے کا مالک ہو کر لینن اور سٹالن کا ترجمان ہے تو تیرے لیے کیا یہ کم اعزاز کی بات ہے کہ تو محمد عربی کی سیرت کا آئینہ دار ہے، لہٰذا۔

؎ خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

پھر اگر یہی غریب بجائے محمد عربی کے نظام کا نعرہ لگانے کے جب ماؤ اور لینن کے نعرے لگاتا ہوگا تو میرے آقا کے دل پہ کیا گزرتی ہوگی؟ جس نے غریب بھوکے پیاسے اور بیمار کو یہ مقام دیا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک امیر شخص سے فرمائے گا کہ میں بھوکا، پیاسا اور بیمار تھا تو نے مجھے کیوں نہ کھلایا پلایا اور میری عیادت نہ کی وہ کہے گا یا اللہ تو کھانے پینے اور بیمار ہونے سے مبرا ہے؟ پھر اس کا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا فلاں بندہ ان حالات سے دوچار تھا اس کو کھلانا، پلانا اور اس کی عیادت کرنا گویا مجھے کھلانا، پلانا اور میری عیادت کرنا تھا (اجر وثواب کے لحاظ سے) کیا یہ اعزاز معمولی ہے کہ غریب کی ذات کے معاملات کو اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی معاملے قرار دے رہا ہے۔

بات کہاں سے کہاں چلی گئی بتانا یہ تھا کہ جو اللہ اور رسول انسانیت کے اس قدر خیر خواہ ہیں انہی کا دیا ہوا نظام ہی عادلانہ، منصفانہ، اور مساویانہ ہو سکتا ہے اور اسی میں

ہم سب کی نجات ہے۔

؎ دونوں عالم میں تمہیں مقصود گر آرام ہے
ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے

اپنی اولاد پیچھے اور دوسرے آگے:

حضور علیہ السلام کے غلاموں نے عدل و مساوات، ایثار و قربانی کی وہ مثالیں قائم کیں کہ رہتی دنیا تک انہیں یاد رکھا جائے گا۔

مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نو پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں جب بھی کوئی پھل یا کوئی اور تحفہ آیا حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی طرف ان پلیٹوں میں ڈال کر بھیجتے تھے:

و کان یبعث باخرھن صحفة الی حفصة فان کان قلة او نقصان کان بھا۔ (کتاب اللقطہ، باب کسب الحجام)

ترجمہ: اور اپنی بیٹی، ام المؤمنین حضرت حفصہ کو آخر میں بھیجتے تاکہ آخر میں کم رہ جائے تو نقصان اپنی بیٹی کا ہی ہو۔

بارگاہ رسالت کے تربیت یافتہ تو معمولی باتوں میں اس قدر عدل و انصاف کا خیال رکھتے لیکن فیضان نبوت سے محروم لوگ ظلم و ستم کا جو بازار گرم کرتے رہے ان کے دل دوز واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے جس کے کئی نمونے آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں یہاں اس موضوع کے حرف آخر کے طور پر بتانا مقصود ہے کہ ظلم کا بازار ہمیشہ گرم نہیں رہتا کبھی کسی ایک مظلوم کی آواز نقارۂ خدا بن جاتی ہے اور مضبوط سے مضبوط حکومت کی فلک بوس عمارت اپنی تمام آرائش و زیبائش کے ساتھ زمین دوز ہو جاتی ہے فردوسی طوسی نے اپنے شاہنامہ میں آج سے گیارہ سو سال پہلے سلطان محمود غزنوی کے عہد سلطنت (۳۸۷-۴۲۱ھ) میں ''ضحاک تازی اور کاوۂ آہنگر'' کا واقعہ منظوم کیا:

ایک بادشاہ اور ایک لوہار کا واقعہ:

ہزاروں سال پہلے جب ضحاک تازی نے ایران کے دیو مالائی بادشاہ، جمشید کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر کے ظلم وستم اور بے انصافی و بے عدالتی کا بازار گرم کر دیا تو کاوہ نامی ایک آہن گر (لوہار) نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اس کے صریح ظلم کو کسی بھی قیمت پر عدل ماننے سے انکار کر کے عوامی اور جمہوری جذبات کی ترجمانی کی۔ کاوہ کا جابر حاکم ضحاک کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا، ایرانی عوام نے اس کا ہمنوا ہو کر ضحاک کو اقتدار سے الگ کر کے جمشید کے اَخلاف میں سے ایک ملک بدر شہزادے فریدوں کو واپس بلا کر تخت پر بٹھا دیا اور یوں حق بحقدار رسید۔ تفصیل اس اجمال کی حسب ذیل ہے:

زبان خلق نقارۂ خدا:

ضحاک ایک مہلک اور جان لیوا بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے بہت علاج معالجہ کرایا لیکن ''مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی''۔ جب ملک کے تمام اطبا نے اس کے مرض کو لاعلاج قرار دے دیا تو شیطان ایک طبیب کا روپ دھار کر اس کے پاس آیا اور اس کو کہنے لگا:

> ''میری دوا سے آپ کی جان بچ سکتی ہے بشرطیکہ آپ میری دوا ایک طویل عرصہ تک روزانہ ایک انسانی بچے کے بھیجے میں ملا کر استعمال کریں اگر شہنشاہ عالیجاہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے''۔

ضحاک کے کارندوں نے، جو شاہ سے بھی زیادہ شاہ کے وفادار تھے، اس کی جان بچانے کے لئے رعایا کے معصوم و بے گناہ بچوں کو اٹھانا اور ان کا مغز اس کو کھلانا شروع کر دیا۔ چند ہی سال میں کوئی گھر ایسا نہ بچا جس کے بچوں کے سروں کی مومیائی شاہی دسترخوان کی زینت نہ بنی ہو۔

جب بادشاہِ وقت محض اپنی جان بچانے کے لئے معصوم بچوں کی جان لینے کا سلسلہ دراز سے دراز تر کرتا چلا گیا تو بچوں کے والدین کے ضبط و تحمل کے بند ٹوٹنے لگے اور ان کے دلوں میں آتش بغاوت و انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اگر ضرورت تھی تو بس ایک ایسے قائد کی جس کے پاس "نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز" ہو۔

ضحاک کے کاسہ لیسوں اور اس کے زلہ رباؤں کو بخوبی علم تھا کہ مجبور و مقہور عوام کے دلوں میں لاوا پک چکا ہے اور ان کے نفرت انگیز احساسات و جذبات کا آتش فشاں پھٹنے ہی والا ہے چنانچہ اس نے اس تشویشناک صورت حال کا جائزہ لینے کیلئے خود اپنی صدارت میں کابینہ کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ طے پایا کہ بادشاہ سلامت کے حق میں ایک قرارداد تحسین منظور کی جائے جس کی رو سے اس کو ظالم و ستمگر کی بجائے منصف و عادل قرار دیا جائے۔

وزیران بے تدبیر اور مشیران بے شعور کے اس اجلاس میں اچانک ایک شخص سپاہیوں کو پیچھے ہٹاتا اور چیختا چلاتا دیوانہ وار اندر داخل ہوا۔ اس نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

"تم میرے دس بیٹے مروا چکے ہو۔ ایک رہ گیا تھا لیکن تمہارے سپاہی اب اسے بھی پکڑ لائے ہیں"۔

ضحاک نے اپنے وزیر اعظم سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟

اس نے بتایا کہ یہ شخص کاوہ لوہار ہے جس کے واحد باقیماندہ بیٹے کو بھی ہمارے سپاہی جہاں پناہ پر قربان کرنے کیلئے پکڑ لائے ہیں۔

ضحاک نے حلیۂ پرویزی سے کام لیتے ہوئے کہا:

"اگر مابدولت تمہارے اس بیٹے کو چھوڑ دیں تو کیا تم ہمیں ظالم کہنا چھوڑ دو گے؟"

کاوہ آہنگر ضحاک کی اس سودابازی کو مسترد کرتے ہوئے چیخ کر بولا:

"تم نے اپنی رعایا کا راعی (رکھوالا) ہونے کے باوجود اس کے ہزاروں

اور میرے دس بیٹے مروا دیئے ہیں۔ اب میرے اس آخری بیٹے کو قتل کروا دو یا چھوڑ دو میں ہرگز تم جیسے ظالم کو عادل نہیں کہوں گا"۔

یہ کہا اور "ضحاک ظالم ہے، ضحاک ظالم ہے" کے فلک شگاف نعرے لگاتا چشم زدن میں دربار سے باہر نکل گیا۔

جب وہ باہر نکلا تو لاکھوں ستمدیدہ اور مظلوم عوام اس کے ہمنوا ہو کر پکار اٹھے:

"ضحاک ظالم ہے، ضحاک ظالم ہے"۔

وہ اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ آتے ہی گئے اور کارواں بنتا گیا

اس نے اپنی آگ دہکانے کی پھونکنی اور لوہا کوٹتے وقت گھٹنوں پر ڈالنے والے چمڑے سے ضحاک تازی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ کاوہ آہنگر کی زبان، زبان زبانِ خلق، نقارۂ خدا بن گئی۔

گلستان ویراں آنکھیں خشک ہیں مولائے کل
پھر انہیں سرسبز کر، آنسو بنا، شبنم بنا
میری بربادی پہ اک عالم کی ہیں نظریں لگی
میرے مولا، میرے خاکستر میں ایک عالم جگا

بادشاہ کا داماد تختۂ دار پر:

تاریخ کی کتابوں میں سلطان احمد شاہ کا ذکر ملتا ہے جو نہایت ہی نیک سیرت اور عادل بادشاہ تھا۔

سلطان کا داماد نوجوان بااخلاق ہونے کے علاوہ شاہی خاندان کا رکن اعظم تھا۔ ایک غریب مزدور اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ سلطان تک یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ اس کو گرفتار کر کے عدالت کے سپرد کیا جائے۔ عدالت میں باقاعدہ مقدمہ شروع ہوا اور ثابت ہو گیا کہ سلطان کا داماد قاتل ہے۔ قاضی نے مقتول کے وارثین کو بلا کر خون بہا

کے عوض راضی کرلیا۔ 22 اشرفی خون بہا قرار پائیں۔ قاضی نے مقدمے کی کارروائی مکمل کر کے آخری فیصلہ کیلئے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان احمد شاہ نے ساری روئیداد پڑھی تو فرمایا اس میں شک نہیں کہ ورثاء راضی ہو گئے ہیں مگر حقیقتاً یہ فیصلہ بہت کمزور ہے اور یقین کامل ہے کہ اس میں میرا داماد ہونے کی وجہ بھی اثر کر رہی ہے۔ ورثاء کا خیال ہو گا کہ ہمارے معاف کرنے سے بادشاہ ممنون ہو گا۔ دوسرا اس فیصلے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ شاہی خاندان کے افراد ہر ایک کمزور اور غریب رعیت کو اسی طرح مار ڈالا کریں۔ میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا کہ عدالت ماتحت کے فیصلے کو بحال رکھا جائے۔ ایک شاہی خاندان کے لئے 22 اشرفیاں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔ ایک جان بہت قیمتی ہوتی ہے، خواہ وہ غریب ہی کی کیوں نہ ہو اس لئے میں عدالت ماتحت کے فیصلے کو منسوخ کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ قاتل کو قصاص کے طریقے پر تختہ دار پر چڑھایا جائے، نیز یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ عبرت کے واسطے ایک شبانہ روز وسط شہر میں قاتل کی لاش کو لٹکایا جائے۔ ہر چند محل کے اندر اور باہر سے بادشاہ سے سفارش کی گئی مگر سلطان نے اپنا آخری حکم واپس نہ لیا اور بالآخر قاتل تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

؎ زخم تو سبھی خشک ہوا کرتے ہیں
داغ ملتے نہیں ان کا نشاں رہتا ہے

مراد رسول ﷺ حضرت عمر عدالت میں پیش ہوتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں اپنے کسی معاملے میں قاضی وقت کے پاس جانا پڑا اور جاتی بار وہ اپنی تلوار ساتھ لے گئے جب قاضی نے اپنا فیصلہ میزان انصاف پر آویزاں کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت پر بہت خوش ہوئے کہ قاضی نے کسی طرح بھی ان کی موجودگی کا دباؤ محسوس نہ کیا اور انصاف کے عین تقاضوں کے مطابق فیصلہ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی سے مخاطب ہو کر کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ میں تلوار اپنے ساتھ کیوں لایا تھا؟ وجہ یہ تھی کہ اگر میں سمجھتا

کہ آپ نے میری موجودگی کے دباؤ میں آکر انصاف سے انحراف کیا ہے تو میں آج آپ کا سر قلم کر دیتا۔ یہ سن کر قاضی نے بھی جس چٹائی پر وہ تشریف فرما تھے اس کا ایک کونہ اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''یہ درہ دیکھ رہے ہیں آپ؟ اگر آپ اپنے اختیارات کے باعث مجھ سے کوئی ناجائز رعایت مانگتے ہیں تو میں اس دُرّے سے آپ کی تواضع کرتا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر انتہائی خوش ہوئے اور عدالت سے تشریف لے گئے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ

؎ مت کر نصیحت ناصحا دل میرا گھبرائے ہے
اس کو دشمن جانتا ہوں جو مجھے سمجھائے ہے

ایک طاغوتی ملک کی مثال:

یہاں ایک طاغوتی ملک کی مثال پیش کر دینا بھی موزوں ہوگا کہ جب دوسری عالمگیر جنگ لڑی جا رہی تھی اور برطانیہ پر جرمنی کا بڑا دباؤ تھا اور ہٹلر کے برطانیہ کے وزیر اعظم چرچل اور ان کے حلیفوں پر حاوی ہو جانے کے امکانات نمایاں تھے تو برطانیہ کے کسی بڑے دانشور سیاست دان نے چرچل سے سوال کیا: کیا اس جنگ میں ہم جیت جائیں گے؟ چرچل نے اس شخص سے پوچھا کہ مجھے بتایئے، کیا ہماری عدالتیں انصاف کر رہی ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یقیناً برطانیہ کی عدالتوں میں انصاف ہو رہا ہے تو چرچل نے بلا تامل کہا کہ ''پھر جنگ میں ہم ہی جیتیں گے'' گویا عدلیہ کی آزادی کسی جج کے ذاتی مفادات کے تحفظ کا ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ قوم کو وہ اعتماد عطا کرتی ہے کہ ان کی عدالتوں میں انصاف ہو رہا ہے۔

قصہ مختصر اور حاصلِ کلام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے جس اسلامی ریاست کے قیام کی ابتدا کی تھی اور جو بعد ازاں دنیا کے ایک وسیع رقبے تک پھیل گئی تھی۔ انسانی تاریخ میں یہ پہلی ریاست

تھی جس میں عدل وانصاف کی مکمل بالا دستی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کا وہ معاشرہ جس میں صرف طاقت کا قانون چلتا تھا، جو عدل وانصاف کے نام سے قطعی نا آشنا تھا، جہاں غلاموں کے کوئی انسانی حقوق نہ تھے، عورت کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ ظالم کا ہاتھ روکنے اور مظلوم کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرے کو مکمل طور پر تبدیل کر ڈالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں جابروں کو ظلم واستحصال اور جبر سے روک دیا۔ مظلوموں کمزوروں، غریبوں اور بے کسوں کو عزت، وقار اور احترام عطا کیا۔ یہ سب کچھ عدل وانصاف کی بدولت ممکن ہوا تھا۔ اسی اسلامی ریاست میں سب سے پہلا بین الاقوامی، بین الملی اور بین المذاہب معاہدہ طے پایا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے میں رنگ ونسل، قوم ومذہب کی تفریق کے بغیر عدل وانصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی عدل وانصاف سے عبارت ہے۔ چوری کے کیس میں فاطمہ بنت اسد نامی قریشی خاتون پر حد جاری کرنے اور کسی سفارش کو قبول نہ کرنے کا واقعہ تو ہر مسلمان جانتا ہے۔ اس سے عدل وانصاف کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اسوۂ حسنہ کے کئی ایک واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کو بہرصورت قائم رکھا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بھی اسی بات کی تعلیم دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جب اسلامی ریاست خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی تو انہوں نے بھی عدل و انصاف کا وہی معیار قائم رکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے ہی خطبے میں عدل و انصاف کے سنہری اصول کا اعلان فرما دیا کہ "لوگو! تم میں سے ہر طاقت ور میرے نزدیک کمزور ترین ہے جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق نہ دلوا دوں۔ اسی طرح تم میں سے ہر کمزور آدمی میرے نزدیک طاقت ور ہے جب تک کہ میں طاقت ور سے

اس کا حق اسے واپس نہ دلوا دوں''۔ گویا اسلام کی نگاہ میں عدل و انصاف کمزور اور طاقت ور اور امیر یا غریب کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا۔ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عہد کی اسلامی ریاست کے چیف جسٹس بھی تھے۔ اس وقت تک گورنر ماتحت عدالتوں کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا، انہوں نے باقاعدہ ہمہ وقتی جج (قاضی) مقرر کیے اور ان کے انتخاب کیلئے ایک خاص معیار مقرر کیا۔ اس معیار کے مطابق قرآن وسنت کے ماہر، اصول اجماع، اجتہاد اور قیاس سے واقف، دولت مند، معزز اور اعلیٰ اخلاقی روایات کے حامل شخص کو جج (قاضی) مقرر کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جج (قاضیوں) کو ہر قسم کے بیرونی، مالی، گروہی یا معاشرتی دباؤ سے آزاد رکھنے کے سلسلے میں باقاعدہ تحریری ضابطے مقرر کیے۔ جج (قاضیوں) کی معقول تنخواہیں مقرر کر کے ان کے تجارت کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اس عہد میں قاضی شریح اور قاضی سلطان بن ربیع کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھی۔ (جو اس دور کے لحاظ سے ایک بھاری رقم تھی) جج (قاضیوں) کا تقرر آبادی کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ خلافت راشدہ کے روشن عہد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی مقدمات قائم ہوئے اور یہ حضرات خود کبھی بطور مدعی اور کبھی بطور مدعا علیہ عدالتوں میں جج (قاضیوں) کے سامنے پیش ہوتے رہے۔ ایسے مواقع پر خصوصی ہدایات جاری کی جاتی تھیں کہ عدالت میں پیشی پر ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی خصوصی سلوک نہ برتا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں گورنروں کے خلاف سرعام مقدمات چلائے گئے اور جرم ثابت ہونے پر انہیں سزائیں دی گئیں۔

فاتح مصر اور گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک مظلوم کی فریاد حج کے موقع پر عام مجمع میں سنی گئی اور یہ فیصلہ بھی اسی موقع پر کیا گیا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سو کوڑے مارے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح ہمارا رعب ختم ہو

جائے گا اور تمام عمال بدل ہو جائیں گے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب یہ تھا کہ اللہ نے اپنے بندوں کو آزاد پیدا کیا ہے تمہاری غلامی کیلئے نہیں۔ کوڑوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ مدعی کو راضی کرو۔ یوں مصر کے فاتح اور گورنر کوڑوں کے بدلے میں دو اشرفیاں فی کوڑا ادا کر کے سزا سے بچ سکے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نگاہ میں نہ چھوٹے بڑے اور امیر غریب میں کوئی فرق ہے نہ ہی مقدمات کی کارروائی کو خفیہ رکھنے یا بند کمروں میں ان کی سماعت کا کوئی تصور۔ ایسا نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت عثمانیہ تک مسلمانوں کے برے سے برے حکمران کا دور بھی عدل وانصاف کے معاملے میں تابناک رہا ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے اپنی رعایا کو عدل وانصاف فراہم کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ہر حکمران نے عدل اور عدلیہ کے فیصلوں کا پورا پورا احترام کیا۔ کسی حکمران نے کبھی عدلیہ کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ نہ ہی کبھی کسی جج (قاضی) کا فیصلہ ردھوانہ دباؤ ڈال کے بدلوایا گیا۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد کی اسلامی تاریخ جن مسلمان ججز (قاضیوں) کے فیصلوں سے جگمگا رہی ہے ان میں سے ایک کا نام محمد بن ابی عامر المنصور ہے۔ محمد بن ابی عامر کا ایک فیصلہ جو مسجد قرطبہ کے صحن کو بڑھانے کے سلسلے میں حکومتی فیصلے کے خلاف صادر ہوا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ مسجد قرطبہ کے اردگرد کے مکان گرا کر مسجد کو وسیع کر دیا جائے تو ایک بڑھیا نے اپنا مکان دینے سے انکار کر دیا۔ قاضی المنصور نے فیصلہ دیا کہ جبراً کسی کا مکان نہیں لیا جا سکتا۔ بڑھیا کو پیشکش کی گئی کہ وہ اپنے مکان کے بدلے میں قرطبہ میں جس مکان کو پسند کرے وہ لے لے۔ بڑھیا کے مکان میں کھجور کا ایک درخت تھا۔ اس نے مکان کے تبادلے میں یہ شرط عائد کر دی کہ جو مکان مجھے دیا جائے اس میں بھی کھجور کا ایسا ہی درخت ہونا چاہئے۔ بڑھیا کی شرط پوری کر دی گئی تو اس نے اپنے مکان سے دستبرداری کا اعلان

کیا۔ اس فیصلے میں جج کا بے لاگ انصاف اور حکمرانوں کی طرف سے سر تسلیم خم کر دینا بہت نمایاں پہلو ہیں۔ یہ واقعہ اندلس کے دور بنو امیہ کا ہے۔

اسلامی تاریخ کی عدلیہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں کبھی کسی جج (قاضی) نے عہدۂ قضا پر ہوتے ہوئے حکمرانوں یا انتظامی عہدیداروں سے ربط ضبط بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے اور اپنے عہدے کے مقام و وقار کو پیش نظر رکھا۔ ان کے اسی مقام و وقار کی وجہ سے اسلامی تاریخ کے کسی حکمران کو کبھی کسی قاضی یا جج کو ایوان اقتدار میں طلب کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

جن واقعات پر ہم نے ابھی گفتگو کی ہے یہ ہمارے ماضی بعید کا حصہ ہیں۔ پاکستان کے ابتدائی دور میں بھی ہماری عدلیہ کے فیصلے بے لاگ تھے۔ سپریم کورٹ بننے سے پہلے پاکستان کی اعلیٰ عدالت فیڈرل کورٹ کہلاتی تھی۔ اس عدالت کے ایک معزز جج عبدالرشید مرحوم نے پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان کی طرف سے شام کی چائے کی دعوت یہ کہہ کر مسترد کر دی تھی کہ میری کورٹ میں حکومت کے خلاف بھی مقدمات آتے ہیں لہٰذا اس عہدے پر ہوتے ہوئے وزیراعظم کی طرف سے چائے کی دعوت قبول کرنے سے میری غیر جانبدارانہ حیثیت متاثر ہوگی۔

قارئین! ہم نے اسلام میں عدل و انصاف کی تاکید، تعلیم، اہمیت اور اسلامی تاریخ سے چند واقعات بیان کر کے عدل و انصاف کے مختلف پہلوؤں، اس کے حقیقی تصورات اور ثمرات و برکات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ گفتگو کے خلاصے کے طور پر آخر میں ہم یہ بات کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ صاف شفاف اور آسان عدل و انصاف کے بغیر نہ کسی فرد کی باعزت زندگی ممکن ہے نہ باوقار معاشرے کا قیام اور نہ ریاست کا استحکام اور بقا۔ اگر ہم اپنے افراد، معاشرے اور ریاست کا استحکام اور بقا چاہتے ہیں تو ہمیں بہر صورت عدل و انصاف کو ہر سطح پر عام، آسان اور یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کے اداروں کو بھی مضبوط کرنا ہوگا۔ یہ افراد، معاشرے اور

ریاست کا حق بھی ہے اور آئین کا تقاضا بھی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت سے)

اہل عرب کہتے ہیں:

سلطان بلا عدل کنہر بلا ماء۔

ترجمہ: بادشاہ عدل کے بغیر ایسے ہی جیسے نہر بغیر پانی کے۔

اور کہا جاتا ہے:

تاج الملك عفافه و حصنه انصافه۔

ترجمہ: پاکدامنی بادشاہ کا تاج ہے اور قلعہ اس کا انصاف ہے۔

یونان کے مشہور زمانہ فلسفی سقراط کو جب یونان کی عدلیہ نے زہر کا پیالہ پینے کی سزا سنائی تو سقراط سے کسی نے پوچھا: آپ بے گناہ ہونے کے باوجود زہر کا پیالہ کیوں پی رہے ہیں؟ سقراط نے جواب دیا کہ ''یہ فیصلہ عدالت نے دیا ہے اور میں اس سے انکار کر کے عدلیہ کا وقار خراب نہیں کرنا چاہتا''۔ پوچھنے والے نے وضاحت چاہی تو سقراط نے کہا: ''عدالتیں معاشروں کے معزز ترین ادارے ہوتے ہیں۔ اگر یہ غلط فیصلے بھی دے دیں تو بھی لوگوں کو ان کا احترام کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر عدالتوں کا احترام باقی نہ رہے اور لوگ اپنے فیصلے خود کرنا شروع کر دیں تو ملک تباہ ہو جائیں''۔

صف میں کھڑے ہیں ہاتھ باندھے خیال سب کے ہیں اپنے اپنے
امام مسجد سے کوئی پوچھے نماز کس کی پڑھا رہے ہو

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر۴:

صدق واخلاص

صدق واخلاص (سچائی اور خلوص) تصوف کے دو بڑے معتبر اور مرغوب موضوع ہیں اس لیے ہر صوفی نے ان موضات پہ کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ قرآن پاک کی کئی آیات میں ان دو مومنانہ صفات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور کتب احادیث میں ایک معتد بہا ذخیرہ ان موضوعات کی اہمیت وافادیت پہ شاہد عادل ہے۔ میں اس وقت اپنی ناقص معلومات اور اپنے ذوق کے مطابق کچھ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

صدق کیا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین۔ (التوبہ:۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو (گناہ چھوڑ کر) اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ان مواقع پر سچ بولنا جہاں سچ بولنے پہ موت نظر آتی ہو''صدق'' کہلاتا ہے۔ بعض نے کہا: حرام کو منہ تک لے جانے سے روکنا ''صدق'' ہے۔ نیز کہا گیا دل اور زبان کی موافقت کا نام صدق ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ ان مواقع پہ بھی سچ بولا جائے جہاں جھوٹ بولے بغیر نجات نہ ہو سکتی ہو۔

شیخ فتح موصلی سے صدق کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے لوہار کی بھٹی سے تپتا ہوا لوہا نکال کر اپنی ہتھیلی پہ رکھ لیا اور فرمایا یہ صدق ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو شخص دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض بھی قبول نہیں، پوچھا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے فرمایا: صدق۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”صدق اللہ کی تلوار ہے جس پر بھی رکھی جاتی ہے اسے کاٹ دیتی ہے۔

صدق کا ادنی ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے اور صادق وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو جبکہ صدیق وہ ہے جو اپنے اقوال و افعال و احوال میں بھی سچا ہو۔

سچائی دین کا ستون ہے، اس کے ساتھ دین مکمل ہوتا ہے، اس کے ساتھ دین منتظم ہوتا ہے اور نبوت کے بعد دوسرا درجہ یہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين و الصديقين۔

ترجمہ: (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے) وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ نبی ہیں صدیق ہیں (صالحین وشہداء ہیں)۔

ایک بزرگ (حارث محاسبی) سے پوچھا گیا: صادق کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: جو اپنے دل کی اصلاح کی خاطر اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کی تمام قدر و منزلت جو مخلوق کے دل میں تھی نکل گئی ہے اور نہ یہ پسند کرے کہ مخلوق اس کی ذرا سی نیکی پر بھی مطلع ہو جائے۔ نہ اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس کی برائی سے واقف ہو جائیں ورنہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگوں سے قدر و منزلت چاہتا ہے اور یہ صدیق کا طریقہ نہیں۔

صدق وصادق کے درجات:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صادق ایک دن میں لاتعداد حالتیں بدلتا ہے یعنی افضل سے افضل تر حالت کی طرف جاتا ہے جبکہ ریاکار ایک ہی حالت پہ چالیس سال قائم رہتا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے نفس یا کسی سے دھوکہ بازی کرتا ہے وہ

صدق کی بو بھی نہیں پا سکتا۔

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ صادق کو تو جب بھی دیکھے گا یا تو وہ کسی کا قرض ادا کر رہا ہوگا یا پھر کسی مستحب کام میں اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوگا۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری علیہ الرحمۃ رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد! جو شخص اپنے دل میں مجھے سچا کہے گا میں اعلانیہ طور پر مخلوق کے سامنے اس کو سچا کر دکھاؤں گا۔

حضرت سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں صدیقوں کی خیانت کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے نفس سے باتیں کرنے لگتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں۔

صدق وکذب شارع علیہ السلام کی نظر میں:

اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا ایک جامع فرمان ملاحظہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البروان البر یھدی الی الجنة و ما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا۔

ترجمہ: تم پر سچ بولنا لازم ہے کیونکہ سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے اور بندہ ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔

و ایاکم و الکذب فان الکذب یھدی الی الفجور و ان الفجور یھدی الی النار و ما یزال الرجل یکذب و یتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: اور جھوٹ سے بچو پس بے شک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں پہنچا دیتا ہے اور بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کے موقع

تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذاب بہت جھوٹ بولنے والا لکھ دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صدیق و پاکباز لوگوں نے عوام الناس کو تنگدستی، بیماری اور پریشانی سے بچانے کے لئے اور دنیا و آخرت کی فلاح کے لئے ایک سو ایسی بری عادات کو چھوڑنے کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی ہے کہ اگر ہم ان بری حرکات کو چھوڑ دیں گے تو ضرور ہمارا شمار بھی ان خوش نصیب سچے لوگوں میں سے ہوسکتا ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ بھی پیار کرتا ہے۔ ان سو بری خصلتوں میں بعض تو کبیرہ گناہ ہیں، بعض صغیرہ، بعض کراہت تنزیہی کے زمرے میں آئیں گی اور بعض خلاف اولی یا اہل اللہ کی نگاہوں میں معیوب سمجھ کر لکھ دی گئی ہیں افادہ عام کے لئے یہاں درج کر رہا ہوں۔

ایک سو بری خصلتیں:

1- جھوٹ بولنا
2- زنا کرنا
3- گناہوں میں مشغول رہنا
4- جھوٹی قسمیں کھانا
5- جنابت میں کھانا کھانا
6- برہنہ پیشاب کرنا
7- شب میں جھاڑو دینا خصوصاً کپڑے سے جھاڑنا
8- ناخن دانت سے تراشنا
9- پائجامہ یا دامن یا آنچل سے منہ پونچھنا
10- فقیروں سے روٹی کے ٹکڑے خریدنا
11- کھڑے ہو کر پائجامہ پہننا
12- بیٹھ کر دستار یعنی عمامہ باندھنا
13- خشک بالوں میں کنگھا کرنا یا کھڑے ہو کر بال کاڑھنا

14- شکستہ کنگھا استعمال کرنا

15- ماں باپ کا نام لے کر پکارنا

16- مقراض (قینچی) سے موئے زیرناف کاٹنا

17- ۴۰ روز سے زیادہ زیرناف کے بال رکھنا

18- بزرگوں کے آگے چلنا

19- دروازے پر بیٹھنے کی عادت بنالینا

20- لہسن و پیاز کے پوست جلانا

21- مکڑی کے جالے دور کرنا

22- جوں کو زندہ چھوڑنا

23- نماز میں کاہلی کرنا

24- پھٹے ہوئے کپڑے کو نہ سینا

25- فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے جلد نکل آنا

26- صبح (کی نماز کے فوراً بعد) کے وقت سونا

27- اولاد پر باوجود مالداری تنگی کرنا

28- بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا

29- کھانے کے بعد برتن صاف نہ کرنا

30- اہل وعیال سے لڑتے رہنا

31- میت کے قریب بیٹھ کر کھانا

32- خلال کرتے وقت جو ریشہ نکلے اسے پھر منہ میں رکھ لینا

33- ہر قسم کی لکڑی سے خلال کرنا

34- کھانے پینے کے برتن کھلے ہوئے رکھنا

35- چراغ منہ کی پھونک سے بجھانا

36- بازار میں سب سے پہلے جانا اور بعد میں آنا

37- اوندھے جوتے کو دیکھنا اور اسے سیدھا نہ کرنا، دولت بے زوال میں لکھا ہے کہ اگر رات بھر جوتا اوندھا پڑا رہا تو شیطان اس پر آ کر بیٹھتا ہے اور وہ اس کا تخت ہے۔

38- بکریوں کے گلے میں گھس کر چلنا خصوصاً شام کے وقت

39- اولاد کو گالی دینا یا لعنت کرنا

40- فقیر کو جھڑک دینا

41- بایاں پاؤں پہلے پائجامہ میں ڈالنا اور بائیں ہاتھ کی آستین پہلے پہننا

42- قبرستان میں ہنسنا

43- کوڑا کرکٹ گھر میں جمع رکھنا

44- صبح ہوتے ہی خدا اور رسول کا نام لیے اور ذکر کیے بغیر، دنیا میں مشغول ہو جانا

45- مغرب اور عشاء کے درمیان سونا

46- گانے بجانے میں دل لگانا

47- بلا وجہ شرعی اپنوں سے تعلقات ختم کر لینا

48- صلہ رحمی نہ کرنا

49- جنابت کی حالت میں ناخن ترشوانا یا سر منڈوانا یا موئے زیر ناف وغیرہ صاف کرنا

50- زکوۃ یا صدقات واجبہ مثلاً قربانی و کفارۂ قسم وغیرہ کے ادا کرنے میں بخل کرنا یا خواہ مخواہ انہیں ٹالتے رہنا

51- بغیر حاجت سوال کرنا

52- امانت میں خیانت کرنا

53- اندھیرے میں کھانا کھانا

54- ماں باپ کو ایذا دینا

55- قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا

56- شب چہارشنبہ (بدھ کی رات) یا شب یکشنبہ (اتوار کی رات) میں بیوی سے صحبت کرنا

57- قحط کی نیت سے غلہ روکنا کہ اور مہنگا ہوگا جب بیچیں گے

58- قمار بازی یا گانے بجانے کے آلات وغیرہ گھر میں رکھنا

حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں شراب اور دف اور طنبورہ (سارنگی ستارہ وغیرہ) ہو اس گھر کے آدمیوں کی دعا قبول نہ ہوگی اور نہ اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوگا۔

59- راستہ میں پیشاب کرنا اور بے ستری ہو تو حرام و گناہ

60- ہمیشہ بیہودہ گوئی، مسخرہ پن اور ہذیات (مذاق دل لگی) میں مصرف رہنا

61- ننگے سر کھانا کھانا

62- ننگے سر بیت الخلا میں جانا

63- لگے ہوئے کھانے میں دیر کرنا (کہ کھانا دستر خوان پر ہے اور الثاان کا انتظار کر رہا ہے)

64- برہنہ سر بازار میں پھرنا اور عورتوں کا ننگے سر رہنا اور اجنبیوں کے سامنے اس حالت میں آنا جانا حرام حرام اور سخت گناہ ہے

65- سجدہ تلاوت نہ کرنا یا باوضو ہوتے ہوئے اس میں دیر لگانا

66- تلاوت قرآن کے دوران آیت سجدہ چھوڑ کر آگے پڑھنا

67- دوسرے شخص کا کنگھا عاریتاً مانگ کر استعمال کرنا خصوصاً صاف کیے بغیر کہ دوسرے کے بال اس کے بالوں میں الجھیں۔

68- حوض یا تالاب یا بہتے پانی میں پیشاب کرنا اس سے نسیان بھی پیدا ہوتا ہے۔ دولت بے زوال میں لکھا ہے کہ پانچ چیزوں سے بھول پیدا ہوتی ہے۔ حوض وغیرہ میں پیشاب کرنا، راکھ پر پیشاب کرنا، چوہے کا جھوٹا کھانا، قبلہ کی طرف

منہ کر کے پیشاب کرنا، زندگانی حرام خوری میں گنوانا بلکہ غور کیجئے تو یہ آخری ایک ہی مستقل بلاوعذاب ہے۔

69- نہانے کی جگہ پیشاب کرنا

70- برہنہ ہو کر سونا

71- سوتے وقت پائجامہ یا تہہ بند سر کے نیچے رکھ کر سونا، دولت بے زوال میں لکھا ہے کہ اس سے خواب خوفناک نظر آتا ہے۔

72- بلاضرورت بستر کے پاس پانی کا لوٹا، یا کوئی برتن پیشاب کے لیے رکھنا

73- نماز قضا کر دینا

74- مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

75- وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا اس وقت دعائیں پڑھے یا پھر خاموش رہے

76- بلاوجہ شرعی کسی کے تحفہ ہدیہ یا نذرانہ کو رد کر دینا

77- روٹی کو خوار رکھنا (کہ اس کی بے ادبی ہو اور پیروں میں آئے)

78- وضو کی جگہ پر پیشاب اور پیشاب کی جگہ پر وضو کرنا

79- دروازے پر بیٹھ کر کچھ کھانا پینا (یہ خلاف ادب بھی ہے اور قابل نفرت بھی)

80- استاد کی عظمت و توقیر میں کمی کرنا نہ کہ معاذ اللہ اس کی توہین

81- مٹی یا چینی کے شکستہ برتین استعمال میں رکھنا خواہ اس سے پانی پینا

82- شکستہ یا گرہ دار قلم سے لکھنا

83- قلم کا تراشا ادھر ادھر ڈال دینا کہ پیروں میں آئے

84- مہمان کو حقارت سے دیکھنا اور اس کے آنے سے ناخوش ہونا

85- بیت الخلا میں باتیں کرنا یا وہاں کسی دینی بات میں غور و تامل کرنا

86- مردوں کو چھوٹا استنجا کرتے وقت عام گزرگاہ پر ٹہلنا اور باتیں کرنا

87- بغیر بلائے دعوت میں جانا

88- چارپائی پر دستر خوان وغیرہ رکھے بغیر کھانا کھانا

89- چارپائی پر خود سرہانے بیٹھنا اور کھانا پائنتی رکھنا

90- دانتوں سے روٹی کترنا

91- دانتوں کو بلاوجہ کپڑے سے ملنا جیسے مسواک کرتے ہیں

92- ظلم کرنا اور کسی کو ناحق ایذا دینا، اگرچہ جانور کو

93- گناہ کے کاموں میں ضد کرنا اور اپنی بات پر اڑ جانا

94- جس برتن میں کھانا کھایا ہے اسی میں ہاتھ دھونا

95- قرآن شریف گھر میں موجود ہوتے ہوئے نہ پڑھنا

96- ماں، باپ، استاد، مرشد کی مرضی کے خلاف کام کرنا

97- دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگانا یا سر رکھ کر سونا

98- سبز درخت کاٹ کر اس کی لکڑی فروخت کرنا

99- بلاضرورت جانور ذبح کرنے کا پیشہ اختیار کرنا

100- صحیح رشتہ ملنے کے باوجود جوان لڑکیوں کو نہ بیاہنا

صدقِ مقال کے ساتھ رزق حلال:

رزق حلال اور صدق مقال کی اسلام میں بہت اہمیت ہے چونکہ صدق مقال کے بارے تو بیان ہو چکا اب رزق حلال کے بارے میں ایک حدیث پاک اور ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں اس سے پہلے تفسیر قرطبی کے حوالے سے رزق حلال کی اہمیت ملاحظہ ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

سوی اللّٰہ تعالیٰ فی ھذہ الایۃ بین درجۃ المجاھدین و المکتسبین المال الحلال النفقۃ علی نفسہ و عیالہ و الاحسان و الافضال و کان ھذا دلیلا علی ان کسب المال بمنزلۃ الجھاد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور رزق حلال کمانے والوں کے درجہ کو برابر کر دیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال بھی جہاد ہے۔

حدیث:

روی ابراھیم عن علقمه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما من جالبٍ یجلب طعامًا من بلدٍ الی بلدٍ فیبیعهٗ بسعر یومهٖ الاکانت منزلتهٗ عند اللّٰه منزلة الشهداء ثم قرأ رسول الله صلی اللّٰه علیه و سلم و اخرون یضربون فی الارض۔

ترجمہ: جو شخص ایک شہر سے خوراک کا سامان کسی دوسرے شہر میں لے آتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے۔ پھر حضور ﷺ نے سورۃ مزمل کی آیت طیبہ کا یہ حصہ تلاوت فرمایا: واخرون یضربون فی الارض۔

واقعہ:

یہ واقعہ بھی تفسیر قرطبی کے حوالے سے پیش کیا جارہا ہے۔

واسط شہر میں ایک تاجر رہتا تھا۔اس نے اپنا گندم سے بھرا ہوا ایک جہاز بصرے کی طرف بھیجا اور اپنے وہاں کے ایجنٹ کو لکھا کہ جس روز یہ جہاز بصرہ میں پہنچے اسی روز اس کو فروخت کر دو اور آنے والے دن کیلئے اسے بچا کر نہ رکھو۔اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ جہاز پہنچا گندم کا بھاؤ گرا ہوا تھا۔غلہ کے تاجروں نے اس ایجنٹ کو کہا کہ اگر تم ایک ہفتہ انتظار کرو تو کئی گنا نفع زیادہ کماؤ گے۔چنانچہ اس ایجنٹ نے ایک ہفتہ اس گندم کو فروخت نہ کیا۔ان ایام میں بھاؤ تیز ہو گیا اور اس نے کئی گنا زیادہ نفع کمایا۔ اس نے اپنے مالک کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔اس تاجر نے اس کو لکھا۔

یا هذا انا کنا قنعنا بربح یسیر مع سلامة دیننا و قد جنیت علینا

جنايةً فاذا اتاك كتابي هذا فخذ المال و تصدق به علی فقراء البصرة و ليتني انجو من الاحتكار كفافالا علی و لا لي۔

ترجمہ: اے فلاں! اگر ہمارا دین سلامت رہے تو ہمیں تھوڑا نفع ہی کافی ہے۔ تو نے ہم پر بڑی زیادتی کی ہے جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تو سارا مال بصرہ کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کا جو جرم تم نے کیا ہے اس کے مواخذہ سے ہی اگر بچ جاؤں تو کافی ہے مجھے اس مال کے صدقہ کرنے سے مزید ثواب کی کوئی آرزو نہیں۔

اب ہم موضوع کے دوسرے جز کی طرف آتے ہیں۔

اخلاص کیا ہے؟

قرآن مجید میں کئی مقامات پہ اخلاص کا ذکر فرمایا گیا سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:

فاعبد اللّٰه مخلصا له الدين الا للّٰه الدين الخالص۔ (آیت:۲-۳)

ترجمہ: پس خالص اللہ ہی کی بندگی کرو۔ خبردار بندگی خالص اللہ ہی کیلئے ہے۔

سورۃ المومن میں فرمایا:

فادعوا اللّٰه مخلصين له الدين۔ (۱۴)

ترجمہ: پس اللہ ہی کی عبادت کرو خالص اس کے بندے ہو کر۔

ان آیات مبارکہ کو پڑھنے کے بعد اخلاص کا معنی و مفہوم بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے تاہم بزرگان دین کے حوالے سے اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے کیونکہ اخلاص دراصل بزرگان دین ہی کی زندگی کا مقصود و زیور ہے اور انہوں نے اس میدان میں جو محنت کی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اور صوفیاء نے اس تعریف کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف فرمائی ہے اور حضور علیہ السلام نے اس کو حدیث قدسی کے طور پر بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سر من اسراري استودعته قلب من احببته من عبادي۔

اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جو میں اس بندے کے دل میں

رکھتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں۔ (i) عوام کی تعریف و مذمت بندے کے نزدیک برابر ہو جائے۔(ii) اپنے اعمال (صالحہ) کو دیکھنا بھول جائے۔(iii) آخرت میں اپنے اعمال کی جزا کا لالچ نہ رہے۔

بعض نے یہ عوام کا اخلاص بتایا ہے اور خواص کا اس سے بھی اوپر ہے کیونکہ عرفاء کا اخلاص بہر حال عوام سے افضل ہے اور وہ ان پر اللہ کی طرف سے جاری ہوتا ہے نہ کہ ان کی اپنی ذات سے، اس صورت میں جو اعمال صالحہ ان سے ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کو کسی شمار میں نہیں لاتے اور نہ ان اعمال سے اپنا تعلق سمجھتے ہیں بلکہ کل من عند اللہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے جانتے ہیں۔ ان کی نگاہ ہمیشہ خالق کی طرف رہتی ہے اور اپنے اعمال سے نگاہ بند کر لیتے ہیں کیونکہ ان کا ہر عمل خالق کی رضا کیلئے ہوتا ہے اگر عبادت میں مخلوق کی رضا آجائے تو اس کو حدیث میں شرک اصغر کہا گیا ہے اور یہ ریاکاری ہے۔ گویا اخلاص میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اسی لیے یہ نفس پہ بہت گراں ہے حضرت سہل اس مقام پر فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والے تو بہت ہیں مگر مخلص ان میں سے بہت نادر ہیں۔ اور مخلص کے بارے میں فرمایا گیا ہے اس کے دل پر حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں جو زبان سے نکل کر لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ)

یہ جو کہا گیا ہے کہ ہر عمل میں اللہ کی رضا مقصود ہو اور اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کو راضی کرنا مقصود ہے تو یہ اخلاص کے خلاف ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کی رضا کے ساتھ اللہ کے رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی نیت بھی اخلاص کے خلاف ہو کیونکہ اللہ کی اطاعت، بیعت، حکم وغیرہ رسول کی اطاعت و بیعت و حکم ہے اور یہ دو چیزیں نہیں ہیں۔

ارشاد فرمایا:

و اللّٰہ و رسولہ احق ان یرضوہ۔

ترجمہ: اللہ ورسول حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے۔

دیکھو پیچھے دو کا ذکر ہے اور احق ان یرضوہ میں ایک کا ذکر ہے تو ثابت ہوا کہ خدا کی رضا وہی ہے جو مصطفیٰ کی رضا ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع۔

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی''۔

و اذا دعوا الی اللّٰہ و رسولہ لیحکم بینھم۔ انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللّٰہ و رسولہ لیحکم بینھم۔ (سورۃ النور:۴۸-۵۱)

دونوں آیات کے شروع میں اللہ ورسول دونوں کا ذکر ہے اور لیحکم بینھم میں صیغہ واحد کا ہے جس کا مطلب ہے اللہ ورسول کا حکم ایک ہی ہے اور پھر پہلی آیت کے آخر میں فرمایا اذا فریق منھم معرضون۔ ان میں سے (منافقین کا) ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے۔ یعنی یہ عقیدہ منافقوں کو ''وارا'' نہیں کھاتا، اور دوسری آیت کے شروع میں فرمایا: انما کان قول المومنین۔ اہل ایمان اس عقیدے کا پرچار کرتے ہیں اور کہتے ہیں سمعنا و اطعنا۔ ہم نے سنا اور اطاعت کی و اولئك ھم المفلحون۔ یہی کامیاب ہیں۔

ثابت ہوا کہ رسول پاک علیہ السلام کی رضا کی نیت ریاکاری میں شامل ہو کر شرک اصغر نہیں بنتی بلکہ اخلاص میں اضافہ کر کے عبادت کو کمال عطا کرتی ہے اور جب اللہ اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے تو اللہ کی مخلوق کیوں نہ چاہے گی۔ فلنو لینك قبلة ترضھا۔ و لسوف یعطیك ربك فترضی۔ اس مقام پہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

ریاکاری سے بچو:

جس طرح صدق کی ضد کذب ہے اسی طرح اخلاص کی ضد ریاء وسمعہ (دکھلاوا اور شہرت) ہے ضروری ہے کہ اس بارے میں بھی چند احادیث خلاصۃً لکھ دی جائیں تاکہ عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا جاسکے۔

۞ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری (اچھی) صورتوں کو (جبکہ وہ اچھی سیرت سے خالی ہوں) اور مالوں کو (جبکہ وہ صدقہ و خیرات سے خالی ہوں) نہیں دیکھتا اور وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو (کرم ومحبت سے) دیکھتا ہے۔

۞ حضرت جندب (ابوذر غفاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من سمّع سمع اللہ بہ و من یرائی یرائی اللہ بہ (متفق علیہ)

ترجمہ: جو سنانے (شہرت) کیلئے (عبادت کرے گا) اور جو دکھانے (ریاکاری) کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دکھا دے گا (یعنی آخرت میں ایسے عمل کی سزا تو ہوگی ثواب نہ ہوگا)۔

۞ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من صلی یرائی فقد اشرک و من صام یرائی فقد اشرک و من تصدق یرائی فقد اشرک۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

۞ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان العبد اذا صلی فی العلانیہ فاحسن و صلی فی السرفا حسن قال اللہ

تعالیٰ ھذا عبدی حقا۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: جب بندہ اعلانیہ اور خفیہ اچھے طریقے سے نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرا صحیح سچا اور سُچا بندہ ہے (جس میں ریاکاری نہیں ہے)۔

۞ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

یکون فی اخر الزمان قوم اخوان العلانیة اعداء السریرة فقیل یا رسول اللہ و کیف یکون ذلک قال برغبة بعضھم الی بعض و رھبة بعضھم من بعض۔ (رواہ احمد)

"آخری زمانے میں ایسی قومیں ہوں گی جو جلوت کی دوست اور خلوت کی دشمن ہوں گی (لوگوں کو دکھا کر نیکی کرنے کے خواہاں ہوں گے تاکہ شہرت ہو نہ اس لیے کہ دوسروں کو بھی نیکی کرنے کی رغبت ہو) عرض کیا گیا: ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا! بعض لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کے لئے یا دوسروں کے ڈر کی وجہ سے (یعنی اللہ کا خوف اور اس کی رحمت کی امید ان کے دلوں میں نہ ہوگی لوگوں سے لالچ کی وجہ سے اور کبھی لوگوں کے ڈر کی وجہ سے ایسا کریں گے"۔

۞ حضور علیہ السلام نے عبادت میں ریاکاری کو دجال سے بڑا فتنہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ان یقوم الرجل فیصلی فیزید صلوته لما یری من نظر رجل۔

ترجمہ: شرک خفی اور دجال سے زیادہ خطرناک فتنہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو دکھانے کے لئے اپنی نماز کو لمبا کردے۔

۞ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ! جب میں اپنے گھر مصلے پہ تھا تو میرے پاس ایک شخص آ گیا (اس نے مجھے عبادت کرتے دیکھ لیا تو) مجھے اپنی حالت پسند آئی جس پر

اس نے مجھے دیکھا (تو کیا یہ ریاکاری ہے) حضور علیہ السلام نے فرمایا:

رحمك الله یا ابا هریرة لك اجران اجر السر و اجر العلانية۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اے ابوہریرہ! اللہ تعالیٰ تجھ پہ رحم کرے تمہیں دوہرا ثواب ملا ہے اعلانیہ عبادت کا بھی اور خفیہ عبادت کا بھی (کیونکہ تیری نیت دکھاوے کی نہ تھی بلکہ تو تو چھپ کر کر رہا تھا اور تیری خوشی شکر کی تھی نہ کہ فخر کی)۔

۞ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان اخوف ما اخاف علیکم الشرك الاصغر قالوا یا رسول الله و ما الشرك الاصغر قال الریاء۔

ترجمہ: جن چیزوں کا مجھے تم سے خطرہ ہے وہ ''شرک اصغر'' ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شرک اصغر (چھوٹا شرک) کیا ہے فرمایا ریاکاری۔

اتنی روایت تو مسند احمد میں ہے اور اس سے آگے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

یقول الله لهم یوم یجازی العباد باعمالهم اذهبوا الی الذین کنتم تراءون فی الدنیا فانظروا هل تجدون عندهم جزاءو خیرا۔

ترجمہ: ان ریاکاروں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب وہ اپنے بندوں کو جزا دے گا، فرمائے گا انہی کے پاس جاؤ جنہیں دکھانے کے لئے دنیا میں عمل کرتے تھے کیا ان کے پاس جزاء اور بھلائی پاتے ہو۔

۞ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لو ان رجلا عمل عملا فی صخرة لا باب لها و لا کوة خرج عمله الی الناس کائنا ما کان۔

ترجمہ: اگر کوئی شخص کسی (پہاڑ میں) چٹان پہ بھی نیکی کرے گا جس کو نہ کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی روزن، تو اس کا عمل لوگوں تک نکل ہی آئے گا۔

وضاحت: یعنی تم ریاکاری کر کے اپنا ثواب ضائع کیوں کرتے ہو تمہاری خفیہ نیکی جو تم نے رات کے اندھیرے میں کی ہے اللہ تعالیٰ اس کی نورانیت تمہارے چہرے پہ ظاہر کر دے گا۔ جس طرح تہجد گذار کا چہرہ نورانی ہوتا ہے۔ اولیاء کرام نے کوئی منادی تو نہ کی تھی کہ ہمیں غوث اعظم کہو۔ داتا گنج بخش کہو۔ غریب نواز کہو۔ مگر خدا نے ان کی عبادتوں کی وجہ سے ان کی ولایت کے زمین پر ہی نہیں آسمان پر بھی ڈنکے بجوا دیے۔ (اگلی حدیث کو بھی اسی وضاحت کے ساتھ سمجھئے)

❁ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من كانت له سريرة صالحة او سيئة اظهر الله منها رداء يعرف به۔

ترجمہ: جس شخص کی جیسی سیرت ہوگی اچھی یا بری اللہ تعالیٰ اس کی علامت ظاہر کر دے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

وضاحت:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

سيماهم في وجوههم من اثر السجود۔

''ان کے چہروں پہ سجدوں کے نشانات ہیں''۔

حضرت سلطان العارفین رضی اللہ عنہ کا چہرہ غیر مسلم دیکھتا تو مسلمان ہو جاتا۔

حضرت مہاجر بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

قال الله تعالیٰ انی لست كل كلام الحكيم اتقبل و لكنی اتقبل همه و هواه فان كان همه و هواه فی طاعتی جعلت صمته حمدا لی و و قارا و ان لم يتكلم۔ (رواہ الدارمی)

''اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے میں حکمت والے کا ہر کلام قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ السنتهم احلى من السكر و قلوبهم الذياب کے طبقے سے بھی ہو سکتا ہے''۔

ے ”ذیاب فی ثیاب لب“ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی

ترجمہ: یہ کلمہ دل میں گستاخی۔

لیکن میں تو اس کا ارادہ اور اس کی خواہش کو قبول کرتا ہوں تو اگر اس کا ارادہ اور اس کی خواہش میری اطاعت میں ہو تو میں اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور وقار قرار دے دیتا ہوں اگرچہ وہ کچھ نہ بولے۔

معلوم ہوا کہ اگر ارادہ و خواہش بد ہو تو لچھے دار تقریروں کی اللہ کی بارگاہ میں کوئی اہمیت نہیں کیونکہ الفاظ بغیر اخلاص کے ایسے ہیں جیسے بادام بغیر مغز کے اور درخت بغیر پھل کے یعنی محض بے کار۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے:

ے ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را
قال را بگذار مرد حال شو
زیر پائے کاملے پا مال شو

یعنی ہم باہر کو اور قال کو نہیں بلکہ اندر کو اور حال کو دیکھتے ہیں (ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم) قال کو چھوڑ کر حال والا مرد بن جا اور کسی مرد کامل کے پاؤں میں پائمال ہو جائے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض کی خاموشی بھی بعض کے خطابات اور وظائف سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ اس خاموشی میں اخلاص ہوتا ہے اور ان خطابات و اوراد میں ریاکاری ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یار بہاولپوری علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ منبر پہ بیٹھ کر ہزاروں کے مجمع میں فرمایا: آج ہم نے چپ کا وعظ کرنا ہے یہ کہہ کر خاموش ہو گئے صرف دس منٹ کے بعد لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ بعض جوش میں تھے اور بعض پہ غشی و بیہوشی طاری تھی اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ اموات نہ واقع ہو جائیں۔ یہی مراقبہ کی

حقیقت ہے کہ ؎ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

خاموشی ایسے کمالات رکھتی ہے جو بیان سے باہر ہیں۔ لیکن بعض لوگ چیخ چیخ کر گلا پھاڑ لیتے ہیں مگر اثر نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۷ صفحہ ۱۴۶)

وصل حق میں غیر پر تیری نگاہ:

کہتے ہیں کہ مجنوں ایک مرتبہ لیلیٰ کے عشق میں از خود رفتہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر بھاگا جا رہا تھا کہ ایک نمازی کے، آگے سے گذر گیا نمازی نے نماز چھوڑ دی اور مجنوں کو پکڑ لیا کہ تو نے میری نماز ضائع کر دی ہے مجنوں نے کہا: کس کی نماز پڑھ رہا تھا؟ اس نے کہا: خدا کی اور کس کی؟ مجنوں نے کہا: میں لیلی کے خیال میں ایسا مستغرق ہوں کہ مجھے تو نظر ہی نہیں آیا اور تو کیسا نمازی ہے کہ خدا کی نماز پڑھ رہا ہے اور تجھے میں نظر آ گیا۔

؎ عشق لیلیٰ میں میری حالت تباہ
وصل حق میں غیر پر تیری نگاہ

خلوص مجنوں سے ہی سیکھ لو:

کہتے ہیں کسی نے مجنوں سے کہا: تیری لیلی بیمار ہو گئی ہے اور طبیبوں نے کہا ہے لیلیٰ کو خون کی ضرورت ہے جس کا نمبر ملے وہ خون دے مجنوں ننگے پاؤں دوڑ پڑا کہ اگر میرا نمبر نہیں ملے گا تو اور کس کا ملے گا۔ سارا خون نچوڑ کر لیلیٰ کے سپرد کر دیا لیلیٰ تندرست ہو گئی تو اس نے نیاز پکائی لوگ قطار اندر قطار برتن لے کر نیاز لینے کیلئے کھڑے ہو گئے مجنوں بھی کاسۂ گدائی لیے لائن میں حاضر ہو گیا لیلیٰ سب کو نیاز دیتی گئی مجنوں کی باری آئی تو اس کا پیالا توڑ دیا، مجنوں نے خوشی سے ناچنا شروع کر دیا لوگوں نے کہا تو واقعی مجنوں (پاگل) ہے، تیرا نقصان ہو گیا ہے اور تو خوش ہو رہا ہے؟ مجنوں نے کہا: پاگل میں نہیں تم ہو، کوئی خاص تعلق تو ہے ناں کہ تمہارے پیالے نہیں توڑے میرا ہی توڑا ہے۔

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہوں تو پہچانیں
لو مجھ کو اطباء نے سوداء کا خلل جانا

(بزرگوں نے اس واقعہ سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اہل اللہ کو تکلیف بھی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں ہمارے رب نے یاد تو کیا ہے تبھی تکلیف آئی ہے آخر اس نے ہی تو بھیجی ہے دوسروں کو کیوں نہیں تکلیف دی)۔

تو مجنوں نے کہا: آخر میرا پیالا اس نے پہچان لیا ناں تبھی توڑا بس اس پہچان پہ ہی ناچ رہا ہوں۔ تکلیف کو چھوڑو، اس کا مطلب یہ ہے کہ مجنوں بڑا سوچ سمجھ کر مجنوں بنا ہے۔

کہتے ہیں ایک بزرگ کا جوان بیٹا فوت ہوا، جب جنازہ لے کر چلے تو بزرگ نے ہر قدم پہ سجدے کرنے شروع کر دیے لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا: یہ کیا بات ہوئی؟ صدمے کے مقام پہ شکر کے سجدے؟ فرمایا اس لیے کہ اس کی رضا میرا بیٹا فوت کرنے میں ہے چلو میرا بیٹا گیا مگر میرا رب تو راضی ہو گیا۔

آنکھیں تیرے تصور میں بند تھیں
لوگ سمجھے کہ سو گیا ہوں میں

اللہ کے بندے ہر حال میں نظر آتے ہیں کوئی بظاہر دیوانے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں دانے ہوتے ہیں لیکن چونکہ انہیں اس حال میں خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو ساری عمر یہی حال بنائے پھرتے ہیں۔ لہٰذا کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو کیوں کہ اس حال میں رہنا ان کی مجبوری ہو سکتا ہے۔

پی کے تھوڑی سی اگر بے ہوش ہو جاتے ہیں یہ
دوسرے عالم کی اے ساقی خبر لاتے ہیں یہ

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے اسرار الاولیاء میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ستر سال عبادت کی دن کو روزہ و جہاد، رات کو شب بیداری

وتہجد، اس زمانے کے نبی علیہ السلام کو اللہ نے وحی کی کہ جا کر اس کو کہو! تیری عبادت و جہاد اللہ نے قبول نہیں کیا۔ جب اللہ کے نبی علیہ السلام نے جا کر اس کو بتایا تو وہ خوشی سے وجد کرنے لگا۔ نبی اللہ علیہ السلام نے کہا: تو پاگل ہے یا میری بات کو سمجھا نہیں، اس نے کہا: آپ کی بات سمجھ میں آ گئی ہے میں پاگل نہیں مگر وجد اس لیے کر رہا ہوں کہ میرا کام عبادت کرنا تھا قبول کرنا میرا کام نہیں بلکہ یہ اس کا کام ہے، میں نے تو اپنا کام کر دیا مجھے کیا وہ اپنا کام کرے یا نہ کرے۔ اسی وقت وحی آ گئی کہ سب کچھ قبول ہے۔

عشق کے گولے بنا کر بام پہ پھینکا کروں
وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے میں اسے دیکھا کروں

امام زین العابدین کا فرمان ہے جو جنت کے لالچ میں عبادت کرے وہ تاجر ہے اور جو دوزخ کے ڈر سے کرے وہ غلام و مجبور کی طرح ہے۔ عابد وہ ہے جو رب کی رضا کیلئے عبادت کرے۔

اسی لیے حضرت رابعہ بصریہ کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ پہ آگ ہے دوسرے ہاتھ پہ پانی کا پیالا ہے اور فرما رہی ہیں آگ سے جنت کو جلانے جا رہی ہوں اور پانی سے دوزخ بجھانے جا رہی ہوں تا کہ کوئی بھی جنت کے لالچ میں اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہ کرے بلکہ صرف رب کی رضا کیلئے کرے۔ یاد رہے! یہ خاص الخاص اہل اللہ کا مقام خاص ہے صحابۂ کرام کی اس صفت کو اللہ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا:

یبتغون فضلا من الله و رضوانا۔

"(ان کی عبادت) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کیلئے ہوتی ہے بہر حال یہ اللہ کے خاص بندوں کے اخلاص کے جلوے ہیں ہم جیسے نکمے اس مقام تک کب پہنچ سکتے ہیں؟ اس دور میں تو خلوص اس طرح کا ہے کہ باپ نے کسی بابرکت جگہ پہ جا کر رو رو کے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا کر دے اور بیٹا پیدا ہو کر جوان ہوا تو پوچھتا پھر رہا تھا

کہ مجھے کوئی بتائے میرے باپ نے کہاں جا کر دعا کی تھی تا کہ میں اس جگہ جا کر دعا کر سکوں کہ میرا باپ مرے اور میں اس کی دولت پہ عیش کروں۔

؎ وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

بات چونکہ مجنوں سے شروع ہوئی ہے لہٰذا اس کو مجنوں پہ ہی ختم کرتا ہوں کہ ہمیں تو اتنا بھی خلوص مل جائے تو کافی ہے جتنا مجنوں لیلیٰ کی محبت میں مخلص تھا مجنوں لیلیٰ کو ملنے جا رہا تھا، راستے میں کنواں آیا وہاں بیٹھ گیا کہ یہیں پہ لیلیٰ آئے گی پانی بھرنے تو دیکھ لوں گا، کچھ عورتیں آئیں پانی بھرنے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ مجنوں سے کہتی ہیں ہمیں پانی نکال کر دے، انہوں نے کہا مجنوں پانی نکال۔ مجنوں نے کہا میں تمہارا نوکر ہوں جو پانی نکالوں انہوں نے کہا: ہمیں لیلیٰ نے کہا تھا کہ مجنوں کو کہنا لیلیٰ کہتی تھی پانی نکال کر دے۔ مجنوں فوراً کھڑا ہو گیا اور پانی نکالنے لگا۔ عورتوں کے برتن بھر گئے۔ انہوں نے کہا بس کر اب ہمیں ضرورت نہیں۔ مجنوں بولا تمہیں ضرورت ہے یا نہیں اب تمہارے کہنے پہ بس نہیں کروں گا لیلیٰ کہے گی تو بس ہوگی۔

؎ شیخ بزن فاحشہ گفتا مستی　　از خیر گسستی و باشر پیوستی
او گفت من آنچہ می نمایم ہستم　　تو نیز بگو آنچہ می نمائی ہستی

(عمر خیام)

کہتے ہیں کہ مجنوں (چونکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا ہے تو اس) سے کسی نے پوچھا: لوگ اس بات میں جھگڑا کر رہے ہیں کہ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حق ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا؟ تو بتا کس کا حق ہے؟ تو مجنوں نے جھٹ سے کہا: دنیا سے انصاف ہی ختم ہو گیا ہے جس کا حق ہے اس کا نام ہی کوئی نہیں لیتا۔ انہوں نے کہا: تو بتا وہ کون حقدار ہے جس کا نام کوئی نہیں لیتا؟ تو مجنوں نے کہا: نہ امیر معاویہ کا حق ہے نہ امام حسن کا، حق تو میری لیلیٰ کا ہے۔

تجھ کو مانگوں تجھی سے کہ سبھی مل جائے

سو ''جوابوں'' سے یہی ایک ''جواب'' اچھا ہے

مجنوں کے قصوں کو فرضی بھی مان لیا جائے تو بھی ان میں بہت سے نصیحت آموز سبق ہیں اسی لیے بزرگوں نے خلوص کے باب میں اس کا ذکر کیا۔

صحابہ کرام کے اخلاص کی ایک جھلک:

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں حضور! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ فرمایا: وہ کیسے؟ عرض کیا جب آپ کی بارگاہ میں بیٹھتا ہوں تو جنت دوزخ سامنے ہوتی ہے اور جب گھر کے دھندوں میں مصروف ہو جاتا ہوں تو آپ کی بارگاہ والی کیفیت نہیں رہتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو سوچا حالت تو میری بھی ایسی ہی ہے۔ مسئلہ حضور کی بارگاہ میں عرض کر دیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: یہ منافقت نہیں بلکہ اگر تمہاری گھر میں بھی وہی حالت ہو جو یہاں ہوتی ہے تو قسم بخدا تم اپنے بستروں پہ آرام کرو، گلیوں میں چلو تو فرشتے قطار اندر قطار کھڑے ہو کر تم سے مصافحہ کریں۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا اخلاص یہ تھا کہ تبدیلی حالت کو بھی منافقت شمار کرتے اور حضور علیہ السلام کے فرمان سے پتہ چلا کہ مؤمن کی یہ حالت ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ فرشتے مصافحہ کریں اور اس کی زیارت کیلئے آئیں۔ ورنہ حضور علیہ السلام فرما دیتے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تمہاری ایک ہی حالت رہے بلکہ فرمایا اگر ہو جائے تو فرشتے زیارت کو آئیں۔ (مخلصا)

کتنے رنگیں تیری محفل کے نظارے ہوں گے

جب تیرے پاس تیرے یار پیارے ہوں گے

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۵:

انفاق فی سبیل اللہ

قرآن مجید میں جتنی کثرت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے شاید ہی کسی اور عمل کی اس قدر ترغیب دی گئی ہو سورۂ بقرہ کی ابتداء میں پرہیزگاروں کی پانچ علامات میں سے ایک علامت یہ بتائی گئی و مما رزقنهم ینفقون۔ اور وہ (پرہیزگار و کامیاب لوگ) ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں سے اس میں ایک مسئلہ عقیدے کا بیان ہوا اور دوسرا عمل کا۔ عقیدے کا تو یہ کہ دینے والا یہ عقیدہ رکھے کہ میں اپنا کچھ نہیں دے رہا جو بھی دے رہا ہوں اللہ کے دیے ہوئے میں سے دے رہا ہوں (یہ تو اس کا کرم ہے کہ خود دے کر کہتا ہے من ذا لذی یقرض الله قرضا حسنا۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے) اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو وہ راہ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے یا اگر خرچ کرے بھی تو ثواب سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے خرچ کرنے میں ضرور ریاکاری اور دکھاوے جیسی لعنتیں شامل ہو جائیں گی جو عبادت کا ثواب ہی ضائع نہ کریں گی بلکہ شرک خفی کا وبال بھی اس کے اعمال نامے میں ڈال دیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسانوں کو نہ حکومت کا مالک قرار دیا ہے اور نہ ہی مال کا۔ حکومت کا تذکرہ کیا تو فرمایا: لیستخلفنهم فی الارض اللہ تعالیٰ انہیں ضرور زمین میں نائب بنائے گا۔ یعنی اصل حکومت اللہ ہی کی ہے اور انسان صرف نائب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو نائب کا کیا کام ہے کہ اصل کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکے۔ اور مال کا ذکر کیا تو فرمایا:

و انفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه۔

ترجمہ: اور خرچ کرو اس (مال) میں سے جس میں تمہیں نیابت دی گئی ہے۔

یعنی جس مال پہ اب تمہارا قبضہ ہے کل کسی اور کا تھا اصل میں نہ یہ تمہارا ہے نہ ان کا بلکہ اللہ کا ہے اس نے تمہیں نفع اٹھانے کے لیے دیا ہے تم صرف نائب اور وکیل ہو لہٰذا جس طرح نائب اور وکیل کو مالک کے حکم سے خرچ کرنے میں تامل نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ جب خرچ کرنے کا حکم دے تو خرچ کرنے میں تأمل و تردد سے کام نہ لو۔

تو اگر حکومت و دولت میں اصل مالک کی تابع داری کرتے ہو تو فبہا ورنہ ان تؤدوا الامنت الی اھلھا۔ امانتیں ان کے حوالے کرو جو ان کے حق دار ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا حشر قارون کے ساتھ ہو جائے۔ اور یاد رکھو ان بطش ربك لشدید۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے اور مال کے بارے میں اس کی پکڑ کا اندزہ لگانا ہو تو سورۃ قصص میں قارون کا واقعہ پڑھ لو۔

یہ تو عقیدے کا مسئلہ تھا۔ عمل کی بات یہ ہے "و مما" میں عموم ہے یعنی جو کچھ بھی اللہ نے دیا ہے مال دیا ہے تو مال خرچ کرو، علم دیا ہے تو علم لوگوں میں پھیلاؤ، دیگر صلاحیتیں دی ہیں تو ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ جس قدر دیا ہے اسی تناسب سے خرچ کرو یہی اس بارے میں بندۂ مومن کی شان ہے الذین ینفقون اموالھم فی السراء و الضراء وہ اپنے مال تنگی وخوشحالی میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

الذین ینفقون اموالھم بالیل و النھار سرا و علانیۃ۔

ترجمہ: وہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے رہتے ہیں دن رات، چھپ کر اور ظاہر کرکے۔

ہر جگہ "ینفقون" فعل مضارع کا صیغہ ہے یعنی سال میں ایک دفعہ زکوۃ دے کر سارا سال انتظار نہیں کرتے رہتے کہ ایک سال پورا ہو اور پھر زکوۃ ادا کریں بلکہ دوران سال بھی یہ سلسلہ دھوم دھام سے جاری رہتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے و فی اموالھم حق للسائل و المحروم۔ ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا بھی حق ہے۔

حدیث شریف میں ہے فی الاموال لحق سوی الز کوٰہ۔ ان کے مالوں میں زکوۃ کے علاوہ بھی (لوگوں کا) حق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو اپنے مالوں میں دوسروں کا حق سمجھتے ہیں وہ اپنی جھوٹی عزت کو بچانے کیلئے غلط رسموں پہ پانی کی طرح اپنا مال نہیں بہاتے اور کوئی غریب آجائے تو حساب کرنے نہیں لگ جاتے کہ کچھ زکوۃ کے پیسے ہیں تو اسے دے دو۔ قرآن حکیم میں مال کو اللہ کا فضل انہی لوگوں کے لئے قرار دیا گیا جو اپنے اموال اللہ کی مخلوق سے روک کر نہیں رکھتے۔ (و لا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة......)

پانی اگر ایک جگہ جمع رہے اور اس کی نکاسی نہ ہو تو بدبودار ہو جائے گا اگر اس کو صاف رکھنا ہے تو جوں جوں پیچھے سے آتا ہے آگے نکلتا رہے تاکہ کھیت کھلیاں کو سیراب بھی کرتا رہے اور پاک وصاف بھی رہے یہی حال مال کا ہے اس کو حرمت کی بدبو سے بچانا ہے اور پاک وصاف رکھنا ہے تو راہ خدا میں خرچ کرتے رہنا ضروری ہے الذی یؤتی ماله یتزکی سے یہ معنی حاصل ہوسکتا ہے کہ خرچ کرنے والا بھی پاک ہوگا جب اس کا خرچ کیا ہوا قبول ہو جائے گا اور جب خرچ کیا ہوا مال قبول ہو جائے گا تو باقی مال خود ہی پاک وستھرا رہے گا اور یہی مال فضل اللہ بھی بنے گا حصول جنت کا باعث بھی بنے گا اور لوگوں کی دعائیں لینے کا سبب بھی بنے گا مگر شرط خلوص ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں کئی مقامات پہ فرمایا گیا۔

ہر چہ داری صرف کن در راہ او

لن تنالوا البر حتی تنفقوا۔

حدیث شریف میں ہے الصدقه تقع فی کف الرحمن ثم تقع فی کف الفقیر۔ صدقہ وخیرات فقیر کے ہاتھ میں بعد میں جاتا ہے پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال سے جہاد کرنے کو جان سے جہاد کرنے پر مقدم فرمایا ہے و جاهد و باموالکم و انفسکم ۔کیونکہ جان دینے کا موقع تو کبھی

کبھی آتا ہے لیکن مال دینے کا موقع ہر گھڑی ہوتا ہے۔ پھر جان کے لیے تو بندہ لاکھوں خرچ کر دیتا ہے، ذرا سا اپریشن کروانا ہو تو بیرون ممالک کا سفر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے اپنی جان پہ اتنا خرچ کرنے والا میرے لیے کیا کرتا ہے۔ اور پھر جو مال خرچ نہیں کر سکتا وہ جان کیسے قربان کرے گا۔ اس لیے مال کے ساتھ پہلے اور پھر جان کے ساتھ جہاد کا حکم ہے۔

وہ بھی مسلمان تھے کہ اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑ دیا، کاروبار چھوڑ دیا، زمینیں جائیدادیں چھوڑ دیں۔ ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو دین کی خاطر یہ سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں اور کتنے ہی ایسے ہیں جو ان چیزوں کی خاطر دین کو نظر انداز کر رہے ہیں اور یہ نعرہ بلند کر رہے ہیں کہ یہ مولوی صدقات و خیرات کے بہانے ملک میں غربت لانا چاہتے ہیں۔ شاباش! یہی نعرہ تو مکے میں ابو جہل نے لگایا تھا۔

(و اذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم ...... یٰس)

جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا نعرہ تو یہ ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو رات سونے سے پہلے سارا راہ خدا میں خرچ کر دوں (مفہوم) یہ اس آقا علیہ السلام کا نعرہ ہے جس نے اپنی اولاد پہ زکوٰۃ کو حرام فرمایا ہے تا کہ کوئی ابو جہل کا نمائندہ یہ نہ کہہ دے کہ اپنی اولاد کو نوازنے کیلئے زکوٰۃ فرض کر دی ہے، جبکہ خود نبی علیہ السلام کے مال میں زکوۃ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ زکوٰۃ تو مال کا میل کچیل ہے اور نبی کے مال میں میل کیسے ہو سکتی ہے (اسی وجہ سے والدین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے تو تجھے خون جگر دے کر پالا ہے اور تو انہیں میل کچیل سے پالنا چاہتا ہے۔ زکوۃ بیوی کو بھی نہیں دے سکتے۔ بیوی شوہر کو نہیں دے سکتی ورنہ سال کی بجائے ہر مہینے دینے میں بھی کوئی دشواری نہ تھی) غلام کو نہیں دی جا سکتی کیونکہ غلام کا مال آقا ہی کا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام پہ زکوۃ فرض نہیں کیونکہ سارا جہاں تو ان کا غلام ہے جو ان کا غلام نہیں وہ مسلمان نہیں۔

پھر زکوۃ آخر دیں بھی تو کس کو دیں گے والدین اولاد کو زکوۃ نہیں دے سکتے اور

حضور علیہ السلام نے فرمایا: انا لکم مثل الوالد لو لدہ۔ میری تمہارے لیے ایسے ہوں جیسے باپ اولاد کیلئے۔ پتہ چلا امتی اور ہوتا ہے نبی اور ہوتا ہے، امتی پہ زکوٰۃ فرض ہے نبی پہ نہیں۔ نبی پہ تہجد فرض ہے امتی پہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

رومی ہو سعدی و جامی و رضا ہو کہ حسن
جس کو دیکھو شاہ کونین کا شیدائی ہے

غریب کی مدد کس جذبے سے کی جائے؟

کسی غریب کی خدمت و مدد کرنی ہو تو اس نیت سے نہ کرو کہ اس پہ احسان چڑھا رہے ہو تو اس پہ احسان کیا کرے گا یہ تو اللہ تعالیٰ کا تجھ پہ احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی مخلوق کو دینے والا بنایا ہے یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ تجھے بھکاری بنا دیتا اور اس کو تیری جگہ پہ رکھ دیتا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت ازو بداں کہ بخدمت گذاشتت

بادشاہ کی خدمت کر کے یہ نہ سمجھ کہ تو بادشاہ پہ احسان کر رہا ہے یہ تو بادشاہ کا تیرے اوپر احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کیلئے متعین کیا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی پہ نیکی کرو تو اس کو چھپاؤ اور اگر تم پہ کوئی نیکی کرے تو لوگوں کو اس بارے میں بتاؤ۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: کسی کے مانگنے سے پہلے اس کو عطا کر دو۔ مانگنے سے زیادہ عطا کرو اور جتنا بھی زیادہ دیا ہے اس کو کم سمجھو تا کہ شرمندگی تمہاری طرف ہی رہے مانگنے والا اس سے بچا رہے۔ بلکہ حدیث پاک سے تو یہ مستفاد ہے کہ تم دے کر کسی پہ احسان نہیں کر رہے یہ تو غرباء کا تم پہ احسان ہے کہ اگر وہ ہی نہ ہوتے تو تمہیں دینے کا موقع ہی نہ ملتا، دوسری بات جو واضح طور پر حدیث میں آئی ہے وہ یہ کہ انہی غریبوں کی بدولت تو اللہ تعالیٰ تمہیں دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد سنیئے:

ابغونی فی ضعفاء کم فانما ترزقون او تنصرون بضعفاء کم۔

”مجھے تلاش کرنا ہے تو کمزور لوگوں میں تلاش کرو، انہی کی وجہ سے تمہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد بھی کی جاتی ہے“۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۴۴۷)

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

ھل تنصرون و ترزقون الا بضعفاء کم۔

”تمہیں رزق بھی دیا جاتا ہے تو غریبوں کا صدقہ اور تمہاری مدد بھی کی جاتی ہے تو غریبوں کا صدقہ“۔

لہٰذا جد و لا تمنن لان الفائدۃ الیك عائدۃ۔ سخاوت کر اور احسان نہ جتا کیونکہ (ثواب کا) فائدہ آخر تیری ہی طرف لوٹنے والا ہے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر
ز انعام و فضل او نہ معطل گذاشتت

اللہ کا شکر کر کہ اس نے تجھے بھلائی کی توفیق دی ہے اور اپنے فضل و انعام سے محروم نہیں کیا۔

ورنہ ہزاروں تجھ سے زیادہ مالدار ہیں مگر راہ خدا میں دینے کا حوصلہ نہیں۔ دراصل مال کا مل جانا اللہ کا فضل و انعام نہیں بلکہ اس کو خدا کی راہ میں لٹانا اللہ کا فضل و انعام ہے۔ پہلی صورت میں یہ مال فتنہ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے و اعلموا انما اموالکم و اولادکم فتنہ۔ اور حدیث شریف میں ہے:

لکل امۃ فتنۃ و فتنۃ امتی المال۔

ترجمہ: ہر امت کیلئے ایک (بڑا) فتنہ تھا اور میری امت کیلئے (بڑا) فتنہ مال ہے۔

لیکن آج ہماری کوششیں، سفارشیں، نوازشیں اپنوں کیلئے ہیں، اگرچہ ایک میل کا سفر کر کے آئے اور وہ بھی پجارو اور لینڈ کروزر پہ، غریب اگر سو میل بھی پیدل چل کے آیا ہو کیونکہ نہ اس کے پاس کار ہے اور نہ وہ آپ کا رشتہ دار ہے اگرچہ وہ مصطفیٰ کا یار

ہے اور اللہ کو اس سے پیار ہے۔

ان سے ملنا ہے اگر ٹوٹے دلوں میں دیکھو
میرے آقا کی وہاں انجمن آرائی ہے

یاد رکھو! دنیا کی دولت کامل جانا اللہ کی بارگاہ میں بھی فضیلت حاصل ہونے کی علامت نہیں اور دنیا میں غریب کی زندگی گذارنے والے کے بارے میں یہ نہ سمجھو کہ اس کا جب ہماری نظروں میں کوئی مرتبہ و مقام نہیں تو اللہ کے ہاں بھی اس کی کوئی عزت و شان نہیں یہ کافرانہ سوچ ہے اور اس بارے میں قرآن پاک کی بے شمار آیات موجود ہیں منجملہ مندرجہ ذیل چند آیات ملاحظہ ہوں۔

غرباء کی فضیلت:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مالداروں نے کہا: آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اور جو آپ کے پیروکار ہیں الا الذین ھم اراذلنا۔ وہ تو ہمارے کمی کمینے ہیں۔

یعنی وہ غریب لوگ جنہوں نے نوح علیہ السلام کی پیروی کی وہ غریب ہونے کی وجہ سے ان مالداروں کی نگاہوں میں کمینے تھے۔ مگر اللہ کی نگاہ میں وہ افضل و اعلیٰ تھے کہ انہیں دامن نوح علیہ السلام نصیب ہو گیا اس لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا: و ما انا بطارد الذین امنوا انھم ملقوا ربھم و لکنی ارکم قوما تجھلون۔

میں اہل ایمان کو (ان کی غربت کی وجہ سے) اپنے آپ سے دور کرنے والا نہیں ہوں بیشک وہ تو اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن تم تو نرے جاہل ہو کہ ایمانداروں کو کمینے کہتے ہو، نہ ان کی قدر کرتے ہو نہ یہ جانتے ہو کہ وہ تم سے بہتر ہیں۔

علامہ اقبال جوابِ شکوہ میں لکھتے ہیں:

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّت بیضاء غرباء کے دم سے

معلوم ہوا کہ اخروی مرتبہ و مقام مال سے نہیں بلکہ ایمان سے ملتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو پرہیزگار زیادہ ہے دنیا کا کیا ہے۔

کسی کو تاج سلطانی، کسی کو ٹکڑے دَر دَر کے
میرے مولا تیری مرضی جدھر چاہے ادھر کر دے

اس بارے میں ایک ایمان افروز حدیث بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک امیر کبیر آدمی حضور علیہ السلام کی مجلس کے پاس سے گذرا تو حضور علیہ السلام نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا! ما رایك فی ھذا۔ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا:

رجل من اشراف الناس ھذا و اللہ حری ان خطب ان ینکح و ان شفع ان یشفع۔

ترجمہ: یہ تو بہت معزز لوگوں میں سے ہے۔ خدا کی قسم! یہ اس قابل ہے کہ اگر کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو وہ ضرور اس سے نکاح کرے گی اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول کیا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام اس کی بات سن کر تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔

پھر ایک بہت ہی غریب آدمی وہاں سے گذرا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس شخص سے پوچھا کہ اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! ھذا رجل من فقراء المسلمین ھذا حری ان خطب ان لا

ينكح و ان شفع ان لا يشفع و ان قال ان لا يسمع لقوله۔

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! یہ بے چارا تو غریب سا مسلمان ہے اگر یہ کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو وہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہ ہو اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش کوئی قبول نہ کرے اگر (کسی مجلس میں) بات کرے تو اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کرے''۔

نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

هذا خير من ملأ الارض مثل هذا۔

ترجمہ: پہلے شخص جیسے لوگوں سے زمین بھری ہوئی بھی ہو تو یہ بعد والا اکیلا (اللہ کے ہاں) ان سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ ۴۴۶)

اور یہ عظمت صرف دنیا میں ہی آقا علیہ السلام نے غرباء کو عطا نہیں فرمائی بلکہ

میدان قیامت میں جسے کوئی نہ پوچھے
ایسوں کا خریدار ہمیں تو ہی تو ملا ہے

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

بدأ الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ غريبا فطوبىٰ للغرباء۔

(مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۸۴)

ترجمہ: اسلام غریبوں سے نکلا، غریبوں میں رہے گا اور غریبوں کو مبارک ہو۔

قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا سب سے پہلے ہر نبی کی مخالفت امراء نے کی اور حلقۂ غلامی میں آنے کی پہل غرباء نے کی۔ مندرجہ بالا حدیث سے پہلے نوح علیہ السلام کا واقعہ ہی پڑھ لیں۔ پھر ہمارے آقا علیہ السلام غرباء کی تعریف کیوں نہ فرمائیں اور غرباء آپ کے قدموں پہ کیوں نہ (وجد کرتے ہوئے، جھومتے ہوئے) قربان ہو جائیں اور عرض کریں:

میں جہاں جہاں ہوا ہوں   تیرے نام سے سوالی

تیری رحمتوں نے بڑھ کر میری آبرو بچا لی
کبھی اس طرف بھی آئیں وہی موجۂ تبسم
میرا جام آرزو ہے بڑی مدتوں سے خالی
میرے بھاگ جاگ اٹھیں جو قبول آپ کر لیں
میری دھڑکنوں کا نغمہ میرے آنسوؤں کی ڈالی
کبھی میں بھی آ کے چوموں کبھی میں بھی آ کے دیکھوں
تیرے آستاں کے جلوے تیرے آستاں کی جالی

اللہ قرض کس کے لیے طلب فرماتا ہے؟:

نصائح العارفین میں ہے ایک امیر نے غریب سے کہا: دیکھو ہماری کتنی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے اور فرماتا ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے۔

غریب نے کہا: ذرا یہ تو دیکھو کہ مانگتا تو ہمارے لیے ہے نیز قرض لینے کی باری آئے تو ہر دوست دشمن سے لے لیا جاتا ہے مگر جس کے لیے لیا جاتا ہے وہ تو دوست ہی ہوتا ہے اور قیامت کے دن امیروں سے کہا جائے گا کیف انفقتم اموالکم۔ تم نے اپنے مالوں کو کیسے خرچ کیا؟ یعنی ان سے مال کے بارے میں سوال ہوگا اور غریبوں سے ان کا حال پوچھا جائے گا کیف امضیتم احوالکم۔ اور اگر امیر خرچ نہیں کریں گے تو یہی مال ان کیلئے وبال ہوگا اور اس کو دوزخ کی آگ پہ تپا کر ان کے پہلو، منہ اور پشتیں داغی جائیں گی۔ و الذین یکنزون الذھب و الفضہ...... فتکوی بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم ......

اور غریب کے بارے میں فرمایا:

یدخل الفقراء الجنۃ قبل الاغنیاء بخمس مائۃ عام نصف یوم۔ (مشکوۃ)

ترجمہ: غریب کو اس کی غربت امیر سے پانچ سو سال پہلے جنت میں لے جائے گی

جو قیامت کا آدھا دن ہوگا۔

کیونکہ مالدار پانچ سو سال تک مال کا حساب دیتے رہیں گے اور غریب کو یہ فکر نہ ہوگی۔قلة المال اقل للحساب۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ پرانے وقتوں میں سو کا نوٹ بند کردیا گیا تو ایک امیر شخص کا ہارٹ فیل ہوگیا اور مر گیا اور غریب خوش تھے کہ ہمیں کیا چاہے دس کا بھی بند ہوجائے فکر تو اس کو ہو جس کے پاس ہیں۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

بعض لوگ کہتے ہیں ہم نے مال کاروبار سے کمایا یہ ہماری محنت ہے تو ہم غریبوں پہ کیوں خرچ کریں، وہ سن لیں کہ یہ قارونی سوچ ہے قرآن مجید میں ہے کہ جب اس کو کہا گیا احسن کما احسن الله اليك۔ جیسے اللہ نے تجھ پہ احسان کیا تو بھی اللہ کی مخلوق پہ (خرچ کرکے) احسان کر۔تو اس نے کہا انما او تیته علی علم عندی۔ (اللہ کا اس میں کیا ہے نعوذ باللہ) یہ تو میرے فن کی بدولت ہے (اور میری محنت کا نتیجہ ہے، ارے ظالم! یہ فن بھی تو تجھے اللہ نے ہی دیا ہے) قصہ مختصر! مجبور ہوکر خرچ نہ کرو بلکہ مسرور ہوکر خرچ کرو۔

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۶:

مکافاتِ عمل

از مکافات عمل غافل مشو　　　　گندم از گندم بروید جوز جو

اگر چہ اعمال کی سزا و جزاء مرنے کے بعد ہو گی کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ یہاں بھی سزا و جزاء کی جھلک دکھائی ہے کہ بعض لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے اس دنیا میں سزا دی اور بعض کو ان کی نیکیوں کے سبب اس دنیا میں جزائے خیر سے نوازا اس پر قرآن مجید کی کئی آیات بطور استشہاد پیش کی جا سکتی ہیں پہلے وہ آیات ملاحظہ ہوں جو اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ دنیا میں بھی نیکی کی اچھی جزاء سے نوازا جاتا ہے جبکہ ثواب اور اخروی جزاء اس کے علاوہ ہے اس موضوع پہ اس لیے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ بعض احباب کو یہ غلط فہمی ہے کہ نیکی کی جزاء کا تعلق صرف آخرت کے ساتھ ہی ہے، اس بات میں شبہ نہیں کہ ہر نیکی اللہ کی رضا کیلئے ہی کرنی چاہئے اور ضرور کرنی چاہئے خواہ اس کی جزاء اس دنیا میں ملے یا ثواب کی صورت میں آخرت کے اندر ملے قرآن مجید کی ایک جامع دعا میں دنیا و آخرت کی بھلائی مانگنے کا ارشاد ہے:

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار۔ (البقرہ:۲۰۱)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

جبکہ صرف دنیا مانگنا اور آخرت نہ مانگنا طریقۂ کفار قرار دیا گیا۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں ہے:

فمن الناس من یقول ربنا اتنا فی الدنیا و ما له فی الآخرۃ من خلاق۔
(البقرہ:۲۰۰)

لوگوں میں سے بعض وہ ہیں کہ یوں دعا کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا دے اور ایسوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے اب بات کو سورۃ الشوری میں اس طرح بیان کیا گیا:

من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ و من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا و مالہ فی الاخرۃ من نصیب۔(۲۰)

''جو (اپنے اعمال سے) آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کی کھیتی بڑھا دیں گے (نیکیوں کی توفیق دیکر اور اس کیلئے خیرات و طاعات کی راہیں آسان کر کے) اور جو (اپنے عمل سے) دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے (جتنا اس کے مقدر میں ہے) اس دنیا سے دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے''۔

نیکی کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے:

اگر چہ اعمال صالحہ کی پوری پوری جزاء تو آخرت میں ملے گی مگر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرماتے ہوئے نیکی کی جزاء اس دنیا میں بھی عطا فرمائی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے (اہل کتاب کے بارے میں فرمایا)

1- و لو ان اھل الکتب امنوا و اتقوا لکفرنا عنھم سیاتھم و لا دخلنھم فی جنت النعیم۔ ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم۔
(المائدہ:۶۵،۶۶)

ترجمہ: اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے۔ (یہ تو اخروی جزا تھی

اور دنیوی جزاء یہ ہے کہ) اور اگر وہ (عمل کر کے) قائم رکھتے تورات وانجیل (کے احکام) کو اور جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اترا (اس پر عمل پیرا ہوتے) تو انہیں رزق ملتا اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔

معلوم ہوا دین کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے رزق میں وسعت ہوتی ہے۔ (خزائن العرفان)

یہ سب کچھ تبھی ہوگا کہ عمل میں ریاکاری نہ ہو اور اخلاص ہو ورنہ تو عبادت (نماز) کو بھی شرک اصغر کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔ جب وضو ہی نہیں تو نماز کیسی؟

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

ایک حکایت اور اصلاح نفس سے متعلقہ اشعار:

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے ایک ریاکار "بزرگ" کی دعوت کی اور اس "بزرگ" کا بیٹا بھی دعوت پہ باپ کے ساتھ ہولیا۔ بادشاہ نے دعوت میں طرح طرح کے کھانے تیار کیے لیکن "بزرگ" نے کھانا بہت کم کھایا اور جب نماز کا وقت آیا تو نماز بہت لمبی پڑھی اور جب دعوت سے واپس گھر آئے تو ریاکار بزرگ نے گھر والوں سے کھانا طلب کیا جو پیش کیا گیا۔ بیٹے نے پوچھا کہ آپ نے دعوت پہ بھی تو کھانا کھایا تھا؟ باپ نے کہا وہاں میں نے قصداً کھانا کم کھایا تھا تاکہ میری بزرگی کا وزن بڑھے۔ اس لیے کھانا دوبارہ کھا رہا ہوں۔ بیٹے نے کہا پھر نماز بھی دوبارہ پڑھ لیں اگر ریاکاری بادشاہ کے دربار میں نہیں چل سکتی تو خدا کے دربار میں بھی نہیں چل سکتی۔

(تفسیر بینات القرآن جلد ا بحوالہ گلستان سعدی)

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ریاکار نفس کی خباثت اور اس کا علاج یہ بتایا ہے:

نفس از بس مدحہا فرعون شد
کن ذلیل النفسْ ھوناً لا تسد

(مثنوی جلد ۲ صفحہ ۳۲۶)

ناتوانی بندہ شو سلطان مباش
زخم کش چوں گوئے شو چوگاں مباش

(جلد۲صفحہ۳۲۷)

نفس زیادہ تعریف سے فرعون ہو جاتا ہے، اس کو ذلیل رکھ اور سرداری نہ دے۔
جب تک تجھ سے ہو سکے بندہ رہ بادشاہ نہ بن، گیند کی طرح ذلت اٹھاتا رہ (ظالم کی) لاٹھی نہ بن۔

ایک عربی شاعر ابوالاسود الدؤلی المتوفی ۶۹ھ نے اس بارے میں عربی کے چند اشعار کہے ہیں جو یہاں ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

یا ایھا الرجل المعلم غیرہ
ھلا لنفس کان ذا التعلیم
ابدأ بنفسك فانھھا عن غیھا
فاذا انتھت عنه فانت حکیم
فھناك یسمع ما تقول و یقتدی
بالقول منك و ینفع التعلیم

ترجمہ: اے دوسروں کو تعلیم دینے والے یہ تعلیم اپنے نفس کو کیوں نہیں دیتا پہلے اپنے نفس کا علاج کر اس کو سرکشی سے روک کر جب تو اس میں کامیاب ہو جائے گا تو تو عقل مند ہے۔

اس وقت تیری بات سنی جائے گی اور تو راہنما بن جائے گا اور تیری تعلیم کا فائدہ و اثر ہوگا۔

؎ جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

2- سورۂ ہود میں ارشاد ہوتا ہے:

و یقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یرسل السماء علیکم مدرارا و یزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین۔(۵۲)

ترجمہ: (ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو نافرمانی سے روکتے ہوئے فرمایا) اور اے میری قوم اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت کو بڑھائے گا اور مجرم نہ بنو۔

اس سے ملتی جلتی تعلیم حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عطا فرمائی چنانچہ سورۂ نوح میں ارشاد ہوتا ہے:

فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال و بنین و یجعل لکم جنت و یجعل لکم انهارا۔

(۱۰-۱۱-۱۲)

ترجمہ: اور میں (نوح علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہا: اپنے رب سے معافی مانگو بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔تم پہ موسلا دھار (رحمت کی) بارش برسائے گا اور مال و اولاد سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغات اور نہریں عطا کرے گا۔

ایک نابینا پرندے کی تسبیح:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگل سے گزرا اور ہم نے دیکھا کہ ایک پرندہ بلند آواز سے کچھ کہہ رہا ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! بتاؤ یہ کیا کہہ رہا ہے میں نے عرض کیا: اللہ و رسولہ اعلم بذالك اسے اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے اے اللہ! تو نے مجھے اندھا بنایا، میری بینائی زائل کر دی ہے، اب مجھے اپنے فضل و کرم سے کچھ رزق عنایت فرما، کیونکہ میں بھوکا ہوں۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ ابھی ہم کھڑے تھے کہ ایک پرندہ (ٹڈی) اڑتا ہوا اس بھوکے پرندے کے منہ میں داخل ہو گیا جسے اس نے نگل لیا۔پھر پہلے کی طرح زور زور سے بولنے لگا۔حضور سرور

عالم ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے انس! بتاؤ اب یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے پہلے کی طرح عرض کیا کہ الله و رسوله اعلم بذالك۔ اللہ اور اس کا رسول ہی اسے خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کہہ رہا ہے الحمد لله الذی لم ینس من ذکره یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو اپنے یاد کرنے والے کو نہیں بھلاتا۔

(خصائص اسماء الحسنیٰ از علامہ واحد بخش صاحب صفحہ ۸۶، ۸۷)

3- قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب خضر علیہ السلام کے واقعہ میں دو یتیم بچوں کا ذکر فرمایا گیا کہ جن کے خزانے کو محفوظ رکھنے کے لیے باوجودیکہ بستی والوں نے کھانا تک نہ دیا مگر حضرت خضر علیہ السلام نے گرتی دیوار کو سیدھا کر دیا صرف اس وجہ سے کہ و کان ابوهما صالحا۔ ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ معلوم ہوا کہ صرف اپنی نیکی کا ہی دنیا میں فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ نیک والدین کی نیکی کا فائدہ بھی مرنے کے بعد اولاد کو پہنچتا رہتا ہے اور اسی طرح نیک اولاد کی نیکی کا فائدہ بھی مرنے کے بعد والدین کو ملتا رہتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بندے کا درجہ جنت میں بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے اے اللہ یہ درجہ کس طرح بلند ہو گیا؟ تو حکم ہوتا ہے: باستغفار ولدك لك۔ (مشکوۃ) تیرے بیٹے نے تیرے لیے خاص طور پر استغفار کی ہے۔ جس کی وجہ سے تیرا درجہ بلند ہو گیا۔

4- حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تشریف لے گئے تو ان کی رہائی پر اللہ تعالیٰ نے رہائی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فلولا انه کان من المسبحین للبث فی بطنه الی یوم یبعثون۔

(الصفت: ۱۴۳-۱۴۴)

ترجمه: اگر وہ (یونس علیہ السلام) تسبیح (ذکر الٰہی کی کثرت) کرنے والے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

5- کفار و مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا:

فان تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة فاخوانکم فی الدین۔ (التوبہ: ۱۱)

ترجمہ: پس اگر وہ (کفر و عہد شکنی سے باز آجائیں اور ایمان قبول کرلیں) اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل قبلہ کے خون حرام ہیں۔ (خزائن)

اس آیت کے معاً بعد ہی فرمایا:

و ان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم و طعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون۔ (التوبہ:۱۲)

ترجمہ: اور اگر وہ عہد باندھ کر قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین کے بارے میں طعن کریں تو کفر کے سرغنوں کو قتل کردو بیشک ان کی کوئی قسمیں نہیں، اس امید پر (ان کو مارو) شاید کہ وہ باز آجائیں۔

دیکھو! منافقین صرف ظاہری طور پر پابندیٔ احکام کرتے تو ان کو اس قدر فائدہ ہوا کہ قتل ہونے سے بچ گئے اور اہل اسلام کی طرح تمام دینوی مراعات کے مستحق بن گئے اور اگر کوئی ظاہر و باطن سے دین پہ کاربند ہوجائے تو اس کو اخروی جزاء کے ساتھ دنیا میں بھی کیوں نہ فائدہ حاصل ہوگا۔

معلوم ہوا! یہ بات درست نہیں کہ نیکی کرنے پر دنیا میں کچھ نہیں ملتا اگرچہ ہر نیکی آخرت کی کامیابی اور رضائے الٰہی کے لیے کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ نیکی پر یہاں اس دنیا میں بھی انعام سے نوازتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام میں سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جنگل کے شیر نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔ اور تاریخ میں ہے کہ صحابہ کرام کے حکم پر جانوروں نے جنگل خالی کر دیا، دریاؤں نے راستہ دے دیا جس پر علامہ اقبال نے کہا:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ہم نے خدا کی نافرمانی کی آج ہماری حالت سب کے سامنے ہے اور جنہوں نے خدا کو راضی کر لیا جنگل کے بادشاہ ان کا حکم مان رہے ہیں حضرت سعدی فرماتے ہیں:

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اللہ کے ہاں نیکی کی قدر و قیمت:

اللہ تعالیٰ شاکر و علیم ہے اس کے شاکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کی طرف سے نیکی پر وہ خوش ہوتا ہے، اس کو قبول فرماتا ہے اس میں اضافہ کرتا ہے اور بہترین جزا عطا کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اولئك الذین نتقبل عنهم احسن ما عملو ...... (الاحقاف) وهو الذی یقبل التوبه عن عباده ...... من فضله۔ (الشوری ۲۵، ۲۶)

تو اہل ایمان پرہیزگاروں کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معمولی نیکی پہ دوزخ سے بچا لیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ پیاسے کتے کو پانی پلانے والا انسان (مرد یا عورت) دوزخ سے بچ گیا۔ اور حدیث میں یہ ہے: اتقوا النار ولو بشق تمرة۔ دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا راہ خدا میں دے کر معلوم ہوا کہ اتنے عمل پر بھی دوزخ سے بچا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

ادفعی فی یده ولو ظلفا محرقا۔ (مشکوۃ صفحہ ۱۶۶)

ترجمہ: مانگنے والے کو دے اگرچہ جلا ہوا (بکری کا) پایہ ہو۔

یہ حال تو اہل ایمان کا ہے جبکہ کافر کی ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ فرمایا:

ان الذین کفروا ...... ما تقبل منهم۔ (المائدہ: ۳۶)

ترجمہ: بیشک جو کافر ہوئے اگر زمین بھر اور اس کی مثل اور (سونا چاندی) دے کر بھی اللہ کے عذاب سے بچنا چاہیں گے تو ان کی طرف سے قبول نہ کیا جائے گا۔

گناہوں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے:

ایک تو وہ گناہ ہیں کہ جن میں شریعت نے حدیں اور تعزیرات رکھی ہیں یہ سزائیں تو ملتی ہی ہیں۔ جن گناہوں پہ حد و تعزیر مقرر نہیں ان کی نحوست سزا کی صورت میں جو آخرت کو ملے گی وہ تو ملے گی ہی، اس دنیا میں بھی بندہ سزا پاتا رہتا ہے۔ جیسا کہ والدین کی نافرمانی کے بارے میں آتا ہے کہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں سزا کو پالیتا ہے۔ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے اور ہمارے موضوع ''مکافاتِ عمل'' کا دوسرا حصہ ہے اور اس کو بیان اس لیے کر رہا ہوں کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ ہر شی اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا فرمایا گیا:

سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المنذرین...... المکذبین...... الظالمین۔

اسی طرح مختلف قوموں کی تباہی کے واقعات سورۃ اعراف اور الشعراء میں کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل آیات پہ غور کریں:

''البقرہ: ۵۷ تا ۶۱۔ الاعراف: ۱۶۶۔ الزخرف: ۵۱ تا ۵۶۔ انفال: ۵۱۔
الحاقہ: ۱۰۔ الروم: ۱۴ تا ۴۵۔ ۵۴ تا ۵۷۔ ابراہیم: ۴۴۔ المومنون: ۱۰۷۔
العنکبوت: ۴۰۔ انفال: ۵۳، ۵۴۔ الرعد: ۱۱''۔

حدیث شریف میں ہے:

ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ۔

ترجمہ: بندہ گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کو نصیحت فرمائی:

انی اری اللہ تعالیٰ قد القی علی قلبك نورا فلا تطفئہ بظلمۃ المعصیۃ۔

ترجمہ: میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پہ روشنی ڈالی ہے اس کو گناہ کر کے بجھا نہ دینا۔

فان العلم نور من الله
و نور الله لا یعطی لعاص

حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ:

جوں جوں قیامت قریب آ رہی ہے مادی ترقی کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی ''ترقی'' ہو رہی ہے پہلے کم از کم یہ تو ہوتا تھا کہ کوئی فوت ہو جاتا تو جنازے کے ساتھ چلنے اور دفن ہونے تک لوگوں پہ خوف خدا طاری رہتا اب تو لوگ جنازے کے ساتھ تمباکو نوشی بھی کرتے جاتے ہیں، کلمہ پڑھنے کی بجائے لطیفہ بازی کرتے جاتے ہیں اور دفن کے دوران بھی ہنسی مذاق ہوتا رہتا ہے، میرے ایک دوست نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جنازہ جا رہا تھا تو بازار میں دو بندوں نے اس پر جوا لگا دیا کہ عورت کا ہے یا مرد کا، پھر عورت کا ہے تو حاملہ ہے یا غیر حاملہ۔ ایک اور دوست (شیخ تجمل حسین) نے بتایا کہ ہم جنازہ لے کر قبرستان گئے تو وہاں تاش کا کھیل ہو رہا تھا، جنازہ قبرستان میں داخل ہوا تو ان میں سے جنازے کے احترام میں کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو میں نے کہا شرم کرو اگر تم نے جنازہ پڑھنا نہیں تو کم از کم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہی ہو جایا کرو اور جتنی دیر تک جنازہ نہیں پڑھا جاتا کھیل بند کر دیا کرو تو ان میں سے ایک بے حیا نے کہا لو جی آپ کیسی باتیں کرتے ہیں یہاں تو اتنے زیادہ جنازے آتے ہیں کہ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو ایک پتہ بھی نہ پھینک سکیں۔ اس کے باوجود بھی ہم کہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ کشمیر، فلسطین کے لیے ہم کئی سالوں سے دعا کر رہے ہیں، کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

اسی قسم کے بدبختوں کی وجہ سے سب لوگ مشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس پر بھی قرآنی آیات شاہد ہیں:

و اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا۔ (الاسراء:۱۶)

ترجمہ: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم وہاں کے خوشحال لوگوں پہ اپنے احکام بھیجتے ہیں جن کی وہ نافرمانی کرتے ہیں تو ان پر بات پوری ہو جاتی ہے پھر ہم ان کو تباہ کر دیتے ہیں۔

حتی اذا اخذنا مترفیھم اذا ھم یجئرونo لا تجئروا الیوم انکم منا لا تنصرونo قد کانت ایتی تتلی علیکم فکنتم علی اعقابکم تنکصونo مستکبرین بہ سمرا تھجرونo (المومنون:۶۴ تا ۶۷)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے خوشحال طبقہ کو (ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے) پکڑا تو لگے آہ وزاری کرنے۔ (حکم ہوا) آج چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں بیشک آج ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ بیشک میری آیات تم پر پڑھی جاتی تھیں پس تم ایڑیوں کے بل پلٹ جاتے تھے۔ (اور ان پر ایمان نہ لاتے تھے) (حرم شریف کی خدمت پر) تکبر کرتے ہو رات کو وہاں بیہودہ کہانیاں بکتے ہو۔

اور پھر جب ایسوں پہ اللہ کا عذاب آتا ہے تو بے گناہ بھی گرفت میں آجاتے ہیں اگرچہ آخرت میں ان کو اس تکلیف کے بدلے نعمتوں سے نواز کر ان کا حساب برابر کر دیا جاتا ہے۔ مگر دنیا میں تو ان کی وجہ سے تکلیف سہنا پڑی۔

واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة۔ (الانفال:۲۵)

ترجمہ: اور اس آزمائش سے بچو جو ہرگز تم میں سے خاص ظالموں کو نہ پہنچے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے درمیان ممنوعات نہ ہونے دیں یعنی اپنے اختیار تک برائیوں کو روکیں اور گناہ کرنے والوں کو گناہ سے منع کریں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو عذاب ان سب کو عام ہوگا۔ خطا کار اور غیر خطا کار سب کو پہنچے گا۔ حدیث شریف میں ہے: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخصوص لوگوں کے عمل پر عذاب عام نہیں کرتا جب تک کہ عام طور پر لوگ ایسا نہ کریں کہ ممنوعات کو اپنے درمیان ہوتا دیکھتے رہیں اور اس کے روکنے اور منع کرنے پر قادر ہوں باوجود اس کے نہ روکیں۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عذاب میں عام و خاص سب کو مبتلا کرتا ہے۔ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی قوم میں سرگرم معاصی ہو اور وہ لوگ باوجود قدرت کے اس کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم نہی عن المنکر ترک کرتی ہے اور لوگوں کو گناہوں سے نہیں روکتی وہ اپنے اس ترک فرض کی شامت میں مبتلائے عذاب ہوتی ہے۔ (خزائن العرفان)

غنچوں کے مسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول
اپنا کرو خیال ہماری تو کٹ گئی

تنبیہ: کوئی کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ آیات میں سے کئی آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئیں تو گناہ گار مسلمانوں پہ کیونکر چسپاں ہوسکتی ہیں تو جواباً عرض ہے کہ ان آیات سے کفار کا مذاق و مزاج تو معلوم ہو گیا کہ آیات قرآنی کے ساتھ ایسا بدعملی کا رویہ رکھنا مسلمان کا کام نہیں ہے ویسے بھی امام صاوی مالکی علیہ الرحمۃ حاشیہ جلالین میں لکھتے ہیں:

کل اية نزلت فی حق الکفار فانها تجر ذیلها عصاة المؤمنین۔

ترجمہ: ہر وہ آیت جو کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کی گرفت میں گناہ گار مسلمان بھی آجاتے ہیں۔

نعمت ملنے پر سرکشی کرنا:

قرآن مجید کی کئی آیات میں انسان کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب تکلیف میں ہوتا ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے اور جب رحمت و نعمت سے نوازا جاتا ہے تو اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سرکشی پہ اتر آتا ہے چند آیات

اس حوالے سے بھی ملاحظہ ہوں:

1- و اذا اذقنا الناس رحمة من بعد ضراء مستهم اذا لهم مکر فی ایاتنا۔
(یونس:۲۱)

ترجمہ: اور جب ہم انسان کو تکلیف کے بعد نعمت ورحمت سے نوازتے ہیں تو ہماری آیات کے ساتھ مکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔

2- و اذا انعمنا علی الانسان اعرض و نابجانبہ۔ (الاسراء:۸۳،حم السجدہ:۵۱)

ترجمہ: اور جب ہم انسان پہ احسان کرتے ہیں تو وہ اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے۔ (یعنی تکبر کرتا ہے)

3- و اذا مس الانسان ضردعا ربہ منیبا الیہ ثم اذا خولہ نعمة منہ نسی ما کان یدعوا الیہ من قبل۔ (الزمر:۸)

ترجمہ: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب سے خوب دعائیں کرتا ہے پھر جب اللہ (اس کی تکلیف دور کر کے) اس کو نعمت سے نواز دیتا ہے تو بھول جاتا ہے جس کیلئے اس سے پہلے دعا کیا کرتا تھا۔

دوسرے مقام پہ انسان کی اس کمزوری اور قارونی سوچ کو یوں بیان فرمایا:

قال انما اوتیتہ علی علم۔ (الزمر:۴۹)

ترجمہ: کہتا ہے کہ یہ (مال) تو مجھے میرے علم وکمال کی بدولت حاصل ہوا ہے۔
(القصص:۷۸)

یہی کچھ قارون نے بھی کہا تھا۔ یہی انسان کی کم ظرفی ہے اور اس کا کمینہ پن ہے جس کو کسی عربی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

؎ اذا انت اکرمت الکریم ملکتہ

و ان انت اکرمت اللئیم تمردا

ترجمہ: جب تو کسی شریف انسان کی عزت کرے گا تو تیرا ممنون احسان رہے گا اور اگر تو کسی کمینے کی عزت کرے گا تو وہ سرکش اور باغی ہو جائے گا۔

؎ فوضع الندٰاء فی موضع السیف بالعلاء

مضر کوضع السیف فی موضوع الندٰاء

ترجمہ: لہٰذا تلوار کی جگہ سخاوت نہیں کام دیتی ایسے ہی سخاوت کی جگہ تلوار نقصان دہ ہے۔

پھر جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے سرکشی کرتا ہے اور ناشکری و تکبر پہ اتر آتا ہے تو یہی گناہ نزول عذاب کی بنیاد بن جاتا ہے۔ یعنی عجیب بات ہے کہ نعمت کا ملنا، شکر و استغفار کے ساتھ متعلق کر دیا گیا اور عذاب کا اترنا اگرچہ ناشکری اور تکبر سے متعلق ہے لیکن عذاب کے اترنے سے پہلے بھی نعمتوں کی فراوانی ہو جاتی ہے تا کہ جی بھر کے ناشکری کرے اور نعمتوں میں بدمست ہو کر خوب تکبر و غرور کا پتلا بن جائے۔ سورۃ انعام میں فرمایا گیا:

فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شئ حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنهم بغتة فاذا هم مبلسون۔ (۴۴)

ترجمہ: پھر جب انہوں نے بھلا دیا ان نصیحتوں کو جو انہیں کی گئیں تو ہم نے ان پر ہر شئ (نعمت) کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ خوب خوش ہو گئے (اور تکبر کرنے لگے) تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا، اب وہ مکمل مایوس ہو گئے۔

فقطع دابر القوم الذین ظلموا۔ (انعام:۴۵)

ترجمہ: پس ظالموں کی جڑ کو کاٹ دیا گیا۔ والحمد للّٰه رب العالمین۔

؎ در پناہِ لطفِ حق باید گریخت
کو ہزاراں لطف بر ارواح ریخت

تا پناہے یابی آنگہ چہ پناہ
آب و آتش مرترا گرد سپاہ

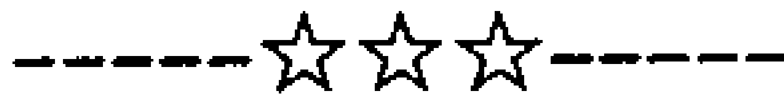
نوح و موسیٰ را نہ دریا یار شد؟
نے بر اعداشاں بکیں قہار شد؟

آتش ابراہیم را نے قلعہ بود؟
تابر آرد از دل نمرود دود

کوہ یحیی رانہ سوئے خویش خواند؟
قاصدانش را بزخم سنگ راند

گفت اے یحیی بیا در من گریز
تا پناہت باشم از شمشیر تیز

(مثنوی مولانا روم جلد۲ صفحہ ۳۲۰)



تقریر نمبر ۷:

بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام

○ عجم میں لوگ خورشید منور جس کو کہتے ہیں
عرب میں جا کے جب دیکھا تو تیرا نقش پا نکلا

سورۃ الحجرات کی دوسری آیت یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ...... جب نازل ہوئی جس میں حضور علیہ السلام کی آواز سے آواز اونچی کرنے سے منع فرمایا گیا تو حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ (جو یا تو طبعاً بلند آواز تھے یا پھر اونچا سنتے تھے اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے جو خود اونچا سنتا ہو وہ بولتا بھی اونچی آواز سے ہے) کانپ گئے۔ جلس فی بیتہ و قال انا من اھل النار۔ گھر میں بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ میں تو آگ والوں میں سے ہو گیا (کیونکہ میں کئی دفعہ اپنی آواز کو حضور علیہ السلام کی آواز سے اونچا کر بیٹھا) حضور علیہ السلام نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پڑوسی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ایک دن پوچھا: ثابت نظر نہیں آ رہا، کہاں چلا گیا؟ (سبحان اللہ! ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ خوش نصیب تھے وہ لوگ کہ جن کے بارے میں حضور علیہ السلام پوچھتے تھے اور ان کو محبوب خدا ہر وقت یاد رکھتے تھے)۔

○ میدان قیامت میں جسے کوئی نہ پوچھے
ایسوں کا خریدار ہمیں تو ہی تو ملا ہے
دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا
آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہے

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور میں پتہ کروں گا کیوں نہیں آ رہے حضرت سعد گئے اور حضرت ثابت سے پوچھا کہ آپ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں کیوں نہیں آ رہے؟ حضور علیہ السلام آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ حضرت ثابت نے مندرجہ بالا آیت کا حوالہ دیا اور کہا: لقد علمتم انی من ارفعکم صوتا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا من اھل النار۔ تم جانتے ہی ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اونچی آواز میں حضور علیہ السلام کے سامنے بولتا ہوں لہٰذا میں تو دوزخی ہو گیا۔ حضرت سعد یہ بات سن کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ثابت نے اپنے آپ کو اس وجہ سے گھر میں قید کر رکھا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: بل ھو من اھل الجنۃ۔ نہیں نہیں بلکہ ثابت تو اہل جنت میں سے ہے۔

بن جائے گی محشر میں نصیر اب تیری بگڑی
سرکار شفاعت کے لیے آئے ہوئے ہیں
سرکارِ مدینہ کی عطا اور یہ عاصی
کچھ لوگ تو اس بات پہ چکرائے ہوئے ہیں

اس سے آگے حضرت عاصم بن عدی نے مفصل بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت ثابت کو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں میں نے پوچھا: ما یبکیک یا ثابت۔ اے ثابت! کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ھذہ الایۃ اتخوف ان تکون انزلت فی و انا رفیع الصوت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اخاف ان یحبط عملی و انا اکون من اھل النار۔

اس آیت کی وجہ سے (رو رہا ہوں جس میں حضور علیہ السلام کی آواز سے اونچی آواز کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور جو ایسا کرے گا اس کے اعمال ضائع ہو جانے کی خبر دی گئی ہے) میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں یہ آیت میرے بارے میں نہ اتری ہو کیونکہ میں بلند آواز ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی آواز پر اپنی آواز اونچی کر لیتا ہوں اور مجھے

خطرہ ہے کہ میرے (نیک) اعمال ضائع ہو گئے ہوں اور میں دوزخ والوں میں سے ہو گیا ہوں۔

(یہی وہ نعمت ہے کہ آج کا زاہد خشک جس نعمت سے محروم ہے)۔

واے ناکامی زاہد کہ جبیں پر تیری
داغ سجدہ تو بنا داغ محبت نہ بنا

حضرت عاصم نے حضرت ثابت کے یہ خیالات حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کر دیئے۔ ادھر حضرت ثابت کے پاس ان کی بیوی (جمیلہ) آئی تو حضرت ثابت نے اسے فرمایا: میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گھوڑوں کے اصطبل میں رہوں گا۔ لھذا اذا دخلت بیت فرس۔ جب میں اصطبل میں داخل ہو جاؤں تو کیل وغیرہ سے دروازہ پکی طرح بند کر دینا۔

فضربتها و قال لا اخرج حتی یتوفانی اللہ او یرضی عنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: (فرماتی ہیں) میں نے مضبوطی سے دروازہ بند کر دیا اور حضرت ثابت نے کہا: میں ہرگز یہاں سے نہیں نکلوں گا یہاں تک کہ میری زندگی تمام ہو جائے یا مجھ سے حضور علیہ السلام راضی ہو جائیں۔

جب یہ بات حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی گئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اذهب فادعه۔ جاؤ اس کو بلا کر لاؤ۔ بلانے والا گیا اور جا کر کہا: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوك۔ اے ثابت! چل تجھ کو مدینے میں سرکار بلاتے ہیں

ایسے محسوس ہوا کہ حضرت ثابت کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو گئی ہے دروازہ توڑ کر دربار رسالت میں حاضر ہوتے ہیں، آقا اپنے غلام سے پوچھتے ہیں: ما یبکیك یا ثابت۔ میرے پیارے کو کس چیز نے رلایا ہے؟ عرض کیا: حضور! یہ بات ہے (سارا ماجرا بیان کر دیا) حضور علیہ السلام نے اپنے غلام سے فرمایا:

اما ترضی ان تعیش حمیدا و تقتل شهیدا و تدخل الجنة۔

ترجمہ: تو اس بات پہ راضی نہیں ہے کہ زندگی میں تیری تعریف ہو، راہ حق میں شہید ہو اور بروز قیامت جنت رسید ہو۔

حضرت ثابت مچل کر عرض کرتے ہیں:

رضیت ببشری اللہ و رسولہ لا ارفع صوتی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابدا۔

ترجمہ: میں اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہ، صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوشخبری پہ راضی ہوں اور آئندہ میں کبھی بھی آپ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کروں گا۔ (تفسیر خازن)

؎ اے روح محمد مجھے قدموں سے لگا لے

درماندہ مسافر تیرے قدموں میں پڑا ہے

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور اقدس میں جنگ یمامہ کے اندر مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے اس طرح شہید ہوئے کہ جنگ کے دوران حضرت سالم سے فرمانے لگے: ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ تو ایسی جنگ میں نہیں لڑا کرتے تھے۔ مزا نہیں آرہا۔ ثم حفر کل واحد حفرۃ فثبتا و قاتلا حتی قتلا۔

دونوں نے زمین میں گڑھے کھودے اور ان گڑھوں میں کھڑے ہو گئے تاکہ خوب جم کر لڑیں اور اسی جگہ کھڑے کھڑے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور فرمان رسالت پورا ہو گیا۔

؎ جو تیرے منہ سے نکلی وہ بات ہو کے رہی

فقط اشارے سے سب کی نجات ہو کے رہی

حضرت ثابت جب شہید ہوئے تو جسم پہ قیمتی زرہ تھی جو کسی نے اتار لی، حضرت ثابت خواب میں کسی مسلمان غازی کو ملے اور فرمایا: فلاں شخص نے میری زرہ چوری کر لی ہے، اس کا خیمہ سب سے آخر میں ہے۔ خیمے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دروازے پہ گھوڑا چر رہا ہے جو کہ لمبی رسی سے بندھا ہوا ہے۔ اس شخص نے میری زرہ ہنڈیا کے

نیچے رکھی ہوئی ہے لہٰذا تم خالد بن ولید کو جا کر میرا پیغام دو کہ وہ مدینہ شریف جا کر حضرت ابوبکر صدیق سے کہیں کہ اس شخص سے وہ زرہ لے کر فلاں شخص کو جو میں نے قرضہ دینا ہے زرہ بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دیں۔ فاجاز وصیته۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور ان کی وصیت پوری کر دی۔ (کتاب الروح لابن قیم)

؎ تمہارے بعد کہاں وفا کے ہنگامے
کوئی کہاں سے تمہارا جواب لائے گا

رسول کا بُلاوا، رب کا بُلاوا ہے:

قرآن مجید میں جو فرمایا گیا ہے:

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ ٹھہراؤ۔

اس میں دعا کے تین مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

1- دعاء بمعنی بلانا۔ اور یہ مصدر ہے جو مضاف ہے الرسول فاعل کی طرف۔ معنی یہ ہوگا کہ تمہارا بلانا اور رسول پاک کا بلانا برابر نہیں تم کسی کو بلاؤ، وہ آئے نہ آئے کچھ نہ ہوگا لیکن نبی علیہ السلام بلائیں تو فرض نماز چھوڑ کر بھی حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ جس کو حضور علیہ السلام بلائیں اس پر اجابت و تعمیل لازم ہے چاہے وہ کسی حالت میں ہو اور حاضری بھی ادب کے ساتھ ہو، حکم دیں تو حاضر ہو جاؤ واپس جانا ہو تو اجازت لے کر جاؤ۔ اگر وہ خود نہ بلائیں تو آنا جانا دونوں اجازت سے۔

کیونکہ سرکار کا بلاوا رب کا بلاوا ہے، کوئی ذرا سی عزت والا آپ کو بلائے تو آپ پھولے نہیں سماتے اور اس کے مقدر پہ کیوں نہ قربان ہو جائیں کہ جس کا بلانا رب کا بلانا ہے۔

اور پھر اس بلاوے پہ تمہیں میرے محبوب کا دیدار بھی تو ہو رہا ہے ناں؟

؎ زمیں پہ صنعت حق کا کمال دیکھا ہے
فلک پہ جذبۂ الفت کا حال دیکھا ہے
ستارو! آؤ تمہیں رکھ لوں اپنی آنکھوں پر
کہ تم نے میرے نبی کا جمال دیکھا ہے

بخاری شریف میں حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا تو میں نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو؟ ایسا ہی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں پکارا اور انہوں نے جلدی نماز تمام کر کے سلام عرض کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں جواب دینے سے کیا بات مانع ہوئی؟ عرض کیا: حضور میں نماز میں تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پایا کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو؟ عرض کیا: بیشک آئندہ ایسا نہ ہوگا۔

2- الرسول مفعول کی جگہ پہ ہو اور فاعل کی ضمیر کم کو حذف مانا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ تمہارا رسول پاک علیہ السلام کو پکارنا ایسے نہ ہو جیسے ایک دوسرے کو (او فلاں او فلاں) کہہ کر پکارتے ہو بلکہ ادب و تکریم اور تعظیم و توقیر کے ساتھ آپ کے معظم القاب سے نرم آواز کے ساتھ متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں یا نبی اللہ، یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہہ کر۔ کیونکہ

؎ اک نام مصطفیٰ ہے نام خدا کے بعد
اور جس قدر بھی نام ہیں سب مصطفیٰ کے بعد
(صلی اللہ علیہ وسلم)

3- دعاء کا معنی دعا کرنا ہو تو مطلب یہ بنے گا کہ اپنی دعا کو نبی علیہ السلام کی دعا کی

طرح نہ ٹھہراؤ ہو سکتا ہے تمہاری دعا تمہارے منہ پر ماری جائے اور محبوب کی دعا کا عالم یہ ہے کہ

؎ اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی شان سے جو دعائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

گویا اس معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ در پردہ خود اپنی مخلوق کو محبوب کی دعائیں لینے کا راستہ بتا رہا ہے کہ اگر اپنی بگڑی بنانا چاہتے ہو تو میرے حبیب کی دعا لو جو کبھی رد نہیں ہوتی اور محبوب کو فرمایا: وصل علیهم ان صلوتك سكن لهم ۔ اے محبوب اپنے امتیوں کے لیے دعا کیا کر کیونکہ تیری دعا سے ان کے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ تو جب دعا قبول کرنے والا لوگوں کو محبوب کی دعا لینے کا راستہ بتا رہا ہے تو یقیناً وہ اپنے محبوب کا ادب کرنے والوں کو معاف ہی تو کرنا چاہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

؎ مجرم بلائے جاتے ہیں "جاءوك" ہے گواہ
پھر رد ہو کیا یہ شان کریموں کے در کی ہے

حضور علیہ السلام کا تعلق باللہ:

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔

ترجمہ: مردان خدا ایسے بھی ہیں کہ ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔

یعنی کاروباری مصروفیات کے باوجود غافل نہیں ہوتے اور ہر وقت ذکر خدا کرتے رہتے ہیں۔ ؎ دست بہ کار دل بیار

لیکن یاد رکھو! امت میں سے بعض کو یہ مقام محنت سے ملتا ہے اور اللہ کا نبی وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل کی تار ہر وقت بارگاہ خدا سے جڑی رہتی ہے جو غیر سے مشغول ہو کر بھی تعلق باللہ کو قائم رکھتا ہے، اگر عبادت کے دوران بھی غیر سے گفتگو کرتا ہے تو بھی

تعلق باللہ میں فرق نہیں آتا۔

حضور علیہ السلام نے چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز پڑھائی تو حضرت ذوالیدین نے عرض کیا: اقصرت الصلوة ام نسیت یا رسول الله۔

حضور نماز کم کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یعنی نہ نماز کم کی گئی ہے نہ میں (خود) بھولا ہوں بلکہ نسیت لسنة۔ میں بھلایا گیا ہوں تاکہ سنت قائم ہو جائے یعنی میرے بھولنے پر بھی امت کو قیامت تک سنت کا ثواب ملتا رہے گا۔

اتنی گفتگو کے بعد نہ حضور علیہ السلام کی نماز ٹوٹی اور نہ (ذوالیدین) گفتگو کرنے والے کی اور نہ سننے والے دیگر صحابہ کرام کی، دو رکعتیں مزید پڑھ کر نماز کو مکمل کیا۔ کیونکہ اللہ کا نبی اور نبی کے توسط وفیض سے صحابہ کرام گفتگو کر کے بھی تعلق باللہ کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں کسی کو سلام کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں جب تک سلام کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے نماز ہوتی ہی نہیں ہے۔ کوئی نماز کی حالت میں ہو حضور علیہ السلام بلائیں وہ نماز وہیں پہ چھوڑ کر حاضر ہو جائے حضور علیہ السلام سے باتیں کریں، کام کرائیں، بازار بھیجیں کتنی ہی دیر ہو جائے حکم ہے کہ تیری پہلی نماز وہیں پہ قائم ہے جہاں چھوڑ کر گیا تھا اگر دو رکعتیں تھیں اور تو نے ایک پڑھی تھی تو اب ایک اور پڑھ لے تیری نماز مکمل ہوگئی۔ تیرا منہ کعبہ سے پھرا ہے مگر کعبہ کے کعبہ کی نوکری کرتا رہا ہے وہ عبادت جس کی تھی یہ رسول بھی تو اسی کے ہیں۔ عبادت بھی قبول ہے اطاعت بھی قبول ہے۔ تو جس کی نوکری کرنے والا نوکری کے دوران تعلق باللہ قائم رکھے ہوئے ہے اس رسول کے اپنے تعلق باللہ کا عالم کیا ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، جس حالتوں میں زبان سے ذکر نہیں ہو سکتا (قضائے حاجت، نیند کی حالت) میں قلب اطہر ذکر کرتا رہتا۔ لہٰذا جو محبوب الٰہ ہر وقت ذکر خدا کے ہمراہ رہتے ہیں ہم گناہ گار اگر نجات

چاہتے ہیں تو انہی کے دربار سے ملے گی (ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک)

o مجرم ہو تو منہ اشکوں سے دھوتے ہوئے آؤ
آؤ در توّاب پہ روتے ہوئے آؤ
قرآن میں مذکور ہے بخشش کا طریقہ
سرکار کی دہلیز سے ہوتے ہوئے آؤ

(نصیرالدین نصیر)

حاصل کلام:

بات سورۃ الحجرات سے چلی تو اسی پہ ختم کرتے ہیں پیر کی ملاقات کے آداب مرید بتاتا ہے اور استاد کی بارگاہ کا پروٹوکول شاگرد سمجھاتا ہے لیکن سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات پڑھ کے دیکھو دربار مصطفیٰ ہے اور اس کے آداب بارگاہ خدا سے آرہے ہیں۔فرمایا میرے حبیب سے آگے نہیں بڑھنا، ان کی آواز سے اونچی آواز نہیں کرنا ان کو آواز دے کر بلانا نہیں تاکہ ان کے آرام میں خلل نہ آئے جو ایسا کرتے ہیں وہ ایک تو بے وقوف ہیں اور دوسرا ان کے تمام اعمال ضائع کردیے جاتے ہیں۔یا اللہ! اگر تیرے حبیب کو ملنا ہو اور تیرا محبوب گھر میں ہو باہر بلا بھی نہیں سکتے، اندر جا بھی نہیں سکتے تو ان کو پتہ کیسے چلے گا کہ مجھ سے ملنے والے آتے ہیں فرمایا میرے حبیب کو بے خبر نہ سمجھو۔فیسری اللہ عملکم و رسولہ۔اپنا اپنا کام کرتے رہو تمہارے اعمال کو خدا بھی دیکھ رہا ہے، مصطفیٰ بھی دیکھ رہے ہیں۔محبوب خدا کی نظر تمہارے اعمال پر ہے اور میری نظر ہر وقت اپنے محبوب پر ہے وہ کھڑا ہو تو میں اس کو دیکھتا ہوں۔الذی یرٰلک حین تقوم۔وہ بیٹھا ہو یا جس بھی حالت میں ہو انک باعیننا میں ہر وقت اس کو دیکھتا ہوں اور وہ ہر وقت میری نگاہوں میں رہتا ہے نہ وہ میری عبادت کرتا تھکتا ہے نہ میں اس کو دیکھتا تھکتا ہوں میری شان تو یہ ہے: ولا یؤدہ حفظھما وھوا لعلی العظیم۔جب زمین و آسمان کی حفاظت مجھے نہیں تھکا سکتی تو محبوب کو دیکھنے سے تو

کوئی بھی نہیں تھکتا میں کیسے تھکوں گا۔ بات دور نکل گئی بیٹے کے آرام میں خلل آئے ماں ناراض ہوتی ہے۔ حضور کے آرام میں خلل آئے تو خدا ناراض ہوتا ہے اور ایسا کہ ساری زندگی کے نیک اعمال ضائع کر دیتا ہے۔ بیٹے کو تکلیف ہو تو باپ کہتا ہے بیٹا آرام کر لو مگر تکلیف حضور کو ہوتی ہے تو خدا فرماتا ہے: (طه ما انزلنا الیك القرآن لتشقی۔ یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا۔ نصفه اوانقص علیه و رتل القران ترتیلا۔) اے محبوب! ہم نے قرآن اس لیے تو تیری طرف نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے اور اے پیارے رات کا کچھ حصہ میری عبادت میں گزارا کر اور کچھ حصہ آرام کر لیا کر تو میری محبت میں اپنے آپ کو جب عبادت میں زیادہ مصروف کرتا ہے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا ہے تو ہم سے یہ برداشت نہیں ہوتا، تو جب اللہ اپنے محبوب کے آرام کا خود اس قدر لحاظ فرماتا ہے تو کسی کو کب اجازت دے گا کہ حضور علیہ السلام کے حجرے کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دیتا رہے اس لیے فرمایا: ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم۔ اگر وہ (ملاقاتی) صبر کر کے ٹھہرے رہیں یہاں تک کہ میرا حبیب خود ان کے پاس آئے۔ لکان خیر الھم۔ تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ اس انداز میں محبوب سے محبت کا اظہار ہے کہ جب کوئی کہے! اگر تو ایسا کرے تو تیرے لیے بہتر ہوگا ورنہ تیرا علاج میں کروں گا۔

جبریل بھی حیراں ہے اس ابرِ کرم پر
زخموں سے بدن چور مگر لب پہ دعا ہے

نسبت ہے گدائی کی جسے آپ کے در سے
وہ لاکھ تہی دست ہو انسان بڑا ہے

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۸:

سورج الٹے پاؤں پلٹے

؎ یہ ذکر وہ ہے کہ جس کا ذمہ لیا ہے خود خالق جہاں نے
ہم آج ہیں کل یہاں نہ ہوں گے مگر یہ محفل سجی رہے گی

خیبر سے واپسی پہ مقام صہباء آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کی گود میں آرام فرما ہو گئے، سوال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سو گئے اگرچہ آپ سو بھی جائیں تو آپ کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے لیکن یہاں سونے کا کیا مطلب؟ کہ عصر کے بعد تو سونے کا ٹائم ہی نہیں ہوتا، دن کو قیلولہ سنت ہے اور اس کا وقت عصر کے بعد نہیں ہے اور حضور علیہ السلام نے تو عصر کی نماز ادا فرمائی ہوئی تھی اور پھر جو نبی علیہ السلام رات کو بھی کم ہی سوتے ہیں ان کا عصر کے بعد سونا کس لیے تھا؟ معلوم ہوتا ہے کسی کے عشق کا امتحان مقصود تھا ورنہ ؎ وہ نہیں سوتے جو آتے ہیں جگانے کے لیے

حضرت علی عبادت کے بھی عاشق تھے اسی لیے النظر علی وجہ علی عبادۃ۔ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور علی رخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی عاشق تھے اسی لیے پیدا ہوئے تو آپ نے آنکھ اس وقت کھولی جب رخ والضحیٰ سامنے تھا۔ تو دیکھا اور دکھایا یہ جا رہا تھا کہ آج علی عبادت خدا کو دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ترجیح دیتے ہیں یا دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت خدا پر۔

؎ زاہد کو اگر ناز عبادت ہے بجا ہے
پلّے ہیں ہمارے بھی آقا کی ثنا ہے

گویا حضور سو نہیں رہے تھے بلکہ علی المرتضی کا دل موہ رہے تھے۔ کیونکہ صرف

آنکھیں بند کر لینے کو سونا نہیں کہتے۔ ہوسکتا ہے اس لیے آنکھیں بند کی ہوں کہ ذرا آنکھیں بند کر کے بھی دیکھ لوں کہ جب آنکھیں بند ہوں گی (وصال کے بعد) کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میرا علی عبادت کر کے نبی کی ذات کو چھوڑنے والوں میں سے ہو۔ لیکن علی المرتضیٰ نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا۔ آقا! وہ اور ہوں گے جو دین کی بات کر کے تیری ذات سے تعلق توڑ لیتے ہیں اور شیطان سے تعلق جوڑ لیتے ہیں، اپنا دین تو یہ ہے کہ ایسے موقع پہ نماز بعد میں ہے نیاز پہلے ہے کیونکہ

؎ نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوٰۃ، رمضان ہو یا ایمان ہو یا رحمان ہو سب کچھ اسی رخ والضحیٰ کا صدقہ تو ملا ہے۔

؎ فیض ہے اے رضا احمد پاک کا
ورنہ ہم کیا سمجھتے خدا کون ہے

اب بتاؤ اے خالی دین کی بات کرنے والو اور محبت رسول و سراپائے مصطفیٰ ﷺ کو پیچھے رکھنے والو! تمہاری نماز تو حسین کی طرح بھی نہیں علی کی طرح کیسے ہوسکتی ہے؟

تو جب علی نے اپنی نماز مصطفیٰ پہ واری تو کیا حیثیت ہے تمہاری

؎ مولا علی نے واری تیری نیند پہ نماز
وہ بھی عصر جو سب سے اعلیٰ خطر کی ہے

ثابت ہوا کہ دیدار مصطفیٰ ﷺ کے جذبے سے حضور علیہ السلام کے آرام کا خیال رکھنا غفلت نہیں بلکہ عین عبادت ہے اور یہ نکتہ حضور علیہ السلام نے خود سمجھایا جب آپ نے پوچھا اے علی کیوں روتے ہو؟ حضرت علی نے عرض کیا نماز قضا ہوگئی، تو سرکار نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی:

اللّٰھم ان عبدك عليا في طاعة نبيك۔ (او کما قال)

اے اللہ تیرا بندہ علی تیرے نبی کی اطاعت میں تھا۔ اگر کوئی کہے: سبحان اللہ! یہ کیسی اطاعت ہوئی کہ نماز قضا ہوگئی۔ اے نادان! علی نے ایسی ادا کی کہ یہ قضا بھی ادا ہوگئی اور ایسی ادا ہوئی کہ اس طرح کی اس کے بعد پھر تا قیامت ادا نہ ہو سکے گی یعنی رسم عاشقی کو بھی سلامت رکھ لیا، محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا بھی پورا ہوگیا، یہی تو دین ہے۔

مغز قران جان ایماں روح دیں
ہست حب رحمۃ للعالمین

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ حضور علیہ السلام فرماتے اے علی! مغرب کے ساتھ پڑھ لینا آخر حضور علیہ السلام نے خود بھی تو خندق کے دن چند نمازیں قضا کر کے اکٹھی پڑھی تھیں۔ علی المرتضیٰ اکیلے کے لیے نظام کائنات میں تبدیلی کی کیا ضرورت تھی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اگر ایسے ہو گیا تو میری محبت پہ حرف آئے گا کہ حضور علیہ السلام کی محبت میں بھی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ تو ایسی محبت و معیت کا کیا فائدہ؟ مگر یہ کیا کم فائدہ ہے کہ ایسوں کی قضا ہو کے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سرکار کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا اور نہ ایسے ڈھکوسلوں سے سرکار کی محبت دل سے نکالی جا سکتی ہے۔

ہو جائے سب زمانہ کسی راہنما کے ساتھ
ہم ہیں قسم خدا کی فقط مصطفیٰ کے ساتھ
(صلی اللہ علیہ وسلم)

لہٰذا صدیق نماز پڑھے تو سورج کو دیکھے کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور میری نماز قضا نہ ہو جائے، فاروق نماز پڑھے تو سورج کو دیکھے لیکن علی المرتضیٰ نے ایسی ادا کی کہ ڈوبا ہوا سورج واپس آ کر علی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا رہا کہ علی کی نماز مکمل ہو تو میں ڈوبوں، کیونکہ سورج کو پابند کر دیا گیا کہ جب تک علی نماز نہ پڑھ لیں تیرے ڈوبنے پر پابندی ہے، تو گویا اگر سورج کو بھی ڈوبنے کے بعد ''ترایا'' ہے تو علی کی نماز نے۔ اس لیے کہ پہلے سورج روز خدا کی مشیت سے طلوع و غروب ہوتا ہے آج ڈوبا تو خدا کی

مشیت سے ہے مگر خدا نے اس کو "ترایا"، مصطفیٰ کی چاہت پہ ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

خدا سورج کو مشرق سے نکالے تو مصطفیٰ علیہ السلام راضی اور مصطفیٰ علیہ السلام کی دعا سے خدا سورج کو مغرب سے نکال دے تو خدا کو اعتراض نہیں تو اور کسی کو اعتراض کیوں ہو۔ اور ایسا صرف محبوب کی دعا سے اور خدا کی عطا سے ہی ہو سکتا ہے کہ

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لیے

فلسفۂ قدیم کہتا ہے کہ سورج چوتھے آسمان پہ ہے اور ساتوں آسمان بمعہ سیارگان حرکت میں ہیں اور اپنی ڈیوٹی کے مطابق رواں دواں ہیں حضور علیہ السلام کی دعا نے سورج کو ہی واپس نہیں لوٹایا بلکہ آسمانوں کی حرکت کو بھی پھیر کے رکھ دیا۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی چکی کو ہاتھ سے روکیں تو ہاتھ ٹوٹ جائے اور پیارے مصطفیٰ علیہ السلام کی دعا نے ساتوں آسمانوں کی چکی کو اپنی دعا سے نہ صرف روکا بلکہ واپس لوٹا لیا۔ رات کو دن کر دیا اور مغرب کو عصر کر دیا۔ کیونکہ نہ یہ گورے گورے نورانی ہاتھوں والا ہماری طرح کا ہے اور نہ ان کے ہاتھ ہماری طرح کے ہیں بلکہ

دست احمد عین دست ذوالجلال
آمد اندر بیعت و اندر قتال

سائنس والے کہتے ہیں کہ سورج زمین سے ایک سو اکسٹھ حصے بڑا ہے اور زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا فاصلہ اگر آٹھ ہزار میل بھی مان لو جو سورج ایک دن رات میں مکمل کرتا ہے تو آٹھ ہزار کو ایک سو اکسٹھ کے ساتھ ضرب دینے سے بارہ لاکھ اسی ہزار بنتا ہے۔ ہمیں تو روزانہ صبح صبح اس کا ایک کنارہ نظر آتا ہے مگر وہ تو بارہ لاکھ اسی ہزار میل کا سفر طے کر کے آتا ہے تو اتنی رفتار سے چلنے والے اتنے بڑے سورج

کو کس نے روکا دعائے مصطفیٰ نے۔ ذرا مثلیث کا دعوے دار چلتے ہوئے جہاز کو ہی روک کر دکھائے یا پھر مان لے کہ

دست احمد عین دست ذوالجلال

کیونکہ سرکار کی دعا سے تو صرف سورج ہی نہیں ساتھ ساتوں آسمان بھی اور نظام کائنات بھی رک گیا۔ اور یہ کام وہی کروا سکتا ہے جس کا ہاتھ مثل دست ذوالجلال نہیں بلکہ عین دست ذوالجلال ہو کسی کو غلط فہمی نہ ہو یہ شعر قرآنی آیا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی اور ید اللہ فوق ایدیھم کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔

فلسفہ قدیم کو چھوڑیئے، جدید کی بات کرتے ہیں اس دور کے سائنس دان کہتے ہیں کہ زمین ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور اس کی حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ تو اس اعتبار سے سورج زمین کی اوٹ میں جا چکا تھا۔ پیارے مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے نہ صرف اس کی حرکت کو روکا بلکہ تیزی کے ساتھ چلنے والی زمین کو پھیر کر سورج کو ''ننگا'' کر کے مغرب سے عصر پر لے آئے۔ چلو نہ فلسفۂ قدیم کی بات کرو نہ جدید کی اسلام کی بات کرتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں زمین حرکت نہیں کرتی بلکہ سورج آسمان میں اپنے مدار پہ چل رہا ہے۔ والشمس تجری لمستقرلھا اور سورج چوتھے آسمان پہ ہے تو حضور علیہ السلام نے زمین پہ بیٹھ کر ہاتھ اٹھا کر چوتھے آسمان پہ چلنے والے سورج کا رخ موڑ دیا جس کی وجہ سے زمین کا اندھیرا اجالے میں تبدیل ہو گیا اور وقت عصر پہ آ گیا تا کہ علی شیر خدا محبت و زیارت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں قضا ہونے والی نماز کو قضا کرنے کی بجائے ادا کرلیں۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی عظمتوں کو تسلیم کر لو اگر دنیا و آخرت میں عظمت چاہتے ہو۔ حضور علیہ السلام کی قدرتوں کا اقرار کر لو اگر اپنی طاقت دنیا میں منوانا چاہتے ہو۔ زمانہ

قیامت کی چال چل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ زمانے کی قسم یاد فرما رہا ہے۔ (والعصر) وقت کی قدر و قیمت کا احساس کرو۔ یہی انسان کا راس المال ہے، جس کے صحیح استعمال سے انسان کو سعادت دارین نصیب ہو گی۔ بظاہر یہ وقت ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ پھر نہ کہنا کہ ہمیں کسی نے بتایا نہ تھا۔

؎ دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں کسی بزرگ کا قول لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ العصر کا مفہوم ایک برف بیچنے والے سے سمجھا ہے جو آواز لگا رہا تھا۔ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ عمر کی مدت جو انسان کو دی گئی ہے برف کے پگھلنے کی طرح تیزی سے گذر رہی ہے۔

نماز روزے کی پابندی اپنی جگہ لیکن اگر کہیں غرور میں آ کر عظمت و قدرت مصطفیٰ کا انکار کر بیٹھو گے تو کچھ بھی کام نہ آئے گا اس سلسلہ میں آپ شیطان کے انجام سے بھی راہنمائی لے سکتے ہیں۔ بھٹکتی ہوئی انسانیت تک پیغام ہدایت پہنچانے کے لیے طائف کے بھرے بازاروں میں پتھروں کے جواب میں دعاؤں کے پھول برسانے والے آقا کریم علیہ السلام کے ساتھ اتنی بھی بے وفائی مناسب نہیں ہے کہ جو شانیں ان کو خدا نے عطا فرمائی ہیں ان کا بھی انکار کرتے چلے جاؤ۔ اے اللہ! تجھے تیرے پیارے محبوب کی رحمت کا واسطہ ہماری آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹا دے تا کہ ہم تیرے محبوب کی فضل و کمال، حسن و جمال اور عظمت و شان کو سمجھ سکیں۔

؎ کتنا احساں ہے تیرا انساں پہ کہ اسے
اپنی گفتار کو کردار بنانا آیا

نبی و علی علیہما السلام کے ماننے والوں کے لیے:

خدارا جہاں اللہ کے پیاروں کی عظمتوں کو جاننے کی تمہیں سعادت نصیب ہوئی

ہے وہاں ان کے طریقوں کو بھی اپناؤ بالخصوص نماز کی اہمیت کو سمجھو کہ اگر علی المرتضی ایک نماز کو قضا کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ تو ان کے ماننے والے جب ایک بھی نہیں پڑھتے ہوں گے تو کیا مولا علی کو ان سے نفرت ہو گی یا محبت؟ سورج ہر کسی کے لیے نہیں پلٹتا اگر کوئی ساری دنیا کی دولت بھی دے دے اور کہے سورج میرے لیے واپس آ جائے تو نہیں آ سکتا۔ لہٰذا وقت ضائع نہ کرو نماز کا وقت ہو تو تمام مصروفیات ترک کر دو اور نبی و علی علیہ السلام کے سچے غلام ہونے کا ثبوت دو۔ پوری دنیا ایک نماز کی قیمت نہیں بن سکتی۔ ایک سو روپے کا نقصان برداشت نہیں کر سکتے ہو اور روزانہ پانچ نمازیں نہ پڑھ کر کتنا بڑا نقصان کر رہے ہو اگر تمہیں خود سمجھ نہیں تو اپنے کریم آقا علیہ السلام سے ہی پوچھ لو جو فرماتے ہیں۔ تہجد کے دو نفل دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ صبح کی دو سنتیں نہ چھوڑو اگر چہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں اور تمہارا سب کچھ ضائع ہو جائے۔ (وتر اھلہ و مالہ او کما قال علیہ السلام) یہی وجہ ہے کہ حضرت علی جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو چہرہ کھل اٹھتا اور سورج ڈوبتا ہوا دیکھتے تو دل ڈوبنے لگتا۔

اور پھر عصر کی نماز جو سب سے اعلیٰ خطر کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی۔ تمام نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص نماز عصر کی۔

نمازِ عصر کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: من فاتته صلوۃ العصر فکاندما و تر اھله و ماله جس کی نماز عصر فوت ہو گئی گویا کہ اس کے اہل و عیال برباد ہو گئے اور تمام مال چھن گیا۔ (تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۲۷۸/۳۲)

ایک صحابی کے دس اونٹ گم ہو گئے وہ پریشان حال حضور نبی کریم علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے غمگین ہونے کی وجہ پوچھی، اس نے عرض کیا، میرے دس اونٹ گم ہو گئے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

”تمہاری پریشانی تو ایسے تھی جیسے تمہاری نماز عصر قضا ہو گئی ہو“۔

ایک پریشان حال عورت روتی ہوئی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی اور صحابہ کرام سے پوچھنے لگی۔ آنحضرت کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے اسے آنحضرت کی بارگاہ اقدس میں پہنچا دیا۔ وہ عورت آنحضرت کی بارگاہ میں عرض کرنے لگی میں شادی شدہ تھی، میں نے زنا کیا، بچہ پیدا ہوا، اسے شراب کے مٹکے میں ڈال دیا، بچہ مر گیا، اسے باہر پھینک دیا اور شراب بیچ دی۔ بتائیں میری کیا سزا ہے؟

آپ نے پہلے تو اس عورت سے سرزد ہونے والے گناہوں کی شرعی سزا بیان کی اور بعد میں ارشاد فرمایا:

''تیری پریشانی سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عصر کی نماز قضا کر کے آئی ہو''۔ (تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۳۲/۲۷۸)

اے اللہ! تجھے پیارے مصطفیٰ کے پرخلوص سجدوں کا واسطہ ہماری پیشانیوں کو سجدوں کے نور سے روشن فرما۔

(آمین بجاہ سید المرسلین)

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۹:

حجیت حدیث

حدیث کی ابتدائی اقسام:

سب سے پہلے حدیث کی تعریف اور اس کی ابتدائی اقسام ملاحظہ ہوں:

جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی تعریف:

الحدیث یطلق علی قول النبی ﷺ تصریحاً و حکما و علی فعله و تقریره۔ و معنی التقریر هو ما فعل بحضورہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و لم ینکرہ علیه او تلفظ به احد من الصحابة بمحضر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم و لم ینکرہ و لم ینهه عن ذالك بل سکت و قرر۔ (التحفۃ النبہانیۃ)

ترجمہ: حدیث کہتے ہیں حضور ﷺ کے قول کو وہ صراحۃً ہو یا حکماً اور حضور ﷺ کے فعل کو اور حضور ﷺ کی تقریر کو۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے روبرو کوئی کام کیا گیا اور حضور ﷺ نے اسے منع نہیں فرمایا یا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کوئی بات کہی اور حضور ﷺ نے اسے رد نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اور عملاً اسے ثابت فرما دیا۔

اس کے بعد اسی کتاب میں ہے:

فکذا یطلق الحدیث علی قول الصحابة و علی فعلهم و علی تقریرهم والصحابی هو من اجتمع بالنبی ﷺ مؤمنا و مات علی الاسلام۔

اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول و فعل اور ان کی تقریر پر بھی۔ اور صحابی کہتے ہیں اس محترم ہستی کو جسے بحالتِ ایمان حضور ﷺ کی صحبت

نصیب ہوئی اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا۔

اس کتاب کے حوالے سے مزید ہے:

و کذلك یطلق الحدیث علی قول التابعین و فعلھم و تقریرھم و التابعی ھو من لقی الصحابی و کان مومنا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم و مات علی الاسلام۔

ترجمہ: اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے تابعین کے قول وفعل اور ان کی تقریر پر بھی اور تابعی کہتے ہیں اس معظم ہستی کو جس نے بحالتِ ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا۔

اس لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہو گئیں جس کی تشریح حضرت شیخ محقق سیدی شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے:

ما انتھی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہ المرفوع۔

ترجمہ: جس حدیث کا سلسلہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے اسے ''حدیث مرفوع'' کہتے ہیں۔

وما انتھی الی الصحابی یقال لہ الموقوف۔

ترجمہ: اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی صحابی تک منتہی ہوتا ہے اسے ''حدیث موقوف'' کہتے ہیں۔

وما انتھی الی التابعی یقال لہ المقطوع۔ (مصطلحات الاحادیث)

ترجمہ: اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی تابعی تک منتہی ہوتا ہے اسے ''حدیث مقطوع'' کہتے ہیں۔

قرآنی آیات اور حجیت حدیث:

اب آیئے قرآنی آیات کی طرف اور دیکھئے کہ یہ موضوع کس طرح کثرت کے ساتھ قرآن پاک میں پایا گیا ہے۔

﴿ هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته و یزکیهم و یعلمهم الکتب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔(الجمعۃ:۲)

ترجمہ: وہی ہے (اللہ) جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (ان کی ہدایت و راہنمائی کیلئے) ایک عظیم الشان رسول بھیجا (جس کے نسب و شرافت کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں یعنی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان پر اس (اللہ) کی آیات پڑھتے ہیں اور انہیں (عقائد باطلہ اخلاق رذیلہ، خبائث جاہلیت اور قبائح اعمال سے) پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت (سنت، فقہ، احکام شریعت و اسرار طریقت) سکھاتے ہیں اور بے شک وہ (لوگ) اس (رسول کے آنے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعدد مقامات پہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف جلیلہ (تلاوت قرآن، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب وحکمت) کو بیان فرمایا۔

(مثلاً دیکھو البقرہ:۱۲۹-۱۵۱-آل عمران:۱۶۴)

حجیت حدیث کا موضوع اس قدر اپنے اندر وسعت کا ایک سمندر رکھتا ہے کہ محولہ بالا آیات کے علاوہ اس وقت پچاس کے قریب قرآن پاک کی آیت بینات میری نگاہوں کے سامنے روز روشن کی طرح چمک رہی ہیں جو کہ نبی کریم علیہ الوف التحیۃ و التسلیم کی احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر بتمام وکمالات علی الاعلان دلالت کر رہی ہیں۔ لیکن میں اس وقت مذکورہ آیت کی روشنی میں اس موضوع پہ آپ کی خدمت میں چند گذارشات کیلئے لب کشائی کی جرأت کر رہا ہوں و ما توفیقی الا باللہ۔

تلاوت کی گئی آیہ کریمہ اور اس طرح کی دوسری تمام آیات مقدسہ سے معلوم ہوا کہ دنیا کو قرآن مجید کے بارے میں بالکل معلوم نہ تھا، حضور علیہ السلام کے بتانے، سکھانے اور پڑھانے سے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے تو جب قرآن کو ماننا حدیث پر موقوف ٹھہرا تو پھر حدیث کا انکار کرنا اور قرآن کو ماننے کی بات کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے جب قرآن کی پہلی آیات غارِ حرا میں نازل ہو رہی تھیں تو

حضور علیہ السلام کے سوا وہاں کون تھا جس نے بتایا یہ قرآن ہے؟ تو جن الفاظ سے حضور علیہ السلام نے قرآن پاک کا تعارف کرایا وہی تو حدیث کہلاتے ۔کیا کسی نے جبریل علیہ السلام کو آتے جاتے اور قرآن لاتے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں یہ جو فرمایا گیا: فانه نزله علی قلبك بے شک اے محبوب جبریل علیہ السلام نے آپ کے دل پہ قرآن کا نزول کیا۔ نزل باب تفعیل سے ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور اس باب کا خاصہ تدریج ہے یعنی آہستہ آہستہ کرنا مطلب یہ ہے کہ تقریباً تئیس سال تک جبریل علیہ السلام قرآن لے کر آتے رہے تو کبھی ایک دن بھی تو کسی نے جبریل علیہ السلام کو قرآن لاتے نہ دیکھا حضور علیہ السلام ہی بتاتے رہے اور صحابہ مانتے رہے حضور علیہ السلام کا فرمایا صحابہ کرام کیلئے تو حجت بن گیا تیرے لیے کیوں نہیں؟ لہٰذا قرآن کو حجت ماننے سے پہلے حدیث کو حجت ماننا ہوگا۔ اللہ کے قول تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت نہ مانا جائے کیونکہ قول خدا کو حجت بنانے والا قول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہے۔

؎ قول حق قرآن ہے قول پیغمبر ہے حدیث
اہل دل کے واسطے تعظیم ہے دونوں کی ایک

ساری دنیا کے مذاہب اور ان مذاہب کے ماننے والوں کے علم کی بنیاد مشاہدات و تجربات پر ہے اسلام اس لیے بھی تمام مذاہب سے افضل و اعلیٰ ہے کہ اس میں علم کی بنیاد قول رسول علیہ السلام کو قرار دیا گیا ہے۔ شیطان نے قول خدا کو یہ کہہ کر ٹھکرایا کہ خلقتنی من نار و خلقتهٗ من طین تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس (آدم) کو مٹی سے بنایا ہے۔ پھر میں اس کو سجدہ کیوں کروں کہ میں اس سے افضل ہوں اس نے مشاہدے کی بنا پر کہا انا خیر منہ، فرعون نے ڈوبتے وقت مشاہدے کی بنیاد پہ خدا کو مان لیا مگر اس کا ماننا قبول نہ ہوا۔ منافقین نے صرف مشاہدے کی بنا پر کہا: نشهد انك لرسول الله۔ کافر قبروں سے اٹھیں گے تو مشاہدے کی بنا پر کہیں گے ہم ایمان لائے مگر کہا گیا فلم یك ینفعهم ایمانهم لما را و باسنا۔ دیکھ کر ماننا قبول نہیں بلکہ

میرے رسول کی بات مان کر ماننا قبول ہے۔ باری تعالیٰ بن دیکھے ماننا قبول کرتا ہے اور دیکھ کر ماننا قبول کیوں نہیں؟ فرمایا: یومنون بالغیب۔ میں یہی تو سمجھایا ہے۔ مجھے تمہارے دیکھنے نہ دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے جب میرے محبوب نے قاب قوسین کے پردے اٹھا کر مجھے دیکھ لیا ہے تو اب اسی کے دیکھنے پہ اعتبار کر کے مانو گے تو ٹھیک ورنہ سن لو۔

یہ عبادت رات دن کی مجھ کو نامنظور ہے
دور ہے جو میرے احمد سے وہ مجھ سے دور ہے

جس کو میں نے جنت دوزخ بھی دکھادی، اپنی زیارت بھی کرادی اپنا کلام بھی سنادیا اگر تمہیں اس کی باتوں پر اعتبار نہیں تو مشاہدہ کر کے بھی ماننے کی بات کرو گے تو مردود ہو جاؤ گے، آخر منافقوں نے سچ ہی تو کہا تھا انك لرسول الله۔ مگر فرمایا انهم لكذبون۔ اس لیے فرمایا کہ میرا حبیب اگر تمہیں ایسی بات کا حکم دے جو بظاہر تمہیں مفید نظر نہ آتی ہو جیسے (کتب علیکم القتال وهو كره لكم) تو اپنی عقلوں کے پیمانے توڑ دو اور میرے حبیب کی بات کو مان لو اگر سمجھ آجائے تو فبہا ورنہ انکار کر کے اپنا ایمان ضائع کرنے کی بجائے یوں کہو کہ بات تو آپ کی حق ہے مگر ہماری عقلیں اس کی حقانیت کا ادراک کرنے سے ابھی قاصر ہیں۔

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ قرآن سمجھانا حضور علیہ السلام کی ذمہ داری ہے (و یعلمهم الكتب) تو سمجھانا صرف یہ نہیں کہ پڑھ کر سنادیا جائے، کیا جب استاذ شاگرد کو سبق سمجھاتا ہے تو اپنی طرف سے کوئی لفظ نہیں بولتا؟ اس طرح حضور علیہ السلام کا قرآن سمجھانا بھی اپنے پیارے پیارے بولوں (حدیث) کے ذریعے تھا۔ تو جب حدیث کے بغیر قرآن سمجھا نہیں جاسکتا تو اس پر عمل کیسے ہوسکتا ہے۔

پھر الحکمۃ سے مراد بھی حدیث ہے اور تزکیہ نفوس بھی وعظ و نصیحت سے ہوتا ہے

اور یہ وعظ ونصیحت جس کے ذریعے حضور علیہ السلام نے تزکیہ نفوس کیا یہ بھی احادیث ہیں اور حضور علیہ السلام نے امت کو قرآن کے ساتھ احادیث ہی تو عطا فرمائی ہیں۔ اگر احادیث کو حجت نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ جس تعلیم کے بغیر انسانیت کھلی گمراہی میں تھی اس تعلیم کا کوئی اعتبار نہ رہے لہٰذا امت کے پہلے طبقے کی طرح تا قیامت حضور علیہ السلام سے فیض (تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب وحکمت) لینے کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ آپ کے فرمودات عالیہ اور ارشادات طیبہ سے روشنی حاصل کی جائے یہی اللہ کا فضل ہے اور یہی رسول پاک علیہ السلام کا فیضان عام ہے۔

کتنا جگرا ہے ان لوگوں کا کہ سرکار کے امتی کہلا کر کہتے ہیں صرف قرآن کی بات کرو، ارے قرآن والے نے تو قرآن کی بنیاد ہی حدیث کو قرار دیا ہے تو کس قرآن کی بات کرنا چاہتا ہے۔

۞ و ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء۔ (الشوریٰ:۵۱)

اس آیت پہ غور کرو اللہ تعالیٰ نے تین قسم کی وحی کا ذکر فرمایا ہے اور قرآن پاک کو تیسرے نمبر والی وحی میں شمار کیا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''کسی بشر کیلئے روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کر سکے مگر نمبر ا- وحی کے طور پر یعنی بطور الہام دل میں بات ڈال کر''۔

نمبر ۲- پردے کے پیچھے سے (جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا) نمبر ۳- اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجے جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے وحی کرے جو اللہ چاہے۔

آخر پہلی دو صورتیں بھی تو وحی کی ہیں اور نہ ہی ہر نبی صاحب کتاب ہوا ہے حالانکہ ہر نبی صاحب وحی ہوا ہے اور وحی اپنی طرف سے مرزا قادیانی لعین کی تو ہو سکتی ہے اللہ کے سچے نبی کی وحی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے بس کتاب کا نہ ہونا مگر وحی کا ہونا اسی کو وحی خفی یا وحی غیر متلو یا حدیث کہا جائے گا۔ اور ہمارے آقا تو وہ ہیں کہ جن کے

ساتھ اللہ نے وحی کے تمام طریقوں سے کلام فرمایا اور ایسے بھی کلام کیا کہ جیسے اور کسی نبی سے نہ کیا اور وہ یہ کہ منھم من کلم اللہ۔ حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو پردے ڈال کر کلام کیا ورفع بعضھم درجت اور اپنے حبیب سے کلام کیا تو پردے اٹھا کر کلام کیا، کلام بھی کیا، دیدار بھی دیا اور امت کی بخشش کا وعدہ بھی کیا اور جو حضور کی عظمتوں کو ماننے والے ہیں ان کے لیے نعمتوں اور جنتوں کو وقف بھی فرما دیا۔

شعائیں نور کی پھوٹیں گی تیرے سینے سے
ملا کے دیکھ ذرا سلسلہ مدینے سے

اور

یہ نسبت رسول کا فیضان خاص ہے
برسات ہو رہی ہے غلاموں پہ نور کی

اسی وجہ سے قرآن میں من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ''رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے'' فرمایا یہ نہ فرمایا کہ اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے کیونکہ بعض اللہ کی طرف تو دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں مگر رسول پاک علیہ السلام کی بات آتی ہے تو کنی کتراتے ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

و اذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ و الی الرسول رایت المنافقین یصدون عنك صدودا۔ (النساء:۶۱)

ترجمہ: اور جب ان (منافقین) کو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے اور رسول کی طرف آؤ تو تو دیکھے گا کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

و اذا قیل لھم تعالوا یستغفرلکم رسول اللہ لو واروسھم ورایتھم یصدون و ھم مستکبرون۔ (المنافقون:۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ غور کرتے ہوئے (جائیں یا نہ جائیں) منہ پھیر

لیتے ہیں۔(کنزالایمان)

یعنی رسول پاک علیہ السلام کی بارگاہ میں آنے سے تکبر کرتے ہوئے گریز کرتے ہیں۔جبکہ اللہ کی طرف جانے سے انکار نہیں۔اور ایمان والوں کی حالت تو یہ ہے کہ دامن نبوت کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتے ہیں۔

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
اپنے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

ایک مثال:

ایک مالک کے کئی ایجنٹ اور نمائندے ہوں تو ہر ایک پر یہ پابندی ہوگی کہ ہر کام میں مالک کی اجازت لے لیکن مالک پر تو کوئی پابندی نہیں کہ ان میں سے ایک کو ہی سارا اختیار دے کیونکہ اس کے تو بہت سارے نمائندے ہیں وہ تو ہر ایک کو با اختیار دیکھنا چاہتا ہے۔لیکن یہ بات ہے کہ مالک کی ہر بات ہر نمائندے کیلئے نہیں ہوگی۔مگر نمائندہ کا ہر کام مالک کا ہی سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے خود اس کو نمائندہ مقرر کر کے با اختیار بنایا ہے، بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھ لو کہ نبی اکرم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ با اختیار نمائندہ کامل ہیں لہٰذا حضور علیہ السلام کا ہر کام اللہ ہی کی طرف سے ہوگا، ان کا بولنا بھی اس کا بولنا اور ان کی اطاعت بھی اس کی اطاعت۔اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کیلئے مضارع کا صیغہ ارشاد فرمایا من یطع الرسول اور مضارع میں حال بھی ہوتا ہے استقبال بھی اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا ہے اپنے لیے اللہ نے ماضی کا صیغہ بولا ہے فقد اطاع اللہ۔اس لیے کہ صیغہ ماضی کا ہو یا مضارع کا اللہ تعالیٰ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کوئی عقل کا اندھا بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بارے میں ختم ہونے کی بات نہ کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے بارے میں بتا دیا کہ میری رسول کی اطاعت کبھی ختم نہ ہوگی کل بھی رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت تھی، آج بھی رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور تا قیامت من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔زمانہ کا

ماضی ہونا بھی رسول پاک کی عظمت کو ظاہر کر رہا ہے اور آئندہ کی تو بات ہی کیا ہے و للاخرۃ خیر لك من الاولی ۔ زمانے کا گزرنا رسول پاک علیہ السلام کی عظمت میں اضافے کا سبب بنتا ہے اور حال و استقبال ہی چونکہ ماضی بنتا ہے لہٰذا رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت بن گئی من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

حضور علیہ السلام کے فرمودات عالیہ بھی خدا کی طرف سے ہیں:

○ میں جو اک برباد ہوں آباد رکھتا ہے مجھے
دیر تک اسم محمد شاد رکھتا ہے مجھے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

چونکہ نبی کریم علیہ السلام کا بولنا خدا کی وحی سے ہے جیسا کہ فرمایا گیا و ما ینطق عن الھوی ان ھوا لا وحی یوحی ۔ وہ نہیں بولتے اپنی خواہش سے، نہیں وہ (ان کا بیان) مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

جب قرآن مجید کو سمجھانے کیلئے حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کرام کے سامنے بیان فرماتے تو اس بیان کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرما کر حضور علیہ السلام کے بیان و تبیان اور تفصیل و تفسیر کے مفہوم کو اپنی بارگاہ کی طرف سے قرار دیا۔

۞ ثم ان علینا بیانہ۔ (القیمہ:۱۹)

ترجمہ: پھر بیشک اس قرآن کی باریکیوں کا آپ پہ ظاہر کرنا ہمارے ذمۂ کرم پہ ہے۔

۞ انا انزلنا الیك الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللہ۔ (النساء:۱۰۵)

ترجمہ: اے پیارے! ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اتاری کہ آپ لوگوں میں فیصلہ کریں جس طرح اللہ نے آپ کو (یقینی علم کے ذریعے) دکھایا۔

۞ و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون۔ (النحل:۴۴)

ترجمہ: اور اے محبوب! ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن پاک) اتارا تا کہ آپ

لوگوں سے بیان کریں جو (حکم) ان کی طرف اتارا گیا اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

۞ و ما کان ھذا القران ان یفتری ..... من رب العالمین۔ (یونس:۳۷)

ترجمہ: اور قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بغیر اللہ کے اتارے اور لیکن وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور جو لوح میں لکھا ہے اس کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں (یہ) رب العالمین کی طرف سے ہے۔

ان تمام آیات بینات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے معانی و مفاہیم خود اپنے حبیب علیہ السلام کو سمجھائے جو حضور علیہ السلام نے اپنے الفاظ میں اپنی امت کو بتائے، یہی تعلیم کتاب و حکمت کی ذمہ داری ہے جو کہ مناصب نبوت میں سے ہے اور آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے وہاں قرآن میں لوح محفوظ کے لکھے ہوئے کی مکمل تفصیل بھی ہے گویا لوح محفوظ میں ہر شئی کا ذکر ہے

و لا اصغر من ذلك و لا اکبر الا فی کتاب مبین۔ و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین۔

ترجمہ: کوئی چھوٹی بڑی اور خشک و تر شئی ایسی نہیں جس کا ذکر کتاب مبین (لوح محفوظ) میں نہیں ہے۔

اور قرآن میں تو صرف ہر شئی کا ذکر ہی نہیں بلکہ تفصیل بھی ہے۔

و تفصیل کل شئ و ھدی و رحمة لقوم یؤمنون۔ (یوسف ۱۱۱)

ترجمہ: اور ہر شئی کا مفصل بیان ہے (اس قرآن میں) اور ہدایت و رحمت ہے ایماندار قوم کے لیے۔

۞ و نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئ۔ (النحل:۸۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جس میں ہر شئی کا روشن بیان ہے۔

تبیان ایسے بیان کو کہتے ہیں جس میں ہر شئی کا دلائل کے ساتھ بیان ہو۔

۞ مافرطنا فی الکتب من شئ۔ (انعام:۳۸)

''ہم نے اس کتاب میں کچھ نہ اٹھا رکھا''۔

یعنی جملہ علوم اور ما کان و ما یکون کا اس میں بیان ہے اور جمیع اشیاء کا اس میں علم ہے، لوح محفوظ مراد ہو یا قرآن کریم مقصد حاصل ہے۔

حدیث کو حجت نہ ماننے والے بغیر حدیث کی مدد کے قرآن پاک سے گذشتہ، موجودہ اور آئندہ کی (پوشیدہ) اشیاء کا تفصیل سے بیان دکھا سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو قرآن مجید کی اتنی آیات کی حقانیت تو تبھی ثابت ہوگی جب ہر شی کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے گا ورنہ لوگ کہیں گے کہاں ہے قرآن میں ریل گاڑی، ہوائی جہاز، ایٹم بم وغیرہ ایجادات جدیدہ کا بیان؟ یہاں پہ منکر حدیث لاجواب ہو جائے گا اور حدیث کو حجت ماننے والا فوراً اپنے نبی کے مندرجہ ذیل فرمودات وارشادات پیش کرے گا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں:

قام فینا رسول اللہ ﷺ مقامًا ما ترك شیئًا یکون فی مقامه ذلك الی قیام الساعة الا حدث به حفظهٗ من حفظهٗ و نسیهٗ من نسیهٗ۔

(مسلم شریف جلد ۷ صفحہ ۳۹۰ عن حذیفہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: حضور پاک (ﷺ) نے ایک مقام میں ہی اس وقت سے قیامت کے قائم ہونے تک تمام چیزوں کا علم بیان کر دیا، جسے یاد رہا یاد رہا اور جو بھول گیا بھول گیا۔

اسی صفحہ کی دوسری روایت میں ہے:

○ صلی بنا رسول اللہ ﷺ الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما كان و بما هو كائن فاعلمنا احفظنا۔

ترجمہ: ہمیں حضور ﷺ نماز فجر پڑھا کر منبر پر جلوہ گر ہو کر خطبہ دیتے رہے یہاں تک

کہ نماز ظہر کا وقت ہوا تو اتر کر ظہر پڑھا کر منبر پر جلوہ گر ہوئے پھر خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہوا تو اتر کر عصر پڑھا کر خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تو اس دن حضور علیہ السلام نے ہمیں تمام ان چیزوں کی جو ہو چکی ہیں یا آئندہ ہونے والی ہیں، سب کی خبر دے دی تو ہمارا (صحابہ کرام میں سے) زیادہ علم والا وہ ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے'

اور بخاری شریف جلد 1 صفحہ 453 میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے:

قام فینارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً فاخبرنا عن بُدء الخلق حتی دخل اهل الجنت مناز لهم و آهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه' ونسیہ' من نسیہ'۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 453 عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر ابتدائے خلق سے لے کر اس وقت تک بیان فرمادیا کہ بہشتی اپنے مکانوں میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی اپنے مکانوں میں، یہ بہت بڑا بیان یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

حضور علیہ السلام کی بارگاہ سے فیض پانے والے حضرت علی المرتضی فرماتے ہیں اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنا شروع کر دوں تو ستر اونٹ بوجھ سے لاد دوں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو اسے قرآن پاک سے ضرور پالیتا ہوں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر اہتمام کے ساتھ فرمایا۔

فلیبلغ الشاهد الغائب۔ جو حاضرین ہیں وہ غائبین کو میرا پیغام پہنچادیں۔ نیز فرمایا:

انی ترکت فیکم الثقلین لو تمسکم لن تضلو ابعدی کتاب اللہ و سنتی۔

ترجمہ: اگر گمراہی سے بچنا چاہتے ہو تو ایک ہاتھ میں قرآن کا دامن تھام لو اور دوسرے میں اپنے نبی کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

نکاتِ قرآنی:

سورۃ تحریم میں ارشاد ہوتا ہے نبأني العليم الخبير۔ مجھے اس (راز) کی خبر جاننے والے خبر دار (رب) نے دی ہے۔ شہد کو اپنے اوپر حرام کرنے کا طویل واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس واقعہ کی جو خبر دی اس کی خبر کی اطلاع دینے کا ذکر تو قرآن میں ہے لیکن اس خبر کے الفاظ قرآن میں کہاں ہیں؟ تو اگر اس خبر کو حضور علیہ السلام اپنے الفاظ سے بیان فرماتے ہیں تو الفاظ تو حضور کے ہوں گے لیکن مفہوم خبر کا اللہ کی طرف سے ہوگا۔

❁ معراج کی رات کے حوالے سے فرمایا: فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ یہ کیا وحی تھی اس کا تو جبریل امین علیہ السلام کو بھی علم نہیں۔ تو اگر وقتاً فوقتاً اس وحی کو حضور علیہ السلام نے اپنے الفاظ میں بیان فرمادیا تو یہ کیوں حجت نہیں ہوگی؟

دیکھو! قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب، سورتوں کے نام فلاں فلاں رکھے جائیں اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اور نزول ترتیب میں سورۃ علق پہلے ہے لیکن موجودہ ترتیب میں یہ سورت آخری پارے کے اندر ہے اور پھر قرآن مجید میں سے بھی ہے۔ ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی۔ مجھے حق نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے قرآن میں تبدیلی کروں تو اس سے کیا ثابت ہوا کہ کل من عنداللہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ڈیوٹی رسول پاک کی لگا دی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حضور علیہ السلام کی ضرورت نہیں رہی۔

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

❁ حضرت ابوبکر صدیق کو غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اے ابوبکر غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے یہ حدیث تھی مگر اللہ نے اس کو قرآن میں آیت بنا کر نازل کر دیا: لا تحزن ان اللہ معنا۔ ارے ان کا تو اتنا پیار ہے کہ حضور خدائی مفہوم کو

مصطفائی الفاظ سے تعبیر فرما رہے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ مصطفائی مفہوم کو اپنے خدائی الفاظ سے بیان کر رہا ہے۔تو کن چکروں میں پڑا ہوا ہے۔

مصحف کو نہ کیوں فخر ہو اس صورت پر
قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

حدیث کو حجت مانے بغیر کوئی عبادت نہیں ہوسکتی:

نماز ہو یا زکوۃ، حج ہو یا روزہ تمام عبادات کی تفصیل ہمیں حدیث سے ہی ملتی ہے اور یہ تفصیلات حضور ﷺ نے اللہ کے حکم سے ہی بیان فرمائی ہیں ورنہ صلوۃ کا معنی دعا، زکوۃ کا معنی پاکیزگی، صدقہ کا معنی رکنا اور حج کا معنی ارادہ کرنا ہے، آپ کو کیسے سمجھ آئے گی کہ ہمیں ان عبادات کا حکم دیا جارہا ہے اور اگر کسی قدر معلوم ہو بھی جائے تو ان عبادات میں کون کونسی چیزیں کس درجہ کی ہیں فرض، واجب، شرط، رکن، یا کن باتوں سے یہ عبادات ضائع ہو جاتی ہیں ان تمام امور کی تشریح وتفسیر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے سپرد کردی۔یہی وجہ ہے کہ نماز کے دوران تبدیلی قبلہ کا حکم آیا جس کا صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ابھی علم نہیں ہے، حضور ﷺ نماز میں ہیں بیت المقدس سے قبلہ ابراہیمی کی طرف پھر جاتے ہیں، صحابہ کرام کے ایمان کا امتحان تھا کہ خدا کی نماز میں خدا کا حکم پڑھے سنے بغیر حضور ﷺ کی حدیث فعلی کو حجت مان کر اپنے چہرے کعبۂ ابراہیمی کی طرف پھیر لیں یا نماز مکمل کر کے قرآن کی آیت فولوا وجوھکم شطرہ۔حضور ﷺ سے سن کر بعد میں اس حکم پر عمل کریں۔یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ یہ حضور ﷺ کا ذاتی فعل ہو جب تک آپ ظاہر نہ فرمائیں کہ اللہ کا یہ حکم سب کے لیے ہے تب تک ہر طرح کا خیال آسکتا تھا مگر حضور ﷺ کے وہ سچے غلام کامیاب ہوئے انہوں نے کہا ہم تو چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھیں گے جدھر آقا کا چہرہ ہوگا ادھر ہمارا کعبہ ہوگا۔

کعبہ بنتا ہے اس طرف ہی ریاضؔ جس طرف رخ وہ پھیر لیتے ہیں
جس طرف وہ نظر نہیں آتے ہم وہ رستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں

یقیناً (بفرض محال) اگر صحابہ کرام حضور ﷺ کی اتباع نہ کرتے اور بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہتے تو قرآن پاک کی اس آیت کی زد میں آتے اور اپنے ایمان ضائع کر بیٹھتے۔وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔مگر اللہ نے ان کے ایمانوں کو بچا لیا۔اور اس حالت میں تبدیلی قبلہ کا مقصد بھی یہی بیان کیا گیا۔الالنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ۔تاکہ ہم دیکھیں کون میرے رسول کے پیچھے چلتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے۔یعنی حضور ﷺ کی پیروی نہیں کرتا۔

سبحان اللہ: اللہ تعالیٰ نے محبوب کی رضا کے لیے سارے جہانوں کا قبلہ تبدیل فرما دیا اور حضور ﷺ کے فعل کو نماز کے دوران حجت اور قابل عمل قرار دیا بلکہ واجب العمل قرار دیا اور یہ کس خدا کا بندہ اور کس نبی کا امتی ہے جو محبوب خدا کے قول وعمل کو حجت قرار نہیں دے رہا۔

جینے کا دیا ہے تری سیرت نے قرینہ
قرآن مجسم تیری ہر ایک ادا ہے
کیوں میری خطاؤں کی طرف دیکھ رہے ہو
جس کو ہے میری لاج وہ لجپال بڑا ہے
ہٹتی نہیں سرکار کی سیرت سے نگاہیں
ہر وقت میرے سامنے قرآن کھلا ہے

حضور ﷺ کے علم کی وسعتوں سے حجیت حدیث پہ استدلال

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وعلمك مالم تكن تعلم۔اور اللہ نے آپ کو سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

معلوم ہوا! علوم مصطفیٰ ﷺ خدا کے عطا کردہ ہیں اور حضور ﷺ ان خداداد علوم سے امت کی راہنمائی فرماتے ہیں اور فیضان علم کے خزانے عطا کرنے میں حضور ﷺ بخل سے کام نہیں لیتے۔اگر حضور ﷺ کا علم ہماری طرح ناقص ہوتا تو احتمال تھا کہ شاید

بتانے میں غلطی ہو جاتی ہوگی۔لہٰذا آپ کا بتانا حجت کیسے ہو سکتا ہے لیکن چونکہ آپ کو تمام ظاہری و باطنی علوم حاصل ہیں اور آپ کے سارے علوم صحیح اور کامل ہیں اور قیامت تک کے حالات و واقعات پہ حاوی ہیں کیونکہ جو امور غیبیہ ہیں ان کو بھی سامنے رکھ کر اپنی امت کی رہنمائی فرمائی ہے لہٰذا حضور ﷺ نے حدیث کی شکل میں جو اپنی امت کو علوم کے خزانے عطا فرماتے ہیں ان کے حجت اور قابل عمل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ مقام غور ہے کہ جب کوئی طالب علم اپنے استاد کی تعلیم وراہنمائی کو نظر انداز کر کے صرف قرآن پر عمل نہیں کر سکتا تو آقا ﷺ کے عمل و قول کی تعلیم کے بغیر کوئی پورے اسلام پر کیسے عمل کر سکتا ہے؟ بلکہ اگر یوں بھی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حدیث پہ عمل قرآن ہی پر عمل ہے کیونکہ قرآن نے ہی حضور ﷺ کی پیروی کا حکم دیا ہے اور پیروی یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہتے رہیں ''ہم حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہیں'' جبکہ آپ کے فرمودات وارشادات کو قابل عمل اور حجت نہ مانیں بلکہ پیروی یہ ہے کہ آپ کے قول، فعل اور تقریر کو حجت مانا جائے اور قرآن پہ کما حقہ عمل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی بات مانی جائے یاد رکھو! ہر امت کا ایک مزاج ہوتا ہے اور اس امت کا عمومی مزاج ہر دور میں یہی رہا ہے کہ یہ امت صرف اسی آواز پہ لبیک کہتی ہے جو آواز حضور نبی کریم ﷺ کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہو اور اس آواز کے ساتھ قرآن کا حوالہ بھی ہو اور نبی ﷺ کے فرمان کی خوشبو بھی ہو۔لہٰذا اے صرف عقل کو راہنما ماننے والے اور حدیث پیغمبر کی حجیت کا انکار کرنے والے۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

حدیث دوستی کا ایک ایمان افروز واقعہ:

1- حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک نہایت رقت انگیز واقعہ بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں

کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث انہوں نے سنی تھی اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مصر وشام اور روم وایران پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانے لگا تو بہت سے صحابہ حجاز مقدس سے مفتوحہ ممالک میں منتقل ہو گئے۔ انہی لوگوں میں حضرت عقبہ بن عامر بھی تھے جو مصر گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری کو شدہ شدہ کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ جو حدیث میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اس کے سننے والوں میں حضرت عقبہ بن عامر بھی ہیں۔ تو صرف اس بات کا جذبۂ اشتیاق کشاں کشاں انہیں مدینے سے مصر لے گیا کہ حضرت عقبہ بن عامر سے اس بات کی توثیق کر کے وہ یہ کہہ سکیں کہ اس حدیث کے دو راوی ہیں ایک میں ہوں دوسرے عقبہ بن عامر ہیں۔

ان کے اس والہانہ سفر کا حال بھی بڑا ہی رقت انگیز اور روح پرور ہے فرماتے ہیں کہ جذبۂ شوق کی ترنگ میں کہساروں، وادیوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے وہ مصر پہنچے۔ کبر سنی کا عالم، دشوار گزار سفر لیکن وارفتگی کا شوق کہ بے خودی میں نہ بڑھاپے کا اضمحلال محسوس ہوا نہ راستے کی دشواریاں حائل ہوئیں۔ شب و روز چلتے رہے۔ مہینوں کی مسافت طے کر کے جب مصر پہنچے تو سیدھے مصر کے گورنر حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری کی رہائش گاہ پر نزول اجلال فرمایا۔ امیر مصر نے مراسمِ ملاقات کے بعد دریافت کیا۔

ما جاء بك يا ابا ايوب؟ کس غرض سے تشریف لانا ہوا ابوایوب؟ جواب میں ارشاد فرمایا:

حديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يبق احد سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم غيرى و غير عقبة بن عامر فابعث من

يدلني على منزله۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سنی ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور عقبہ بن عامر کے سوا اب کوئی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ پس میرے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیج جو مجھے ان کے گھر تک پہنچادے۔

(مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ تم سے ملنا مقصود تھا بلکہ صرف اس لیے آیا ہوں کہ تم حضرت عقبہ بن عامر کے گھر تک مجھے پہنچا دینے کا انتظام کردو)

ایک گدائے عشق کی ذرا شانِ استغنا ملاحظہ فرمایئے کہ گورنر کے دروازے پر گئے ہیں لیکن ایک لفظ بھی اس کے حق میں نہیں فرماتے۔

راوی کا بیان ہے کہ والی مصر نے ایک جاننے والا آدمی ساتھ کر دیا جو انہیں حضرت عقبہ بن عامر کے دولت کدے تک لے گیا۔ معانقہ کے بعد انہوں نے بھی پہلا سوال یہی کیا۔ ما جاء بك يا ابا ايوب؟ کس غرض سے تشریف لانا ہوا ابوایوب؟

جواب میں فرمایا:

حديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يبق احد سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم غيرى و غيرك فى ستر المؤمن قال عقبة نعم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من ستر مومنا على خزية ستره الله يوم القيامة فقال ابو ايوب صدقت۔

ترجمہ: ایک حدیث میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اس کا سننے والا میرے اور آپ کے سوا اب کوئی دنیا میں موجود نہیں ہے اور وہ حدیث مومن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ حضرت عقبہ نے جواب دیا کہ ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ جو کسی رسوائی کی بات پر مومن کی پردہ پوشی کرتا ہے کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت ابوایوب نے فرمایا: آپ نے سچ کہا

یہی میں نے بھی سنا ہے۔

اس کے بعد بیان کرتے ہیں:

ثم انصرف ابو ایوب الی راحلته فرکبها راجعا الی المدینة۔

ترجمہ: اتنا سن کر حضرت ابوایوب اپنی سواری کے پاس آئے۔ سوار ہوئے اور مدینہ شریف کی طرف واپس لوٹ گئے۔

گویا مصر کے دور دراز سفر کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ اپنے کان سے سنی ہوئی حدیث دوسرے کی زبان سے سن لیں۔ حدیث دوستی کی لذت شناسی کا یہی وہ جذبۂ شوق تھا جس نے مذہبِ اسلام کو مذہب عشق بنا دیا۔ حضرت امام حافظ نیشاپوری نے واقعہ کے خاتمہ پر رقت وگداز میں ڈوبا ہوا اپنا یہ تاثر سپردِ قلم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

فهذا ابو ایوب الانصاری علی تقدم صحبته و کثرة سماعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم رحل الی صحابی من اقرانه فی حدیث واحد۔

(معرفۃ علوم الحدیث)

ترجمہ: یہ ابوایوب انصاری ہیں جو صحابیت میں اقدم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر الروایۃ ہونے کے باوجود صرف ایک حدیث کے لیے اپنے معاصر سے ملنے گئے اور دور دراز کا سفر کیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی امام نیشاپوری نے نقل کیا ہے۔ (جو صحیح بخاری میں بھی)

ہوا یوں کہ اپنے وقت کے ایک عظیم محدث حضرت عمرو بن ابی سلمہ، امام الحدیث حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چار سال رہے اس اور طویل عرصے میں انہوں نے صرف تیں حدیثیں ان سے سماعت فرمائیں ایک دن وہ حضرت امام اوزاعی سے بڑی حسرت کے ساتھ کہنے لگے۔

انا الزمك منذ اربعة سنوات ولم اسمع منك الا ثلاثين حديثا۔

ترجمہ: آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے مجھے چار سال ہو گئے لیکن اس طویل عرصے میں صرف تیس حدیثیں میں آپ سے حاصل کر سکا۔

امام اوزاعی نے جواب میں ارشاد فرمایا:

و تسقبل ثلاثين حديثاً فی اربعة سنوات و لقد سار جابر بن عبدالله الى مصر واشترى راحلة فركبها حتى سأل عقبة بن عامر عن حديث واحد وانصرف الى مدينة۔ (معرفۃ علم الحدیث صفحہ ۹)

ترجمہ: چار سال کی مدت میں تیس حدیثوں کا ذخیرہ تم کم سمجھ رہے ہو حالانکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث کے لیے مصر کا سفر کیا۔ سواری خریدی اور اس پر سوار ہو کر مصر گئے اور حضرت عقبہ بن عامر سے ملاقات کر کے مدینہ واپس لوٹ گئے۔

مطلب یہ ہے کہ چار سال کی مدت میں تیس احادیث کی سماعت کو بھی غنیمت جانو کہ ایک عظیم نعمت تمہیں کم سے کم مدت میں حاصل ہو گئی ورنہ عہد صحابہ میں تو صرف ایک حدیث کے لیے لوگ دور دراز ملکوں کا سفر کرتے تھے پس ایک حدیث پر دو مہینے کی مدت بھی اگر صرف ہوتی تو آپ حساب لگا لو کہ تیس احادیث کے لیے کتنی مدت چاہیے تھی۔

بلکہ حافظ نیشاپوری کی تصریح کے مطابق عہد صحابہ میں طلب حدیث کے لیے سفر اتنا لازم تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

لطالب العلم يتخذ نعلين من حديد۔ (معرفۃ صفحہ ۹)

ترجمہ: طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے لوہے کے جوتے تیار کرائے۔

تاکہ بغیر کسی زیر باری کے ساری عمر وہ طلب حدیث میں سفر کرتا رہے۔ (انوار الحدیث)

شانِ رحمت و رأفت سے حجیت حدیث پہ استدلال:

قرآن حکیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وما ارسلنك

الا رحمة للعلمین۔ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔

اہل ایمان کے لیے بالخصوص حضور ﷺ کا رؤف و رحیم ہونا یوں بیان فرمایا: بالمؤمنین رؤف رحیم، اہل ایمان پر حد درجہ مہربان، رحمت کرنے والے ہیں۔ اس سے پہلے ارشاد ہوتا ہے۔

عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم۔ تمہارا مشقت میں پڑنا آپ ﷺ پہ گراں گزرتا ہے اور تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ ہم پہ سراپا رحمت و رافت ہیں، ہماری بھلائی چاہنے والے والے ہیں، ہماری تکلیف آپ پہ گراں گزرتی ہے تو پھر جن جن کاموں کے کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے ماننا پڑے گا کہ ان میں ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے اور جن جن کاموں سے آپ نے ہمیں روکا ہے ان میں ہمارے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ان تمام فوائد کا حصول اور تمام نقصانات سے بچاؤ تبھی ممکن ہوگا جب ہم آپ کی احادیث کو قابل اعتبار اور حجت تسلیم کریں گے۔ اور اگر ظنی کہہ کر ٹھکرا دیں گے تو خدا کی نگاہوں سے بھی گر جائیں گے پھر ہمیں دنیا کی کوئی طاقت تباہی و بربادی سے سے روک نہیں سکتی۔

؎ مری جانب بھی مولیٰ اک نظر کر　　　مجھے دیوانہ خیر البشر کر

شان ہدایت سے استدلال

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انك لتهدی الی صراط مستقیم۔ (الشوریٰ)

ترجمہ: اور بیشک (اے پیارے محبوب) آپ ضرور ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

معلوم ہوا! حضور ﷺ اللہ کی مخلوق کو سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہیں یقیناً اللہ کی نعمت کو تقسیم فرمانے والے حضور ﷺ ہی ہیں جس جس کے لیے اللہ نے ہدایت کو پیدا فرمایا ہے۔ اس اس کو حضور ﷺ نے ہدایت تقسیم فرمادی ہے۔ اور ہدایت کوئی ایسی

چیز تو نہیں ہے کہ کپڑے کے تھان کی طرح ہو اور کاٹ کاٹ کر تقسیم کی جائے یقیناً آپ کے فرمان عالیشان ہی ہدایت کا سبب وسامان ہیں بشرطیکہ بدل و جان کوئی ان پہ عمل کرے اور ہدایت سے اپنے دامن مراد کو بھر پور کرنا چاہیے۔ حصولِ برکت کے لیے ایک ایسی حدیث لکھ رہا ہوں کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نو باتوں کا حکم دیا چاہیے تو تھا کہ ان نو باتوں کو قرآن میں بیان کیا جاتا جیسا کہ حدیث کو حجت نہ ماننے والوں کا خیال ہے کہ خدا کا حکم ہوتا تو قرآن میں ہوتا مگر خدا نے ہدایت کو اپنے محبوب کے دم قدم سے وابستہ کر دیا ہے کہ میرا حکم کبھی قرآن میں آتا ہے کبھی میرے نبی ﷺ کے فرمان میں آتا ہے اور جو میرے نبی کے فرمان کو حجت نہیں مانتا وہ ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ دوئی جو بیان کی جاتی ہے اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ نے صراط مستقیم کو اپنا راستہ بھی قرار دیا ہے (صراط اللہ الذی لہ ما فی السموات و ما فی الارض) اور اپنے انعام یافتہ بندوں کا راستہ بھی قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں پڑھتا ہر کوئی ہے مگر مانتا کوئی کوئی ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ وہ کون لوگ ہیں؟ انعم اللہ علیھم من النبین و الصدیقین والشھداء والصالحین۔ جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ نبی ہیں صدیق ہیں شہید ہیں اور صالحین ہیں اسی طرح حضور ﷺ اللہ کے بھی رسول ہیں ولکن رسول اللہ۔ کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور حضور ﷺ ہمارے بھی رسول ہیں کیونکہ آپ کو ہماری طرف بھیجا گیا۔

مظہر ہے تو خدا کے جلال و جمال کا
کیسے بیاں ہو معجزہ اس بے مثال کا
مانگے بھی تجھ سے تیرے سوا اور کیا جمیل
تو ہی تو ہے جواب میرے ہر سوال کا

حکم خدا در حدیث مصطفیٰ ﷺ

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: امرنی ربی

بتسم۔ مجھے میرے رب نے نو کاموں کا حکم دیا ہے۔

1- خشية الله في السر والعلانية۔ خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرنا۔

2- كلمة العدل في الغضب والرضا۔ غصہ اور خوشی میں انصاف کی بات کرنا۔

3- القصد في الفقر والغناء۔ فقیری وامیری میں میانہ روی کو اپنانا۔

4- ان اصل من قطعني و اعطي من حرمني۔ اس سے جوڑوں جو مجھ سے توڑے اور اسکو دوں جو مجھے نہ دے۔

5- اعفوعمن ظلمني۔ جو مجھ پہ ظلم کرے میں اسے معاف کروں۔

6- ان يكون صمتي فكرا۔ میری خاموشی فکر انگیز ہو۔

7- نطقي ذكرا۔ میرا بولنا اللہ کی یاد میں ہو۔

8- نظري عبرة۔ میرا دیکھنا عبرت کے لیے ہو۔

9- امر بالمعروف (و قيل بالمعروف) میں نیکی کا حکم دوں۔

ہر لحہ تھی پہ اتنی ہرگز کبھی نہ تھی
جتنی ہے آج ہم کو ضرورت رسول کی
ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہے راہ حق وہی
لے جائے جس طرف بھی محبت رسول کی
نور خدا کا مخزن و محور بنا وہ دل
جس دل میں جاگزیں ہوئی الفت رسول کی
محبوب حق ہے باعث تخلیق کائنات
یہ ساری کائنات ہے عنایت رسول کی
سینے میں دل ہے دل میں محبت رسول کی
صادق ہوں میں تو ہوگی زیارت رسول کی

مجموعۂ دلائل:

سورۃ الاحزاب میں نبی اکرم ﷺ کی کئی صفات کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا بیان فرمایا:

یا ایھا النبی انا ارسلنٰك شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللّٰہ باذنہ و سراجا منیرا۔

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے (پیارے نبی ﷺ) بیشک ہم نے آپ کو حاضر وناظر، خوشخبری وڈر سنانے والا بنا کر بھیجا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا بنا کر بھیجا اور روشن کرنے والا سورج بنا کر بھیجا۔

اس میں حضور علیہ السلام کا بھیجا ہوا ہونا آپ کی ایک شان ہے نبی ہونا دوسری شان ہے شاہد (حاضر و ناظر) ہونا تیسری شان ہے مبشر (خوش خبری سنانے والا) ہونا چوتھی شان ہے نذیر (اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا) ہونا پانچویں شان ہے، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا ہونا چھٹی شان ہے اور سراج منیر (روشن کر دینے والا آفتاب) ہونا ساتویں شان ہے۔

اور ان ساتوں شانوں میں سے ہر شان آپ کی حدیث کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

مثلاً: اللہ کا بھیجا ہوا ہونا، اسکا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے بھیجے ہوئے کا ہر حکم مانا جائے۔ اللہ کا نبی ہونا بھی اسی بات کا متقاضی ہے شاہد یعنی حاضر و ناضر ہونا: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ہمارے حالات سے باخبر ہیں اور ہمارے فائدے کیلئے ہمیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور ہمیں نقصانات سے بچانے کیلئے ہمیں برائیوں سے منع فرماتے ہیں اور آپ (ﷺ) کے تمام ارشادات یا ہمیں فائدہ پہنچانے کیلئے ہیں یا ہمیں نقصانات سے بچانے کیلئے ہیں۔

تھا عرب بگڑا عجم بگڑا زمانہ بگڑا
جتنے بگڑے تھے آقا نے سنوارے سارے

اس پر حضور علیہ السلام کا محل (حلال کرنے والا) اور محرم (حرام کرنے والا) ہونا دلالت کرتا ہے یہ آپ کی وہ شان ہے جو صرف قرآن ہی میں نہیں تورات وانجیل میں

بھی تھی۔جیسا کہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة و الانجیل یامرهم بالمعروف و ینههم عن المنکر و یحل لهم الطیبت و یحرم علیهم الخبئث و یضع عنهم اصرهم و الاغلل التی کانت علیهم۔(۱۵۷)

ترجمہ: وہ جنہوں نے اس رسول امی کی پیروی کی اسے لکھا ہوا پاتے ہیں تورات و انجیل میں جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال اور گندی چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارتا ہے''۔اس آیت کا اگلا حصہ یہ ہے:

فالذین امنوا به و عزروه و نصروه و اتبعوا النور الذی انزل معه اولئك هم المفلحون۔

اور اس سے اگلی پوری آیت سے بھی علماء نے حجیت حدیث پہ دلیل پکڑی ہے۔

اسی طرح جن جن آیات میں وحی کا، حضور علیہ السلام کی اتباع کا ذکر ہے مثلاً اتبع ما اوحی الیك من ربك۔ و هذا کتب انزلنه مبارك فاتبعوه۔ ان سب آیات میں حجیت حدیث کا ہی تذکرہ ہے کیونکہ جب وحی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو وحی کی دو قسمیں ہیں متلو، قرآن اور غیر متلو، حدیث۔ اللہ نے یہ تو کہیں نہیں فرمایا کہ جب میرا پیارا قرآن پڑھے تو اس کی پیروی کرو اور جب وحی غیر متلو (حدیث) سے حکم دے تو نہ ماننا کیونکہ حدیث حجت نہیں بلکہ فرمایا ان کنتم تحبون اللّٰه فاتبعونی یحببکم اللّٰه۔ ''اگر اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میرے نبی کی مکمل اتباع کرو''۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اتباع اللہ کی اتباع ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر حدیث قولی ہو یا فعلی یا تقریری (محدثین وفقہاء کے بیان کردہ حفظ مراتب کے ساتھ) واجب العمل اور قابل اعتبار ہے۔

تو میں سورۂ احزاب کی آیات بینات کے حوالے سے عرض کر رہا تھا کہ حضور علیہ السلام کا مبشر و نذیر ہونا بھی حجیت حدیث پہ دلالت کر رہا ہے کیونکہ جس کام کے کرنے پر آپ بشارت و خوشخبری سنائیں گے اس کے کرنے کا حکم ہے اور جس کام کے کرنے پر آپ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں گے اس سے منع ہونا ضروری ہے ورنہ عذاب الٰہی میں مبتلاء ہو جائیں گے۔

اسی طرح آپ کی شان داعیا الی اللہ باذنہ ہونا اور آپ کا سراج منیر ہونا بھی بتا رہا ہے کہ جو اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اس کی بات ماننا ایسے ہی لازم ہے جیسے اللہ کا حکم ماننا لازم ہے۔ اور آپ کے ارشادات عالیہ سے ہی جہالت کا اندھیرا دور ہوا اور علم کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل گئی لہذا جو اپنے سینے سے کفر و شرک اور جہالت و ضلالت کے اندھیرے نکال کر ہدایت کے نور سے دل کو روشن کرنا چاہتا ہے وہ حضور علیہ السلام کی بابرکت تعلیم کو اپنا لے۔ اس کے بعد والی آیت و بشر المؤمنین بان لهم من الله فضلا کبرا۔ میں بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ اہل ایمان کو خوش خبری سنا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کی اتباع اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی برکت سے انہیں سراج منیر کی ضیاء پاشیوں سے فیض کر کے ان پر بہت بڑا فیض فرمایا۔

خود کو دیکھا تو تیرا جود و کرم یاد آیا
تجھ کو دیکھا تو مصور کا قلم یاد آیا
صبح پھوٹی تو تیرے (منہ) کی ضیاء یاد آئی
چاند نکلا تو تیرا نقش قدم یاد آیا

یاد رہے کہ جس طرح حدیث پر عمل کیے بغیر قرآن پر عمل نہیں ہو سکتا اسی طرح فقہاء و محدثین، صحابہ و تابعین کی اتباع کے بغیر حدیث پر عمل بھی نہیں ہو سکتا، جو لوگ قرآن کو حدیث کے بغیر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی بھٹک جاتے ہیں اور جو فقہاء و

محدثین، صحابہ وتابعین کے طریقے سے ہٹ کر حدیث سمجھنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں وہ بھی بھٹکے ہوئے ہیں۔اسی لیے فرمایا:

و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّٰی و نصله جهنم۔

ترجمہ: جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول پاک علیہ السلام کی مخالفت کرتا ہے اور اہل ایمان کا راستہ چھوڑ کر اور راستہ اپناتا ہے ہم اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دیتے ہیں اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔(النساء:۱۱۵)

اس آیت میں جہاں تقلید ائمہ اور اجماع امت کا ثبوت و وجوب ہے وہاں حجیت حدیث کی بھی بڑی زبردست دلیل ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی حدیث کو نہ ماننا ہی تو حضور علیہ السلام کی مخالفت ہے، اپنی رائے کو قابل اعتبار جاننا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات عالیہ کو قابل استدلال اور لائق اعتناء نہ سمجھنا حضور علیہ السلام کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور فقہاء و محدثین کے اجتہادات اور اجماعی مسائل کو نہ ماننا دوزخ میں جانے کا باعث نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لیے فرمایا:

اتبع ما اوحی الیك من ربك۔

ترجمہ: اس کی راہ پہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

حضور علیہ السلام کا حق ہم پہ ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہے:

میں اک ''ذرہ'' ان کی راہ میں ہوں
اسی لیے تو نگاہ میں ہوں
وہ میرا آقا وہ میرا مولا
کہ جس کا ہے اک حوالہ کملی والا

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کو اہل ایمان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب قرار دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم ۔ (الاحزاب)

تو جب عام مسلمان حکمران کی اطاعت کو اہل ایمان پر لازم قرار دیا گیا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامی منکم ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حکم والے ہیں (جبکہ وہ اللہ ورسول کے حکم کے مطابق تمہیں حکم دیں)۔

پھر جس نبی علیہ السلام کے حکم پہ جان قربان کرنا بھی فرض ہے اور ویسے خودکشی کی جائے تو حرام ہے اور جب نبی علیہ السلام کا حکم ہو جائے تو نہ صرف جان قربان کرنا ضروری ہے بلکہ شہادت کا درجہ بھی حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے آقا کے فرمان کو ٹھکرانا اور یہ کہنا کہ حدیث پہ عمل کرنا ضروری نہیں یہ کس قدر بدبختی و بدنصیبی ہے۔ جن کے حکم کے سامنے کسی کو اپنا اختیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں اور جن کی نافرمانی واضح گمراہی قرار دی گئی۔

و ما کان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلل مبینا۔ (الاحزاب)

ترجمہ: کسی مومن مرد وعورت کو حق نہیں پہنچتا کہ اللہ ورسول اللہ کے حکم کے بعد وہ اپنا اختیار استعمال کریں اور جو نافرمانی کرے اللہ ورسول اللہ کی وہ صاف صاف گمراہ ہو گیا۔

بلکہ ایک جگہ فرمایا تیرے رب کی قسم کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک لوگ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں اور جو آپ فیصلہ کریں اسے دل سے تسلیم نہ کر لیں۔ (النساء)

کیونکہ ایک آپ ہی کی ذات ہے کہ جس میں اہل ایمان کے لئے اسوۂ کامل موجود ہے۔ (الاحزاب)

جہاں بھی اطاعت رسول کا حکم ہے حجیت حدیث کا عنوان وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ رسول کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے ارشاد ہوتا ہے و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ .... پھر رسول کے حکم (حدیث) کو

غیر معتبر کہنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کا حشر یوں بیان کیا گیا کہ وہ دوزخ میں منہ کے بل الٹ پلٹ کیے جائیں گے اور ساتھ کہیں گے: یلتینا اطعنا اللہ و اطعنا الرسولا۔ (الاحزاب)

پوچھو یہ کائنات کی بنجر زمین سے
اک اک قدم پہ کس نے اگائی گیاہ خیر

پیشینگوئیوں سے حجیت حدیث پہ استدلال:

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے و الذی جاء بالصدق و صدق بہ وہ جو سچ لے کر آئے اور وہ جس نے سچ کی تصدیق کی۔ اولئك هم المتقون۔ وہی پرہیز گار ہیں۔ (الزمر) سچ لے کر آنے والی ذات محمد رسول اللہ کی ہے اور حضور علیہ السلام صرف قرآن ہی لے کر نہیں آئے بلکہ حکمت و بصیرت اور حدیث و سنت بھی لائے اور جو سچ ماننے والے ہیں انہیں بھی اللہ نے پرہیز گار فرمایا اور جب قرآن کو نہ ماننے والا مسلمان نہیں تو قرآن کے ساتھ جو تعلیمات حضور علیہ السلام لے کر آئے اس تعلیم کو جھٹلانے والا اور غیر معتبر سمجھنے والا کس درجے کا مسلمان ہوگا؟

اس آیت کے تحت علماء اسلام نے حضور علیہ السلام کی ان ہزاروں پیشین گوئیون کا ذکر فرمایا ہے جو ان واقعات و حادثات کے بارے میں ہیں جو قیامت تک اور قیامت کے بعد رونما ہونے والے ہیں ان میں سے بعض پیشین گوئیوں کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اور زیادہ تر کا ذکر حدیث میں ہے جن میں سے بے شمار اب تک حقیقت بن کر سامنے آچکی ہیں اور بعض پوری ہو کر رہیں گی یہ موضوع اتنا طویل ہے کہ اس پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے چند پیشینگوئیاں ملاحظہ ہوں اور پھر حضور علیہ السلام کی ہر پیشگوئی کو حجیت حدیث پر ایک دلیل تصور کریں۔ اگر حدیث حجت نہ ہوتی اور ظنی دلیل کہہ کر ٹھکرا دینے کے قابل ہوتی اور قابل عمل و لائق اعتبار نہ ہوتی تو کوئی ایک پیشینگوئی تو (معاذ اللہ) غلط ثابت ہوتی۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ محبوب خدا کی زبان اللہ کی مرضی کے

بغیر تو حرکت ہی نہیں کرتی۔

نطق تیرا فصاحتوں کا امام
میرے لفظوں میں بھی اثر کر دے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے پیشین گوئی فرمائی: مسلمان قیامت سے پہلے ترک قوم کے ساتھ جہاد کریں گے پھر آپ نے اس قوم کا حلیہ بھی بیان کیا چنانچہ یہ پیشین گوئی ساتویں ہجری میں پوری ہوئی اور پھر ترک مسلمان ہوئے۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۴۱۰، مسلم جلد ۲، صفحہ ۳۹۵)

اسی طرح دیگر کئی قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے جہاد کرنے کی پیشین گوئیاں موجود ہیں جن میں سے کچھ پوری ہو چکی ہیں کچھ ہو رہی ہیں اور کچھ ضرور ہوں گی۔

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی یاد رہے کہ جس میں اہل اسلام کو فرمایا گیا:

''جہاد کیلئے ہر وقت (اسلحہ کے ساتھ) تیار رہو جتنی بھی قوت جمع کرنے کی استطاعت رکھتے ہو''۔

ترهبون به عدو الله و عدوكم و اخرين من دونهم۔ (الانفال)

ترجمہ: تم ڈراؤ گے اپنی قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمن کو۔

اور اسی موقع پہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہے الجهاد ماض الى يوم القيمة۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا آج ہزاروں رکاوٹوں اور مزاحمتوں کے باوجود دنیا کے کئی خطوں میں آقا علیہ السلام کا فرمان پورا ہو رہا ہے اور تا قیامت ہوتا رہے گا اور نبی کا جھنڈا اونچا رہے گا۔

○ قرب قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

فى هذه الامة خسف و مسخ و قذف۔

ترجمہ: اس امت میں بھی زمین میں دھنسا دیا جانا، شکلیں بگڑ جانا اور پتھر برسنے (بمباری وغیرہ) کا عذاب ہوگا۔

ایک مسلمان نے عرض کیا! حضور ایسا کب ہوگا؟ فرمایا:

اذا ظهرت القيان و المعازف و شربت الخمر۔

ترجمہ: جب گانے والیاں ظاہر ہوں گی، لہو ولعب کے سامان (مزامیر) عام ہوں گے اور شرابیں پی جائیں گی۔

ظہرت کا معنی اگر یہ کیا جائے کہ گانے والیوں اور آلات لہو ولعب کا غلبہ وزور ہو گا تو یہ پیشین گوئی کس قدر وضاحت کے ساتھ آج ظاہر ہو رہی ہے اہل علم اور دیندار لوگوں کی بے قدری ہے اور ناچ گانے والوں کی جتنی پذیرائی اس دور میں ہو رہی ہے شاید ہی کسی دور میں ہوئی ہوگی۔

یہ علم غیب ہے کہ رسول کریم نے
خبریں وہ دیں کہ جن کی کسی کو خبر نہ تھی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى تناكر القلوب و يختلف الاقاويل و يختلف الاخوان من الاب و الام في الدين۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۳)

ترجمہ: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ دل آپس میں غیر مانوس نہ ہو جائیں، اقوال مختلف نہ ہو جائیں اور حقیقی بھائی، دین میں الگ الگ نہ ہو جائیں۔

اس حدیث میں فکری اختلاف، نظریات و مقالات کا افتراق اور بے دینی کا ماحول جو بیان ہوا ہے اس میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ بھائی بھائی کی جان کا دشمن ہے، اولاد والدین کو مار رہی ہے، بے سکونی و بے اطمینانی نے ایسے ڈیرے ڈالے ہیں کہ قیامت سے پہلے تو یہ سلسلہ تھمتا نظر نہیں آ رہا۔

ایک حدیث میں ہے:

اذا وضع السيف في امتي لم يرفع عنه الى يوم القيمة۔

(مشکوۃ صفحہ ۴۶۴، ۴۶۵، ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: جب میری امت میں تلوار رکھی جائے گی (یعنی آپس کی لڑائیاں اور خانہ جنگیاں شروع ہو جائیں گی اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جہاد سے جان چھڑانے کی کوشش ہونے لگے گی) تو پھر نہ اٹھائی جائے گی قیامت تک، (یعنی امت آپس میں لڑتی رہے گی)۔

تاریخ کا مطالعہ کرلیں حضرت عثمان غنی کے دور سے لے کر اب تک کیا ہو رہا ہے۔ پہلے تو مسلمان آپس میں لڑتے تھے اور اب چونکہ ترقی کا دور ہے شاید اس لیے تو کافروں سے مل کر اپنے مسلمانوں کے ساتھ لڑتے ہیں کبھی افغانستان میں اور کبھی عراق میں۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

- پیشین گوئیوں کا سلسلہ تو بہت وسیع ہے اس حوالے سے آخری پیشین گوئی (جو ہمارے موضوع پہ بڑی وضاحت سے دلالت کررہی ہے اور فتنہ انکار حدیث کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ پوری طرح اس فتنے کی سرکوبی کررہی ہے) بیان کی جا رہی ہے۔

حضرت معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الا انی او تیت القران و مثله معه الایوشك رجل شعبان علی اریکته یقول علیکم بھذا القران فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه و ما وجدتم فیه من حرام فحرموه ...... (ابوداؤد شریف جلد۲ صفحہ ۲۷۶)

ترجمہ: خبردار رہو! مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مانند ایک اور شئی بھی دی گئی ہے عنقریب ایک سیر شدہ (پیٹ بھرا) اپنے تکیہ پہ بیٹھ کر کہے گا قرآن کو مضبوطی سے پکڑو جو اس میں حلال کیا گیا ہے صرف اسی کو حلال جانو اور جو قرآن میں حرام کیا گیا ہے صرف اسی کو حرام سمجھو۔ (حدیث وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں)

کئی روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کا حلال و حرام کیا ہوا ایسے ہی ہے جیسے

اللہ کا حلال و حرام کیا ہوا معلوم ہوا! خالی توحید، خدا اور قرآن کی باتیں دین نہیں ہے جب تک کہ دین، توحید اور قرآن لانے والے محبوب خدا کا تذکرہ نہ کیا جائے اور قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی حجت تسلیم نہ کیا جائے۔

؎ آؤ پیارو پیار کی باتیں کریں
زلف اور رخسار کی باتیں کریں
اہل دنیا کی بہت باتیں ہوئیں
احمد مختار کی باتیں کریں

❁ قرآن مجید سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:
''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے''۔

و لا یحرمون ما حرم الله و رسوله۔

ترجمہ: اور جس شئی کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے۔

قرآنی آیات کے حوالے سے حجیت حدیث پہ مزید دلائل درکار ہوں تو سورۂ الحجرات کی پہلی دو آیات، سورۂ انفال کی چوبیسویں آیت، سورۂ نجم کی ابتدائی چار آیتیں، سورۂ احقاف کی آیت نمبر ۳۱، ۳۲۔ اسی سورۂ کی آیت نمبر ۴، سورۂ بقرہ کی پہلی دو آیات، بقرہ ہی کی آیت نمبر ۵۵، سورۂ الحاقہ کی آیت نمبر ۳۸ - ۴۰ کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے اور اس بارے میں بہت ہی واضح آیت سورۂ حشر کی آیت نمبر ۷ کے یہ الفاظ ہیں۔

و ما اتکم الرسول فخذوه و ما نهکم عنه فانتهوا۔

ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس چیز سے حضور تمہیں منع فرمائیں رک جاؤ۔

(نہ ان کی مخالفت کرو اور نہ تعمیل ارشاد میں سستی سے کام لو، آخر میں فرمایا:)

ان الله شديد العقاب۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

حضور علیہ السلام کے فرمودات وارشادات جن کو حدیث کہا جاتا ہے وہ سب اس حکم میں داخل ہیں لہٰذا حدیث کا حجت ہونا نصف النہار کے سورج سے بھی بڑھ کر واضح ہو گیا۔
(اس مضمون کا کچھ حصہ رسالہ حدیث الحبیب فتاوی نوریہ جلد نمبر ۵ سے خلاصۃً لیا گیا)

ہے بڑا نور تیرے روضے کی دیواروں میں
طور کا جلوہ نظر آتا ہے میناروں میں
آپ کے روضۂ اقدس پہ چڑھانے کے لیے
بلبلیں پھول لیے پھرتی ہیں منقاروں میں
بلبلیں شور مچاتی ہیں یہ گلزاروں میں
گل ہے پردے میں نہاں، رنگ ہے بازاروں میں

نکتۂ عجیبہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی جلی کا نزول بھی دو طرح سے ہوا ایک عمومی۔ اس کی پھر چند صورتیں تھیں (۱) رویائے صادقہ (۲) القاء فی القلب بذریعۂ جبریل امین علیہ السلام (۳) صلصلۃ الجرس (مثل گھنٹی کی آواز کے) (۴) تمثل۔ جس طرح جبریل امین علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آنا، مسجد نبوی کا باب جبریل اسی وحی کی یادگار ہے۔

دوسرا خصوصی۔ اس کی بھی چند صورتیں ہیں (۱) جبریل امین علیہ السلام کا اصل شکل میں آنا۔ (۲) القاء بے واسطۂ جبریل جیسا کہ سورۂ النجم میں فرمایا فا وحی الی عبدہ ما اوحی۔ (۳) بغیر دیدار کرائے مخاطب ہو کر جیسا کہ معراج کی رات ادن منی کی آواز کا آنا۔ (۴) پردے اٹھا کر دیدار کرا کر تخاطب۔ اسی کے بارے فرمایا: انہ ھو السمیع البصیر۔ اللہ نے معراج کی رات اپنے محبوب سے یوں کلام کیا کہ صرف محبوب ہی کلام سن رہا تھا اور دیدار کر رہا تھا وہ اس کی سن رہا تھا یہ اس کو سنا رہا تھا اور کبھی یہ اس کی سن رہا تھا اور وہ اس کو سنا رہا تھا وہ اس کو دیکھ رہا تھا یہ اس کو دیکھ رہا تھا نہ کوئی تیسرا سننے والا تھا اور نہ دیکھنے دکھانے والا۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

ایک اہم نوٹ:

عہد صحابہ میں سلسلہ روایت کی تقویت کے لیے جہاں راویوں کی کثرتِ تعداد کو اہمیت دی جاتی تھی وہاں نقل و روایت کی صحت جانچنے اور اسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لیے اور بھی طریقے رائج تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولائے کائنات علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے:

اذا فاته عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث ثم سمعه من غيره يحلف المحدث الذى يحدث به۔ (معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۹)

ترجمہ: جب ان کو کسی حدیث کی سماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فوت ہو جاتی تو دوسرے راوی سے حدیث کی سماعت فرماتے لیکن اس سے قسم لیا کرتے تھے۔

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت حافظ نیشا پوری تحریر فرماتے ہیں:

و كذلك جماعة من الصحابة والتابعين و اتباع التابعين ثم عن ائمة المسلمين كانوا يبعثون و ينقرون عن الحديث اى ان يصح لهم۔

(معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۵)

ترجمہ: یہی حال صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مسلمین کا تھا کہ وہ حدیث کے بارے میں بحث و کرید کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو حدیث کی صحت کا یقین ہو جاتا۔

روایت حدیث کا فن اپنی جس عظیم خصوصیت کے باعث سارے جہان میں منفرد ہے وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے نقل و روایت کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ نفسِ واقعہ بیان کر دیا جائے بلکہ بیان واقعہ سے پہلے ناقل کے لیے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کا علم اسے کیونکر ہوا کتنے واسطوں سے وہ بات اس تک پہنچی ہے اور وہ کون لوگ ہیں جن سے اس کو یہ واقع پہنچا ہے اور ان کے نام و نشان کیا ہیں۔

ان کی عمر کیا ہے۔ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ دیانت، تقویٰ، راست گفتاری، حسنِ اعتقاد، قوتِ حافظہ، عقل وفہم اور فکر وبصیرت کے اعتبار سے ان کے حالات کیا ہیں۔ اسی کو اصطلاحِ حدیث میں اسناد کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اصحابِ حدیث کے یہاں اسناد اتنی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر ان کے یہاں کوئی بات قابلِ اعتماد نہیں ہوتی!

یہاں تک کہ حضرت حافظ نیشاپوری نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

الاسناد من الدین ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

ترجمہ: اسناد دین کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا کہتا۔

اسی ضمن میں حضرت حافظ نیشاپوری نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابوفروہ نامی کسی شخص نے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے بغیر کسی اسناد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی۔ اس پر امام زہری نے آزردہ ہو کر فرمایا:

قاتلك الله یا ابن ابی فروہ ما اجراك علی الله ان لا تسند حدیثك۔ تحدثنا باحادیث لیس لها خُطُم ولا ازمة۔

ترجمہ: اے ابوفروہ! تجھ کو اللہ تباہ کرے تجھ کو کس چیز نے اللہ پر اتنا جری کر دیا ہے کہ تیری حدیث کی کوئی سند نہیں ہے تو ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ جن کے لیے نہ نکیل ہے نہ لگام۔

محدثین نے نقد حدیث کے لیے جو قواعد مقرر فرمائے وہ بہت تفصیلی ہیں اس سلسلہ میں معرفۃ علوم الحدیث کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ (انوار الحدیث)

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱۰:

ایک حدیث میں تین معجزات کی تفصیل

راوی اس حدیث کے حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ ہیں، مشہور صحابی ہیں اور ثقف قبیلے سے ان کا تعلق ہے اسی لیے ان کو ثقفی کہا جاتا ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حدیبیہ، خیبر، حنین اور طائف وغیرہ کے جہادوں میں شریک ہوئے۔

پہلی بات:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے ناموں کو یاد کرنا چاہئے یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ بعض اچھے خاصے مشہور صحابہ کرام کے نام سے بھی ہم واقف نہیں ہوتے اور ہمارے مخالفین بدعقیدہ لوگوں کو جن کے ساتھ نام نہاد عقیدت ہے وہ ان ہستیوں کے غلام و لونڈیوں کے بھی نہ صرف نام یاد رکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کے دن بھی مناتے ہیں جس طرح حضرت علی المرتضیٰ کے غلام قنبر اور اہل بیت اطہار کے گھر کی لونڈی حضرت فضہ۔ اگرچہ یہ حضرات ہمارے لیے بھی باعث صد اکرام و تکریم ہیں لیکن جو بات میں بتانا چاہتا ہوں شاید آپ کو سمجھ آ گئی ہو۔ ؎ ہے سوچنے کی بات اسے بار بار سوچ

اب بہت سارے سنیوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام بھی نہ آئے تو کیوں نہ ان کی عقل پہ ماتم کیا جائے۔

؎ انداز بیاں گرچہ کچھ شوخ نہیں ہے
شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

ناموں میں برکت:

تفسیر جمل کے حوالے سے ترجمۂ کنز ایمان کے حاشیہ خزائن العرفان پہ حضرت

مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کے نام اگر دروازے پہ لکھ کر لگاؤ تو مکان جلنے سے محفوظ رہے گا، سرمایہ پہ لکھ کر رکھ دو تو سرمایہ چوری سے محفوظ رہے۔ کشتی اور جہاز ان کی برکت سے غرق نہ ہوں گے۔ بھاگا ہوا شخص ان ناموں کی برکت سے واپس آجائے، کہیں آگ لگی ہو تو یہ اسماء کپڑے میں لکھ کر آگ میں ڈال دو تو آگ بجھ جائے ان ناموں (کے تعویذ) کی برکت سے بچہ رونے سے محفوظ رہے، باری کے بخار سے آرام آجائے، درد سر اور ام الصبیان جیسے امراض سے شفا ملے، خشکی و تری کے سفر میں جان و مال کی حفاظت رہے کسی کی عقل کمزور ہو تو ان ناموں کی برکت سے عقل تیز ہو جائے قیدیوں کی آزادی کیلئے ان ناموں کا تعویذ گلے میں باندھا جائے تو قیدی رہائی پائے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اصحاب کہف (جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ بھی نہیں بلکہ ان کی امت کے نیک لوگ تھے) کے ناموں میں یہ برکات ہیں تو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں کتنی برکات ہوں گی۔ ؎ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

اگر آپ پوچھیں کہ اصحاب کہف کتنے تھے اور ان کے اتنے بابرکت نام کیا کیا تھے تو قرآن مجید میں ہے:

سیقولون ثلثة رابعهم کلبهم۔

ترجمہ: بعض کہیں گے تین وہ تھے اور چوتھا ان کا کتا۔

و یقولون خمسة سادسهم کلبهم۔

ترجمہ: اور بعض (اٹکل پچو سے) کہیں گے پانچ وہ تھے اور چھٹا ان کا کتا۔

و یقولون سبعة و ثامنهم کلبهم۔

ترجمہ: اور بعض کہیں گے کہ سات وہ تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔ (پہلے دونوں قول عیسائیوں کے ہیں اور تیسرا اہل اسلام کا)

قل ربی اعلم بعدتهم۔ آپ فرمادیں (اے میرے محبوب) میرا رب خوب

جانتا ہے کہ وہ کتنے تھے۔ (یا اللہ تو نے کسی کو ان کی تعداد بتائی بھی ہے؟ فرمایا) ما یعلمہم الا قلیل۔ کچھ لوگ بھی (میرے پیارے ان کی تعداد) جانتے ہیں۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (حبر الامۃ جن کے لیے حضور علیہ السلام نے مختلف مواقع پہ دعا فرمایا: اللھم علمه الکتاب۔ اللھم فقهه فی الدین۔ اے اللہ میرے اس عم زاد کو قرآن کا عالم اور دین کا فقیہہ بنادے۔ فرماتے ہیں میں ان قلیل میں سے ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعداد بتائی ہے۔ اور تفسیر خازن میں آپ سے جو اسماء مروی ہیں وہ یہ ہیں:

مکسلمینا یملیخہ مرطونس، بینونس، سارینونس، ذونوانس، کشفیط اور طنونس۔ اور ان کے کتے کا نام قطمیر لکھا ہے۔

یادر ہے! اصحاب کہف کے نام ناموں سے یہ برکات تبھی نصیب ہوں گی کہ ان کے کتے کا نام بھی ساتھ لکھا جائے۔ کیونکہ اللہ نے ہر جگہ جہاں بھی اصحاب کہف کا ذکر فرمایا ہے ساتھ ہی ان کے کتے کا بھی ذکر فرمایا ہے تو جب اللہ نے کتے کو ان سے جدا نہیں فرمایا تو ہم کون ہوتے ہیں جدا کرنے والے۔ (اس موضوع پہ اسی کتاب میں باقی تفصیل علیحدہ اور مستقل تقریر کتاب کے آخر میں آئے گی ان شاء اللہ)

نام اچھا ہونا چاہئے:

ناموں کا موضوع شروع ہو گیا ہے تو یہ بھی یادرکھیں کہ نام اچھا اور با معنی ہونا چاہئے آج کل ڈسکو نام چل پڑے ہیں زیادہ تر انگریزوں کے نام پہ اپنی اولاد کے نام رکھے جاتے ہیں، بس نام نیا ہونا چاہئے چاہے معنی کچھ ہی ہو۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف سے ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ (جو مشہور تابعی ہیں بلکہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے انہیں افضل التابعین قرار دیا ہے جبکہ اکثر کے نزدیک حضرت اویس قرنی افضل التابعین ہیں تطبیق اس طرح ہو گی کہ علوم شرعیہ میں افضل التابعین حضرت سعید

بن مسیّب ہیں اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل التابعین حضرت اویس ہیں)

(مراۃ جلد ۸، صفحہ ۵۷۵ بحوالہ مرقات)

فرماتے ہیں کہ میرے دادا، حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو سرکار نے فرمایا: ما اسمك؟ تیرا نام کیا ہے؟

دادا جان نے عرض کیا: اسمی حزن ۔ میرا نام حزن (غم) ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: بل انت سهل ۔ نہیں بلکہ تیرا نام آج سے سہل (آسانی) ہے۔

دادا جان نے کہا: ما انا بمغير اسما سمانيه ابی ۔ میں اپنے باپ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلوں گا۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اتنی بات میں حضور علیہ السلام کی نافرمانی کی سزا ہمارے خاندان کو آج تک مل رہی ہے اور وہ یہ کہ فما زالت فينا الحزونة بعد۔ کہاں دادا اور کہاں پوتا تب سے اب تک ہمارے گھر میں غم نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ صفحہ ۴۰۹)

دونوں عالم میں تمہیں مقصود گر آرام ہے
ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے

بات طویل ہوتی جا رہی ہے اصل موضوع بھی بیان کرنا ہے اس بات کو یہاں ہی ختم کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کئی ایسے نام تبدیل بھی فرمائے جو کہ بہتر نہ تھے مثلاً:

عاصیہ کا نام (حضرت عمر بن الخطاب کی بیٹی کا نام تھا جس کا معنی تھا نافرمان) تبدیل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ رکھا۔ (مسلم)

ایک بچے کا نام گھر والوں نے کچھ رکھا جس کی تعیین حدیث میں نہیں ہے (راوی نے فلاں کہا ہے) حضور علیہ السلام نے اس نومولود کو اپنی ران مبارک پہ بٹھایا اور فرمایا اسمه المنذر ۔ اس کا نام منذر ہے۔ (متفق علیہ)

اصرم نام بدل کر زرعہ رکھا۔ اسی طرح عاص، عزیز، عتلہ شیطان، حکم، غراب،

حباب، شہاب نام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض اچھے معانی والے نام بھی حضور علیہ السلام نے تبدیل فرمائے۔ مثلاً برہ نام تبدیل کیا اور اس کی جگہ زینب رکھا حالانکہ برہ کا معنی نیکی ہے۔ اسی طرح یسار، رباح، نجیح اور افلح نام رکھنے سے منع فرمایا۔ تو اس کی وجہ اسی حدیث میں بیان فرما دی ہے جس میں یہ نام رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمایا:

فانك تقول اثم هو فلا يكون فيقول لا۔

اگر ان ناموں والے گھر میں نہ ہوں اور تو پوچھے گھر میں فلاں ہے اور جواب ملے نہیں یعنی افلح (کامیاب) نافع (نفع دینے والا) یسار (آسانی والا) گھر میں نہیں ہے تو یہ نحوست کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا یہ نام رکھنے سے منع فرمایا۔

لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے آپ فرماتے ہیں:

حضور علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ یعلی، برکت، افلح یسار اور نافع اور اسی طرح کے نام رکھنے سے منع فرما دیں:

ثم رايته سكت بعد عنها ثم قبض و لم ينه عن ذلك۔ (مسلم شریف)

پھر میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے خاموشی اختیار فرمائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا آپ نے منع نہ فرمایا۔

بعض لوگ متکبرانہ نام بہت پسند کرتے ہیں چوہدری صاحب، نواب صاحب، خانزادہ، نوابزادہ وغیرہ یہ انداز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسی لئے ملک الاملاک، سید (سردار) شہنشاہ جیسے ناموں کو حدیث میں ناپسند فرمایا گیا ہے۔ لیکن دینی مرتبہ و مقام کی وجہ سے بولنے کی اجازت بھی ہے جیسا کہ حدیث میں سید کہنے سے منع فرمایا گیا لیکن قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے خود حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سید فرمایا: سیدا و حصورا و نبیا من الصالحین۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: انا سید ولد ادم یوم القیمة و لا فخر۔ میں بروز قیامت تمام اولاد آدم کا سردار ہوں

گا مگر فخر نہیں ہے۔ معلوم ہوا فخریہ طور پر یہ الفاظ استعمال کرنا ناپسندیدہ ہے اور تحدیث نعمت کے طور پر حرج نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

احب الاسماء الی اللّٰہ عبد اللّٰہ و عبد الرحمن و اصدقھا حارث و ھمام و اقبحھا حرب و مرہ۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۴۰۹)

ترجمہ: اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، سب سے سچے نام حارث و ہمام ہیں اور سب سے ناپسند حرب و مرہ ہیں۔

ناموں کے بارے میں دیگر تفصیلات علماء اہل سنت کی کتب سے حاصل کریں یہاں ایک لطیفہ آپ کی سماعتوں کی نذر کر رہا ہوں جو دراصل حضرت عمر فاروق کی کرامت ہے لیکن اس میں چونکہ مزاحیہ مواد بھی ہے اس لیے اسے لطیفہ کہہ رہا ہوں۔

لطیفہ یا کرامت:

جامع کرامات اولیاء کے صفحہ ۴۵۳ اور دیگر کئی کتب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک کرامت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے ایک آدمی سے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا جمرہ (چنگاری) آپ نے فرمایا: کس کا بیٹا ہے؟ کہنے لگا شہاب (شعلہ) کا بیٹا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا حرقہ (جلن) قبیلہ سے ہوں ارشاد فرمایا: مسکن کہاں ہے؟ کہنے لگا حرۃ (گرمی و حرارت) میں رہتا ہوں۔ پوچھا، اس کے کون سے حصے میں؟ کہنے لگا ذات لظی (شعلے والے) حصے میں۔ حضرت نے فرمایا اپنے گھر والوں کی خبر لے وہ تو جل چکے ہیں۔ اور جب اس نے پتہ کیا تو بات صحیح نکلی یعنی اس کا گھر جل چکا تھا۔ (اب اصل موضوع کی طرف آیئے)

پہلا معجزہ! اونٹ کی فریاد:

(دراصل مجھے میرے بعض تلامذہ نے کہا کہ تقریر میں بات سے بات کیسے نکالی

جاتی ہے اور ایک ہی حدیث سے طویل تقریر کرنی ہو تو اس کا طریقہ کیا ہے چنانچہ اس تقریر میں ان کی اس خواہش کا لحاظ کیا گیا ہے اس لیے آپ کو سیر کرنی پڑ رہی ہے، تو بہرحال ''آمد برسر مطلب'') حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثلث اشیاء رایتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے حضور علیہ السلام سے تین باتیں (معجزات) مشاہدہ کیں۔

حضرت یعلی رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک سفر کا ذکر فرما رہے ہیں یہ ذکر حدیث میں نہیں کہ یہ سفر کونسا تھا اور کہاں سے کہاں کو تھا بہرحال پہلا معجزہ یہ کہ۔

بین نحن نسیر معه اذمررنا ببعیر یسنی علیه فلما راه البعیر جر جر فوضع جرانه فوقف علیه النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال این صاحب هذا البعیر فجاءه فقال بعنیه و قال بل نهبه لك یا رسول اللہ و انه لا هل بیت ما لهم معیشة غیره قال اما اذ ذکرت هذا من امره فانه شکی کثرة العمل وقله العلف فاحسنوا الیه۔

ترجمہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ایک سفر میں) جا رہے تھے کہ ایک اونٹ کے پاس سے ہمارا گذر ہوا جو کھیت کو پانی دے رہا تھا تو جب اونٹ نے حضور علیہ السلام کو دیکھا تو اپنی گردن (حضور علیہ السلام کے قدموں میں) رکھ دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں رک کر پوچھا: اس اونٹ کا مالک کہاں ہے چنانچہ مالک حاضر ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے فرمایا: یہ اونٹ ہمیں بیچ دے۔ اس نے عرض کیا حضور! میں آپ کی خدمت میں اپنا اونٹ مفت دینے کو تیار ہوں مگر گذارش یہ ہے کہ یہ اونٹ ایسے گھر والوں کا ہے کہ جن کے پاس سوائے اس اونٹ کے اور کوئی کمائی کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: اچھا اگر یہ بات ہے تو خیال کیا کرو اس اونٹ نے کام زیادہ لینے اور خوراک کی کمی کی مجھ سے شکایت کی ہے آئندہ اس سے اچھا سلوک کرنا''۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے
بے خبر ہو جو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے

معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ بیکسوں کے غمگسار، آفت زدوں کے غم خوار ہیں اور جن کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ان کی مدد فرمانے والے ہیں یہی تو دافع البلاء والوباء کا مطلب ہے جس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور دافع البلاء ہوں تو یہ ایسے ہی ہوسکتا ہے جیسے اونٹ کے معاملے میں ہوا۔

بے یار و مددگار جنہیں کوئی نہ پوچھے
ایسوں کا تجھے یار و مددگار بنایا
ایسا تجھے خالق نے طرح دار بنایا
یوسف کو تیرا طالب دیدار بنایا

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوب ﷺ جب ایک جانور پہ زیادتی برداشت نہیں کرتے تو انسان اشرف المخلوقات پہ ظلم ہو؟ یہ کب گوارہ فرمائیں گے۔

ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے آقا علیہ السلام جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے ہیں۔ اوران کی حاجت روائی بھی فرماتے ہیں اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ عرب کے اونٹ اور دیگر جانور بھی حضور علیہ السلام کی اس شان کو مانتے ہیں تبھی تو وہ اپنی مشکلات میں حضور علیہ السلام کو مدد کیلئے پکارتے ہیں، لہٰذا انسانوں کو بھی مشکل وقت میں سرکار کی بارگاہ میں استغاثہ کرنا چاہئے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریادہاں یہیں سے چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پہ شتران ناشاد گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں

پہلے معجزے کی تائید میں روایات:

جانوروں کا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں فریاد و کلام کرنا ہمارے آقا علیہ السلام کا ایسا معجزہ ہے کہ جس پر سینکڑوں واقعات بطور دلیل پیش کیے جاسکتے ہیں، اہل محبت کیلئے ان میں سے چند واقعات لکھے جارہے ہیں اور یہ تمام واقعات امام حافظ ابونعیم احمد بن

عبد اللہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دلائل النبوۃ سے لیے گئے ہیں جس کا ترجمہ میرے استاذ محترم مفسر قرآن حضرت مولانا قاری محمد طیب نقشبندی نے فرمایا ہے اور اس کتاب کی پروف ریڈنگ اس عاجز نے خود کی ہے۔

۞ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک اونٹ آیا اور آپ کے آگے سربسجود ہو گیا۔

(جمع الزوائد جلد نمبر ۹ صفحہ ۴ کتاب علامات النبوۃ باب ادب الحیوانات لہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ اس حدیث کو احمد۔ ابویعلی۔ بزاز اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں)

۞ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر تھے۔ جب ہم واپس آئے اور بنی نجار کے ایک باغ تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ باغ میں ایک طاقت ور اور غصہ سے بپھرا ہوا اونٹ ہے جو باغ میں کسی کو داخل نہیں ہونے دیتا جو بھی داخل ہونا چاہے اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بلا ردوکد) باغ میں تشریف لے گئے اور اونٹ کو آواز دی۔ تو وہ گردن ڈال کر چلا آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اس کی لگام حاضر کرو۔ پھر آپ نے اس کے منہ میں لگام دے کر اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک زمین و آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوا سرکش جنوں اور انسانوں کے۔

۞ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع سے واپس ہوئے جب ہم میدان حرہ سے اترے (اور بنی نجار کی بستی میں پہنچے) تو ایک اونٹ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنی گردن آپ کے قدموں میں ڈال دی آگے حدیث سابق کی طرح ہے۔

۞ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر نکلا جب

ہم واپس ہوئے تو دوران واپسی میں نے محسوس کیا جیسے کچھ پرندے ہمارے اوپر سایہ کرتے ہیں اسی دوران ایک سرکش اونٹ آیا جب وہ راستے کے دونوں کناروں کے درمیان (آپ کے سامنے) آیا تو سجدے میں گر گیا نبی ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار کے کچھ نوجوانوں نے کہا یا رسول اللہ یہ ہمارا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی کیا صورت حال ہے کہنے۔ لگے ہم نے اپنے باغ کو پانی دینے کیلئے اسے سے بیس سال مشقت لی ہے۔ اس کا جسم خوب چربی دار ہے ہم نے (اس کے بوڑھا ہو جانے کے سبب) ارادہ کیا ہے کہ اسے ذبح کر کے اپنے غلاموں میں تقسیم کریں۔ تب سے یہ ہم پر سرکش ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے میرے ہاتھ بیچ دو وہ عرض کرنے لگے نہیں بلکہ یہ آپ کیلئے ہدیہ ہے آپ نے فرمایا: میں تو اسے لینا نہیں چاہتا مگر تم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہو تا آنکہ اسے موت آجائے۔

۞ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت ہے کہ بنی مسلمہ کے ایک آدمی نے اونٹ خریدا تا کہ اس پر پانی لاد کر لایا کرے اس نے اسے اپنی جانور باندھنے والی جگہ میں لاکر باندھ دیا۔ مگر اس نے بندھن توڑ لیا تا کہ اس پر کچھ لادا نہ جا سکے اب جو آدمی بھی اس کے پاس جاتا وہ اسے مار بھگاتا۔

اتنے میں ادھر نبی ﷺ تشریف لے آئے آپ سے ماجرا عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا: دروازہ کھول دو (تا کہ میں اندر چلا جاؤں) وہ لوگ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمیں ڈر ہے کہیں اونٹ آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا دروازہ کھول دو چنانچہ انہوں نے کھول دیا۔

اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو فوراً سجدے میں گر گیا لوگ یہ دیکھ کر تسبیح کہنے لگے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ان جانوروں سے زیادہ ہمارا حق ہے کہ آپ کو

سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا اگر کسی کو یہ جائز ہوتا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرے تو عورت پر حق ہوتا ہے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

۞ حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے چلے۔ اتنے میں ایک اونٹ بلبلاتا ہوا آیا اور آپ کے آگے سربسجود ہو گیا مسلمانوں نے یہ دیکھ کر کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کیلئے ہم زیادہ حق دار ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر میں غیر خدا کیلئے سجدہ کی اجازت دیتا ہوتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ تم جانتے ہو یہ اونٹ کیا کہہ رہا تھا؟ کہتا تھا کہ اس نے اپنے آقاؤں کی چالیس برس خدمت کی ہے اور جب وہ بوڑھا ہو گیا ہے تو اس سے مشقت زیادہ لیتے ہیں اور چارہ کم ڈالتے ہیں تا آنکہ ان کے ہاں شادی تھی اور انہوں نے چھری اٹھائی تا کہ اسے ذبح کر دیں (تو وہ دوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا)

آپ نے اس کے مالکوں کو بلوا لیا اور انہیں ساری بات سنائی۔ وہ کہنے لگے یارسول اللہ! اس نے سچ کہا ہے آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم اسے میرے پاس رہنے دو۔ چنانچہ وہ اسے آپ کے پاس چھوڑ گئے۔

سرکش اونٹوں کے دل کش واقعات:

حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے ہم نے دوران سفر آپ سے نہایت تعجب خیز کام (معجزہ) دیکھا۔ ہم چلتے ہوئے ایک منزل پر اترے وہاں ایک آدمی آیا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ! میرا ایک باغ ہے جو میری اور میرے اہل وعیال کی کل معیشت ہے اور باغ میں میرے دو اونٹ بھی ہیں جو اس باغ کو پانی دینے کیلئے ہیں۔ وہ دونوں مجھ سے سرکش ہو گئے ہیں اور مجھے اپنے یا باغ کے نزدیک تک نہیں آنے دے رہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص ان کے قریب جا سکتا ہے۔

نبی ﷺ اپنے صحابہ سمیت کھڑے ہو گئے اور اس باغ کو چل دیئے آپ نے باغ والے شخص سے فرمایا دروازہ کھول دو وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! وہ نہایت سرکش ہیں اور یوں قابو میں آنے والے نہیں۔ آپ نے فرمایا تم دروازہ کھول دو۔ جب دروازے کو حرکت ہوئی تو وہ طوفان کے سے شور و غوغا کے ساتھ دروازے کی طرف لپک کر آئے۔

مگر جب دروازہ کھلا اور اونٹوں کی نظر رخ مصطفیٰ ﷺ پر پڑ گئی تو فوراً آپ کے سامنے مؤدب بیٹھ گئے اور سر سجدے میں رکھ دیا نبی ﷺ نے انہیں سروں سے پکڑ کر ان کے مالک کے حوالے کر دیا۔ اور فرمایا ان۔ سے کام بھی لو اور چارہ بھی اچھا ڈالو۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں اور آپ کے طفیل اللہ کا احسان ہم پر تو ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ نے آپ کے صدقے ہمیں گمراہی سے نکال کر ہدایت دی اور ہلاکتوں سے بچایا۔ تو کیا آپ ہمیں بھی اپنے آگے سجدہ کی اجازت دیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا سجدہ میرے لیے جائز نہیں۔ وہ تو صرف اس زندۂ جاوید خدا کیلئے ہے جسے کبھی موت نہیں آسکتی، اگر میں اپنی امت میں کسی کو غیر خدا کیلئے سجدہ کی اجازت دیتا تو (سب سے پہلے) عورت کو شوہر کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔

❁ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں ایک آدمی آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! فلاں خاندان کا پانی لانے والا اونٹ سرکش ہو گیا ہے نبی ﷺ فوراً کھڑے ہو گئے ہم بھی ساتھ ہو لیے۔ (وہاں پہنچ کر) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اونٹ کے قریب نہ جائیں وہ آپ کو کہیں نقصان نہ پہنچائے مگر نبی ﷺ اس سے قریب ہو گئے۔ اونٹ نے آپ کو دیکھتے ہی سجدہ کر دیا۔ پھر آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا اس کی لگام حاضر کرو جو حاضر کر دی گئی آپ نے اس کے منہ میں لگام ڈال دی اور فرمایا: اس کے مالک کو میرے پاس بلاؤ جو بلا لیا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ یہ تیرا اونٹ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے چارا اچھا

ڈالا کرو اور طاقت سے زیادہ مشقت نہ لیا کرو وہ کہنے لگا ایسے ہی کیا کروں گا۔
صحابہ کرام عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہ جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں کیونکہ ان پر آپ کا عظیم حق ہے تو ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں آپ نے فرمایا نہیں! اگر میں اپنی امت میں یہ امر جائز رکھتا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سجدہ کریں تو عورتوں سے کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔

❁ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں انصار کا ایک گھرانہ تھا جو اپنے اونٹ پر پانی لایا کرتے اور اپنے باغ کو سیراب کیا کرتے تھے۔ ایک بار اونٹ سرکش ہو گیا اور اپنی پشت کو کسی کے کام آنے سے روک لیا۔ انصار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے اونٹ پر پانی لایا کرتے ہیں مگر وہ ہم پر برانگیختہ ہو گیا اور ہمارے استعمال کا نہیں رہا۔ جبکہ کھجوریں اور کھیتی سوکھتی جارہی ہے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: اٹھو وہاں چلیں۔ صحابہ آپ کے ساتھ چل پڑے۔

آپ باغ پر تشریف لائے۔ اونٹ ہنوز باغ کے ایک کونے میں موجود تھا۔ آپ اس کی طرف بڑھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کتے کی طرح خوفناک ہو چکا ہے ہمیں ڈر ہے یہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے آپ نے فرمایا: مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ وہ اونٹ چلتا ہوا آیا اور آپ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کیا یہ بے عقل جانور ہے اور ہم صاحب عقل ہیں ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی انسان کو جائز نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو شوہر کے آگے سجدہ ریز ہونے کیلئے کہتا۔ کیونکہ اس پر شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔

(یاد رہے! اس دور میں عرب کے دیہات کی سب سے بڑی معیشت یہی ہوتی تھی کہ باغ لگا لیا کرتے مگر چونکہ عرب کی زمین اکثر بے آب اور خشک ہے اس لیے

انہیں دور دراز کے چشموں اور پہاڑی وادیوں سے پانی لانا پڑتا اس مقصد کیلئے اونٹ کی ضرورت پڑتی اور یوں اونٹ کو ان کی معیشت میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی اور اس کا سرکش ہو جانا ان کیلئے ایک مصیبت عظمیٰ سے کم نہ ہوتا تھا، تو قربان جائیں اعجاز رسول ﷺ پر جو بے کسوں کے کام آ گیا اور ان کی مشکلیں آسان ہو گئیں)

امام ابونعیم کا تبصرہ:

امام حافظ ابونعیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں مذکورہ روایات کے مطابق جانوروں کا آپ کو سجدہ کرنا، آپ کی خدمت میں شکایات پیش کرنا وغیرہ ذالک، آپ کی نبوت کی واضح علامات اور دلائل ہیں اور ان سے دو فائدے ضرور حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ نمبر i یا تو نبی ﷺ کو لغت ہائے بہائم عطا فرمائی گئی ہیں۔ جیسے سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی گفتگو کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔ تو یہ امر آپ کی نبوت ورسالت کی روشن دلیل ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کیلئے تھی۔ نمبر ii یا پھر آپ کو جانوروں کی شکایات کا مقصد بذریعہ وحی معلوم ہوتا تھا۔ جو بھی ہو بہر حال یہ امر آپ کیلئے ایک معجزہ اور روشن تر دلیل نبوت سے کم نہیں۔

اگر کوئی معترض کہے کہ یہاں ایک تیسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے لوگوں کے جانوروں کے ساتھ عمومی غلط رویئے سے اندازہ لگایا ہوگا کہ جانور اپنی زبان حال سے یہی کچھ کہہ رہے ہیں (کہ ہمارے مالک ہم سے کام زیادہ لیتے ہیں اور چارہ کم ڈالتے ہیں)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال تو موجود ہے مگر کسی اونٹ کو دیکھ کر محض اندازے سے یہ بات کبھی معلوم نہیں ہو سکتی کہ اس کا مالک فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور اتنے سالوں سے اس سے کام لے رہا ہے اور اسے شادی کے موقع پر ذبح کرنا چاہتا ہے۔ صورت حال کو دیکھ کر ایسی باتیں کبھی معلوم نہیں کی جا سکتیں۔ اس لئے یہ احتمال سراسر باطل ہے۔

مترجم کی وضاحت:

دلائل النبوۃ کے فاضل مترجم لکھتے ہیں:

یہ اشارہ غیلان بن سلمہ ثقفی کی روایت کی طرف اشارہ ہے جس میں یہ گزرا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اونٹ کے فریاد کرنے پر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہتا تھا کہ اس کے آقاؤں نے برابر چالیس برس اس سے مشقت لی ہے اور اب شادی کے موقع پر اسے ذبح کرنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے یہ باتیں نبی ﷺ نے بذریعہ وحی معلوم کیں یا اونٹ کی بولی اور لغت آپ کو معلوم تھی۔ اور دونوں صورتوں میں آپ کی نبوت و رسالت پر روز روشن کی طرح وضاحت وصراحت کے ساتھ دلیل موجود ہے۔

علاوہ ازیں گوہ (جیسے جانور) کا فصیح عربی میں گفتگو کرنا اور آپ کے سوالات کا جواب دینا، بھیڑئے کا خالص عربی زبان میں ایک یہودی کو راہ اسلام کی ہدایت دینا اور حضور ﷺ سے گفتگو کرنا اور پھر بچوں کو دودھ پلا کر واپس آنا مذکور ہوا ہے یہ تمام روایات آگے آرہی ہیں آخر یہ تمام احادیث یکدم موضوع تو نہیں قرار دی جاسکتیں اس لئے ذی فہم اور خوش قسمت انسان کیلئے ان تمام واقعات میں نبی عربی ﷺ کی رسالت پر اظہر من الشمس دلائل ہیں مگر جو لوگ ختم اللہ علی قلوبہم اور بل طبع اللہ علی قلوبہم کی صفت رکھتے ہیں وہ کبھی نہیں مان سکتے۔ لیکن بہر حال!

ہمارا کام ''لکھ'' دینا ہے یارو
کوئی آگے مانے یا نہ مانے

کوئی جانور ہو کر اقرار کر رہا ہے اور کوئی انسان ہو کر انکار کر رہا ہے۔

بھیڑیا عظمت مصطفیٰ کا اظہار کرتا ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چرواہا میدان حرہ میں

بکریاں چرارہا تھا اتنے میں بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھا کر چلتا بنا۔ چرواہا پیچھے دوڑا اور اس سے بکری جا چھڑوائی، بھیڑیئے نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہنے لگا اے چرواہے! تجھے خوف خدا نہیں؟ تو نے مجھ سے وہ رزق چھین لیا جو مجھے اللہ نے دیا تھا۔

چرواہے نے کہا بڑا تعجب ہے کہ ایک بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھا مجھ سے انسانوں کی سی باتیں کرتا ہے؟

فقال الذئب افلا اخبرك بما هو اعجب من هذا؟ هذا رسول الله ﷺ بين الحرتين يدعوا الناس الى انبآء ما قد سبق۔

ترجمہ: بھیڑیئے نے کہا کیا میں تجھے اس سے بھی عجیب تر بات نہ بتلاؤں دیکھو یہ رسول خدا ﷺ ہیں جو دو میدانوں کے درمیان (شہر مدینہ میں) گزشتہ کی خبریں بتلاتے ہیں۔

بعد ازاں چرواہا واپس آیا اور بکریوں کو مدینہ طیبہ میں کسی جگہ ٹھکانے پر چھوڑ کر نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بھیڑیئے کی بات سنائی۔ آپ نے فرمایا: چرواہا سچ کہتا ہے یاد رکھو! قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک درندے انسانوں سے باتیں نہیں کریں گے اور جب تک آدمی سے اس کے جوتے کا تسمہ گفتگو نہیں کرے گا اور جب تک آدمی کو اس کا چابک یہ نہیں بتائے گا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں نے کیا کیا تھا (جیسا کہ اس کا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں کہ جوتوں اور چھڑیوں تک میں جاسوسی آلات فٹ کیے جا رہے ہیں جو تمام کاروائی کو محفوظ کر رہے ہیں۔)

۞ مطلب بن عبداللہ بن حنطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ مدینہ طیبہ میں اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک بھیڑیا آ گیا اور نبی ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ بھونکنے لگا۔ (اپنی زبان میں کچھ کہنے لگا)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ درندوں کی طرف سے تمہارے پاس نمائندہ آیا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ ان بھیڑیوں کیلئے اپنے مال میں سے کچھ حصہ مخصوص کر دو تو پھر وہ کسی اور کو نہ دو اور اگر چاہتے ہو کہ ان سے بچ کر رہو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو تو پھر جو کچھ یہ اٹھا سکیں وہ ان کا رزق ہو گا''۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو انہیں کچھ بھی دینے پر راضی نہیں ہیں۔ تو نبی ﷺ نے اس بھیڑیئے کی طرف اپنی تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ (یعنی اسے کہا کہ لوگوں سے بچ کر بھاگ جائے) تو وہ پیچ و تاب کھاتا ہوا واپس ہو گیا۔

ہرنی حکم رسول (ﷺ) بجا لاتی ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں جا رہا تھا ہم ایک اعرابی کے خیمہ پر سے گزرے وہاں خیمہ میں ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگی یا رسول اللہ اس اعرابی نے کچھ دیر پہلے مجھے شکار کیا (اور یہاں لا کر باندھ دیا) جنگل میں میرے دو بچے ہیں، میرے تھنوں میں دودھ اکٹھا ہو چکا ہے، اب یہ نہ مجھے ذبح کرتا ہے کہ مجھے استراحت مل جائے اور نہ ہی چھوڑتا ہے کہ میں اپنے بچوں کے پاس چلی جاؤں؟ نبی ﷺ نے فرمایا اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو تو واپس آ جائے گی؟ کہنے لگی ہاں۔ ورنہ مجھے اللہ سخت عذاب دے گا۔

تو نبی ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر بعد واپس آ گئی وہ اپنے ہونٹوں کو زبان سے صاف کر رہی تھی (کیونکہ کچھ کھا پی کر آئی تھی) نبی ﷺ نے اسے حسب سابق خیمے میں باندھ دیا اتنے میں وہ اعرابی ہاتھ میں مشکیزہ لئے آ پہنچا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم اسے بیچو گے؟ وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! یہ آپ کیلئے ہدیہ ہے تو نبی ﷺ نے اس ہرنی کو کھول کر آزاد کر دیا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بخدا میں نے اسے دیکھا کہ وہ زمین پر چلتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی: اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول

اللہ۔ (ﷺ)

پھر بشارت اس کو اور اس کو ملی سرکار سے
جاں سے ہے تو آزاد اور تو عذاب نار سے

گوہ، عظمت مصطفیٰ (ﷺ) بیان کرتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار نبی ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ کسی محفل میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں بنی سلیم کا ایک اعرابی آ گیا اس نے گوہ پکڑ رکھی تھی اور اسے اپنی آستین میں ڈال رکھا تھا تا کہ اسے اپنی قیام گاہ میں لے جا کر کھائے۔ وہ کہنے لگا یہ لوگ کس کے گرد جمع ہیں؟ صحابہ نے کہا اس کے گرد جس نے دعوائے نبوت کیا ہے۔ تو وہ لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا نبی ﷺ کے قریب چلا آیا اور کہنے لگا اے محمد ﷺ کسی عورت کا بیٹا تم سے بڑھ کر جھوٹا اور مجھے ناپسند نہیں ہوگا۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ تم مجھے جلد باز کہو گے تو میں تم پر تیزی سے حملہ کر کے تمہیں قتل کر دیتا اور تمہارے قتل سے سب لوگوں کیلئے خوشی کا سامان پیدا کر دیتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیں کہ میں اس کا سر اڑا دوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم جانتے نہیں کہ حلیم و بردبار آدمی ہی مرتبہ نبوت کے لائق ہوتا ہے۔ (تمہیں بردباری کرنی چاہئے) پھر وہ اعرابی نبی ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا مجھے لات وعزیٰ کی قسم! میں تم پر ایمان نہیں رکھتا۔ آپ نے اسے فرمایا اے اعرابی تم کیوں ایمان نہیں رکھتے؟ کس سبب سے تم نے یہ باتیں کہیں اور میری مجلس کی تکریم کو بالائے طاق رکھ کر ناحق گفتگو کی؟ وہ کہنے لگا (ہاں) میری گفتگو اللہ کے رسول (ﷺ) کی شان کے خلاف تھی اور مجھے لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ پر تب تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہیں لاتی۔ ساتھ ہی اس نے آستین سے گوہ نکال کر نبی ﷺ کے سامنے پھینک دی اور کہا اگر یہ گوہ اظہار ایمان کر دے تو میں بھی داخل اسلام ہو جاؤں گا۔

فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم یا ضب فتکلم الضب بلسانٍ عربی مبینٍ یفهمه القوم جمیعًا لبیك و سعدیك یا رسول رب العالمین فقال لهٗ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و من تعبد یا ضب؟ فقال اللّٰه الذی فی السمآء عرشهٗ و فی الارض سلطانهٗ و فی البحر سبیلهٗ و فی الجنة رحمتهٗ و فی النار عذابهٗ فقال من انا یا ضب؟ فقال انت رسول رب العلمین و خاتم المرسلین قد افلح من صدقك و قد خاب من کذبك۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا اے گوہ! تو گوہ نے صاف عربی زبان میں جسے سب لوگ سمجھ رہے تھے یہ کہا: لبیك و سعدیك یا رسول رب العالمین اے پروردگار عالم کے رسول میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔

نبی ﷺ نے اسے فرمایا اے گوہ تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ کہنے لگی میں اس خدا کی عبادت کرتی ہوں جس کا آسمان میں عرش ہے، زمین میں قبضہ ہے، سمندر پر حکومت ہے، جنت میں رحمت، دوزخ میں اس کا عذاب ہے۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟ گوہ کہنے لگی آپ رسول رب العالمین اور خاتم المرسلین ہیں۔ آپ کی تصدیق کرنے والا کامیاب ہے اور انکار کرنے والا ناکام و نامراد"۔

اعرابی یہ دیکھ کر بول اٹھا اشھد ان لا الہ الا اللّٰه و اشھد انك رسول اللّٰه حقا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ قسم بخدا جب میں آیا تھا تو روئے زمین پر کوئی شخص مجھے آپ سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور بخدا اس وقت آپ مجھے اپنی جان اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ میرے جسم کا بال بال اور رونگٹا رونگٹا آپ پر ایمان لا چکا اور میرا اعیان، ونہاں اور ظاہر و باطن آپ پر قربان ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس اللہ کیلئے ہر تعریف ہے جس نے تجھے اس دین کی طرف ہدایت دی ہے جو غالب رہے گا، مغلوبیت سے ناآشنا ہے اس دین کو اللہ تعالیٰ صرف نماز سے قبول کرتا ہے اور نماز قرآن کے پڑھنے سے قبول ہوتی ہے۔

پھر آپ نے اسے سورۂ فاتحہ اور اخلاص سکھلائیں وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! میں نے نثر اور نظم میں کوئی بھی کلام اس سے حسین تر نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا یہ رب العالمین کا کلام ہے شعر نہیں۔ جب تم نے قل ھو اللہ احد (سورۂ اخلاص) کو پڑھ لیا تو سمجھو ایک تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب مل گیا اگر اسے دو مرتبہ پڑھا تو تم نے دو تہائی قرآن کی تلاوت کا اجر پا لیا اور اسے تین بار پڑھنے سے تمہیں پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب حاصل ہو گیا اعرابی کہنے لگا! ہمارا خدا کتنا اچھا خدا ہے جو تھوڑا سا عمل بھی قبول کر لیتا ہے اور اس پر بہت سا اجر عطا فرما دیتا ہے۔

پھر نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس اعرابی کی کچھ مدد کرو۔ تو انہوں نے اسے اتنا دیا کہ وہ (کثرت مال کی وجہ سے) درجہ تکبر تک پہنچا (ہوا دکھائی دیتا تھا)۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میرا خیال ہے میں اسے اپنی اونٹنی دے کر قربت الٰہی کا ایک ذریعہ حاصل کروں میری اونٹنی فارسی نسل سے چھوٹی اور عربی اونٹوں سے بڑی ہے، دس ماہ کی حاملہ ہے اور اتنی شاہزور ہے کہ پیچھے سے دوڑ کر پہلے سے گئے ہوئے اونٹوں سے جا ملتی ہے مگر کوئی اونٹ اس سے نہیں مل سکتا مجھے بطور ہدیہ کہیں سے ملی تھی۔

نبی ﷺ نے فرمایا جو اونٹ تم دو گے اس کی تعریف تم نے کر دی۔ اور جو اونٹ اللہ تجھے اس کی جزا میں دے گا اس کی تعریف میں بیان کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمہیں سوراخ دار موتیوں کی اونٹنی ملے گی جس کے پاؤں سبز زبرجد کے ہوں گے اور اس پر کریب اور ریشم کا کجاوہ رکھا ہوگا، وہ تمہیں لپکنے والی بجلی کی سی تیزی سے پل صراط سے گزار دے گی۔

پھر وہ اعرابی نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر باہر نکلا۔ آگے اسے ایک ہزار اعرابی ملے جو ہزار جانوروں پر سوار اور ہزار نیزوں اور ہزار تلواروں سے مسلح تھے وہ ان سے کہنے لگا کدھر جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم جھوٹے شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہیں

جو خود کو نبی سمجھتا ہے۔ اس اعرابی نے (جو انہی کی قوم کا ایک فرد اور ان کا رئیس تھا) کہا میں تو گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا تم نے بھی یہ نیا دین اختیار کر لیا ہے؟ اس نے کہا ہاں کر لیا ہے۔ پھر اس نے انہیں (گوہ کی گواہی سے متعلق) ساری بات کہہ سنائی۔ تو ان میں ہر کوئی یہ کہنے لگا: اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله۔

نبی ﷺ کو ان کے ایمان لانے کی خبر پہنچی تو آپ انہیں ملنے کیلئے تشریف لائے۔ وہ آپ کو دیکھ کر سواریوں سے کود پڑے اور نبی ﷺ کے وجود پاک کے جس حصہ تک ان کی رسائی ہو رہی تھی اسے چوم رہے تھے اور ساتھ ساتھ کہہ رہے تھے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله پھر وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ ہمیں جو حکم دینا پسند فرماتے ہیں ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا تم خالد بن ولید کے جھنڈے تلے ہو گے۔

راوی کہتا ہے سارے عرب میں بیک وقت اسلام لانے والے ایک ہزار آدمی (سب سے پہلے) صرف بنو سلیم قبیلہ ہی سے تھے۔

بکریاں سجدہ ریز ہوتی ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور کچھ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ باغ میں بکریاں تھیں جو آپ کو دیکھتے ہی آپ کے آگے سجدہ ریز ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ان بکریوں سے زیادہ ہمارا حق بنتا ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔

آپ نے فرمایا: میری امت کو یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو سجدہ کرے اور اگر ایک دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

جانور تعظیم کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے بعض گھر والوں نے

کچھ جانور رکھے ہوئے تھے۔جب نبی ﷺ باہر نکلتے تو وہ آپ کو دیکھ کر خوشی سے اچھلنے کودنے لگتے۔اور جونہی انہیں آپ کی آمد کا احساس ہوتا (کہ آپ تشریف لا رہے ہیں) تو وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہونے لگتے۔

گدھا آپ (ﷺ) کی اطاعت کرتا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس خیبر میں ایک سیاہ رنگ کا گدھا حاضر خدمت ہوا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں عمرو بن فلاں ہوں ہم سات بھائی تھے۔ہم میں سے ہر ایک پر انبیاء نے سواری کی ہے۔میں ان سب سے چھوٹا تھا اور مجھے قدرت نے آپ کی سواری کیلئے رکھا ہوا تھا۔چنانچہ ایک یہودی میرا مالک بن گیا اور میں جب آپ کو یاد کر کے بے قرار ہو جایا کرتا تو وہ مجھے زدوکوب کرنے لگتا،حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم یعفور رہو۔

(یعفور بروزن عصفور کا معنی ہے ہرن کا بچہ۔شائد اس گدھے کی سرعت رفتار کے باعث آپ نے اسے یہ لقب عنایت فرمایا۔شیخ محقق نے مدارج میں امام سہیلی کی کتاب التعریف والاعلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ پھر یہ یعفور نبی ﷺ کے وصال تک آپ کے پاس رہا جب آپ نے کسی صحابی کو بلانا ہوتا تو اسے حکم فرماتے وہ آپ کا حکم پا کر اس صحابی کے گھر پر جاتا اور پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھٹکھٹاتا جب وہ شخص باہر نکلتا تو یعفور اپنے سر سے اشارہ کر کے بتلاتا کہ تمہیں نبی کریم ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔پھر آپ کے وصال پر یعفور نے آپ کی جدائی برداشت نہ کرتے ہوئے کنویں میں چھلانگ لگا دی اور اپنا خاتمہ کر لیا تاہم اس پر اس عمل سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیونکہ جانور غیر مکلف ہیں)

مرنا بھی گوارا کرتے ہیں جینا بھی گوارا کرتے ہیں
ہم دار پہ ہوں یا محفل میں بس ذکر تمہارا کرتے ہیں

○ دوسرا معجزہ، درخت کا سلام کرنا:

جس حدیث کو آج کی تقریر کا عنوان بنایا ہے اس میں دوسرے معجزے کا بیان ملاحظہ ہو۔

ثم سرنا حتی نزلنا منزلا فنام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت شجرۃ تشق الارض حتی غشیته ثم رجعت الی مکانھا فلما استیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرت له فقال ھی شجرۃ استأذنت ربھا فی ان تسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذن لھا۔

ترجمہ: (حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک مقام پہ اترے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم محو استراحت ہو گئے، ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ جھک کر سایہ کناں ہو گیا کچھ دیر کے بعد واپس چلا گیا۔ جب حضور علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو میں نے درخت والا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہ وہ درخت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مجھ پہ سلام پڑھنے کی اجازت مانگی جو اس کو مل گئی"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ معجزات عطا فرمائے ہیں کہ صرف بیداری کی حالت میں ہی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ آپ آرام فرما ہوتے ہیں تو بھی معجزات کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ حضور علیہ السلام اگر سو رہے ہوں اور کوئی سلام عرض کرے تو آپ اس کو دیکھتے بھی ہیں اور اس کا سلام سنتے بھی ہیں۔ تو کیا درختوں کا سلام سنتے ہیں اور اپنے امتیوں کا نہیں سنتے ہوں گے؟ یقیناً سنتے ہیں پہچانتے ہیں اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ بھی پتہ چلا کہ درخت آپ پر صرف سایہ کرنے نہ آیا تھا سایہ تو بادل بھی آپ پہ کرتا تھا، درخت سپیشل سلام کیلئے حاضر ہوا تھا، اس نے عرض کیا ہو گا اے اللہ! تیرا

محبوب میرے قریب محو استراحت ہے پھر کیا معلوم ایسا موقع آئے یا نہ آئے کیونکہ
؎ یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

مجھے اجازت دے تاکہ میں تیرے حبیب کے قدموں میں جھک کر سلام عرض کر لوں، درخت سلام پڑھنے کی اجازت مانگ رہا ہے اور یہ کیسا امتی ہے جو سلام پڑھنے سے روک رہا ہے اور سلام نہ پڑھنے کے بہانے تلاش کرتا ہے کبھی کہتا ہے آذان سے پہلے نہ پڑھو کبھی کہتا ہے جمعہ کے بعد نہ پڑھو۔

پھر یہ بھی سنو! خدا تعالیٰ درخت کو اجازت فرما رہا ہے تو کیا امت کو روکے گا کہ میرے محبوب پہ سلام نہ پڑھو؟

؎ عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

درخت نے یہ نہ دیکھا کہ اس وقت سلام پڑھنا جائز ہے کہ ناجائز؟ اس نے بتا دیا کہ محبوب خدا پہ جب بھی سلام پڑھو اس کی اجازت ہے اور قبول بھی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام درخت کو آتا جاتا دیکھ رہے ہیں اور پھر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ حالانکہ حضور تو سو رہے تھے لیکن صحابہ جانتے تھے کہ ہم جاگتے ہوئے بھی وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے جو حضور علیہ السلام سو کر دیکھ رہے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے:

انی اری مالا ترون و اسمع مالا تسمعون۔

ترجمہ: میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ لا تنکر الوحی من رؤیاہ ان لہٗ قلبًا اذا نامت العینان لم تنم

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عالم خواب میں وحی کے آنے کا انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ

آپ کا قلب مبارک آنکھوں کے سو جانے کے باوجود بیدار رہتا ہے۔ (قصیدہ بردہ)
اور پھر یہ بھی تو حدیث میں ہے کہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں میرا دل بیدار رہتا ہے اسی لیے ہر کسی کی نینداس کا وضو توڑ دیتی ہے مگر حضور علیہ السلام کو سونے کے بعد وضو کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ آپ کا سونا بھی نور ہے اور آپ کا جاگنا بھی نور ہے بلکہ آپ کا سب کچھ نور ہے۔

ایں خورد گرد و پلیدی رو جدا　　　　واں خورد گرد ہمہ نور خدا

ہم کھائیں تو غلاظت بن جائے حضور کھائیں نور خدا بن جائے کیونکہ ہم دنیا کی غذا کھاتے ہیں اور حضور فرماتے ہیں: ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی۔ میں رات اپنے رب کے پاس گذارتا ہوں میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے حضور علیہ السلام اس دنیا کے کھانے پانی کے محتاج نہیں ہیں بلکہ آپ نے اس لیے کھایا پیا کہ کھانا پینا ہمارے لیے سنت ہو جائے اور جہاں کھانے پینے سے ہماری بھوک پیاس مٹے وہاں ہمیں سنت کا ثواب بھی ملے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صوم وصال سے منع فرما دیا کیونکہ صحابہ تو اپنی جسمانی طاقت کو قائم رکھنے کیلئے غذا کے محتاج تھے اور حضور علیہ السلام تو ساری کائنات کے محتاج الیہ ہیں۔

جملہ عالم است محتاج الیہ　　　　زیں سبب فرمود رب صلوا علیہ

لہٰذا آپ کا کھانا بھی نور، پینا بھی نور، سونا بھی نور، جاگنا بھی نور، نام بھی نور، کام بھی نور، اسم بھی نور، جسم بھی نور، جان بھی نور، عرفان بھی نور، دعائے نور کے الفاظ پہ غور کرو۔

اللھم اجعل فی قلبی نورا د فی لسانی نورا و اجعل فی سمعی نورا و اجعل فی بصری نورا و اجعل فی خلفی نورا و من امامی نورا و اجعل من فوقی نورا و من تحتی نورا اللھم اعطنی نورا (و فی روایہ) و عن یمینی نورا و عن شمالی نورا و خلفی نورا و اجعل لی نورا۔

(و فی روایة) و فی عصبی نورا و فی لحمی نورا و فی دمی نورا و فی شعری نورا و فی بشری نورا۔

(و فی روایة) و اجعل فی نفسی نورا و اعظم لی نورا۔

(و فی روایة) و اجعلنی نورا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

ترجمہ: اے اللہ! میرے دل، زبان، شنوائی، بینائی میں نور کر دے، میرے پیچھے، آگے، نیچے، اوپر نور کر دے اور مجھے نور عطا کر، میرے دائیں، بائیں نور کر دے اور میرے لیے نور مقرر فرما، میرے پٹھے، گوشت، خون، بال اور کھال میں نور بھر دے، میری جان میں نور بھر دے، مجھے عظیم نور عطا کر اور مجھے سراپا نور بنا دے۔

(پھر کیوں نہ کہا جائے)

اسم نور و جسم نور و جان نور	ذکر نور و فکر نور عرفان نور
دست نور و پائے نور و قد نور	ولد نور و اب نور وجد نور
باز گویم آل نور اصحاب نور	اکل نور و شرب نور و خواب نور
اہل نور و بیت نور و بلد نور	جائیکہ آمد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کرد نور

نکتہ:

ماہرین ایگری کلچر (زراعت) کا کہنا ہے کہ اگر کسی پودے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہو تو اس کی جڑوں کو ہوا نہ لگنی چاہیے ورنہ وہ سوکھ جائے گا لیکن یہ درخت کتنا سفر طے کر کے آیا مگر پہلے سے بھی زیادہ شاداب ہو گیا، معلوم ہوا کہ اگر محبت رسول کی ہوا لگ جائے تو پھر خشکی پیدا نہیں ہوتی پہلے سے بھی زیادہ شادابی میں اضافہ ہوتا ہے اور گستاخی رسول کی باد سموم جن عقیدوں کو لگ گئی ہے ان میں خشکی ہی خشکی ہے کیونکہ وہ صرف اپنی عبادت پہ ناز کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ایسی عبادت قبول ہی نہیں۔

یہ عبادت رات دن کی مجھ کو نامنظور ہے
دور ہے جو میرے احمد سے وہ مجھ سے دور ہے

میرا یہ عقیدہ ہے کہ گر ذکر خدا میں
یہ نام نہ شامل ہو تو عبادت نہیں ہوتی

سبحان اللہ! حضرت حسان بن ثابت نے کیا خوب کہا ہے:

سعت الشجر نطق الحجر
شق القمر با شارته

اے صفاومروہ کے درمیان حج وعمرہ میں سعی کرنے والو! ہم نے ایک اور سعی بھی دیکھی ہے اور وہ یہ کہ میرے آقا کے اشارے پہ درخت دوڑتے ہوئے آئے۔ پتھر بول پڑے، چاند ٹکڑے ہوگیا۔ کیسے؟ کوئی بم چلانا پڑا؟ نہیں نہیں باشارتہ۔ میرے آقا کے فقط اشارے سے۔

فقط اشارے سے سب کی نجات ہو کے رہی
تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

ارے حضور کا نام آجائے تو پتھر بول پڑتے ہیں اور جن کو اہانت رسول کی بادسموم نے آلیا ہے ان کے جلسوں میں جاؤ اور دیکھو! اتنی خشکی کہ یوں لگتا ہے جیسے قبرستان میں تقریر ہو رہی ہے ذکر مصطفیٰ ہو اور اس قدر عبوسا قمطریرا کا منظر۔ کیا خوب کہا مولائے روم نے۔

سنگہا اندر کف بوجہل بود
گفت اے احمد بگو ایں چیست زود
گر رسولی چیست در دستم نہاں
چوں خبرداری زمین و آسماں
لا الہ گفت الا اللہ گفت
گوہر احمد رسول اللہ گفت

دوسرے معجزے کی تائید میں روایات:

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا ایک بار ہم مکہ کی کسی جانب پہاڑوں اور درختوں میں سے گزر رہے تھے:

فلم یمر بشجرٍ و لا جبلٍ الا قال السلام علیك یا رسول الله۔

ترجمہ: تو جس بھی پہاڑ یا درخت کے قریب سے آپ گزرتے اس سے آواز آتی تھی السلام علیک یارسول اللہ۔ (دلائل النبوۃ صفحہ ۳۵۰ لابی نعیم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابتداء نزول وحی کے بعد جب میں گھر آیا تو

جعلت لا یلقانی حجر و لا شجر الا قال السلام علیك یا رسول الله۔

ترجمہ: میری یہ حالت تھی کہ راستے میں ملنے والا ہر پتھر اور ہر درخت یہی کہہ رہا تھا السلام علیک یارسول اللہ۔ (ایضاً)

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں مقام حجون پر بڑے پریشان وغمزدہ بیٹھے تھے آپ نے وہاں دعا کی اے اللہ! مجھے ایسی نشانی دکھا جس کے بعد میں اپنی قوم کی تکذیب سے پریشان نہ ہوں۔ چنانچہ آپ نے اللہ کے حکم سے اپنے پیچھے کھڑے ایک درخت کو آواز دی تو وہ زمین کا سینہ چاک کرتا ہوا آپ کے حضور حاضر ہو گیا اور سلام کا نذرانہ پیش کرنے لگا۔ آپ نے اسے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ واپس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تب آپ نے فرمایا: اب مجھے کوئی پروا نہیں کہ قوم میں سے کون مجھے جھٹلاتا ہے۔ (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۶۲۰۔ سنن دارمی۔ ترمذی نمبر ۳۶۳۰)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اسلام لا چکا ہوں مجھے کوئی نشانی دکھلائیے تاکہ میرا یقین بڑھ جائے۔ آپ نے فرمایا: تو کونسی نشانی دیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اس درخت کو حکم فرمائیں کہ وہ آپ کے پاس آجائے۔ آپ نے

فرمایا: جاؤ اسے بلا لاؤ۔ وہ اعرابی اس درخت کے پاس گیا اور اسے کہا اے درخت! رسول اللہ کی بارگاہ میں آؤ۔

قال فمالت علی جانبٍ من جوانبها فقطعت عروقها ثم مالت علی الجانب الأخر فقطعت عروقها حتی اتت النبی صلی اللہ علیه و سلم فقالت السلام علیك یا رسول اللہ۔

ترجمہ: کہتے ہیں کہ درخت پہلے ایک طرف جھکا پھر دوسری طرف، اس نے اپنی جڑیں اکھیڑیں اور چلتا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گیا اور اس سے آواز آئی السلام علیک یا رسول اللہ۔

اعرابی نے کہا بس بس مجھے کافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت سے کہا واپس چلے جاؤ تو وہ واپس ہو گیا اور حسب سابق اپنی جڑوں اور ٹہنیوں کے ساتھ اپنی جگہ پہ کھڑا ہو گیا۔

اعرابی نے کہا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کا سر انور اور قدم ہائے مبارک چوم لوں، تو آپ کی اجازت سے اس نے اپنا یہ ارمان پورا کر لیا پھر اس نے کہا کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں آپ کو سجدہ کر لوں؟ آپ نے فرمایا کوئی کسی کو سجدہ نہیں کر سکتا اگر میں اس کی اجازت دیتا تو (سب سے پہلے) عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ عورت پر اس کا عظیم حق ہے۔

۞ حضرت وکیع بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں (جا رہا) تھا، ہم ایک جگہ ٹھہرے جہاں بہت درخت تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا: ان (دور کھڑے) درختوں سے کہو "تمہیں اللہ کا رسول حکم دیتا ہے کہ اکٹھے ہو جاؤ" میں ان کے پاس گیا اور میں نے کہا: میں رسول خدا کا فرستادہ ہوں وہ تمہیں حکم فرما رہے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جاؤ۔ میری بات سنتے ہی وہ دونوں اکٹھے ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آڑ میں قضاء حاجت فرمائی اور واپس آ کر مجھے فرمایا ان درختوں سے کہو کہ اپنی اپنی جگہ واپس ہو جائیں میں

نے انہیں یہ پیغام دیا تو وہ جدا ہو گئے۔

۞ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں ایک بار ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہمرکاب تھے، ہم نے اس موقع پر آپ سے نہایت تعجب خیز امر (معجزہ) دیکھا۔ وہ یہ کہ ایک جگہ ہمارا گزر ہوا جہاں درخت تو تھے مگر دور دور، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے غیلان! ان دو درختوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ آپس میں مل جائیں میں ان کی آڑ میں استنجاء کرنا چاہتا ہوں، تو میں ان کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم فرما رہے ہیں کہ آپس میں مل جاؤ۔

فمادت احداهما ثم انقلعت تخد الارض حتى انضمت الى صاحبتها، فنزل رسول الله صلى الله عليه و سلم فتوضأ خلفهما و ركب ثم عادت تخد الارض الى موضعها۔

ترجمہ: چنانچہ ان میں سے ایک درخت اوپر کی طرف لمبا ہوا اور زمین سے اکھڑ گیا۔ پھر وہ چلتا ہوا دوسرے درخت کے ساتھ جا ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے ان کی آڑ میں ہاتھ دھوئے اور پھر سوار ہو گئے۔ پھر درخت واپس چلتا ہوا اپنی جگہ پہ جا کر کھڑا ہو گیا۔

۞ حضرت عبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے۔ انہوں نے ہمیں یہ واقعہ سنایا کہ ہم ایک بار سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ ایک کشادہ وادی میں اترے۔ اور قضاء حاجت فرمانے کیلئے ایک طرف چلے میں آپ کے پیچھے پانی کا برتن لے کر آیا۔ آپ نے چاروں طرف دیکھا مگر وہاں آڑ لینے کیلئے کوئی چیز (درخت وغیرہ) نظر نہ آئی۔ البتہ وادی کے کنارے پر دو درخت کھڑے تھے۔

فانطلق رسول الله صلى الله عليه و سلم إلى احداهما فاخذ بغصنٍ من اغصانها و قال انقادي على فاذن الله عزوجل لها فانقادت معهٗ كالبعير المخشوش الذي يطاوع قائدهٗ حتى اتى الشجرة الاخرى فاخذ بغصنٍ من

اغصانها فقال لها انقادی علی باذن الله فانقادت معهٗ کذالك حتی اذا کان بالمنصف بینهما جمعهما و قال التئما باذن الله تعالیٰ علی فالتئمتا۔

ترجمہ: نبی ﷺ ان میں سے ایک کے پاس گئے اور اسے ایک ٹہنی سے پکڑ کر فرمایا میرے ساتھ چلو۔ تو وہ اللہ کے اذن سے آپ کے ساتھ یوں چل پڑا جیسے نکیل انداختہ اونٹ شتربان کے پیچھے چلتا ہے۔ پھر آپ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اسے بھی یونہی کھینچ لائے اور دونوں کے درمیان میں لا کر اکٹھا کر دیا اور انہیں فرمایا کہ باہم مل جاؤ تو وہ مل گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں دور جا کر ایک جگہ بیٹھ گیا (کچھ دیر بعد) مجھے آپ کی آہٹ محسوس ہوئی میں نے (پلٹ کر) دیکھا تو آپ میری طرف تشریف لا رہے تھے اور دونوں درخت ایک دوسرے سے الگ ہو کر سیدھے کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اپنے سر سے دائیں بائیں اشارہ کیا (یعنی دونوں درختوں کو سر کے اشارے سے فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر جا کر گڑ جاؤ) (رواہ مسلم، مشکوۃ باب المعجزات)

❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بنی عامر بن صعصعہ سے ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا وہ معالج تھا لوگوں کا علاج معالجہ کیا کرتا۔ آپ سے کہنے لگا اے محمد! (ﷺ) تم کچھ (عقل سے ماوری) باتیں کرتے ہو کیا میں تمہارا علاج کروں؟

نبی ﷺ نے کھجور کے ایک درخت کو آواز دی تو وہ سجدے کرتا اور سجدے سے اپنا سر اٹھاتا ہوا نبی ﷺ کے پاس آ گیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اسے فرمایا واپس چلے جاؤ تو اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اس عامری حکیم نے یہ دیکھ کر کہا خدا کی قسم آئندہ میں تمہاری کسی بات کو جھٹلایا نہیں کروں گا۔ پھر اس نے قبیلہ بنو صعصعہ سے بھی کہہ دیا کہ آئندہ میں آپ (ﷺ) کی کسی بات کو نہیں جھٹلاؤں گا۔

یہاں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ میں کیا خوب فرمایا ہے:

فجائت لدعوته الاشجار ساجدةً

تمشي اليه على ساقٍ بلاقدمٍ

ترجمہ: آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے آئے۔ جو قدموں کے بغیر پنڈلیوں پر چلتے ہوئے آئے تھے۔

كأنما سطرت سطرًا لما كتبت

فروعها من بديع الخط في اللقم

ترجمہ: گویا ان درختوں کی شاخوں نے راہ (محبت) میں انوکھے رسم الخط کے ساتھ (آپ کی تعریف) لکھی۔

جس کے قدموں پہ سجدہ کریں جانور
منہ سے بولیں شجر دیں گواہی حجر
ہیں وہ محبوب رب مالک بحر و بر
صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج پر روانہ ہوئے، جب آپ وادی روحا (جو مدینہ منورہ سے تیس میل دور ہے) پہنچے تو آپ نے مجھے فرمایا: اے "اسیم!" (زہری کہتے ہیں کہ آپ حضرت اسامہ کو پیار سے تصغیر کے ساتھ اسیم کہتے تھے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر جانے (قضائے حاجت) کیلئے تمہیں کہیں کوئی آڑ نظر آتی ہے۔

حضرت اسامہ کہتے ہیں میں باہر نکلا اور کافی تلاش کی تا آنکہ میں تھک گیا مگر نہ

کوئی ایسی جگہ مل سکی جہاں لوگ موجود نہ ہوں اور نہ ہی کوئی آڑ نظر آئی جس کے پیچھے آدمی چھپ کر قضائے حاجت کر سکے۔ میں واپس آ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو حق دے کر بھیجنے والے رب کی قسم میں نے بہت تلاش کی مگر کوئی ایسی جگہ نہ مل سکی جہاں آدمی چھپ کر قضائے حاجت کر لے اور لوگوں سے وادی کے دونوں کنارے بھرے پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا کوئی درخت یا کچھ پتھر بھی کہیں نظر پڑے ہیں؟ میں نے کہا ہاں چند چھوٹے چھوٹے کھجور کے درخت ہیں اور ان کے قریب ہی پتھر کی کچھ سلیں ہیں۔

آپ نے فرمایا: تو پھر تم ان درختوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اللہ کا رسول تمہیں حکم دے رہا ہے کہ آپس میں مل جاؤ تا کہ ان کیلئے پردے کی جگہ بن جائے اور پتھروں سے بھی جا کر یہی کہو، تو میں ان درختوں کے پاس آیا اور انہیں کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں فرما رہے ہیں کہ باہم مل جاؤ تا کہ ان کیلئے پردہ کی جگہ بن جائے۔

فو الذی بعثہٗ بالحق لقد رأیتھن یتقافزن بعروقھن و ترابھن حتی لصق بعضھن ببعضٍ فکأنھن نخلۃ واحدۃ و قلت ذالک للحجارۃ فو الذی بعثہٗ بالحق لقد رأیتھن یتقافزن حَجَرًا حجرًا حتی صرن کأنھن جدار۔

ترجمہ: تو اس خدا کی قسم جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ درخت اپنی جڑوں اور مٹی کے ساتھ زمین سے اچھل اچھل کر باہر نکل رہے ہیں پھر یوں آپس میں مل کر کھڑے ہو گئے جیسے ایک ہی درخت ہو۔ پھر میں نے پتھر کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنایا تو اللہ عزوجل کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے دیکھا کہ وہ بھی کود کود کر ایک دوسرے پر بیٹھ رہے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی دیوار بن گئی۔

میں آپ کے پاس آیا اور ساری بات سنائی تو آپ نے فرمایا: اے اسیم یہ پانی کا برتن اٹھا لو۔ میں نے اٹھا لیا اور آپ کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم ان درختوں والی جگہ پر پہنچے تو آپ نے برتن مجھ سے لے لیا اور چل دیئے۔ آپ نے وہاں قضائے حاجت

فرمائی اور برتن اٹھائے میرے پاس واپس آئے۔ہم واپس اپنے خیمے میں آئے آپ نے مجھے فرمایا: اے اسیم! ان درختوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ اپنی اپنی جگہ واپس ہو جاؤ اور پتھروں کو بھی یہی پیغام دے دو۔

فاتیت النخلات فقلت لهن ما امرني، فو الذی بعثهٗ بالحق لقد رأیتهن یتقافزن بعروقهن و ترابهن حتی رجعت کل نخلةٍ الی مکانها و قلت ذالك للحجارة فو الذی بعثهٗ بالحقّ لقد رأیتهن یتقافزن حجرًا حجرًا حتی رجع کل حجرٍ الی مکانه فاتیته فاخبرتهٗ صلی الله علیه و سلم۔

ترجمہ: چنانچہ میں درختوں کے پاس آیا اور انہیں آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔تو اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے وہ اپنی جڑوں اور مٹی کے ساتھ اچھلتے ہوئے اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔ پھر میں نے پتھروں کو بھی آپ ﷺ کا حکم پہنچایا تو اللہ عزوجل کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے دیکھا وہ بھی ایک ایک کر کے اچھلے اور اپنی اپنی جگہ پر جا گرے۔ (اور میں نے واپس آ کر آپ ﷺ کو سارا ماجرا کہہ سنایا)''۔

اُستن حنانہ در حجر رسول (ﷺ):

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ (جمعہ وغیرہ) ارشاد فرمایا کرتے تھے جب منبر تعمیر ہوا تو وہ تنا رو پڑا۔ نبی ﷺ نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا جس سے وہ چپ ہو گیا۔

قال جابر و انا شاهد حین رنه ثم قال رسول الله ﷺ لو لم احتضنه لحن الی یوم القیامة۔

ترجمہ: (حضرت) جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اس کے رونے کا گواہ ہوں۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اگر میں اسے سینے سے نہ لگاتا تو وہ تا قیامت روتا رہتا''۔

اس واقعہ کا اشارہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور وہ دو احادیث ہیں جو حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں ایک ستون تھا جس پر مسجد کی چھت قائم تھی، حضور علیہ السلام اس کے ساتھ ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے الخ۔

(کتاب علامات النبوۃ جلد ا صفحہ ۵۰۶)

اسی جگہ ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے دلائل النبوۃ لابی نعیم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فحنت الخشبة كما تحن الناقة۔

ترجمہ: کھجور کا وہ تنا ایسے رویا کہ جس طرح اونٹنی روتی ہے۔

حضور علیہ السلام اس کے پاس تشریف لائے و وضع یدہ علیها فسکنت۔ آپ نے اپنا دست کرم اس پہ رکھا تو وہ چپ ہو گیا۔

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

دوسری روایت میں ہے:

فسمع اهل المسجد صوتها شوقا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فنزل فالزمها و قال و الذى نفسى بيده لو تركتها لحنت الى يوم القيمة۔

ترجمہ: اس کے ہجر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رونے کی آواز تمام مسجد میں گونجی جو تمام نمازیوں نے سنی۔ حضور علیہ السلام منبر سے اترے اس کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس کو یونہی چھوڑ دیتا (اور تسلی نہ دیتا) تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔

ایک اور روایت میں ہے:

فان الجذع الذى كان يخطب عليه تئن كما يئن الصبى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذا بكى لما فقد من الذكر۔

ترجمہ: جس تنے کے ساتھ حضور علیہ السلام ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے وہ (آپ کی جدائی پر) بچوں کی طرح (بلک بلک کر) رونے لگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ذکر نہ پانے کی وجہ سے رو رہا ہے۔

یاد رہے کہ قرآن مجید میں حضور علیہ السلام کو ذکر بھی فرمایا گیا ہے: قدا نزل اللّٰہ الیکم ذکرا رسولا...... (الطلاق:۱۰)

لہٰذا حضور علیہ السلام کی جدائی میں رونا ہی ثابت ہوا۔

یعنی آپ کے قرب سے جو اس کو لذت و سکون ملتا تھا وہ چھن گیا تو یہ صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے رونے لگا۔

؎ پچھ لکڑی دے اس ستون کولوں ماردیندی جدائی حضور دی اے

ذرا اس واقعہ کے متعلق مولانا روم کے چند اشعار بھی پڑھ لیں:

؎ استن حنا نہ در ہجر رسول
نالہ میزد ہمچو ارباب عقول

در تحیر ماند اصحاب رسول
کز چہ می نالد ستوں با عرض و طول

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون
گفت جانم از فراقت گشت خون

مسندت من بودم از من تاختی
برسر منبر تو مسند ساختی

(مفتاح العلوم جلد۲، صفحہ۷۸)

شجر و حجر سلام کو حاضر ہیں السلام:

درخت سے زیادہ سخت پتھر ہے اور ہمارے آقا علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ آپ کی

محبت پتھر کے سینے میں بھی گھر کر جاتی ہے جس طرح کہ حضور علیہ السلام نے جبل احد کے بارے میں فرمایا:

احد جبل یحبنا و نحبه۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: احد ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس بارے میں ایک حدیث اور اس کے بعد اصل موضوع کی طرف:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان بمکة لحجرًا کان یسلم علی لیالی بعثت انی لاعرفهٗ اذا مررت علیه۔

ترجمہ: مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے جو جن راتوں میں مجھے مبعوث کیا گیا تب وہ مجھے سلام کہتا تھا۔ (آج بھی) جب میں اس کے قریب سے گزرتا ہوں تو اسے پہچان لیتا ہوں۔

انہی سے یہ روایت اس طرح بھی ہے:

انی لاعرف حجرًا کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفهٗ۔

ترجمہ: میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام کہا کرتا تھا۔ میں اسے (آج بھی) پہچانتا ہوں۔

الغرض! سنگریزے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھتے، پتھر آپ کو سلام کرتے، درخت آپ پر جھک کر سایہ کناں ہوتے کیوں؟ اس لیے کہ

؎ یہ بارگاہ مالک "شجر و حجر" کی ہے

تیسرا معجزہ: بچہ شفایاب ہو گیا:

٥ (حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ اس سفر کا تیسرا واقعہ بیان فرما رہے ہیں:)

ثم سرنا فمررنا بماء فاتته امرأة بابن لها به جنة فاخذ النبی صلی الله علیه وسلم بمنخره ثم قال اخرج فانی محمد رسول الله ثم سرنا فلما رجعنا مررنا بذلك الماء فسئلها عن الصبی فقال و الذی بعثك بالحق مارأینا منه ریبا بعد۔ (رواہ فی شرح السنہ، مشکوۃ صفحہ ۵۴۰ باب فی المعجزات)

ترجمہ: پھر ہم چل پڑے، ایک (پانی کے) گھاٹ پر سے گذرے تو ایک عورت اپنا بچہ لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئی جسے دیوانگی تھی، حضور علیہ السلام نے اس بچے (کی ناک کا) بانسہ پکڑا اور فرمایا: نکل جا! میں محمد رسول اللہ ہوں۔

(راوی کہتے ہیں) پھر ہم چل دیے تو جب واپس اسی گھاٹ پہ پلٹے تو حضور علیہ السلام نے اس بچے کے بارے میں پوچھا وہ عورت کہنے لگی! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ کے (جانے کے) بعد ہم نے اس میں (بیماری کا) شائبہ بھی نہ دیکھا"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن راہوں سے گذرتے تھے وہاں قرب و جوار کے لوگوں کو پتہ چلتا کہ حضور کی سواری آ رہی ہے تو وہ اپنے مسائل لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے اور ان کی حاجت روائی ہو جاتی تو سرکار کے دروازے پہ حاجات لے کر جانا صحابہ کرام کی سنت ٹھہری۔

حضور علیہ السلام نے بچے کے بانسے کو پکڑ کر نکل جانے کا حکم اس کی بیماری کو دیا اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا حکم صرف بیماروں پر ہی نہیں بیماریوں پر بھی چلتا ہے بلکہ زمین و آسمان پر چلتا ہے اس لیے آپ کے دو وزیر زمین پہ ہیں دو آسمان پہ اور وزیر وہیں پہ ہوتے ہیں جہاں حکومت ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے بچے کو نہ دم کیا، نہ دعا دی بلکہ اپنا شاہانہ حکم بیماری کو صادر فرمایا اور بیماری نے فوراً آپ کی اطاعت کی تو معلوم ہوا۔

تخت ہے ان کا تاج ہے ان کا
دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
جن و ملک ہیں ان کے سپاہی
رب کی خدائی میں ان کی شاہی

(حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ)

تیسرے معجزے کی تائید میں روایات:

﴿﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک عورت اپنا بچہ لے کر آئی اور عرض گذار ہوئی کہ اس کو صبح وشام دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے۔

فمسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ و دعا فثع و خرج من جوفه مثل الجرو الاسود یسعی۔ (رواہ دارمی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۱)

ترجمہ: پس حضور علیہ السلام نے اس بچے کے سینے پہ ہاتھ پھیرا اور دعا کی یہاں تک کہ اسے قے آئی اور اس کے پیٹ سے کالے رنگ کا سانپ کا بچہ نکلا جو دوڑنے لگا۔

﴿﴾ حضرت قتادہ بن نعمان بن زید رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوۂ احد میں تیر لگنے سے باہر آ گئی جو انہوں نے پکڑ لی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے حضور علیہ السلام نے دیکھا تو سخت صدمہ ہوا یہاں تک کہ آپ کے آنسو نکل آئے پھر دعا کی:

اللھم ...... قتادة کما وقی نبیك علیه بوجهه و اجعلها احسن عینیه و احدهما نظرا۔

ترجمہ: اے اللہ قتادہ کی یوں حفاظت فرما جیسے اس نے اپنے چہرے کے ساتھ تیرے نبی کی حفاظت کی ہے (جنگ میں حضرت قتادہ اپنے چہرے کو حضور علیہ السلام کے دفاع میں ڈھال بنا کر کھڑے رہے) اور ان کی اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے زیادہ حسین اور نظر تیز تر کر دے۔

حضرت منصور بن احمد المغربی فرماتے ہیں کہ جبھی حضور علیہ السلام نے وہ آنکھ اپنے دست مبارک سے خانہ چشم میں رکھی تو وہ دوسری آنکھ سے حسین تر اور روشن تر ہو گئی۔

﴿﴾ حضرت حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد انہیں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے جبکہ ان کی آنکھیں کچھ نہ دیکھتی تھیں۔ آپ نے سوال فرمایا: تمہاری آنکھیں کیوں بے کار ہوئیں؟ انہوں نے کہا میں اپنے

اونٹوں کا علاج معالجہ کر رہا تھا کہ اچانک (بے ارادہ) میرا پاؤں سانپ کے انڈوں پر آ گیا۔ جس سے میری نظر جاتی رہی۔ نبی ﷺ نے ان کی آنکھوں میں تھتکارا تو وہ بینا ہو گئے۔

راوی کہتا ہے پھر میں نے انہیں دیکھا کہ وہ اسی (۸۰) برس کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے مگر آنکھیں دیکھنے میں بدستور سفید تھیں۔

۞ حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ روز بدر میری آنکھ میں تیر آ لگا جس سے وہ پھوٹ گئی۔ نبی ﷺ نے اس میں لعاب دہن لگایا اور میرے لیے دعا فرمائی تو مجھے یوں لگا جیسے آنکھ کو کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

۞ نبی ﷺ نے حضرت علی کی آنکھوں میں فتح خیبر کے دن لعاب دہن ڈالا تھا کیونکہ ان کی آنکھیں خراب تھیں تو اسی وقت ان کی تکلیف رفع ہو گئی۔ اور پھر زندگی بھر ان کی آنکھیں خراب نہیں ہوئیں۔

۞ سید الانبیاء ﷺ کے پاس مریض اور زخمی لائے جاتے تھے۔ آپ ان کیلئے دعا فرماتے اور تکلیف زدہ حصے پر اپنا دست مبارک پھیر دیتے تو وہ فوراً تندرست ہو جاتے۔

ایک مریض جو (بیماری کی وجہ سے سوکھ کر) پرندے کے نحیف بچے کی طرح ہو چکا تھا۔ آپ نے اس کیلئے دعا فرمائی تو وہ یوں طاقت ور ہو گیا جیسے طاقت ور جانور رسی تڑوا کر بھاگ جاتا ہے۔

امام ابو نعیم لکھتے ہیں: ایسے ہی بے شمار واقعات ہیں کہ لوگ آپ کے پاس آئے اپنا مرض اور تکلیف بیان کی، آپ نے ان کیلئے دعا فرمائی تو انہیں عافیت مل گئی اور تمام امراض جاتے رہے۔

۞ حضرت ابیض بن حمال مازنی سے روایت ہے کہ ان کے چہرے پر مرض قوباء (چیچک) تھا تا آنکہ ان کے ناک پر بھی مرض کا اثر ہو گیا۔ نبی ﷺ نے انہیں

بلایا۔ اور ان کے چہرے پر دست مبارک مل دیا۔ ابھی رات نہ پڑی تھی کہ چہرہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی مرض تھا ہی نہیں۔

۞ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ کے گھر ہنڈیا میں گوشت پک رہا تھا مجھے اس میں سے چربی بڑی پسند آئی جو میں نے نکال کر بڑی جلدی سے منہ میں ڈال لی۔ مگر اس کے بعد میں ایک سال تک (معدے کی) اس تکلیف میں مبتلا رہا۔ آخر میں نے اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا: اس میں سات آدمیوں کا حصہ تھا۔ پھر آپ نے میرے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو وہ چربی تازہ حالت میں قے کے ذریعے باہر آ گئی۔ تو اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تب سے آج تک مجھے پیٹ کا کوئی بھی مرض لاحق نہیں ہوا۔

۞ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے لاعلاج مریض لے کر آتے آپ انہیں ایک پانی پلاتیں تو وہ شفایاب ہو جاتے جب آپ سے پوچھا گیا کہ یہ آپ کے پاس کونسا آب حیات ہے جو ہر مریض کو شفا دے دیتا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تہبند شریف ہے جسے آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے، میں اسے پانی میں بھگو کر نچوڑتی ہوں اور نچڑا ہوا پانی مریضوں کو پلا دیتی ہوں اللہ اپنے حبیب کریم کے جسم کی برکت سے شفا دے دیتا ہے۔ دیکھئے خصائص کبریٰ از علامہ سیوطی)۔

ایک وضاحت:

قارئین کرام! ایک وضاحت کر دوں کہ جس حدیث کو میں نے اپنی تقریر کا عنوان بنایا ہے چند دن پہلے محفل میلاد میں ایک مقرر نے اپنے تقریر کے آخری حصہ میں یہ حدیث اختصار کے ساتھ بیان کی۔ مجھے حدیث بہت پیاری لگی، میں نے سوچا کہ اس حدیث کو تفصیلاً بیان کرنا چاہئے حدیث میں بیان ہونے والے دو معجزات تو مجھ

اللہ تفصیل سے بیان ہو گئے جبکہ تیسرے معجزے کی تائید میں بھی میرے سامنے مختلف کتب کے حوالوں سے کئی صحیح احادیث وروایات موجود ہیں اگر ان تمام کو من وعن درج کروں تو ہو سکتا ہے اتنا ہی مواد (جتنا کہ اب تک اس حدیث کے تحت لکھ چکا ہوں) اور اکٹھا ہو جائے لیکن صرف ہر حدیث سے عنوان کی شکل میں خلاصہ لکھ رہا ہوں تاکہ زیادہ طوالت نہ ہو جائے۔

جو حضرات ان روایات و واقعات کی تفصیل پڑھنا چاہیں ان کیلئے محولہ کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔ تو ملاحظہ فرمائیں۔

- حضرت ام اسحاق کو سخت پریشانی کے عالم میں حضور علیہ السلام نے اپنے مستعمل پانی کے چھینٹے سے نواز جس سے ان کے ساری عمر کیلئے تمام غم ہوا ہو گئے، بڑی سے بڑی مصیبت پہ آنسو آنکھوں میں دکھائی دیتے مگر رخسار پہ نہ گرتے یعنی آنسو تو خشک ہو گئے مگر دل اطمینان پا گیا۔ (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۲، تاریخ کبیر للبخاری)
- حضرت محمد بن حاطب کے جلے ہوئے ہاتھ پہ آپ نے تھتکارا اور یہ دعا پڑھی:

اذهب الباس رب الناس و اشف انت الشافی لا شفاء الاشفاءك شفاء لا يغاد سقما۔

ترجمہ: اسی وقت ہاتھ تندرست ہو گیا۔ (مستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۶۲)

- حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اور لعاب دھن مبارک منہ میں ڈالا جس سے حافظہ مضبوط ہو گیا، سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی اور شیطان چلتا بنا۔ (ایضا)
- آپ کی دعا سے آسیب زدہ کئی لوگ شفایاب ہو گئے۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۔ طبرانی۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم)

- آپ کے لعاب دہن کی برکت سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خراب آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہو گئیں اور سردی گرمی کی شدت کا احساس ختم ہو گیا یعنی نہ آپ کو سردی تکلیف دیتی تھی نہ گرمی۔ (عن عبدالرحمن بن ابی لیلی۔ دلائل لابی نعیم)

۞ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اور حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بھوک جاتی رہی۔ چہرے کی زردی ختم ہوگئی اور سرخی آ گیا۔ (ایضاً)

۞ حضرت مقداد کے مال میں برکت کی دعا کی تو ان کے گھر میں چہل پہل ہوگئی۔ (ایضاً صفحہ ۴۱۰)

۞ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی تو میاں بیوی کی نفرت شدید محبت میں تبدیل ہوگئی۔ دعا یہ تھی۔

اللھم الف بینھما و حبب احدھما الی الاخر۔ (ایضاً صفحہ ۴۰۸)

۞ آپ نے دعا فرمائی تو فرشتے نازل ہو گئے جنہوں نے کفار کو کاٹ کے رکھ دیا۔ دعا یہ تھی:

یا مالك یوم الدین ایاك نعبد و ایاك نستعین۔ (ایضاً)

۞ حضور علیہ السلام کی دعا سے ترانوے (۹۳) سال کی عمر میں صحابی (عمرو بن اخطب) کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا۔

۞ آپ کی دعا سے ایک صحابی (نابغہ بن جعد) کے سو (۱۰۰) سال کی عمر میں بھی دانت قائم رہے اور یہ دعا صحابی سے ایک شعر سن کر خوشی کی حالت میں فرمائی۔ شعر یہ تھا:

بلغنا السماء مجدنا و ثراءنا
و انا لنرجوا فوق ذلك مظھرا

ترجمہ: ہم نے اپنی عظمت اور بھلائی آسمان تک پہنچا دی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس سے بھی اوپر ہماری عظمت کا مظہر قائم ہو۔ (ایضاً)

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اہل مکہ پہ قحط سالی پھر اپنے جانی دشمنوں کی درخواست پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے نزول رحمت ہوا اور قحط سالی دور ہو کر خوشحالی و ہریالی آ گئی۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۱۰ کتاب التفسیر)

- آپ ﷺ کی دعا سے پہلے خشک سالی وفاقہ کشی تھی ایک دیہاتی کی درخواست پر آپ نے دعا فرمائی تو پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی اور پھر آپ ہی کی دعا سے آسمان صاف ہو گیا۔ یہ ایمان افروز حدیث امام بخاری علیہ الرحمۃ نے تقریباً سترہ مرتبہ صحیح بخاری میں مزے لے لے کر لکھی ہے ایک حوالہ یہ ہے۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۳۸)
- ایک صحابی (حضرت جریر بن عبداللہ بجلی) گھوڑے کی پیٹھ پہ جم کر نہ بیٹھ سکتے تھے حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پہ دست اقدس لگایا اور یہ دعا کی: اللھم ثبته و اجعله هاديا مهديا۔ اے اللہ اسے قائم رکھ اور ہدایت یافتہ و ہدایت کنندہ بنا دے۔ اس کے بعد وہ گھوڑے سے کبھی نہ گرے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم)
- ابولہب کے بیٹے عتبہ نے حضور علیہ السلام کا دل دکھایا تو آپ نے اس کے خلاف دعا فرمائی اللھم ابعث علیه کلبا من کلابك۔ اے اللہ اپنے درندوں میں سے اس پر کوئی درندہ مسلط فرما دے۔ چنانچہ یہ قافلے کے ساتھ سفر میں گیا اور حضور علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے ابولہب نے اس کو سامان کے اوپر سلایا اور پورا قافلہ اس کے اردگرد سو گیا، شیر آیا اور سب کو سونگھتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور اپنا پنجہ مار کر اس کی کھوپڑی کو پھاڑ دیا۔ (ایضا)
- حضور علیہ السلام نے ایک صحابی (ابوقرصافہ) کی بکریوں کے تھنوں اور پشتوں پہ ہاتھ پھیر کر دعا کی تو بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے اور موٹی بھی ہو گئیں۔ اس صحابی کی خالہ ان کو حضور علیہ السلام کے پاس جانے سے روکا کرتی تھی کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے گا (استغفراللہ) لیکن جب بھانجے نے بتایا کہ ایسا حضور علیہ السلام کی برکت سے ہوا ہے تو خالہ اور خالو نے کہا ہمیں بھی دربار رسالت میں لے چلو اور پھر حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ (ایضا)
- ایک شخص نماز کی حالت میں اپنے بالوں کو زمین پہ لگنے سے بچا رہا تھا آپ نے فرمایا: اے اللہ! اس کے بال بدنما کر دے چنانچہ سر کے تمام بال گر گئے۔ (ایضا)

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اٹھے تو بجلی پناہ مانگے گرے تو خانہ خراب کر دے

ابوثروان نے حضور علیہ السلام کے ساتھ بدتمیزی کی تو آپ نے دعا کی: اے اللہ اس کی بدبختی کو لمبا کر دے۔ چنانچہ بعد میں یہ ایمان بھی لے آیا لیکن کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے میرے لیے بعد میں دعا واستغفار بھی کی مگر پہلی دعا (تقدیر بن کر) سبقت لے گئی، لہٰذا اتنا بوڑھا ہو گیا کہ موت کی تمنا کرتا مگر بہت دیر بعد موت آئی اور حضور علیہ السلام کی دعا کا اثر زمانے نے دیکھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم)

سینۂ مصطفی غم امت کا گنجینہ:

الغرض: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے شب وروز دیکھے جائیں تو امت کے دکھوں پہ آپ کی سیرت طیبہ تڑپتی نظر آتی ہے۔ ذرا دیکھو تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہودی نے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کیا تو دوڑتے ہوئے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آتے ہیں کیونکہ پتہ تھا کہ "عزیز علیه ما عنتم" کی شان والے آقا ہم میں سے کسی کے کسی معاملہ سے بھی لاتعلق نہیں ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ لیا تو نے، دیا یہودی نے، اب وہ واپسی کا مطالبہ کرتا ہے تو میں کیوں مداخلت کروں۔

ہم جیسے چھوٹوں کو چند ٹکے یا معمولی منصب مل جائے تو کسی غریب کے مسئلے کو چھوٹا مسئلہ کہہ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان معمولی جھگڑوں میں نہیں پڑتے، ارے ظالم! تجھے کیا معلوم کہ جس کو تو معمولی کہہ کر کنارہ کشی کر رہا ہے وہ اس غریب کی ساری عمر کی پونجی ہو۔

حضور علیہ السلام حضرت جابر سے بھی زیادہ بے چین ہو کر ان کے ساتھ چل دیے، یہ بھی نہ سوچا کہ یہودی کے پاس جا رہا ہوں جو میرا اور میرے دین کا دشمن ہے کوئی تکلیف ہی نہ پہنچا دے، بس یہی تڑپ ہے کہ جابر کی تکلیف رفع ہو جائے میری خیر ہے۔ ہم لوگ صرف الیکشن کے دنوں میں دوسروں کی بظاہر خیر خواہی کرتے ہیں وہ بھی

ووٹ کیلئے نہ کہ رضائے الٰہی کیلئے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہر وقت پیش نظر ہے۔

الخلق کلھم عیال الله احبھم الیه انفعھم۔

ترجمہ: ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ساری مخلوق میں سے اللہ کو زیادہ پیارا وہی ہے جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

(یہ الگ بات ہے کہ یہاں لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی کسی کو نفع پہنچا ہی نہیں سکتا، مگر یہ عقیدہ بعد کا ہے ورنہ حضور علیہ السلام ایسا نہ کرتے)

حضور علیہ السلام نے جا کر یہودی کو فرمایا کہ جابر کے باغ میں اتنا پھل نہیں ہے کہ تیرا قرضہ ادا ہو سکے لہٰذا اس کو تھوڑی مہلت دے دے، یہودی نہ مانا، حضور علیہ السلام واپس آ کر حضرت جابر کے باغ میں گئے تو پھل واقعی ادائیگی قرض سے کم تھا، پھر یہودی کے پاس گئے اور فرمایا: میں ابھی دیکھ کر آیا ہوں واقعی پھل تیری رقم سے تھوڑا ہے، یہودی پھر بھی مہلت دینے پر تیار نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام واپس حضرت جابر کے ہاں تشریف لائے، تھکن محسوس کی اور عرش کا مکین مٹی کے چبوترے پہ چادر بچھا کر لیٹ گیا اور دنیا کے لیڈروں کو یہ پیغام دیا کہ تختوں پہ نرم و نازک بستروں پر آرام کرنے والو! اگر کبھی کسی غریب کی جھونپڑی میں جانا ہو تو وہاں جا کر نرم و گداز بستروں کا مطالبہ نہ کیا کرو بلکہ اس کے حال کے مطابق گذارا کر لیا کرو اور اس کی دال کو بھی مرغی کے برابر سمجھ لیا کرو۔

تا کہ اس کا دل بھی خوش ہو جائے اسی لیے حضور علیہ السلام نے ساری زندگی ایک غریب شخص کی طرح گذاری اور اپنے گھر والوں کیلئے بھی اللہ سے یہی دعا کی اللھم اجعل رزق ال محمد قوتا۔ اے اللہ! میرے گھر والوں کا رزق گذارے موافق کر دے حالانکہ اللہ نے پہاڑوں کو سونے کا بنا کر ساتھ چلا دینے کی پیشکش بھی فرمائی، تا کہ کوئی امیر اگر یہ کہے کہ میں نے فلاں نواب کی طرح ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گذاری ہے تو غریب یہ کہہ سکے کہ میں نے محبوب خدا کی طرح زندگی گذاری ہے زندگی بھی

گذر جائے اور سنت کا ثواب بھی مل جائے۔

عمر اک دن ہو کہ سو سال گذر جاتی ہے
دوش پہ کمبل ہو یا پھر شال گذر جاتی ہے
گر امیروں کی با قبال گذر جاتی ہے
پھر غریبوں کی بہر حال گذر جاتی ہے

حضور علیہ السلام نے تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور جا کر پھر مہلت مانگی، یہ بھی نہ سوچا کہ پہلے بار بار وہ انکار کر چکا ہے اب میرے طرف سے تو حجت پوری ہو گئی نہیں مانتا تو نہ مانے حضرت جابر کو بھی حضور علیہ السلام سے کوئی گلہ نہ تھا لیکن آقا سے اپنے غلام کی بے چینی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے
بے خبر ہو جو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے

فرمایا: اے جابر! چل میرے ساتھ باغ میں میں پاس کھڑا ہوتا ہوں تو اتارتا جا اور یہودی کو دیتا جا اللہ تیرا قرض ادا کر دے گا اور ایسے ہی ہوا کہ قرض بھی ادا ہو گیا اور پھل بھی بہت سارا بچ گیا یہ ہے تصدیق ''و بالمؤمنین رؤف رحیم'' کی اور یہ ہے جلوہ انما انا قاسم و الله یعطی کا۔

حدود طائف میں زخم کھا کر دعا کے سکے لٹانے والا
بریدہ جسموں پہ سبز چادر عطا و بخشش کی ڈال دے گا
میں دکھ کی چادر میں زخم اپنے چھپائے پھرتا رہوں گا کب تک
وہ کملی والا وہ سب کا آقا مجھے بھی رحمت کی شال دے گا
وہ جس کی خوشبو چمن چمن ہے من سمن ہے دہن دہن ہے
وہ پھول باغ جہاں میں دکھتے دلوں کے کانٹے نکال دے گا
جناب ختم الرسل کے صدقے ''ریاض'' پیر فلک مجھے بھی
غموں کے گہرے سمندروں سے ضرور ایک دن اچھال دے گا

پہلے تقسیم پھر عطا کا ذکر:

بات چل نکلی تو سنتے جائیں اور وہ یہ کہ عطا پہلے ہوتی ہے اور تقسیم بعد میں مگر حضور علیہ السلام نے پہلے اپنی تقسیم کا ذکر کیا پھر اللہ کی عطا کا کیونکہ لوگوں کو راشن سے غرض ہوتی ہے انہیں کیا کہ حکومت نے ڈپو پہ کتنا بھیجا ہے کب بھیجا ہے، اور انہیں کہا بھی یہی جائے گا کہ کپڑے بچھاؤ دامن پھیلاؤ اور بھر بھر کے لیتے جاؤ تمہیں کیا لگے اس بات سے کہ ہمارے پاس کتنا ہے۔ فرمایا: میں تقسیم کرنے والا ہوں تم دامن پھیلاتے جاؤ اور لیتے جاؤ باقی رہا یہ کہ میرے رب نے مجھے کتنا دیا ہے اس سے تمہیں کیا غرض! یہ میرا اور میرے رب کا معاملہ ہے، جب اس نے فرما دیا ہے و اما السائل فلا تنھر، تو سمجھ جاؤ ناں کہ اس نے مجھے کم از کم اتنا تو دیا ہے ناں کہ سائل کو جھڑکنے اور خالی لوٹانے کی نوبت نہ آئے گی۔ اگر حکومت دے کچھ نہ اور یہ کہے جو بھی آئے دیتے جانا کسی کو خالی نہیں موڑنا تو یہ مذاق ہے یا نہیں؟ اور ساری دنیا مذاق کرتی رہے اللہ تو مذاق نہیں کرتا اور پھر حضور سے؟ ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں

لہٰذا اس عقیدے کے باطل ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ ''جس کا نام محمد و علی ہو وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں ہے''۔ (تقویۃ الایمان)

ہمیں تو اس ماحول میں امام اہل سنت کا عقیدہ سچا نظر آ رہا ہے۔

؎ منگتے ہیں مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
لب واہ ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے

میرے آقا کی بارگاہ سے تو کوئی جنت بھی مانگتا ہے تو پہلے ہی سوال میں دے کر فرماتے ہیں او غیر ذلک۔ جنت تیری ہو گئی کچھ اور بھی مانگنا ہے تو مانگ لے۔

حضور علیہ السلام کی امت پہ شفقت:

زیر عنوان حدیث میں حضور علیہ السلام کا پہلا معجزہ (اونٹ کا دکھ دور کرنا) اور تیسرا معجزہ (بچے کی بیماری کا دور کرنا اور واپس آکر پھر اس کی خبر گیری) سے ہمارے آقا کی شان رحمت و رافت چھلکتی نظر آرہی ہے جس پر تھوڑا سا اظہار خیال ضروری ہے تا کہ موضوع میں تشنگی باقی نہ رہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے عزیز علیہ ما عنتم ۔ میرے محبوب پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔

دیکھو! اونٹ کی پریشانی دیکھو حضور علیہ السلام اس کے پاس ٹھہر گئے حالانکہ خدا جانے کتنا ضروری سفر تھا اور ساتھ صحابہ کرام بھی تھے آج بھی اگر کوئی شخص قافلے کے ساتھ جارہا ہو تو کتنا ہی رحمدل کیوں نہ ہو انسان کی تکلیف پہ ٹھہرے تو ٹھہرے مگر جانور کی تکلیف پہ کون ٹھہرتا ہے؟ پھر بچے کی بیماری اسی وقت رفع ہو گئی تھی لیکن واپس اسی راستے سے آنا اور پھر پوچھنا کہ بچے کا کیا حال ہے کیا اس سے حضور علیہ السلام کی شان ''عزیز علیہ ما عنتم '' ثابت نہیں ہو رہی۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

''عزیز'' کا معنی ہے غالب مگر اس کا صلہ یعنی اس کے بعد اگر علی آجائے تو پھر اس کا معنی ہوتا ہے دکھ درد محسوس کرنے والا۔ ان دونوں معنوں میں تعلق یہ ہے کہ ہر جاندار جسم میں ایک نظام احساسات ہے جس طرح اگر جسم کے کسی حصے میں سوئی چبھے تو درد صرف وہی جگہ محسوس نہیں کرتی بلکہ سارا جسم محسوس کرے گا لیکن اگر جسم شل ہو جائے یا کوئی نشہ آور چیز کھالے یا ٹیکے کے ذریعے جسم سن کر دیا جائے تو جسم لکڑی پتھر کی طرح ہو جاتا ہے اور جسم کے اس حصے کو دوسرے حصے کی درد محسوس نہیں کرتا۔

وجہ اس کی یہی ہے کہ دماغ کو نظام احساست میں پورے جسم پہ غالب بنا دیا گیا

ہے لہٰذا جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو دماغ اس کا ضرور احساس کرے گا ورنہ مطلب یہ ہوگا کہ عضو شل ہے یا دماغ ماؤف، اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو جسم کی طرح بنا کر اپنے محبوب کو اس میں دماغ کی حیثیت دے دی اب کائنات کے جسم میں جہاں بھی درد ہوگا خواہ کیسا ہی ہو دماغ کائنات کو اس کا احساس ہو جائے گا اور وہ تڑپ جاتا ہے، کوئی پکارے نہ پکارے ان کو خبر ہو جاتی ہے آخر جسم دماغ کو پکارتا تھوڑا ہی ہے، کوئی گناہ کرے تو وہ تڑپ جاتے ہیں انسان ہو یا جانور کسی کو تکلیف ہو تو حضور علیہ السلام بے چین ہو جاتے ہیں، اپنی امت کیلئے رو رو کر غاروں میں جا جا کر دعائیں کرتے ہیں، وہ احساس جو تمہارے وجود میں پیدا ہوا ہے اس پر احاطہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، کبھی ہم اپنے گناہوں سے باخبر بھی نہیں ہوتے مگر ہمارے آقا اپنے رب سے دعائیں کر کے بخشوا بھی لیتے ہیں، ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے رب کو ناراض کر بیٹھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گورے گورے نورانی ہاتھ اٹھا کر ہمارے لیے رب کے غضب کو رحمت میں تبدیل فرما رہے ہوتے ہیں، ارے وہ دماغ ہی کیا جو جسم کے احوال نہ جانے اور وہ نبی ہی کیا جو امت کے حالات سے بے خبر ہو۔

؎ کرم کرنے قبر میں جب میری سرکار آئیں گے
سماں پر کیف ہوگا جب میرے دلدار آئیں گے

اور پھر دماغ چونکہ خبر گیری کے اعتبار سے سارے جسم کے قریب ہوتا ہے اس لیے فرمایا: النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم ۔ میرا نبی اہل ایمان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہے۔ چاہے اس کو روحانی قرب مانو یا جسمانی، بات ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ میرے حبیب کی رحمت ہر وقت تمہاری نگہبانی و سرپرستی بھی کرتی ہے اور راہنمائی و پیشوائی بھی کرتی ہے، اتنا تمہیں اپنا خیال نہیں جتنا میرے پیارے کو اپنی پیاری امت کا خیال ہے، تمہاری جان بھی کبھی تمہیں دھوکہ دے سکتی ہے جیسا کہ جہاد پہ جانا کئی طبیعتوں پہ دشوار گذرتا ہے (و ھو کرہ لکم) مگر میرا حبیب تمہارے ساتھ

کسی جگہ بھی بے وفائی نہیں کرے گا۔ تم کہتے رہو کہ اگر پتہ ہوتا کہ ستر صحابہ کرام کو شہید کر دیا جائے گا تو بھیجتے کیوں؟ مگر وہ تو امت کے فائدے ہی کا کام کرتے ہیں وہ کیوں ان کو شہادت کے درجے سے محروم کرتے، اور میری تقدیر میں دخل دیتے۔ کیا اگر وہ صحابہ نہ جاتے تو بچ جاتے، جب ان کی زندگی مکمل ہو گئی تھی تو کیوں نہ جاتے اور میرے محبوب انہیں کیوں روکتے؟ دنیا کی ساری دوستیاں ایک جگہ جا کر ختم ہو جاتی ہیں، کوئی مفاد پرستی کی وجہ سے کوئی کسی وجہ سے ورنہ موت کے وقت ماں اور باپ بھی قبر میں ساتھ نہیں جاتے، پھر بندہ سوچتا ہے کہاں گئے وہ جان قربان کرنے والے، محبتوں کے وعدے کرنے والے، تو مدینے سے آواز آتی ہے اگر سب نے تجھے چھوڑ دیا ہے تو میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔

؎ محمد بوٹیا جھوٹا ای جگ سارا
سچیاں سوہنے محمد دیاں یاریاں نیں

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مصیبت آئے تو بندہ واویلا کرے گا تو دوسروں کو اس کی مصیبت کا علم ہو جائے گا یا اگر صبر بھی کرے گا اور زبان سے کچھ نہ کہے گا مگر چہرے کے آثار خوشی وغمی کا پتہ بتا ہی دیتے ہیں، کئی صابروں کے سردار ہوتے ہیں ان کے چہرے بھی نہیں بتاتے مگر ان کی بھی جان کو تو احساس ہو ہی جاتا ہے تو جو جان سے بھی قریب ہو وہ کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔

؎ جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

جان میں جان کیا نظر آئے:

معلوم ہوا کہ جتنا بھی چھپ کر گناہ یا نیکی کرو جان جان جا ئیگی لہذا جو جان جہان ہیں وہ ہمارے نیک و بد اعمال سے بھی باخبر ہیں اسی لیے فرمایا: و یکون الرسول علیکم شھیدا۔ اس کی تفسیر پڑھ لو علماء نے یہی لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام ہمارے اعمال سے باخبر ہیں۔

پھر جب حضور علیہ السلام جان کی بھی جان ٹھہرے تو جب ہمیں جان نظر نہیں آتی تو جان کی جان کیسے نظر آئے۔

تن ز جان و جاں زتن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

اس جان جاں کو دیکھنا ہو تو سر کی آنکھ کافی نہیں بلکہ وہ آنکھ چاہیے جو اولیاء کاملین کو ملی ہے اور جس سے دیدار کر کے مولانا روم نے کہا:

شب کہ چشم بر جمال یار بود
من بخوابم بخت من بیدار بود

حضرت شیخ ابو العباس مرسی فرماتے ہیں اگر ایک لمحہ بھی حضور علیہ السلام مجھے نظر نہ آئیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔ جب ہمیں جان نظر نہ آئے ایمان نظر نہ آئے تو جان جان اور جان ایمان کیسے نظر آئے۔

اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اس موضوع کو علامہ اقبال کے فارسی کلام پہ ختم کر رہا ہوں جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام کی انہی شانوں کو پیش نظر رکھ کر کبھی سارے جہاں پہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جلوے کا ذکر کیا ہے، کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک نظر کرم کی بھیک مانگی ہے، کہیں غلاموں کو آقائی عطا کرنے کی شان کا ذکر کیا ہے اور کہیں غفلت میں سوئی ہوئی امت کی روح کو انقلاب کی طرف متوجہ کیا ہے۔

-1 شش جہت روشن ز تاب روئے تو
ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو

-2 در جہان شمع حیات افروختی
بندگان را خواجگی آموختی

-3 گرد تو گردد حریم کائنات
از تو خواہم یک نگاہ التفات

-4 از تو بالا پایۂ ایں کائنات
فقر تو سرمایۂ ایں کائنات

-5 اے پناہ من حریم کوئے تو
من بامیدے رمیدم سوئے تو

-6 از تو ما بے چارگاں راساز و برگ
وا رہاں این قوم را از ترس مرگ

-7 تا مرا افتاد بر رویت نظر
ازاب و ام گشتۂ ای محبوب تر

ترجمہ: 1- ''یارسول اللہ! چھ اطراف (یمین و یسار، قدام، خلف، تحت، فوق یعنی آگے پیچھے، نیچے اوپر، دائیں بائیں) نے آپ ہی کے چہرے کے نور سے روشنی پائی ہے، ترکی، ایرانی اور عربی آپ ہی کے غلام ہیں''۔

-2 جہان میں زندگی کی شمع آپ ہی نے روشن فرمائی ہے اور غلاموں کو اے میرے آقا! سرداری آپ ہی نے سکھائی ہے

-3 حضور! آپ ہی کے گرد ساری کائنات کا دائرہ گھومتا ہے، میں آپ سے ایک نگاہ کرم کی بھیک کا سوال کرتا ہوں۔

-4 اے محبوب رب کائنات! آپ ہی کے دم قدم سے اس کائنات کا مرتبہ بلند ہوا آپ کے در کی گدائی اس کائنات کا سرمایہ ہے۔

-5 اے کائنات کے ملجأ و ماوٰی! آپ کی بارگاہ میری پناہ گاہ ہے، میں بڑی امید

لے کر آپ کے دربار میں (دنیا سے) بھاگ کر آیا ہوں۔

6- یا حبیب اللہ! آپ کی محبت ہی ہم بے چاروں کی دنیا و آخرت کا ساز و سامان ہے، اس (غافل) قوم کو جو موت کے ڈر سے جہاد چھوڑ چکی ہے، موت کے ڈر سے رہائی عطا کیجئے۔

7- اے میرے آقا و مولی! مجھے ایسا بنا دیں کہ میری نظر آپ کے چہرۂ اقدس پہ پڑے (یا جب سے نظر آپ کے چہرے پہ پڑی ہے) تو آپ مجھے ماں باپ سے بھی بڑھ کر پیارے ہو جائیں۔

(یاد رہے کہ صحابہ کرام میں سے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی باتیں یاد کر کے رویا کرتے تھے بلکہ حضرت معاذ تو حضور علیہ السلام کی قبر انور پہ جا کر آہ و زاری کرتے تھے۔ (مشکوۃ صفحہ ۴۵۵)
علامہ اقبال کے مندرجہ بالا اشعار سے صحابہ کرام کی بابرکت زندگی کے وہ مناظر یاد آ رہے ہیں)

ؔ زمانہ حیران کہ اک بشر آسماں پہ پہنچا تو کیسے پہنچا
میں محو حیرت کہ عرش کی جاں فرش پہ کس طرح رہی ہے

------☆☆☆------

تقریر نمبر ۱۱:

اے میرے بندو!

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ط
ان الله یغفر الذنوب جمیعا ط انه هو الغفور الرحیم ۔ (الزمر:۵۳)

ترجمہ: (اے پیارے حبیب آپ) فرما دیجئے اے میرے وہ بندو جنہوں نے (گناہوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو کر) اپنی جانوں پہ زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیہ کریمہ کے شان نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ چند آدمیوں نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ کا دین تو بے شک حق اور سچ ہے لیکن ہم (ڈرتے ہیں کہ ہم) نے بڑے بڑے جو گناہ کئے ہیں ان کا کیا بنے گا، کیا وہ معاف ہو جائیں گے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت کے ابتدائی الفاظ کتنے پیارے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یا ایھا الناس کہہ کر بھی خطاب فرما سکتا تھا۔ یا ایھا الذین امنو بھی فرمایا جا سکتا تھا مگر نہیں، ی ضمیر کے بغیر ''اے بندو'' بھی کہا جا سکتا تھا۔ یعبادی کہنے میں حکمت کیا ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اپنے گناہ گار بندوں کے ساتھ پیار کی انتہا ہے کہ فرما رہا ہے اے میرے پیارے بندو!

بلاتشبیہ و تمثیل یوں سمجھیں کہ ایک شخص کے کئی بیٹے ہوں کچھ تابعدار ہوں اور کچھ نافرمان اور بڑا عرصہ نافرمانی کرتے رہے ہوں اور بڑی بڑی نافرمانیاں کر کے باپ کے پیار کے بارے میں مایوس ہو چکے ہوں کہ اب ہم اپنے باپ کا پیار کہاں سے

حاصل کر سکتے ہیں، بس اب کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہمیں اپنے باپ کا پیار مل سکے کیونکہ ہم نے اس کو تنگ ہی اتنا کیا ہے اور باپ جانتا ہو کہ یہ میرے بارے میں کیسا ذہن بنا کر بیٹھے ہیں اس پر باپ کو ترس آئے اور وہ محبت پدری کے جذبات سے سرشار ہو کر کہے! اے میرے پیارے بیٹو! تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہاری کس قدر محبت ہے۔ اگرچہ تم نے مجھے بہت ستایا ہے لیکن مایوس کیوں ہوتے ہو مجھے باپ کہہ کر تو دیکھو پھر دیکھنا محبت پدرانہ کا نظارا کہ تمہاری نافرمانیاں کس طرح معاف ہوتی ہیں۔ یہ ایک فطرتی بات ہے کہ باپ کو ایسی اولاد پر زیادہ ترس آتا ہے۔

ان کا ضمیر سوچ کی کالی چٹان ہے
جن کی نظر میں عشق بھی وہم وگمان ہے

اللہ تعالیٰ لم یلد و لم یولد ہے مثال صرف سمجھانے کیلئے دی ہے کچھ یہی انداز اس آیت میں بھی دکھائی دیتا ہے کہ جن بندوں نے خدا کی نافرمانیاں کر کر کے اپنے آپ کو رب کی رحمت سے مایوس کر لیا ہے ان کو کہا جا رہا ہے اے میرے پیارے بندو! تمہیں کیا پتہ تمہارا رب تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ ماں اپنے اکلوتے بیٹے سے کیا محبت کرے گی جتنی محبت تمہارا رب تمہارے ساتھ فرماتا ہے۔ تم ایک بار اللھم لبیك کہہ کر تو دیکھو اس کی بارگاہ سے دس بار یا عبدی کی ندا آئے گی۔ اور یہ خطاب نیکوکاروں، پرہیزگاروں کو نہیں وہ تو اپنی نیکی و تقوی کی وجہ سے پہلے ہی خدا کے پیارے ہیں یہاں تو خطاب ان سے ہے الذین اسرفوا علی انفسھم۔ (وہ جو اپنی جانوں پہ ظلم کر بیٹھے ہیں) یعنی بڑے بڑے گناہگار۔ حضور علیہ السلام کا بھی ارشاد ہے: شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ میری شفاعت بڑے بڑے گناہگاروں کے لیے ہے۔

میرا اللہ بھی کریم اس کے محمد بھی کریم
دو کریموں میں گناہ گار کی بن آئی ہے

پھر یہاں پہ ایک اور بڑی عجیب بات سمجھنے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا: یعبادی۔ بلکہ اپنے محبوب علیہ السلام کو فرمایا: قل یعبادی اے پیارے تو کہہ دے

اے میرے پیارے بندو!

اس کو بھی ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک غلام کا آقا پیار بھی کرتا ہو اور غصے بھی ہوتا ہو، اس میں جلال بھی ہو اور جمال بھی، سزا بھی دیتا ہو اور معاف بھی کرتا ہو تو اس غلام سے اگر کوئی نافرمانی ہو جائے اور آقا درگذر کر دے۔ تو درگذر کرنے کے باوجود بھی غلام کے دل میں یہ خیال ضرور آتا رہے گا کہ خدا جانے کب جلال میں آ جائے اور اگلے پچھلے حساب لینا شروع کر دے۔ لیکن اس آقا کا کوئی پیارا جس میں جمال ہی جمال ہے جلال نہیں، جس میں پیار ہی پیار ہے مار نہیں۔ جس میں معاف کرنے ہی کی صفت ہے سزا دینے کی نہیں، جو سراپا رحم و کرم ہو۔ اپنے غلام کو تسلی دینے کے لیے اپنے اس پیارے کو کہتا ہے کہ تو اس کو کہہ دے کہ سزا کا خطرہ محسوس نہ کرے تیرے آقا نے تجھے معاف کر دیا ہے تو جب آقا کا پیارا ایسی بات کہے گا تو اس کو ضرور حوصلہ ہو گا کہ اگر خود کہتا تو بات اور تھی اب تو کسی صورت میں بھی سزا کی توقع نہیں ہے۔ بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ لا یخلف المعیاد کی شان والا ہے۔ رحیم و کریم، غفار و رحمان ہے مگر ساتھ قہار و جبار بھی ہے وہ اگر خود فرمائے کہ میں معاف کرنے والا ہوں تو دل میں یہ کھٹک تو رہے گی کہ کل قیامت کے دن جب اس کے جلال کی انتہا ہو گی اور ہر کوئی نفسی نفسی پکار رہا ہو گا اگر اس نے ہمارا حساب لے لیا تو اس کو کون پوچھنے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے گناہگار بندوں کے دل سے یہ خوف نکالنے کے لیے اپنے پیارے کو جو سراپا رحمت ہی رحمت ہے، جس میں انتقام کا جذبہ نہیں صرف معاف کرنے سے ہی محبت کرتا ہے۔ اس کو فرمایا: قل یعبادی۔ اے پیارے میرے گناہگاروں کو تو کہہ دے کہ رب کی رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

یارسول اللہ! اس لیے ڈرتے ہیں کہ گناہ بہت ہیں۔ فرمایا: اپنے گناہوں کے پہاڑ دیکھنے والو اللہ کی رحمت کے انبار بھی دیکھو۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ اللہ تمہارے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

ہم وہ بندے ہیں جو دن رات گناہ کرتے ہیں
یہ وہ آقا ہیں جو سب بخش دیا کرتے ہیں

ہم ہیں عبد مصطفیٰ پھر تجھ کو کیا؟

یاد رہے! اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں اے میرے بندو! اس صورت میں بندہ بندگی کرنے والا کے معنی میں نہیں ہوگا بلکہ نوکر چاکر اور خدمت گزار کے معنیٰ میں ہوگا۔ اور یہ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے۔ وانکحوا الایامٰی منکم والصالحین من عباد کم میں یہی معنی مراد ہے۔

اور فقہی اصطلاح میں عبد کا لفظ چاہے وہ عبد ابق ہو، رقیق ہو، ماذون ہو یا مکاتب ہوانہی معنوں میں بولا جاتا ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے ہی عبدالمصطفی، عبدالرسول نام رکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے لہٰذا یہ شرک نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس عقیدے کو شرک قرار دینے والوں کی اپنے ایک شعر میں یوں حجامت فرماتے ہیں:

یعبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا
تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
خلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا

خدا معاف کرتا ہے مگر رسول کریم علیہ السلام کی سفارش سے معاف کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوك...... اندازہ لگاؤ کہ گناہگار تو ہم خدا کے ہیں مگر خدا تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب کی بارگاہ کا راستہ دکھا رہا ہے کہ اگر معافی چاہتے ہو تو در محبوب سے ہوتے ہوئے آؤ۔

رب اپنے گناہگاراں نوں بھیجے اوہدے در تے
سرکار بناں معاف خطا کون کرے گا
امت لئی رو رو کے دعا کون کرے گا

اگر الذنوب کی جگہ الذنب آجاتا تو الف لام عہد جنسی یا استغراقی کے ذریعے

تمام گناہ مراد لیے جا سکتے تھے۔ یا "ذنبا" نکرہ فرمایا جاتا تو پھر بھی ہر گناہ مراد ہو سکتا تھا مگر قربان جائیں اللہ نے الذنوب بھی فرمایا اور پھر ساتھ جمیعا بھی فرما دیا کہ کوئی گناہ معاف ہونے سے بچ نہیں سکے گا۔

کار ما بدکاری و شرمندگی
کار تو بر ما ہمہ بخشندگی

مندرجہ بالا آیت کے علاوہ بھی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو "اے میرے بندو" کہہ کر یاد فرمایا ہے اگرچہ بعض جگہ وہاں ضمیر متکلم (ی) نہیں ہے مگر ترجمہ یہی ہوگا۔ "اے میرے بندو" کیونکہ وہاں "ی" محذوف ہے اور المحذوف کا لمذکور۔ اور دال کا کسرہ یا کے حذف ہونے پر دلالت کرتا رہے گا اور اللہ کی محبت کی طرف گناہگار بندوں کو بلاتا رہے گا۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

1- و اذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبو الی ولیومنوا به لعلهم یرشدون۔ (البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ: اور اے پیارے! جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب وہ مجھے پکارے تو انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔

دوست نزدیک تر از من بمن است
ویں عجب تر کہ من ازوے دورم

2- قل یعبادی الذین امنوا یقیموا الصلوة و ینفقوا مما رزقنهم سرا و علانیة من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلل۔ (ابراہیم:۳۱)

ترجمہ: اے محبوب! میرے بندوں سے فرماؤ جو ایمان لائے کہ نماز قائم کریں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں چھپے اور ظاہر خرچ کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سوداگری ہوگی نہ یارانہ (جو محبت الٰہی کی وجہ سے نہ ہو)۔

3- ان عبادی لیس لك علیهم بسلطن۔ (الحجر:۴۲، الاسراء:۶۵)

ترجمہ: (شیطان سے اللہ نے فرمایا) بیشک میرے (ایماندار) بندوں پہ تیرا کچھ قابو نہیں۔

4- نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم۔ (ایضا:۴۹)

ترجمہ: اے محبوب! میرے بندوں کو بتادے کہ بیشک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان۔

5- و قل لعبادی یقول التی ھی احسن۔ (بنی اسرائیل:۵۳)

ترجمہ: اے پیارے! میرے (ایماندار) بندوں سے فرمادو کہ ایسی بات کہیں جو سب سے اچھی ہو۔

6- افحسب الذین کفروا ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء۔ (الکہف:۱۰۲)

ترجمہ: تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا (اپنا) حمایتی بنالیں گے۔

7- ولقد اوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی۔ (طٰہٰ:۷۷)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے چل۔

(الشعراء:۵۲، الدخان:۲۳)

8- و لقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ (الانبیاء:۱۰۵)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمیں کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

9- انہ کان فریق من عبادی یقولون ربنا امنا فاغفرلنا وارحمنا و انت خیر الراحمین۔ (المومنون:۱۰۹)

ترجمہ: بیشک میرے بندوں کا ایک گروہ یوں دعا کرتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

10- یعبادی الذین امنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون۔ (العنکبوت:۵۶)

ترجمہ: اے میرے ایماندار بندو! بیشک میری زمین وسیع ہے پس میری ہی بندگی کرو۔

11- قل یعباد الذین امنوا اتقوا ربکم۔ (الزمر:۱۰)

ترجمہ: فرمادو! اے میرے ایماندار بندو اپنے رب سے ڈرو۔

12- یعباد فاتقون۔ (الزمر:١٦)

(یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے) اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرو۔ (یہاں پہ دونوں جگہ "ی" محذوف ہے یعنی اصل میں عبارت یوں تھی یعبادی فاتقونی) اس کے بعد والی آیت میں فرمایا گیا۔

13- فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئك الذین ھدھم اللہ و اولئك ھم اولوا الالباب۔

ترجمہ: میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیں جو کان لگ کر سنیں پھر اس کے بہتر پہ چلیں یہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا اور یہی عقل مند ہیں۔

14- یعباد لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون۔ (الزخرف:٦٨)

ترجمہ: اے میرے بندو! آج تم پر نہ خوف ہے نہ ہی تمہیں غم ہوگا۔

15- فادخلی فی عبادی وادخلی فی جنتی۔ (الفجر:٣٠/٢٩)

حصول برکت کے لیے آیات بمعہ ترجمہ وحوالہ لکھ دی گئیں دراصل میں اس موضوع پر ایک حدیث قدسی لکھنا چاہتا ہوں جس میں دس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انہی پیارے الفاظ میں مخاطب کیا ہے یعنی یعبادی کے مقدس الفاظ سے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم میں باب تحریم الظلم کا عنوان دیا ہے جبکہ صاحب مشکوٰۃ اس کو باب الاستغفار میں لائے ہیں اور اس حدیث جہاں اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار ہیں وہاں ان صفات کا اپنے بندوں پہ اظہار بھی موسلا دھار ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، رحمت وحکومت و بے نیازی کا ذکر بھی ہے اور بندے کی محتاجی کا بیان بھی ہے۔

اس میں نعمت ملنے پر شکر ادا کرنے کا بیان بھی ہے اور تکلیف کو اپنی شامت اعمال کی طرف منسوب کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ پہلے عربی میں حدیث مکمل ترجمہ کے ساتھ لکھی جائے گی اور پھر دس نکاتی خطاب خداوندی کا علیحدہ علیحدہ بیان ہوگا۔ آج کی تقریر میں یہی حدیث بیان کرنا مقصود ہے۔

عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویه عن ربه عزوجل انه قال: یا عبادی، انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرما ، فلا تظالموا، یا عبادی کلکم ضال الا من هدیته فاستهدونی اهدکم، یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمته فاستطعمونی اطعمکم ، یا عبادی کلکم عار الا من کسوته فاستکسونی اکسکم، یا عبادی لنکم تخطئون باللیل والنهار و انا اغفر الذنوب جمیعا، فاستغفرونی اغفر لکم، یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرنی، و لن تبلغوا نفعی فتنفعونی، یا عبادی لو ان اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذالك فی ملکی شیئاً، یا عبادی لو ان اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلك من ملکی شیئاً، یا عبادی لو ان اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل واحد مسألته، ما نقص ذلك مما عندی الا کما ینقص المحیط اذا ادخل البحر، یا عبادی انما هی اعمالکم احصیها لکم، ثم اوفیکم ایاها، فمن وجد خیرا فلیحمد الله و من وجد غیر ذلك فلا یلو من الا نفسه۔

قال سعید کان ابو ادریس الخولانی اذا حدث بهذا الحدیث جثا علی رکبتیه۔ (مسلم شریف باب تحریم الظلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کیا اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا۔ پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب راستے سے بھٹکے ہوئے ہو مگر جس کو میں راستہ دکھاؤں۔ مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھانا دوں پس مجھ سے کھانا مانگو کہ میں تمہیں کھانا کھلاؤں۔

اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر جس کو میں لباس پہناؤں پس مجھ سے لباس مانگو تا کہ میں تمہیں لباس پہناؤں۔ اے میرے بندو! بے شک تم رات دن غلطیاں کرتے ہو اور میں تمام گناہ بخش دیتا ہوں۔ پس مجھ سے بخشش مانگو کہ میں تمہیں بخش دوں۔ اے میرے بندو! تم میرے نقصان تک نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچاؤ اور ہرگز تم میرے نفع تک نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نفع پہنچاؤ۔ اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب سے پہلا اور تمہارا سب سے پچھلا، تمہارے انسان اور جن تم میں سے ایک شخص جو کہ نہایت متقی ہے، اس کے مطابق ہو جائیں تو میری بادشاہی میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارا پہلا اور پچھلا، انسان اور جن سب ایک بدکار شخص کے دل کے مطابق ہوں تو میری بادشاہی میں کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارا سب سے پہلا، سب سے پچھلا، انسان اور جن زمین کے ایک ٹکڑے پر کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق دوں تو اس سے میرے ملک میں صرف اتنا کم ہوگا جتنا کہ اس سوئی سے کم ہوتا ہے جسے دریا میں ڈالا جائے (یعنی کچھ بھی کم نہ ہوگا) اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو شخص بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔

حضرت سعید فرماتے ہیں کہ ابو ادریس خولانی (راویٔ حدیث) جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو (جلالِ خداوندی کی وجہ سے) گھٹنوں کے بل جھک جاتے۔

مضامین حدیث:

1- یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرما فلا تظالموا۔

اس جملہ میں ظلم کی حرمت کا بیان ہے۔ یاد رہے! بعض امور ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہیں مگر مخلوق کے لیے عیب ہیں جیسا کہ تکبر کے لائق اللہ ہی کی ذات ہے اور اس کا صفاتی نام المتکبر ہے جبکہ بندوں کے لیے تکبر عیب ہے۔ یعنی اللہ

تکبر کرے تو اس کی شان ہے اور بندہ تکبر کرے تو اس کے لیے عیب ہے لیکن ظلم ایسا عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی نہیں کرتا (وما انا بظلام للعبید) تو بندوں کو ظلم کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **الظلم ظلمات یوم القیمة۔** (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ ۴۳۴)

ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہیں (یعنی نیک اعمال مومن کیلئے روشنی کا سامان ہوں گے جو مومن کے آگے آگے ہوگی اور ظلم ظالم کیلئے اندھیرے کا سبب ہوگا) **العمل الصالح سبب لنور یسعی بین ایدی المؤمنین کذلك الظلم سبب للظلمة۔**

❁ فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه۔ (مسلم شریف)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو تباہ کرتا ہے۔

❁ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان اللّٰه عزوجل یملی للظالم فاذا اخذه لم یفلته ثم قرء و کذلك اخذ ربك اذا اخذ القریٰ وهی ظالمة ان اخذه الیم شدید۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (ترجمہ) اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کرنے والی بستیوں کو اپنی گرفت میں لیتا ہے بیشک اس کی پکڑ بڑی سخت دردناک ہے۔

❁ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: نقال اور بے رائے نہ بنو کہ یوں کہو اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ اپنے نفسوں کو قرار دو کہ لوگ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور اگر لوگ ظلم کریں تو تم ظلم نہ کرو۔ (ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۴۳۵)

❁ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پہ کیے جانے والے ظلم کا ضرور بدلہ لے گا، اللہ تعالیٰ اپنے اور بندے کے درمیانی

معاملات چاہے گا چاہے تو معاف کر دے گا چاہے گا تو عذاب دے گا۔ (مشکوۃ: خلاصۃ)

ایک روایت میں جانوروں پر دنیا میں کئے گئے ظلم کا بدلہ لینے کا بھی ذکر ہے۔

حتی یقاد للشاہ الجلجاء من الشاۃ القرناء۔

ترجمہ: یہاں تک کہ منڈی (بے سینگھ) بکری کا بدلہ سینگھ والی بکری سے لیا جائے گا۔ (ایضاً)

۞ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ایاك و دعوۃ المظلوم فانما یسأل اللہ تعالیٰ حقہ و ان اللہ لا یمنع ذا حق حقہ۔ (رواہ البیہقی فی شعیب الایمان)

ترجمہ: مظلوم کی بددعا سے بچو وہ تو اللہ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا۔

۞ نبی اکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

من مشی مع ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام۔ (مشکوۃ)

ترجمہ: جو کسی ظالم کو قوت دینے کیلئے اس کے ساتھ چلے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے تو (یہ ظالم کا ساتھ دینے والا) اسلام سے نکل گیا۔

۞ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے (اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ظلم کی وجہ سے دوسروں کو کیا نقصان ہو سکتا ہے) اس پر آپ نے فرمایا:

واللہ حتی الحباری لتموت فی و کرھا ھز لا لظلم الظالم۔

ترجمہ: کیوں نہیں اللہ کی قسم اس کے ظلم کا اثر گھونسلوں کے رہنے والے بٹیروں (پرندوں) پر بھی پڑتا ہے (کہ اس کے ظلم کی وجہ سے بارش نہ ہو اور وہ) اپنے گھونسلوں میں بھوک سے مر جائیں تو یہ ظالم کے ظلم کا اثر ہے۔ (مشکوۃ)

اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے کا معنی کیا ہے؟:

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے کیونکہ ظلم یہ ہے کہ مقررہ حدود سے تجاوز کیا جائے اور

اللہ کے اوپر تو کوئی ہے نہیں کہ جو اس کیلئے حدود متعین کرے کہ اللہ حدود سے تجاوز کرے اور نعوذ باللہ ظالم قرار پائے۔ پھر ظلم نقص وعیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔ لہٰذا حرمت سے مراد یہاں شرعی حرمت نہیں اس لیے کہ شرعی احکام تو بندوں کے لیے ہیں اور نہ ہی اللہ پر کوئی حاکم ہے کہ اس پر حکم نافذ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شی ظلم ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی دوسرے کی ملک میں زیادتی کرنا یا وضع الشئ فی غیر محلہ۔ کسی شی کو بے محل استعمال کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں باتوں سے پاک ہے کیونکہ ہر شی اسی کی ملکیت میں ہے اور جس چیز کے استعمال کے لیے جو جگہ مقرر فرما دے وہی اس کا صحیح مصرف ومحل ہے۔ اس کے افعال یا عدل پہ مبنی ہیں یا فضل پہ۔ لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے نہ وہ کسی بے قصور کو سزا دیتا ہے۔

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

وما ظلمونا و لکن کانوا انفسھم یظلمون۔

ترجمہ: اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن خود اپنی جانوں پہ ظلم کرتے تھے۔

فمنھم ظالم لنفسہ۔

ترجمہ: ان میں سے بعض اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔

فکلا اخذنا بذنبہ۔

ترجمہ: ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑا ہے۔

ان میں سے بعض پہ پتھراؤ کیا (قوم لوط) بعض کو چیخ نے آلیا (قوم ثمود) بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا (قارون وغیرہ) بعض کو غرق کر دیا (قوم نوح علیہ السلام اور فرعون اور اس کے لشکر کو)۔

وما کان اللہ لیظلمھم و لکن کانوا انفسھم یظلمون۔ (العنکبوت)

ترجمہ: اللہ کی شان یہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پہ ظلم کرتے تھے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ خود ظلم نہیں کرتا لہٰذا فرمایا کہ تم بھی کسی پر جانی، مالی یا آبروریزی کا ظلم نہ کرو کیونکہ یہ تمام جرموں سے بڑا جرم ہے اس لیے کہ یہ حق العباد ہے کہ جو صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوگا جب تک حق دار خود معاف نہ کرے گا۔

2- یا عبادی کلکم ضال الامن هدیته ......

یہ جملہ اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ تمام انسان اصل فطرت میں گمراہی پر تھے حالانکہ ایک حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرہ ہر پیدا ہونے والا فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے اس کا جواب قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے یہ دیا ہے کہ اس گمراہی سے مراد وہ گمراہی ہے جو فطرت کے بعد رسولوں کے آنے سے پہلے تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

کان الناس امة واحدة فبعث اللّٰه النبیین مبشرین و منذرین۔ (البقرہ:۲۱۳)

ترجمہ: تمام لوگ ایک طریقہ (یعنی گمراہی) پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور (گمراہی کے عذاب سے) ڈرانے والے نبی بھیجے۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ رسولوں کو نہ بھیجتا اور لوگوں کو ان کے حال پہ چھوڑ دیتا تو لوگ عیش پرستی اور دلائل توحید میں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری پیدائش تاریکی میں ہوئی پھر ہم پر نور کا چھینٹا دیا گیا۔ اگر ہمیں ہمارے نفوس پر چھوڑ دیا جائے تو ہم عقیدۃً اور عملاً بدعملی ہی کریں گے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے تو ہم نیکی کی راہ پر چلیں گے ہم ببول کے درخت کی طرح کانٹوں سے بھرپور ہیں، ہمارے پلے گناہوں کے کانٹوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے ہماری ہی صفت ظلوما جهولا ہے یعنی کل مولود۔ میں ہمارا دنیا میں آنا بیان ہوا اور اس حدیث میں ہماری اصل پیدائش کا تذکرہ ہے۔ پھر یاد رکھو! اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہی ہدایت یافتہ ہیں مگر وہ ہمارے لیے ہدایت کا مرکز ہیں کیونکہ ہمیں ہدایت انہی کے ذریعے سے ملتی ہے جس طرح کہ سورج کو نور تو اللہ نے ہی دیا ہے مگر چاند تارے اور زمین سورج سے نور لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و انك لتھدی الی صراط مستقیم۔

ترجمہ: اور بیشک (اے محبوب)! آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔
(مراۃ شرح مشکوٰۃ)

3- یاعبادی کلکم جائع الامن اطعمتہ ......

ہم اپنی روحانی و جسمانی غذاؤں میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ہر جاندار غذا کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سب کا محتاج الیہ ہے۔ وہ خود نہیں کھاتا مگر سارے جہانوں کو کھلاتا ہے۔ اس کی اتنی بڑی کائنات میں کوئی ایک کیڑا مکوڑا بھی ایسا نہیں جو بھوک سے مرجائے۔ اس کا فرمان ہے: وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ ہر جاندار کا رزق اس نے اپنے ذمۂ کرم پہ لے رکھا ہے۔ وھو یطعم ولا یطعم۔ وہ سارے جہان کو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا۔

4- یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ ......

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ظاہری جسم کو ڈھانپنے کا بھی انتظام فرمایا اور ستار العیوب ہونے کے ناطے ان کے باطنی عیوب کی پردہ پوشی بھی فرمائی۔ اس جہان میں جو شخص اپنے عیبوں کو چھپائے گا اس جہان میں اللہ تعالیٰ خود اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و جعل لکم سرابیل تقیکم الحر و سرابیل تقیکم باسکم۔ (النحل:81)

ترجمہ: اور اللہ نے ہی تمہارے لیے لباس بنائے کہ تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔

5- یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنھار ......

خطاء سے مراد مطلق گناہ ہے چاہے بھول کر ہو یا عمداً۔ اور ظاہر ہے اس سے عام بندوں کے گناہ ہی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ انبیاء کرام اور ملائکہ تو ویسے ہی معصوم ہیں اور ان کے علاوہ اللہ کے خاص بندے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں ان پر شیطان کا بس چل ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: الا عبادك منھم المخلصین۔

اس بارے میں ایک اور ایمان افروز حدیث قدسی ملاحظہ ہو جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور علیہ السلام سے اور حضور علیہ السلام نے اپنے رب سے روایت کی ہے:

"ان اللّٰہ کتب الحسنات والسیئات، ثم بین ذلک، فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله عنده حسنة كاملة، و ان هم بها فعملها كتبها الله عنده عشر حسنات الى سبعمائة ضعف الى اضعاف كثيرة، و ان هم بسيئة فلم يعملها كتبها الله عنده حسنة كاملة، و ان هم بها فعملها كتبها الله سيئة واحدة"، (رواه البخاری و مسلم فی صحیحها بهذه الحروف)

(قال النووی) فانظر یا اخی و فقنا الله و ایاك الى عظيم لطف الله تعالىٰ و تامل هذه الالفاظ، و قوله "عنده" اشارة الى الاعتناء بها و قوله "كاملة" لتاكيد و شدة الاعتناء بها، و قال فی السيئة التی هم بها ثم تركها: "كتبها الله عنده حسنة كاملة" فاكدها بكاملة"، "و ان عملها كتبها سيئة واحدة" فاكد تقليلها بواحدة ولم يوكدها بكاملة، فلله الحمد والمنة سبحانه لا نحصى ثناء عليه، و بالله التوفيق۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "بیشک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دیں پھر اسے بیان فرمایا کہ جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاں ایک کامل نیکی لکھتا ہے اور اگر اس کا ارادہ کر کے عمل بھی کیا تو اللہ تعالیٰ دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا بلکہ کئی گناہ زیادہ لکھتا ہے۔ اور اگر برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے نزدیک ایک نیکی لکھتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرے تو اس کے لیے ایک ہی گناہ لکھتا ہے۔

اس حدیث پہ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اربعین نووی میں فرماتے ہیں:

اے بھائی! دیکھ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے اپنے عظیم لطف و کرم کی توفیق عطا فرمائے ان الفاظ میں غور وفکر کر، آپ کا ارشاد "عندہ" اس کے خاص اہتمام کی طرف اور "کاملة" کے الفاظ تاکید اور نہایت اہتمام کی طرف اشارہ ہے جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا اس کے بارے میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کامل نیکی لکھتا ہے اسے "کاملة" کے لفظ سے مؤکد کیا اور اگر عمل بھی کرے تو ایک برائی لکھتا ہے تو "واحدہ" کے لفظ سے قلت کی طرف اشارہ کیا اور کاملة سے مؤکد نہ کیا۔ اللہ ہی کے لیے حمد ہے اور اس پاک ذات کا احسان ہے ہم اس کی تعریف نہیں کر سکتے۔

6- یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرنی ......

مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں ہے اور ہماری نافرمانیوں سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے ہم عبادت بھی اپنے فائدے کے لیے کرتے ہیں اور نافرمانی کر کے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں وہ ذات بے نیاز ہے اور ہر قسم کی ضرورت سے پاک ہے۔ اگلے تمام جملے اس کی مزید وضاحت کر رہے ہیں۔

7,8-یا عبادی لو ان اولکم و اخرکم ......

لہٰذا کوئی شخص یہ سمجھ کر عبادت نہ کرے کہ ہم اللہ کا کچھ فائدہ کر رہے ہیں اور جس طرح بادشاہوں کی رعایا بگڑ جائے تو ان کا نقصان ہو جاتا ہے۔ آمدنی میں کمی آ جاتی ہے، خزانہ خالی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا کبھی گمان نہ کرنا۔

9- یا عبادی لو ان...... اس جملہ میں سوئی کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کیونکہ سوئی کو سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ کمی آتی ہے جبکہ اللہ کی عطا اس کے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں کرتی وہاں کمی کا سوال ہی نہیں ہے، سمندر پھر بھی متناہی ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ غیر متناہی وہاں کمی کا کیا تعلق؟ دیکھو سورج ہزار ہا سال سے سارے جہاں کو روشنی دے رہا ہے مگر اس کی روشنی بدستور اتنی ہی ہے، ذرہ بھر بھی کمی نہیں آئی۔ جب خدا کی تجلیوں کا

یہ حال ہے تو اس کے خزانوں کا حال کیا ہوگا۔ لینے والے بھی محدود جو کچھ لے رہے ہیں وہ بھی محدود اور دینے والا بھی غیر محدود اور اس کے خزانے بھی غیر محدود۔ محدود کو غیر محدود سے کیا نسبت۔

10- یا عبادی انما ھی اعمالکم ......

اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے کا مطلب یہ نہیں کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں سے زیادہ نہیں دے گا کیونکہ یہاں عدل کا ذکر ہے جو فضل کے خلاف نہیں۔ نیکوں کو ان کے اعمال سے زیادہ دینا اور بروں کو معاف کرنا یہ اس کا فضل ہے لیکن یہ ہر کسی کو نہیں ملتا بلکہ یوتیہ من یشاء۔ بندے کو چاہیے کہ نیکوں کو رب کی توفیق سے سمجھے اس میں اپنا کمال نہ جانے اور گناہوں کو اپنی شامت نفس سمجھے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: و اذا مرضت فھو یشفین۔ بیمار میں ہوتا ہوں شفا اللہ دیتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کا حال ہے کہ زمین پہ خلیفہ بنانا تھا تو زمین پہ آنے کا کوئی سبب تو بننا تھا مگر عرض کیا: ربنا ظلمنا انفسنا ...... اور شیطان نے اپنی گمراہی کو بھی اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ رب بما اغویتنی۔ ادب کرنے والوں کی خطائیں بھی دوسروں کی نیکیوں سے آگے بڑھ جاتی ہیں کیونکہ ان کی خطائیں ان کی شان کے لائق ہیں مگر ہماری عبادتوں سے افضل ہیں، سارے جہان کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام کی ایک خطا کی برکت سے ہوا ہے۔ (مراۃ)

بے ادبی اور تکبر سے عبادت کے کام بھی وبال و گناہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ ریاکاری کی نماز کو شرک فرمایا گیا اور نیک نیتی، خلوص اور ادب سے بظاہر معمولی کام بھی عبادت ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں جہاد کے گھوڑے کی پچھاڑی سے لید صاف کرنا بھی نیکی و عبادت قرار دیا گیا۔ اس بارے میں ایک حدیث ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کس طرح بعض معمولی کاموں پہ بھی صدقہ کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: انسان کے ہر جوڑ پہ صدقہ ہے ہر اس دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔ (اب بعض لوگوں نے

سمجھا ہوگا کہ صدقہ تو کچھ خرچ کرنے سے ہی ہوگا تو فرمایا):

تعدل بين اثنين صدقه و تعين الرجل فی دابته فتحمله عليها او ترفع له عليها متاعه صدقة والكلمة الطيبة صدقة و بكل خطوة تمشيها الى الصلوة صدقة و تميط الاذى عن الطريق صدقة ۔ (متفق عليه)

ترجمہ: دو آدمیوں کے درمیان انصاف کا فیصلہ کرنا صدقہ ہے۔ بندے کی اس کی سواری کے سلسلہ میں مدد کرنا یعنی اس کو سواری پہ بٹھانا صدقہ ہے۔ اس کا سامان سواری پہ رکھوانا صدقہ ہے، اچھی بات صدقہ ہے، ہر وہ قدم جو نماز کی طرف اٹھے صدقہ ہے، راستہ سے تکلیف دہ چیز دور کرنا صدقہ ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ (ختم نبوت کے حوالے سے):

آج سات ستمبر (۲۰۰۷ء) ہے اور آج کے دن ہی پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا، پورے ملک میں یوم ختم نبوت منایا جا رہا ہے میں نے چاہا کہ اس حوالے سے بھی چند اشارات آپ کو دے دوں ویسے بھی چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ آپ نے اپنے سچے نبی علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ سچی، پچی، کھری اور پیاری پیاری باتیں حدیث قدسی کی صورت میں پڑھیں یقیناً آپ کا ایمان تازہ ہوا اب دل پہ ہاتھ دھر کے جھوٹے مدعی نبوت کی چند شیطانی بکواسات بھی ملاحظہ فرمالیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے، حق اور باطل میں مکمل امتیاز ہو جائے۔ ليحق الحق ويبطل الباطل ولو كره المجرمون۔

1- آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد کا مصداق میں ہوں۔

(ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۷۳)

2- مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے میں ہوں۔

(ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۶۵)

3- میں مہدی معہود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ (معیار الاخبار صفحہ ۱۱)

4- ان قدمی علی منارۃ ختم علیه کل رفعة۔ (خطبہ الہامیہ ۳۵)

ترجمہ: میرا قدم ایسا منارہ ہے جہاں پر ہر رفعت ختم ہو چکی۔

5- لا تقیسونی باحد ولا احدا بی۔ (خطبہ الہامیہ ۱۹)

ترجمہ: مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ ہی کسی اور کو مجھ پر قیاس کرو۔

6- میں مسلمانوں کے لیے مسیح مہدی اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہوں۔

7- میں امام حسین سے افضل ہوں۔ (دافع البلا صفحہ ۱۳)

8- و انی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل العدو فالفرق اجلی و اظهر۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۸۱)

ترجمہ: میں محبت کا کشتہ ہوں لیکن تمہارا حسین دشمن کے ہاتھوں قتل ہوا لہذا فرق بڑا واضح اور عیاں ہے۔

9- یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زنا کار تھیں۔ (معاذ اللہ) (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۸۵)

10- یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

11- یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ (ازالہ صفحہ ۳۰۳)

12- ان کے پاس بجز دھوکے کے کچھ نہ تھا۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)

13- میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لیے مخصوص تھا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

14- مجھے الہام ہوا یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا۔ (معیار الاخبار صفحہ ۱۱)

15- میرا منکر کافر ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳)

16- میرے منکروں بلکہ مقابلوں کے پیچھے بھی نماز ناجائز ہے۔ (فتاوی احمدیہ جلد اول)

17- مجھے خدا نے کہا اسمع ولدی (اے میرے بیٹے سن)۔ (البشری صفحہ ۴۹)

18- لولاك لما خلقت الافلاك۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹)

ترجمہ: (مجھے ہی اللہ نے فرمایا) اگر تو نہ ہوتا میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

19- میرا الہام ہے وما ینطق عن الهوی۔ (اربعین صفحہ ۳)

20- وما ارسلناك الا رحمة للعالمین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۲)

ترجمہ: ہم نے تم کو صرف سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ (میرے لیے ہے)

21- انك لمن المرسلین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۲)

ترجمہ: بیشک تو رسولوں سے ہے۔ (بھی میرے بارے میں ہے)

22- آتانی مالم یوت احد من العالمین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)

ترجمہ: اس نے مجھے وہ کچھ دیا جو سارے جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا گیا۔

23- اللہ معك یقوم اینما قمت۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۷)

ترجمہ: اللہ تیرے ساتھ کھڑا ہوگا جہاں تو کھڑا ہوگا۔

24- مجھے حوض کوثر ملا ہے۔

انا اعطیناك الکوثر۔ (ضمیمہ انجام آتھم ۸۵)

ترجمہ: بیشک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا۔

25- میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔

رایتنی فی المنام عین اللہ و تیقنت انی هو ـ فخلقت السموات والارض۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۴، ۵۶۵)

ترجمہ: میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا عین دیکھا اور میں نے یقین کر لیا کہ میں وہی ہوں پھر میں نے آسمان اور زمین بنائے۔

26- میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں۔ (فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۷)

<u>فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے:</u>

تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے ہیں اب آپ علامہ اقبال کی زبان میں قادیانیت کو یہودیت کا چربہ کہیں یا قادیانیوں کو اسلام اور پاکستان و عالم اسلام کا غدار

کہیں، تاہم یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں اور مسلمانوں میں رہ کر ایک نئی امت تشکیل دے رہے ہیں، اسی وجہ سے حکیم الامت، شاعر مشرق، مفکر پاکستان نے انجمن حمایت اسلام میں سے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور اس کے ساتھی تمام قادیانیوں کو نکال باہر کیا تھا جس کا دکھ قادیانی ابھی تک نہیں بھولے۔ اور مذکورہ حقائق کے بعد ہر انصاف پسند شخص کا اس لعنتی گروہ کے بارے میں یہی فیصلہ ہوسکتا ہے، حرف آخر کے طور پر ایک اخباری مضمون کا اقتباس پیش کر کے اپنی تقریر ختم کر رہا ہوں)۔

عدالت کا فیصلہ:

اس وقت دنیا جس دستور کے مطابق اپنے نظام کو چلا رہی ہے اور اقوام متحدہ کا جو منشور ہے اس کے مطابق کسی چیز کے تعین یا فیصلے کے تین طریقہ کار ہیں۔ (i) عدالت، (ii) عوامی رائے (iii) اسمبلی۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں ہم سب سے پہلے عدلیہ کے فیصلوں کو ملاحظہ کرتے ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلا مقدمہ ماریشس کی عدالت میں اس وقت دائر کیا گیا جب قادیانیوں نے ''روز ہل'' مسجد پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک دیا۔ اس آبادی میں 12 قادیانی جب کہ 500 مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں نے 26 فروری 1919ء کو سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ کئی سال مقدمہ چلتا رہا۔ 21 شہادتیں پیش کی گئیں۔ دوسرے ممالک سے فریقین نے مشہور وکلاء بلائے مقدمہ میں دعوی کیا گیا کہ:

''روز ہل کی مسجد جہاں مسلمانوں کے سنی (حنفی) فرقہ کے لوگ نماز پڑھتے تھے، یہ مسجد انہوں نے تعمیر کی تھی اور مسلسل قابض چلے آرہے تھے، اس پر قادیانیوں نے قبضہ کرلیا، جن کا تعلق امت اسلامیہ سے نہیں

ہے۔ قادیانی ہم مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ، ہمارے پیچھے ان کی نماز نہیں ہوتی، ایسی صورت میں ان کو مسجد سے نکالا جائے''۔

تفصیلی بحث کے بعد 19 نومبر 1927ء کو چیف جج سرائے ہرچیز ووڈ نے یہ فیصلہ سنایا:

''عدالت عالیہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مدعا علیہ (قادیانی) کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ''روز ہل'' مسجد میں اپنی پسند کے امام کے پیچھے نماز ادا کریں، اس مسجد میں صرف مدعی (مسلمان) نماز ادا کرسکیں گے، اپنے اعتقادات کی روشنی میں مسلمان الگ امت ہیں، قادیانی الگ''۔

اس عدالت کے ایک دوسرے جج ٹی اے روز نے بھی اس فیصلے سے اتفاق کیا۔

برصغیر میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں پہلا مقدمہ 1925ء میں ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر ریاست بہاولپور میں غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش کا تنسیخ نکاح کے سلسلے میں دائر ہوا، جو عبدالرزاق قادیانی کے ساتھ لاعلمی میں ہوگیا تھا، ابتدائی فیصلے کے بعد 1932ء میں یہ مقدمہ دوبارہ دائر کیا گیا۔ 7 فروری 1935ء کو عدالت نے تاریخی فیصلہ دیا ''چونکہ مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے، اس لئے ارتداد کی وجہ سے نکاح تنسیخ ہوگیا''۔

قیامِ پاکستان کے بعد مختلف عدالتوں کی جانب سے ابتداء ہی سے اس قسم کے مقدمات میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، بعد ازاں بلوچستان ہائی کورٹ، لاہور ہائی کورٹ، سندھ ہائی کورٹ، سرحد ہائی کورٹ، سپریم کورٹ، وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بنچ کی طرف سے قادیانیوں کو دلائل کی بنیاد پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اسی طرح افریقہ کی کورٹ کی جانب سے بھی قادیانیوں کو غیر مسلم

اقلیت قرار دے کر ان کی اپیل خارج کی گئی۔

عوامی فیصلہ:

یہ تو موجودہ دنیا کے مروجہ طریقے میں عدلیہ کے فیصلے کا مختصر سا جائزہ تھا، عوامی رائے کے مطابق دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کی متفقہ آراء اور دنیا بھر کے تمام دینی اداروں کی جانب سے متفقہ فتاوی کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت میں داخل ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ربیع الاول 1974ء میں رابطہ عالم اسلامی کے تحت ایک کانفرنس ہوئی جس میں مسلمان و غیر مسلم ممالک کی 144 مسلم تنظیموں کے سکالرز اور علمائے کرام شریک ہوئے۔ جس میں قادیانی عقائد کو واضح کر کے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا کہ ان کے ساتھ غیر مسلموں والا معاملہ کرتے ہوئے ان کی سرگرمیوں سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے اقدامات کریں۔ گویا دنیا بھر کی عوامی رائے کی روشنی میں قادیانیوں کے ساتھ غیر مسلموں والا معاملہ ہونا چاہیے۔

اسمبلیوں کا فیصلہ:

مروجہ طریقوں میں تیسرا طریقہ قومی اسمبلی کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا ہے۔ اس سلسلے میں آزاد کشمیر اسمبلی نے سب سے پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کی۔

بعد ازاں قومی اسمبلی نے 7 ستمبر 1974ء کو متفقہ طور پر آئینی بل کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت دے کر پوری دنیا کے سامنے مسئلہ کو واضح کر دیا۔ اب ان تینوں مروجہ طریقوں سے قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کے بعد نہ قادیانیوں کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور نہ ہی غیر مسلم ممالک کے این جی اوز کے نمائندوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ ان تمام فیصلوں کو مسترد کرتے ہوئے

اپنے فیصلے مسلمانوں پر ٹھونسنے کی کوشش کریں۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قادیانی جماعت کے جھوٹے مدعی نبوت، مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی ذات پر جو کیچڑ اچھالا ہے اگر کوئی عیسائی یا یہودی اپنے مذہب پر صحیح معنوں میں عقیدہ رکھتا ہے ہو تو وہ کسی صورت بھی قادیانیوں کی حمایت کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ یہ تو مسلمان ہی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر کے تقدس کے ساتھ ساتھ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے تقدس اور اس کی عظمت کے تحفظ کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا:

لیکن بدقسمتی سے جس طرح دیگر تمام معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے اسی طرح اس معاملے میں بھی مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے تعین اور تشخص کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کے بجائے اپنے مفادات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو امریکہ اور مغربی ممالک نے اس کو امتیازی قانون قرار دیتے ہوئے اس کو واپس لینے کا مطالبہ کیا اور اعتراض کیا کہ جب قادیانی خود کو مسلمان کہتے ہیں تو ان کو مسلمان کیوں نہیں کہنے دیا جاتا۔ جب کہ ان کے کفریہ عقائد کی وجہ سے مسلم ممالک کے 140 مذہبی سکالروں اور علمائے کرام نے دلائل کی روشنی میں ان کو کافر قرار دیا تھا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ مسلمان کی تعریف خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ملے گی یا مغربی ممالک اور اقوام متحدہ کے چارٹر سے؟ تو اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ تعصب کی آنکھ سے مسلمانوں کے معاملات کو دیکھ کر اس کے بارے میں فیصلہ اپنے مفادات کی روشنی میں کیا جاتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے قانون کے مطابق اپنے لوگوں کو حقوق دیں۔ بدھ

مت کے پیروکاروں کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے مذہب کو اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق ڈھالیں۔ جاپان میں خودکشی کو مذہبی رسوم کے تحت ادا کرنے والوں کو مغرب کا کوئی قانون یا اقوام متحدہ کا چارٹر روکنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مگر مسلمانوں پر پابندی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تشریح اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق کریں، ورنہ افغانستان کی طرح ان کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے گا۔ پاکستان کی امداد روک لی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے پاکستان کی امداد کو قادیانیوں سے متعلق قوانین کو ختم کرنے اور ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کو تبدیل کرنے سے مشروط کیا۔

مندرجہ بالا اصول کی روشنی میں جب ہم قادیانیوں کے عقائد پر نگاہ ڈالتے ہیں تو وہ قرآن کریم کی دوسو آیات، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی چار سو احادیث اور چودہ سو سالہ اجماع امت اور عقلی دلائل کے اعتبار سے دائرہ اسلام سے خارج اور ایک الگ ملت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت ۷ ستمبر ۲۰۰۷ء)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱۲:

ایک حدیث سے دس مسائل کا استنباط

صحیح بخاری کتاب الحوض جلد۲ صفحہ ۹۷۵ پہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی (صحابی رسول ﷺ جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مصر کے گورنر تھے پھر گورنری سے معزول ہو کر مصر ہی میں ۵۸ھ کو آپ کا وصال ہوا اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک بہت بڑی جماعت نے آپ سے احادیث روایت فرمائی ہیں۔ اکمال سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک دن شہدائے احد کی طرف (ان کی زیارت کی نیت سے) گھر سے نکلے۔

فصلی علی اهل احد صلوته علی المیت ثم انصرف علی المنبر فقال الی فرط لکم و انا شهید علیکم و انی والله لانظر الی حوضی الان و انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض و انی والله ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف ان تنافسز فیها۔

ترجمہ: پس آپ (ﷺ) نے احد کے شہیدوں پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر واپس منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: میں تمہارا پیش رو اور گواہ ہوں اور خدا کی قسم میں اس وقت حوض (کوثر) کو دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں اور قسم بخدا: یقیناً تم لوگوں پر میں شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ محسوس نہیں کرتا (یعنی تم شرک نہیں کرو گے) لیکن یہ مجھے خطرہ ہے کہ تم دنیا میں راغب اور آپس میں حسد کرو گے۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوئے:

1- زیارت قبور کے ارادے سے شہداء وصالحین کی قبروں پہ جانا سنت ٹھہرا کیونکہ حضور علیہ السلام شہدائے احد کی شہادت کے آٹھ سال بعد ان کی قبروں پہ تشریف لے گئے اور اکیلے نہیں بلکہ بہت سارے صحابہ کرام کے ساتھ۔

2- اس حدیث سے عرس کا ثبوت بھی ملا کیونکہ آپ نے منبر پہ جلوہ گر ہو کر خطاب بھی فرمایا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے لیے سپیشل منبر لایا گیا ورنہ قبرستان میں منبر کا کیا کام؟ عرس میں یہی کچھ ہوتا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے ڈھول ڈھمکا، ناچ گانا اس کے ہم قائل نہیں ہیں بلکہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی صحیح عُرس میں قبروں کی زیارت کے ساتھ صرف وعظ و تبلیغ کا سلسلہ ہوتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سارا سلسلہ صحابہ کے سامنے ہوا لہٰذا انہی کے ساتھ خاص ہے اسی لیے انہی کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر حدیث کا آخری جملہ کہ ''تم دنیا میں راغب ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر حسد کرنے لگو گے'' بھی صحابہ کرام کے لیے ماننا پڑے گا حالانکہ کون مسلمان ہے جو ان نفوس قدسیہ کے بارے یہ عقیدہ رکھے؟

تفسیر صاوی جلد 1 صفحہ 245 پہ امام صاوی وابتغوا الیه الوسیلة کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''اولیاء کرام کی قبروں کی زیارت کرنے والے مسلمانوں کو اس لیے کافر کہنا کہ زیارت قبور غیر اللہ کی عبادت ہے یہ بالکل کھلی گمراہی ہے۔ زیارت قبور غیر اللہ کی عبادت نہیں بلکہ اللہ کی محبت کی علامت ہے۔

3- علامہ کرمانی شارح بخاری کہتے ہیں کہ حدیث میں صلوۃ سے مراد نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعا ہے (تسمیة الکل باسم الجزء) جبکہ دیگر شارحین حدیث نے اس سے نماز جنازہ ہی مراد لی ہے اور اس کو حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں

شمار کیا ہے۔

4- حضور علیہ السلام ہمارے پیش رو ہیں یعنی ہم سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ہماری بخشش اور شفاعت کا انتظام فرمانے والے ہیں کیونکہ فرط عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی جماعت سے آگے جا کر اس کی ضروریات کا انتظام کرنے والا ہو۔

5- حضور علیہ السلام ہمارے ظاہری و باطنی اعمال سے باخبر ہیں کیونکہ بغیر دیکھے اور بغیر جانے گواہی دینا جائز نہیں ہے حالانکہ آپ نے فرمایاو انا شهيد عليكم۔ میں تمہارا گواہ ہوں گا۔ بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری امتوں کے گواہ ہوں گے و جئنابك على هؤلاء شهيدا۔ لہٰذا آپ پہلے پچھلے ہر انسان کے اعمال سے (خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی) باخبر ہیں۔

مگر (جوخود) بے خبر (ہیں وہ آپ کو بھی) بے خبر جانتے ہیں

6- نگاہ نبوت کی بلندی کا اندازہ کون کرسکتا ہے کہ شہدائے احد کے مزارات پہ جلوہ گر ہو کر حوض کوثر کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعضاء مبارکہ اور ان کی طاقت کو اپنے اوپر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ہم تو دیوار کے پیچھے نہ دیکھ سکیں اور ہمارے آقا اوپر نگاہ اٹھائیں تو عرشِ معلیٰ کو دیکھ لیں اور نیچے نگاہ کریں تو تحت الثریٰ کو دیکھ لیں۔ اونچی "بنی" کی رفعت پہ لاکھوں سلام

7- حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے مالک بنا دیے گئے کیونکہ چابیاں دینے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے اور مفاتیح بھی جمع ہے بلکہ منتہی الجموع ہے اور خزائن بھی جمع ہے تو جمع جمع کی طرف مضاف ہو تو تقسیم احاد الی الاحاد کے قانون کے مطابق ایک ایک خزانے کی چابی کا ملنا ثابت ہوا اور غیب بھی ایک خزانہ ہے (وعندہ مفاتیح الغیب) لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب کا خزانہ بھی عطا کر دیا گیا۔

مگر بے خبر، بے خبر جانتے ہیں

لہٰذا ظاہری خزانے (فتوحات روم، فارس یا سونا چاندی، پیتل، تانبا، ہیرے جواہرات، تیل پٹرول) ہوں یا باطنی خزانے (ایمان، ہدایت تقوی وغیرہ) ہوں سب کچھ حضور علیہ السلام کے قبضے میں ہے اور آپ ان میں مالکانہ تصرف فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث سنا کر فرماتے تھے۔ "و انتم تنتثلونها" زمین کے خزانے جو حضور علیہ السلام کو دیئے گئے تم انہیں نکال کر متمتع ہو رہے ہو (فتوحات کی طرف اشارہ تھا) بلکہ یوں کہا جائے تو ناروا نہ ہوگا تمام نباتات، جمادات وحیوانات بھی زمین کے خزانے ہیں، جانوروں کے نطفے بھی زمین سے حاصل ہونے والی غذاؤں کا نتیجہ ہیں بلکہ بادل، بارش، اولے، قوس وقزح، ھالہ رعد، برق بھی ان خزانوں میں شامل ہیں کیونکہ تمام فضائی کائنات بھی زمین سے اٹھنے والے بخارات کی پیداوار ہے۔ جب حدیث میں عموم ہے اور مقام بھی مقام مدح ہے تو ہم تخصیص کر کے بخل سے کیوں کام لیں۔

ے دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اس کی قدرے تفصیل تقریر کے آخری حصہ ایمان افروز واقعہ میں دیکھیں۔

8- عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے آقا علیہ السلام اور آپ کے غلاموں (اولیاء کرام، صحابہ کرام واہل بیت عظام) کے ساتھ محبتوں کے مختلف انداز دیکھ کر ان کو مشرک قرار دینا سراسر زیادتی ہے اور منشاء نبوت کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام خود فرمارہے ہیں کہ مجھے تم سے شرک کا کوئی خطرہ نہیں اور پہلے بیان ہو چکا کہ ''شرک نہیں کرو گے'' کا جملہ صرف دور صحابہ کے ساتھ خاص نہیں ہے ورنہ اگلا جملہ بھی انہی کے لیے ماننا پڑے گا۔

باقی رہا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان کہ قبیلہ دوس کی عورتیں جب تک بتوں کا طواف نہیں کریں گی قیامت نہ آئے گی۔ تو یہ صرف ایک قبیلہ کی چند عورتوں کا ذکر ہے نہ کہ عمومی امت کا۔ لہٰذا اس فرمان کی آڑ میں سواد اعظم کو مشرک گردانتا عدل وانصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

9- صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تمام عظمتوں اور شانوں کو تسلیم کرنے والے تھے اور زیارت قبور کے موقع پر بھی حضور علیہ السلام کا ان کے سامنے اپنی عظمت و شان کا موضوع بیان کرنا اور نماز روزے اور دیگر احکامات میں سے کچھ بھی نہ بیان کرنا اس سے صحابہ کرام کے ذوق عشق کا پتہ چلتا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ

منشا یہی ہے سلسلۂ قیل و قال کی
ہوتی رہے تعریف تیرے حسن و جمال کی

10- حدیث کے آخری جملے میں غیب کی بہت بڑی خبر ہے جو قیامت تک کو محیط ہے اور جس کی صداقت کا ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں وہ کونسی دنیوی رغبت ہوگی جو آج کے مسلمانوں میں نہیں ہے اور حسد اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ہر طرف مسلمان ہی مر رہے ہیں اور مسلمانوں کے آپس کے اختلافات سے غیر مسلم ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے ہیں اور پانی کی طرح ان کا خون بہا رہے ہیں، ایسے حالات میں بھی دشمنان عظمت رسالت مآب علیہ السلام قرآن وسنت کی صحیح تعبیرات کے ذریعے مسلمانوں کی صحیح راہنمائی نہ کریں گے تو یاد رکھیں۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

(تلك عشرة كاملة)

ایک ایمان افروز واقعہ:

باقی رہا حضور علیہ السلام کے کرم کا معاملہ تو وہ نہ حدود و قیود کا پابند ہے اور نہ ہی زندگی وموت اس کے راستے میں حائل ہو سکتی ہیں اس پر ایک طویل واقعہ لکھ کر بات ختم کرتے ہیں اور واقعہ بھی خاندانِ ولی اللٰہی کا کہ جن کو ہر کوئی ماننے کا دعویدار ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں می فرمودند کہ یکبارگی مرا تپ گرفت وآں مرض امتداد یافت و امید حیات بسر آمد دراں ساعت نعسہ واقع شد دراں نعسہ حضرت شیخ عبدالعزیز ظاہر شدندمی فرمایند اے فرزند حضرت پیغامبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات بعیادت تو می آیند وشاید ازیں جہت تشریف آورندو پائے تو آں سوست سریر ترا بوجہے باید گزاشت کہ پائے تو بایں جہت نہ باشد بافاقت آمدم قوت تکلم نبود حاضرانرا اشارت کردم تاسریر مرا ازآں جا گر دانیدند آں گاہ حضرت رسالت پناہ تشریف آوردند وفرمودند کیف حالك یا بنی! حلاوت ایں گفتار برمن مستولی شد وجدے وبکائے واضطرابے عجیب برمن ظاہر گشت آنحضرت مرادر بر گرفتند بوجہے کہ لحیۂ شریف بالائے سرمن بود قمیص مبارک از اشک من ترشد وآہستہ آہستہ آں وجد تسکین یافت آنگاہ بخاطرم آمد کہ مدتہاست کہ آرزوئے موئے شریف دارم چہ قدر کرم باشد اگر دریں ساعت چیزے ازیں قبیل مرحمت فرمایند بریں خطرہ مشرف شدند وبرلحیۂ مبارک دست فرود آوردند دو موئے دردست من دادند بخاطرم آمد کہ ایں دو موئے در عالمِ شہادت باقی خواہند ماندیانہ، بریں خطرہ نیز مشرف شدند وفرمود ایں دو موئے دراں عالم باقی خواہند ماند بعدازاں بشارت صحت کلی وامتداد عمر دادند آں گاہ افاقت واقع شد چراغ طلبیدم آں دو موئے دردست نیافتم اندوہناک شدم وبداں جناب توجہ نمودم غیبتے واقع شد و آنحضرت متمثل گشتند وفرمودند دانا وآگاہ باش اے فرزند آں دو موئے رازیر وسادۂ تو برائے احتیاط نگاہداشتہ ام ازآنجا خواہی یافت بافاقت افتادم وازآنجا یافتم در جائے بہ تعظیم مضبوط کردم بعدازاں فرمود از خواص ایں دو موئے یکے آنست کہ اولاً باہم پیچیدہ می باشد چوں درود خواندہ می شود ہر یکے جدا می ایستد ودیگر آنکہ یک مرتبہ سہ کس از منکراں امتحان خواستند من بایں بے ادبی رضانمیدادم چوں مناظرہ بامتداد انجامید

آں عزیزاں آں ہر دو مُوئے را در آفتاب بروند ہماں ساعت ابر پارہ ظاہر شد حال آنکہ آفتاب بسیار گرم بود و موسم ابر ہرگز نہ بود یکے توبہ کرد و دیگراں گفتند قضیۂ اتفاقیہ است، دیگر بار برآوردند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد دیگرے توبہ کرد سوئم گفت ایں نیز قضیۂ اتفاقیہ است سوم بار بآفتاب بروند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد ہمی در سلک تائباں منسلک گشت۔ دیگر آنکہ برائے زیارت برآوردم مجمعی عظیم بود ہر چند کلید بر قفل می نہادم وسعی میکردم مفتوح نمی شد۔ بہ دل خود متوجہ شدم معلوم شد کہ فلاں جنب است بشامت جنابت او میسر نمی آید عیب پوشی کردم و ہمہ را بتجدید طہارت فرمودم جنب ازاں مجمع بیروں رفت آں گاہ بسہولت مفتوح گشت، زیارت کردم۔ حضرت ایشاں در آخر عمر تبرکات قسمت می فرمودند یکے ازاں دو مُوئے بکاتب حروف عنایت فرمودند۔

والحمد للہ رب العٰلمین۔ (انفاس العارفین صفحہ ۴۱)

ترجمہ: حضرت ایشاں فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بخار ہوا اور مرض نے طول پکڑا کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ اس وقت ایک اونگھ سی آئی اور حضرت شیخ عبدالعزیز صاحب ظاہر ہوئے اور فرمایا اے فرزند، حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری بیمار پرسی کو تشریف لا رہے ہیں اور شاید کہ اس طرف سے تشریف لائیں اور اسی طرف تیرے پاؤں ہیں۔ چارپائی کو ایسے طریق پر بچھانا چاہیے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ میں بیدار ہوا مگر کلام کرنے کی طاقت نہیں تھی حاضرین کو اشارہ کیا کہ میری چارپائی کو اس طرف سے پھیر دیں۔ اسی وقت حضرت رسالت پناہ تشریف لائے اور فرمایا: اے بیٹے! تیرا کیا حال ہے؟ اس کلام کی شیرینی مجھ پر ایسی غالب آئی کہ ایک عجیب قسم کا وجد اور بُکا اور اضطراب مجھ پر ظاہر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس طریق سے آغوشِ رحمت میں لیا کہ آپ کی ریش مبارک میرے سر پر تھی۔ آپ کی قمیص مبارک میرے اشکوں سے تر ہوگئی اور آہستہ آہستہ اس وجد نے تسکین پائی۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ مدتیں گزر گئیں موئے مبارک کی آرزو رکھتا ہوں کتنا ہی کرم ہو اگر اس

وقت کوئی چیز اس قبیل سے مرحمت فرمائیں اس خیال پر حضور مطلع ہوئے اور ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو بال مبارک میرے ہاتھ میں دیئے۔ میرے دل میں گذرا کہ یہ دو بال عالمِ شہادت میں بھی باقی رہیں گے یا نہیں، حضور اس خیال پر بھی مطلع ہوئے اور فرمایا کہ یہ دو بال اُس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ بعد ازاں آپ نے صحتِ کلی اور عمر کے لمبا ہونے کی بشارت دی، اس وقت میں بیدار ہو گیا اور میں نے چراغ طلب کیا مگر ان بالوں کو اپنے ہاتھ میں نہ پایا۔ غمناک ہوا اور حضور علیہ السلام کی طرف توجہ کی ایک غیبت سی واقع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متمثل ہوئے اور فرمایا: اے فرزند دانا آگاہ ہو جا کہ ان دو بالوں کو ہم نے احتیاطاً تکیہ کے نیچے رکھا ہے وہاں سے تو پالے گا۔ مَیں بیدار ہوا اور بالوں کو وہاں سے پالیا اور تعظیم کے ساتھ ایک جگہ محفوظ کر دیئے بعد ازاں فرمایا ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اولاً آپس میں ملے ہوتے ہیں جب درود شریف پڑھا جائے تو دونوں الگ الگ سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ایک مرتبہ تین منکروں نے امتحان چاہا، میں اس بے ادبی سے راضی نہ تھا۔ جب مناظرہ نے طول پکڑا تو وہ عزیز (بغرض امتحان) ان دو بالوں کو دھوپ میں لے گئے فوراً بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور اس نے بالوں پر سایہ کر دیا حالانکہ آفتاب بہت گرم تھا اور ابر کا موسم ہرگز نہ تھا ایک نے توبہ کی دوسرے نے کہا یہ اتفاقی واقعہ ہے، دوبارہ پھر بالوں کو نکالا پھر بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تو دوسرے نے بھی توبہ کی، تیسرے نے کہا: یہ بھی اتفاقیہ قضیہ ہے۔ تیسری دفعہ پھر دھوپ میں نکالا پھر بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ تیسرا بھی تائبین کی لڑی میں منسلک ہو گیا۔ تیسرا یہ کہ ایک مرتبہ بہت لوگ برائے زیارت جمع تھے۔ میں نے آ کر ہر چند کوشش کی چابی لگ جائے اور تالا کھل جائے تاکہ ہم سب لوگ زیارت کر لیں مگر تالا نہیں کھلتا تھا۔ میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ فلاں آدمی جنبی ہے۔ اس کی شامت جنابت کی وجہ سے قفل نہیں کھلتا میں نے عیب پوشی کی اور سب کو تجدید طہارت کا حکم دیا جب جنبی اس مجمع

سے باہر چلا گیا، قفل آسانی سے کھل گیا اور ہم سب نے زیارت کی۔ حضرت والا نے آخر عمر میں تبرکات کو تقسیم فرمایا تو ان دو مبارک بالوں میں سے ایک کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) کو بھی عنایت فرمایا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

یہاں سے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور حضور علیہ السلام کا عشق اور آپ کے موئے مبارک سے عقیدت و محبت کا بخوبی پتہ چلتا ہے اور اس کے علاوہ ایک بہت بڑا مسئلہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فقط خیالی صورت نہیں دیکھی تھی بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جسم اقدس کے ساتھ تشریف فرما ہوئے تھے۔ کیونکہ بال مبارک جو عطا فرمائے جزوِ جسم تھے اور شاہ صاحب نے بچشمِ خود دیکھا کہ آپ نے اپنی مجسم ریش مبارک سے الگ کر کے عطا فرمائے اور پھر ریش مبارک کا حِسّی تعلق حضور علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے تھا جس سے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسم مقدس کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے تھے۔ گو دوسروں نے نہیں دیکھا جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام مجلس اقدس میں بذاتِ خود تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان کو کوئی نہ دیکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے ارشاد فرمایا ہے:

من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی۔

(صحاح ستہ)

ترجمہ: جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

حالت بتا رہی ہے یہ کیف و سرور کی
اس انجمن پہ خاص نظر ہے حضور کی
(صلی اللہ علیہ وسلم)

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱۳:

مال اور علم (ایک حدیث کی تشریح)

عن ابی کبشة الانماری انه سمع رسول اللّٰہ ﷺ یقول ثلث اقسم علیهن و احدثکم حدیثا فاحفظوه فاما الذی اقسم علیهن فانه ما نقص مال عبد من صدقة ولا ظلم عبد مظلمة صبر علیها الا زاده اللّٰہ بها عزا ولا فتح عبد باب مسئلة الا فتح اللّٰہ علیه باب فقر و اما الذی احدثکم فاحفظوه انما الدنیا لاربعة نفر عبد رزقه اللّٰہ مالا و علما فهو یتقی فیه ربه و یصل رحمه و یعمل لله فیه بحقه فهذا بافضل المنازل و عبد رزقه الله علما و لم یرزقه مالا فهو صادق النیة یقول لو ان لی مالا لعملت بعمل فلان فاجرهما سواء و عبد رزقه الله مالا و لم یرزقه علما فهو یتخبط فی ماله بغیر علم لا یتقی فیه ربه ولا یصل فیه رحمه ولا یعمل فیه بحق فهذا باخبث المنازل و عبد لم یرزقه الله مالا و لا علما فهو یقول لو ان لی ما لا لعملت فیه بعمل فلان فهو نیته و وزرهما سواء۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث صحیح، مشکوۃ صفحہ ۴۵۱ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ)

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ انماری (عمرو بن سعید صحابی) سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ میں انہیں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور ایک بات (بغیر قسم کے) تمہیں بتاتا ہوں اسے پلے باندھ لو وہ تین باتیں جن کو میں قسم اٹھا کر بیان کر رہا ہوں وہ یہ ہیں۔

1- کسی بندے کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔

2- کسی بندے پر ذرہ برابر بھی ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے۔

3- جو بندہ مانگنا شروع کر دے اللہ تعالیٰ اس پہ فقر (غریبی) کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

اور جس بات کو میں (بغیر قسم کے) تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں اور تمہیں اس کے یاد رکھنے کا حکم دے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے (یعنی دنیا میں رہنے والے چار طرح کے لوگ ہیں)۔

1- وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم سے نوازا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتا ہے اور (اپنے علم کی روشنی میں) اللہ کے حکم کے مطابق اس مال کو خرچ کرتا ہے، پس یہ بندہ اعلیٰ ترین منازل میں ہوگا۔

2- دوسرا وہ بندہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا ہے مگر مال نہیں دیا، اس کی نیت چونکہ خالص ہے اور وہ اس خواہش کا اظہار کرتا رہتا ہے کہ کاش اللہ تعالیٰ مجھے مال بھی دیتا تو فلاں بندے کی طرح میں بھی اس مال کو (اچھی جگہ) خرچ کرتا۔ پس ان دو بندوں کا اجر وثواب ایک جیسا ہے (یعنی جس طرح مال والا اپنا مال اچھی جگہ پر خرچ کر کے اجر وثواب پا کر اعلیٰ ترین مقام پہ فائز ہے یہ اپنی سچی نیت کی بنا پر ثواب اور درجے کے لحاظ سے اس کے برابر ہوگا)۔

3- تیسرا وہ بندہ جس کو اللہ نے مال تو دیا لیکن علم نہ دیا اور وہ اپنے مال کو اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کرتا ہے بوجہ علم نہ ہونے کے۔ نہ اللہ سے ڈرتا

ہے (کہ علم حاصل کر کے اچھی جگہ مال خرچ کرے) نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی اللہ کے حکم کے مطابق اس مال کو استعمال کرتا ہے یہ شخص بدترین مقام میں ہوگا۔

4- چوتھا وہ بندہ جس کے پاس نہ مال ہے نہ علم اور (وہ اپنی بدنیتی کی وجہ سے یہ خواہش کرتا ہوا) کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو فلاں بندے (جو اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے) کی طرح میں بھی ایسا کرتا، ان (آخری دو بندوں) کو برابر کی سزا ہوگی۔

تشریح:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا کر کچھ ارشاد فرمایا ہو یا بغیر قسم کے، آپ کا فرمان ایسا ہی حق ہے اور آپ کی خبر ایسی ہی صادق ہے جس طرح کہ قرآن پاک کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ میرا حبیب اپنی خواہش سے تو بولتا ہی نہیں، وہ تو وہی بولتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس لیے جس طرح خدا کا جھوٹ بولنا ناممکن ومحال ہے اسی طرح حضور علیہ السلام سے بھی جھوٹ کا صدور محال ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ کا صدور بالذات محال ہے اور حضور علیہ السلام سے جھوٹ کا صدور بالغیر محال ہے۔ پھر قسم اٹھا کر بات کرنا صرف بات کی اہمیت کے پیش نظر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام لا ریب فیہ ہے لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پہ قسمیں یاد فرمائی ہیں۔ پھر اس حدیث میں نبی کریم علیہ السلام نے واللہ باللہ تاللہ سے قسم نہ اٹھائی بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر "اقسم" کے لفظ سے قسم اٹھائی جس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر بھی قسم اٹھائی جائے تو یہ بھی قسم اٹھانے کا ایک طریقہ ہے۔ جس سے قسم ہو جاتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مال سے راہ خدا میں خرچ کیا جائے اس میں

برکت پیدا ہو جاتی ہے قرآن مجید سورۂ روم میں فرمایا گیا کہ سود لینے سے مال کم ہو جاتا ہے اور زکوۃ دینے سے مال بڑھ جاتا ہے۔ (آیت نمبر ۳۹)

کیونکہ ایسے مال کو حاکم، وکیل، چور وغیرہ نہیں کھائے، ورنہ بیماری پر، مقدمہ بازی پر، ڈکیتی و چوری کے ذریعے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

اسی طرح بھیک مانگنے والے بھی ساری زندگی مانگتے ہی رہتے ہیں اگر جمع کر بھی لیں تو ایسا مال کس کام کا جو آخرت میں باعث عذاب ہو اور دنیا میں باعث ذلت ہو۔ جس سے بندہ خود بھی فائدہ نہ اٹھا سکے اور بعد والوں کی بھی تذلیل ہوتی رہے کہ اس کا باپ منگتا تھا۔ ایسے کی مثال مرقات میں کتے سے دی گئی ہے جو منہ میں روٹی کا ٹکڑا لیے ہوئے صاف و شفاف پانی والی نہر کے اوپر پل سے گذرتا ہے اور اپنا عکس دیکھ کر اس کو دوسرا کتا سمجھ لیتا ہے جس کے منہ میں اسے روٹی کا ٹکڑا نظر آتا ہے چنانچہ وہ اس پر حملہ کرتا ہے تا کہ اس کا ٹکڑا بھی چھین لے نتیجۃً اپنا ٹکڑا بھی ضائع کر لیتا ہے۔

حدیث میں مال سے مراد رزق حلال ہے اور علم سے مراد علم دین ہے یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ مال اگر ہو اور علم نہ ہو تو ایسا ہے کہ سانپ کا زہر ہو مگر تریاق نہ ہو۔ جس طرح بغیر تریاق کے زہر ہلاک کر دیتا ہے اسی طرح بغیر علم کے مال بھی بسا اوقات نقصان پہنچا دیتا ہے۔

علم کے مطابق مال خرچ کرے گا تو رب کی رضا کو پا کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہوگا۔ پھر جس طرح اچھا کام کرنا نیکی ہے اسی طرح اگر اچھا کام کرنے کی طاقت نہ ہو تو اچھا کام کرنے کی پکی نیت کر لینا بھی نیکی ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور اس امت کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ گناہ کے کرنے سے گناہ لکھا جائے گا اور نیکی کا ارادہ کرنے سے بھی نیکی لکھی جائے گی۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو یوفقه لعمل صالح قبل الموت۔ اس کو موت سے پہلے نیک کام کرنے کی

توفیق دے دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بندہ خود عالم نہیں اور مالدار ہے تو علماء سے ہدایت لے کر مال کا استعمال کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی جگہ خرچ کر دے کہ وہ سمجھے مجھے فائدہ ہو رہا ہے لیکن الٹا نقصان ہوتا رہے جس طرح آج کل ہمارے نام نہاد سنی ضروری جگہوں پہ خرچ کرنے کی بجائے عرسوں، قوالیوں اور شام قلندر وغیرہ کے نام پہ اپنی دولت کا ضیاع کرتے ہیں اور دینی کتابیں، مدارس پہ خرچ کرنے کے قریب نہیں آتے اور بدعقیدہ لوگ اسی وجہ سے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ مال کی وجہ سے گناہوں کے بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں اور جس کے پاس مال نہیں وہ بھی اپنی جہالت کی وجہ سے اسی طرح کی خواہش کرتے ہیں جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

الغرض! ہر ایک مال ہو یا علم، ان کے استعمال کا اعتبار ہوگا اگر مال اچھی جگہ خرچ ہو تو باعث ثواب ونجات ہے ورنہ سبب ہلاکت ہے۔ علم بھی اگر دنیا کمانے کے لیے ہو تو تباہی و بربادی کا باعث ہے ورنہ تو علم نبیوں کی میراث ہے۔

علم را برحق زنی یارے بود
علم را برتن زنی مارے بود

اور مال کے بارے فرمایا گیا:

ولم اربعد الدین خیرا من الغنی
ولم اربعد الکفر شرا من الفقر

ترجمہ: دین کے بعد مالداری سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں اور میں نے کفر کے بعد تنگدستی سے زیادہ برائی نہیں دیکھی۔

ایک حدیث میں ہے کاد الفقران یکون کفرا۔ بعض دفعہ غریبی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ میاں محمد بخش علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

روگاں وچوں روگ اولڑا جس دا نام غریبی
کنڈ ولا کے لنگھ جاندے نیں رشتے دار قریبی

علم کی مال پر فضیلت:

حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے: العلم خیر من المال۔ (کئی وجوہ کی بنا پر) علم مال سے افضل ہے۔ مثلاً

1- العلم یحرسك و انت تحرس المال۔

ترجمہ: علم تیری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تجھے خود حفاظت کرنا پڑتی ہے۔

2- العلم حاکم علیك والمال محکوم علیہ۔

ترجمہ: علم تجھ پہ حاکم ہے اور مال تیرا محکوم ہے۔

3- مات خزائن المال و بقی خزائن العلم۔

ترجمہ: مال کے خزانے مٹ گئے اور علم کے خزانے باقی رہ گئے۔

4- اعیانھم مفقودۃ و اشخاصھم فی القلوب موجودۃ۔

ترجمہ: اہل علم کے اجسام (اگرچہ) نہ رہے مگر ان کی ذوات دلوں میں موجود رہتی ہیں۔

یونس بن میسرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الخیر عادۃ والشر لجاجۃ و من یرد بہ خیرا یفقہ فی الدین۔

ترجمہ: خیر عادت ہے اور شر لجاجت ہے (اور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اسے فقاہت فی الدین حاصل ہوتی ہے) اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

التفقہ فی الدین حق علی کل مسلم الا تعلموا و تفقھوا ولا تموتوا جھالا۔

ترجمہ: فقاہت فی الدین ہر مسلمان پر لازم ہے۔ خبردار! علم سیکھو اور سکھاؤ اور فقہ حاصل کرو اور جاہل ہو کر نہ مرو۔ (کیونکہ جہالت دل کی موت ہے)۔ و لنعم ما قیل۔

و فی الجھل قبل الموت موت لاھلہ

فاجسامھم قبل القبور قبور

و ان امرء لم یحیی بالعلم میت

و لیس له حتی النشور نشور

جہالت میں موت سے پہلے موت ہے اور جاہلوں کے اجسام قبروں سے پہلے قبریں ہیں۔ اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت تک اس کے لیے کوئی زندگی نہیں ہے۔ (حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ کی ایک نایاب تقریر سے اقتباس جو آپ نے 1331ھ 19 محرم الحرام کو جامعہ نعمانیہ لاہور میں سالانہ جلسہ کے موقع پہ مشاہیر علماء و مشائخ اور اہل اسلام کے ایک بڑے اجتماع میں فرمائی)۔

(مہر منیر صفحہ ۴۶۴)

علم اور اہلِ علم کی فضیلت پہ اگر تفصیلاً پڑھنا ہو تو ہماری کتاب ''شانِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ بلفظِ انا'' اور ''اٹھارہ تقریریں'' دیکھیں۔

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱۴:

نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

لفظ ''نعت'' جس کا مادہ ''ن ع ت'' ہے اس لفظ کے بارے میں علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ اگر یہ باب فتح یفتح سے آئے تو اس کا معنی وصف ہوتا ہے اور اگر یہ باب تفعل سے آئے تو اس کا معنی ہے کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا۔ اور ابنِ کثیر کے مطابق نعت کا تعلق اگر بیان حسن سے ہو تو وصف اور نعت میں فرق یہ ہے کہ وصف عام ہے جو حسن و قبح پر بولا جائے گا اور لفظ نعت صرف حسن پر صادق آئے گا۔ بعض نے کہا کہ نعت تو صرف ذی جسم کی ہوتی ہے بخلاف وصف کے۔ اسی لیے اللہ یوصف کہا جاتا ہے اللہ ینعت نہیں کہا جاتا۔

ایک عربی دان کا کہنا ہے کہ نعت کا معنی ہے العتیق السباق۔ پرانا اور بہت پہلے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ السلام کی ذات پر نعت کا لفظ اس لیے صادق آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد حضور علیہ السلام ہی مخلوق میں سے سب سے قدیم و سابق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنت نبیا و ادم بین الماء والطین۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اور حضور علیہ السلام اول المسلمین بھی ہیں۔ رحمۃ للعالمین بھی ہیں تو جس طرح ربوبیت کا انتظام عالمین سے پہلے ضروری ہے اسی طرح رحمت کا بھی عالمین سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام اپنے کمالات و اوصاف کے اعتبار سے سب سے آگے بھی ہیں۔ لہٰذا آپ العتیق السابق بھی ہوئے۔

لسان العرب میں نعت کا معنی فضیلت بھی لکھا گیا ہے یعنی کسی ذات کا اپنی جنس

کی دیگر تمام انواع سے افضل ہونا لہٰذا نعت صرف حضور ہی کی ہوسکتی ہے کیونکہ آپ نہ صرف اپنی جنس کی تمام انواع سے بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں سے افضل اور حضور علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل

؎ فانہ شمس فضل هم کواکبها

یظهرن انوارها للناس فی الظلم

کبھی یہی لفظ نعت باب کرم یکرم سے آتا ہے اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے چہرے کا حسن۔ الغرض لغت و آثار و روایات میں نعت کے جو معانی و مطالب ہیں وہ ہیں اوصاف و احوال کا بیان، حلیہ بیان کرنا، تعریف میں مبالغہ کرنا، سفارش کرنا، کسی شئی کا قدیم الاصل ہونا، خواص کو منکشف کرنا وغیرہ ان تمام معانی میں کمال والے جتنے مفاہیم ہیں وہ سب اصطلاحی نعت میں پائے جاتے ہیں کیونکہ اصطلاح میں نعت اس کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے کمالات کو نظم میں بیان کرنا وہ کمالات غزوات و خطبات کے ضمن میں ہوں یا مناکحات و معاملات کے روپ میں ہوں یا معمولات و عادات و تعلیمات و معجزات کے انداز میں ہوں یعنی کوئی ایسا کمال نہیں جو کسی اور میں تو ہو مگر حضور علیہ السلام میں نہ ہو بلکہ جتنے کمالات ساری کائنات کو متفرق طور پر عطا کیے گئے وہ سارے اور اس کے علاوہ بہت سے کمالات اللہ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائے۔

اور حضور علیہ السلام کے کمالات کا اقرار و اظہار کرنا ہو تو نعت کہلاتا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا ہے، جب عام بندہ جو کسی پہ احسان کرے اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ۔ تو حضور علیہ السلام تو سراپا احسان عظیم ہیں۔ لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا۔ اگر کوئی کہے کہ لفظ شکر سے شکریہ ادا کرنا چاہیے تو سن لو کہ شکر جس طرح مورد کے لحاظ سے عام ہے چاہے زبان سے کرو یا دیگر اعضاء سے اسی طرح اس کے لیے الفاظ بھی کوئی خاص نہیں ہیں کسی کو دعائیں دے کر شکریہ ادا کرو یا اس کی تعریف کر کے شکریہ ادا

کرو بلکہ توصیف، مدح، ثنا، تحمید، تعریف اور شکر و نعت معنوی اعتبار سے مترادف المعنی ہیں۔ اصطلاحاً اگرچہ فرق ہے۔ جو پتھر ابو جہل کی مٹھی میں بول کر حضور علیہ السلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے وہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہی پڑھ رہے تھے۔

؎ لا الہ گفت الا اللہ گفت
گوہر احمد رسول اللہ گفت

وہ پتھر ہو کر نعت پڑھ رہے ہیں اور یہ مفسر ہو کر فتوے جڑ رہے ہیں اور اے سنیوں تم کتنے خوش نصیب ہو کہ

؎ شاہ بطحا کی مدح سرائی اہل سنت کے حصے میں آئی
بگڑی آقا نے سب کی بنائی اپنی قسمت جگائے ہوئے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی نعت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ورفعنا لك ذكرك۔ اے محبوب! تیری خاطر ہم نے تیرے ذکر کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی تیری نعت پڑھ کے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں حضور علیہ السلام کے ذکر کو بلند کر رہا ہوں کیونکہ تیرے ذکر کی بلندی کسی کی نعت کی محتاج نہیں ہے۔

؎ وہ جس کو خدا نے بڑھایا ہے کوئی اور بڑھانا کیا جانے

اللہ تعالیٰ کی تو صلوٰۃ ہی یہ ہے۔ صلوة الله ثنائه عليه۔ (بخاری) وہ ہمیشہ اپنے پیارے کی تعریف کرتا رہتا ہے اور اس کا اعلان ہے: اذا ذکرت ذکرت معی۔ پیارے جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں تیرا بھی ذکر ہوگا۔ تو خدا خود حضور علیہ السلام کا ثناء خوان اعظم بھی ہے اور محب اکبر بھی ہے۔ ؎ مجھے اس خدا کی ہے جستجو جسے مصطفیٰ کی ہے آرزو

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: محبت کا قانون ہے کہ محب اپنے محبوب کو اپنی ذات سے بھی عزیز تر سمجھتا ہے اس پر سوال ہوا کہ پھر اللہ نے سورۂ نور میں حضور علیہ السلام کو کوکب (ستارہ) کیوں فرمایا حالانکہ چاند سورج تو ستارے سے افضل ہوتے ہیں تو اس کا جواب اہلِ محبت نے یہ دیا کہ چاند سورج کو کبھی گہن لگ جاتا

ہے جس سے وہ بے نور ہو جاتے ہیں اور محبوب کا دل تو کبھی بے نور ہوتا ہی نہیں۔ اگر کافر اس نور کو نہیں دیکھ سکتے تو اس کی وجہ یہ ہے:

لان حجاب البشریہ غطت ابصارھم۔

ترجمہ: ان کی آنکھوں کو بشریت کے پردوں نے ڈھانپا ہوا ہے۔

لہٰذا ان کو پردہ تو نظر آیا لیکن پردہ نشین نظر نہ آیا۔ اور پردہ نشیں تو عاشقوں کو نظر آیا ہے یہی وجہ ہے کہ

حضرت مولانا کفایت علی کافی علیہ الرحمۃ کو جب پھانسی کے پھندے کی طرف لایا جا رہا تھا تو اس وقت بھی اپنے آقا کی نعت کے یہ اشعار گنگنا رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے فانی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

لفظِ نعت کا تذکرہ زبانِ رسالت پہ:

بعض لوگ لفظ نعت کو نیا سمجھ کر بدعت کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں حالانکہ یہ بابرکت لفظ ہمیں زبانِ رسالت مآب علیہ السلام سے ملا ہے۔ چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یہی لفظ ترمذی شریف میں حلیہ اور اوصاف بیان کرنے کے معنی میں استعمال ہوا۔ نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابویہ۔ حضور علیہ السلام نے دجال کے والدین کا حلیہ بیان فرمایا۔

ایک حدیث نسائی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: الشھر ھکذا و ھکذا۔ مہینہ اتنے (۲۹ یا ۳۰) دنوں کا ہوتا ہے۔ حضرت محمد بن عبید نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے سمجھایا جس کو راوی نے ینعتھا ثلاثا سے بیان کیا اور ینعت نعت سے ہے۔ مسند احمد میں نعت کا لفظ پندرہ مقامات پہ آیا ہے اور اس کے معنی ایک آدھ جگہ

کے علاوہ ہر جگہ تعریف کے ہیں۔ امت میں یہ لفظ حضور علیہ السلام کی تعریف میں سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ نے استعمال فرمایا۔ شمائل ترمذی میں ہے:

و یقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله۔ حضور علیہ السلام کی تعریف کرنے والا پکار اُٹھتا ہے کہ میں نے آپ سے پہلے آپ جیسا دیکھا ہے اور نہ آپ کے بعد۔

حُسن ہے بے مثل صورت لا جواب
میں فدا تم آپ ہو اپنا جواب

نعت کا انکار سب سے پہلے یہود و نصاریٰ نے کیا:

تفسیر جلالین میں ہر جگہ لیکتمون الحق وھم یعلمون۔ کے تحت لکھا ہے بکتمان نعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ حق کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل میں جہاں بھی حضور علیہ السلام کی تعریف تھی اس کو چھپالیا جانتے بوجھتے۔ آج اس جرم کا ارتکاب جان بوجھ کر وہ لوگ کر رہے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ قرآن وسنت کا علم صرف ہمارے پاس ہے اور بریلوی تو صرف ''ختم شریف'' پڑھ سکتے ہیں۔

ایک یہودی کا بیٹا جو حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آتا جاتا تھا۔ جب بیمار ہو گیا تو حضور علیہ السلام اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کا باپ اس کے پاس کھڑا تورات پڑھ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے باپ سے پوچھا۔ یا یھودی ھل تجد فی التوراۃ نعتی و صفتی و مخرجی۔ اے یہودی کیا تو تورات میں میری نعت و تعریف اور میری ہجرت کا ذکر پاتا ہے؟ یہ کائنات کا پہلا یہودی تھا جس نے نعت مصطفیٰ کا انکار کرتے ہوئے کہا: تورات میں آپ کی نعت کہاں سے آ گئی؟ یہ بات سن کر اس کا بیمار بیٹا بول اٹھا:

بلی واللّٰہ یا رسول اللّٰہ انا نجد فی التوراۃ نعتك و صفتك و مخرجك و انی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و انك رسول اللّٰہ۔

کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ہم تورات میں آپ کی نعت بھی پاتے ہیں اور آپ کے مبارک حلیے اور ہجرت کا تذکرہ بھی پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

معلوم ہوا! یہودی نعت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کرتا ہے اور مسلمان اقرار کرتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ نعت میں نہ تو حلت وحرمت کا ذکر ہے نہ تذکیر بایم اللّٰہ ہے نہ تذکیر باعداء اللّٰہ ہے نہ تذکیر بالموت ہے نہ اس میں علم عقائد کا مسئلہ ہے نہ نماز روزے کی بات ہے نہ دیگر احکام ہیں اس کو یہ پتہ نہیں کہ نعت عظمت مصطفیٰ کا نام ہے اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کی حیثیت کل کی ہے اور باقی تمام عنوانات اس موضوع کے سامنے جز کی حیثیت رکھتے ہیں اور کل کو جز میں تلاش نہیں کرتے اگرچہ کل جز میں پایا جاتا ہے مگر تمام اجزاء کل کا حصہ ہوئے ہیں۔ ورنہ پھر قرآن سے وہ تمام آیات نکال دو جن میں نہ کوئی حلت وحرمت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی نماز روزے کی بات کی گئی ہے اور کتنی نکالو گے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ

شد اس مداں زیراں زبراں شان تیری وچ آئیاں
عاماں لوکاں خبر نہ کائی خاصاں رمزاں پائیاں

ارے! اللہ تو اپنی توحید کی بات بھی اپنے محبوب سے لبوں سے کرواتا ہے۔ قل ھو اللّٰہ احد۔

لا اقسم بھذا البلد کی جو بھی تفسیر کرو لا کو نافیہ مانو یا قسمیہ۔ دونوں صورتوں میں نعت مصطفیٰ ﷺ ہی تو ہے اور خدا فرما رہا ہے اے پیارے اگر تیرے قدموں سے لگنے والے ذروں کی قسم نہ اٹھاؤں تو قسم نبی کس لیے ہے؟ اور نافیہ ہو تو فرما رہا ہے میں نہیں قسم اُٹھاتا، کعبہ وصفا ومروہ کی وجہ سے، حطیم وصحن حرم کی وجہ سے اور اُٹھاتا ہوں تو اس لیے کہ و انت حل بھذا البلد اس سے بڑھ کر اور کیا موقع ہوگا قسم اُٹھانے کا کہ تو اس شہر میں رہتا ہے۔ اور صرف یہیں پہ بس نہیں بلکہ ووالد وما

ولد۔ اے پیارے از آدم تا عبداللہ جن پستوں میں تیرا نور آیا ان تمام آباء کی قسم اور ان تمام آباء کے لخت جگر پیارے مصطفیٰ ﷺ کی قسم اور وما ولد۔ (جو پیدا ہوا) سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ تیرے میلاد کی قسم یعنی والنجم میں تیری معراج کی قسم اور وما ولد میں تیرے میلاد کی قسم۔

اللہ تعالیٰ نے نماز روزے کا ذکر کرتے ہوئے تو قسم نہیں اُٹھائی مگر کیا وجہ ہے قرآن میں دو جگہ معراج کا ذکر ہے اور دونوں جگہ قسم سے شروع کیا۔ سبحٰن الذی اسریٰ۔ بھی ایک طرح کی قسم ہے اور والنجم تو ہے ہی قسم اور پھر اے دن رات ذکر مصطفیٰ ﷺ کے بغیر اللہ اللہ کرنے والو! اللہ نے دونوں جگہ اپنا نام لیا نہ محبوب کا اور دونوں ہی جگہ اپنا بھی ذکر کیا اور محبوب کا بھی۔ اور بتا دیا کہ جس طرح پوری کائنات میں الذی مدلول میرے جیسا کوئی نہیں اسی طرح سارے جہان میں "عبد" میرے حبیب جیسا کوئی نہیں۔

؎ یہ احتیاط تمنا یہ احترام جنوں
کہ تیرا ذکر کروں اور تیرا نام نہ لوں

اور اکثر مقامات پہ قرآن پاک میں ایسا ہی ہے کہ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کو قسمیہ بیان فرمایا مگر نام نہ لیا کیونکہ جہاں بے حد محبت ہوتی ہے۔ وہاں نام کم لیا جاتا ہے تعریف زیادہ کی جاتی ہے۔ اور خدا نے تو اپنی ربوبیت کی قسم بھی محبوب ﷺ کی عظمت کی نسبت سے یاد فرمائی ہے۔ فلا و ربك۔ اے پیارے! مجھے تیرے رب ہونے کی قسم ہے۔

محمود و محمد (جل جلالہٗ، صلی اللہ علیہ وسلم):

کتنی عجیب بات ہے کہ "محمود" اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو کہ حمد سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس میں مبالغہ نہیں اور "محمد" حضور علیہ السلام کا نام ہے یہ بھی حمد سے ہے مگر اس میں مبالغہ ہے حالانکہ عقل کہتی ہے کہ مبالغہ کا صیغہ اللہ کے لیے ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی تعریف تو ہر کوئی کرتا ہے قرآن پاک میں ہے:

و لئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض و سخر الشمّس والقمر لیقولن اللّٰہ۔

ترجمہ: اگر آپ ان (کافروں) سے پوچھیں کہ زمین و آسمانوں خود کو کس نے بنایا اور سورج و چاند کو کس نے مسخر کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

ولئن سالتھم من نزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا لیقولن اللّٰہ۔ (العنکبوت:۶۱)

ترجمہ: اور اگر آپ ان (کافروں) سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کون اتارتا ہے اور اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کون کرتا ہے تو ضرور کہیں گے اللہ۔ (العنکبوت:۶۳)

قل لمن الارض و من فیھا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون اللّٰہ۔

ترجمہ: کہہ دو زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے کس کا ہے؟ اگر تم جانتے ہو تو (کافر ہو کر بھی) کہیں گے اللہ کا۔

قل من رب السمٰوات السبع و رب العرش العظیم۔ سیقولون اللّٰہ۔

ترجمہ: فرماؤ! کون مالک ہے ساتوں آسمانوں اور بڑے عرش کا تو کہیں گے اللہ ہی ہے۔

قل من بید ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون۔ سیقولون اللّٰہ۔ (المؤمنون ۸۴تا۸۹)

ترجمہ: فرمادو! کس کے ہاتھ میں ہے ہر شئی کا قابو اور (کون ہے وہ جو) پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں علم ہو (تو جواب میں) کہیں گے یہ شان تو اللہ ہی کی ہے۔

(جل جلالہ و اعظم شانہ و اتم برھانہ و عم نوالہ ولا الٰہ غیرہ)

لیکن اللہ کیلئے صیغہ مبالغہ کا نہیں اور حضور علیہ السلام کیلئے صیغہ مبالغہ کا ہے اس لیے کہ ساری خدائی تو خدا کی تعریف کرتی ہے اور خدا خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔

؎ نہ تنہا ہست خسرو نعت خوانش　　　خدائے ما ثنا خوان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور سنو! پیارے مصطفیٰ علیہ السلام کی نعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند ہے کہ اگر کسی ہندو اور سکھ نے بھی حضور علیہ السلام کی نعت کہی ہے تو مرنے سے پہلے اس کو بھی کلمہ نصیب ہونے کے روشن امکانات ہیں۔ اور جو نعت کے منکر ہیں مسلمان بلکہ شیخ القرآن کہلا کر بھی مرتے وقت جو ان کا حشر ہوتا ہے خدا کسی دشمن کا بھی نہ کرے۔

؎ لوگ جب نزدیک آئے غیب سے آئی صدا
یہ ہے میت بے ادب کی اس کا منہ مت دیکھئے

پھر میں کیوں نہ کہوں کہ کعبہ کا طواف تو صرف فرشی کرتے ہیں اور درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ فرشی بھی حاضری دیتے ہیں اور عرشی بھی حاضر ہو رہے ہیں اور ایک دو نہیں بلکہ ؎ ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام

؎ تمنا ہے درختوں پہ تیرے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

بعض ہمارے سادہ لوگ خوشی کے موقع پہ تو نعت پڑھنے سننے کا اہتمام کرتے ہیں لیکن غمی کے موقع پہ مثلاً کوئی فوتیدگی ہو جائے تو ابتدائی چند دنوں میں نعت کے اہتمام کو مناسب نہیں سمجھتے کہ غم تازہ ہے ایسوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ امام زین العابدین کے صدمے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو ہر دور میں تازہ رہے گا۔ مگر وہ تو دمشق جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں بھی اپنے آقا کی نعت پڑھ رہے ہیں اور ہوا کے دوش پہ اپنا ہدیہ نعت مدینے شریف پہنچا رہے ہیں۔

من وجهه شمس الهدیٰ من خده بدر الدجیٰ
من ذاته نور الهدیٰ من كفه بحر الهمم

ترجمہ: جن کا چہرہ مبارک سورج کی طرح روشن ہے اور جن کے رخسار چاند کی طرح چمکتے ہیں۔ جن کی ذات نور ہدایت ہے، جن کی ہتھیلی ہمتوں کا سمندر ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو اور آگے کی بات کر دی۔ فرماتی ہیں:

لنا شمس وللافاق شمس

و شمسی تطلع بعد العشاء

ترجمہ: ایک ہمارا سورج ہے اور ایک دنیا کا سورج ہے دنیا کا سورج صرف دن کو چمکتا ہے اور ہمارا سورج رات کو بھی نور کا فیض لٹاتا رہتا ہے۔

نعتیہ الفاظ کے اثرات:

دنیا کے ہر لفظ میں اثر موجود ہے اس کا جانور بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ جانوروں کو بلانے کے لیے جو آوازیں نکالی جاتی ہیں اگر چہ وہ الفاظ نہ لکھے جا سکتے ہیں نہ دنیا کی کسی ڈکشنری میں آپ کو مل سکتے ہیں مگر جانور ان الفاظ کا اثر لیتے ہیں، اسی لیے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب بے معنی اور مہمل سے الفاظ میں یہ اثرات ہیں تو جو الفاظ نعت میں اثرات کا قائل نہیں وہ کس کھاتے میں جائے گا؟

یہ بات اس لیے لکھ رہا ہوں کہ نعت خوانی کے دوران اگر کوئی ہجر و فراق تاجدار مدینہ میں رونے لگتا ہے تو بعض ''سنجیدہ'' قسم کے لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے کہ یہ تو خوشی کا موقع ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعریف ہو رہی ہے اس میں رونے کا کیا کام؟ ارے نعت اس کی بارگاہ میں ہدیۂ محبت ہے جو ساری زندگی امت کے غم میں روتے رہے جب ان کی تعریف سنتے ہیں اور زیارت سے محرومی اور مدینے سے دوری کا خیال آتا ہے تو رونا کیوں نہ آئے۔ ''جہڑ ا روو ے اوہدا کم ہووے''۔

اَج رَج رَج رووو اکھیوں نی مینوں یاد ماہی دی آئی اے

کِسے پیچا والیاں زلفاں والے مینوں پیچ دی پھائی پائی اے

نعت خوان کا مرتبہ و مقام:

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان بن ثابت منبرا فی

المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او ینافح و یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی یؤید حسان بروح القدس ما نافخ او فاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کیلئے منبر کا اہتمام فرماتے اور حضرت حسان اس منبر پہ کھڑے ہو کر حضور علیہ السلام کا دفاع کرتے اور (کافروں کی طرف سے حضور علیہ السلام کی دل آزاری پہ حضور علیہ السلام کے نسب کی فوقیت بیان کرے) مفاخرت فرماتے اور حضور علیہ السلام ان کی یوں حوصلہ افزائی فرماتے۔ ''اللہ تعالیٰ جبریل امین کے ذریعے حسان کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ رسول پاک علیہ السلام کا دفاع یا مفاخرت کرتے رہتے ہیں۔

(اور بعض دفعہ حضور علیہ السلام کا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر عطا کرنے کا بھی ذکر ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب کوئی واقعہ افک میں ملوث ہونے کی وجہ سے نامناسب الفاظ میں حضرت حسان کا ذکر کرتا تو آپ فرماتیں چپ ہو جاوہ تو حضور علیہ السلام کی نعت کہتا تھا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی اجازت سے ہی نہیں بلکہ آپ کے حکم سے نعت پڑھتے، آج لوگ ہمیں کہتے ہیں جی نعت کا کیا پڑھنا قرآن پڑھو۔
ہم کہتے ہیں کیا حضرت حسان کو قرآن نہیں آتا تھا؟ معلوم ہوا کہ صحیح معنوں میں قرآن وہی پڑھے گا جو صحیح معنوں میں ثناء خوانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ ورنہ

؎ بے عشق نبی جو بھی پڑھاتے ہیں بخاری
آتا ہے بخار ان کو نہیں آتی بخاری

حضور علیہ السلام کا ثنا خوان جب اپنی اس فضیلت کو دیکھتا ہے تو اپنی قسمت پہ ناز کرتا ہوا شاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا اور اپنے سر کی ٹوپی کو شاہوں کے تاج سے

افضل سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی شان بیان کر رہا ہے جس کی شان خود خدا اور ساری خدائی بیان کرتی ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں نذرانہ نعت پیش کیا تو حضور علیہ السلام نے سبز اور پھلدار ٹہنی کی طرح جھوم جھوم کر ان کی نعت کو سُنا۔ ان کی نعت کا ایک ایک شعر آب زر کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہے۔ مگر صرف دو شعر ملاحظہ ہوں!

فقد اتیت رسول اللہ معتذرا

والعفو عند رسول اللہ مقبول

ان الرسول لسیف یستضاء به

مهند من سیوف اللہ مسلول

ترجمہ: میں جب (تھک ہار کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عذر لے کر حاضر ہوا (تو سبحان اللہ اتنے بڑے مجرم کو حضور علیہ السلام نے معاف کر دیا اور معافی کیوں نہ ہو کہ) معاف کرنا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت پسند ہے۔ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ اللہ کی تلواروں میں سے ایک بہترین کھچی ہوئی تلوار ہیں۔

یاد رہے کہ ایک طرف تو نعت پڑھنا صحابہ کرام کی سنت ہے اور جھوم جھوم کر سُننا حضور علیہ السلام کی سنت ہے اور دوسری طرف حضور علیہ السلام کی نعت کہنا سنت خدا بھی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر نعت پڑھنا بڑی فضیلت کی بات ہے تو سُننا بھی کچھ کم فضیلت نہیں رکھتا۔

پرستار خرد! نعت نبی آساں نہیں اتنی

کہ یہ اشعار دل کی راہ سے ہو کر نکلتے ہیں

نعت خوانوں کی اصلاح کے لیے:

حضور علیہ السلام کے ثناء خواں کو جو جزوی فضیلت حاصل ہے وہ وہی ثنا خوان ہے جو حضرت حسان و کعب بن زہیر رضی اللہ عنہما کے طور طریقے پہ نعت پڑھے اور

اپنے دل میں خوفِ خدا اور عشقِ رسول پیدا کرے۔ حضور علیہ السلام کی اطاعت و اتباع کو جان و دل سے عزیز سمجھے تو اس کو یہ ساری برکات نصیب ہوں گی۔

اور سب سے بڑی برکت یہ کہ قیامت کے دن وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے ہوگا، جن کو یہ جزوی فضیلت نصیب ہے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے منبر کا اہتمام نہ فرمایا اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ اہتمام کیا گیا۔ لہٰذا نعت خواں کو اپنے منصب کا خیال رکھنا چاہیے نہ وہ کردار میں گھٹیا ہو اور نہ گفتار میں نکما ہو۔ جو ثناء خوانِ مصطفیٰ ﷺ ہو کر چہرے سے روزانہ حضور ﷺ کی سنت کا صفایا کرے وہ کونسا چہرہ لے کر سٹیج پہ جاتا ہے اور کس رسول ﷺ کی ثناء خوانی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور خدا کی پناہ! اب تو نعت خوان صرف داڑھی کے ہی دشمن نہیں نماز کے بھی تارک اور اس کے علاوہ ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں کہ الامان الحفیظ۔ ؎ شرمِ نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

میں ساری باتوں کو چھوڑ کر ان نعت خوانوں کی اصلاح کے لیے ہدایت کے چند پھول گلدستے کی صورت میں لا رہا ہوں۔

جو اپنی آواز کو سریلا بنانے کیلئے اور اپنی سر کو پختہ کرنے کیلئے گانے کی طرز پہ نعت پڑھتے ہیں اور اس مقصد کیلئے بڑے شوق سے گانے سنتے ہیں کوئی نور جہاں کا دیوانہ ہے تو کوئی نعت خواں ہو کر محمد رفیع کا مستانہ اور لتا منگیشگر کا پروانہ بنا پھرتا ہے۔ اور اپنا سلسلہ پھر بھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے جوڑتے ہیں۔

؎ وہ تھے کس منزل میں اور تو کونسی منزل میں ہے
شرم سے گڑھا جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

قرآن و سنت سے لے کر بزرگانِ دین کے اقوال کے آئینے میں ذرا اپنا آپ دیکھ لینا چاہیے کہ گانے اور مزامیر کو کس نظر سے دیکھا گیا ہے۔

پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک حکیمانہ اور مدبرانہ فرمان ملاحظہ ہو۔ اور

بالخصوص نعت خوان طبقہ اس پہ غور کرے کہ نعت خوانی سے پہلے تمہاری حیثیت کیا تھی اور نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تم کہاں تک پہنچ گئے۔ اب اگر گانے والوں اور گانے والیوں اور ان کے گانے باجے کے آلات لہو ولعب سے تم عزت حاصل کرنے کی چاہت رکھو گے تو پھر کہاں پہنچ جاؤ گے۔

جب سر محشر وہ پوچھیں گے بلا کر سامنے
کیا حساب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

حضرت عمر فرماتے ہیں:

كنتم اذل الناس واحقر الناس واقل الناس فاعزكم الله
بالاسلام فمهما تطلبوا العزة بغير الله يذلكم الله

ترجمه: تم (اسلام سے قبل) دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور پست تھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تمہیں عزت بخشی، پس جب کبھی تم غیر اللہ کے ذریعہ سے عزت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر دے گا۔

گانا باجا اور آلاتِ لہو ولعب:

❁ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الغناء تنبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء الزرع۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن جابر، مشکوۃ شریف)

ترجمه: گانا دل میں اس طرح نفاق اُگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔

❁ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس اُمت میں خاص نوعیت کے چار فتنے ہوں گے۔ ان میں آخری اور سب سے بڑا فتنہ راگ ورنگ اور گانا بجانا ہوگا۔ (ابن ابی شیبہ، ابوداؤد)

❁ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص گانا سنتا ہے اسے جنت میں روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہیں ملے گی''۔

کنز العمال میں یہ بھی اضافہ ہے کہ کسی نے پوچھا: ''روحانیوں سے کون مراد ہیں؟'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ''جنت کے قراء''۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۳۳)

- حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں، جن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔ ایک تو خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز، دوسرے مصیبت کے موقع پر آہ و بکا اور نوحہ کی آواز ہے''۔ (رواہ البزار وابن مردویہ والبیہقی وکنز العمال)
- گانے والی عورتوں کی کمائی حرام ہے۔ (کنز العمال، الترمذی، ابوداؤد)
- گانا شیطان کے سوا کوئی نہیں گاتا۔ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ)
- گانا ابلیس کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک جیسا گناہ ہے۔

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ)

- خدائے رحمٰن کے بندے گانے (باجوں) کی محفل میں شریک نہیں ہوتے۔

(امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

- گانا ایک فضول اور مکروہ شغل ہے، جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے۔ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)
- گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ)
- گانا مردار کی طرح حرام ہے۔ (حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ)
- اللہ تعالیٰ گانے والے اور جس کیلئے گایا جائے دونوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

(حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ)

تصویر کا دوسرا رُخ:

موضوع کو مکمل کرتے ہوئے اس مسئلہ پہ تصویر کا دوسرا رُخ دکھانا بھی ضروری ہے کیونکہ شریعت کی طرف سے کسی موقع پہ جو رعایت دی گئی ہے اس کا کتمان بھی جرم

ہے اور اس بارے میں امام ابوبکر بن العربی الاندلسی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں جو محققانہ بحث فرمائی ہے انہی کی عبارت مع ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ جس سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ جس طرح مال کا استعمال اچھا بھی ہے بُرا بھی اسی طرح غنا کی بعض موقعوں پہ اجازت خود حضور علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔ لیکن اس اجازت سے طوائفوں کے گانے اور مجرے نیز فحش فلمی گانے اور بے حیائی اور بے پردگی کے مناظر کا جواز نکالنا پرلے درجے کی خیانت و بددیانتی ہے۔

و اما الغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك بن انس و ليس في القرآن ولا في السنة دليل على تحريمه اما في الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث ان ابا بكر دخل على عائشة و عندها جاريتان من جاريات الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابوبكر امز مار الشيطان فى بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله دعهما يا ابابكر فانه يوم عيد ـ فلو كان الغناء حراما ما كان في بيت رسول الله و قد انكره ابوبكر بظاهر الحال فاقره النبى ﷺ بفعل الرخصة والرفق بالخليقة في اجمام القلوب اذليس جميعها يحمل الجد دائما و تعليل النبى صلى الله عليه وسلم بانه يوم عيدیدل على كراهية دوامه و رخصته في الاسباب كالعيد والعرس و قدوم الغائب و نحوذلك من المجتمعات الّتي تؤلف بين المفترقين والمفترقات عادة و كل حديث يروى في التحريم و آية تتلى فيه فانه باطل سندا باطل معتمدا خبرا و تاويلا۔

(احکام القرآن جز اوّل: لابی بکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک جن میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، غنا ایک ایسا لہو ہے جو دلوں میں ہیجان پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن و سنت میں اس کی حرمت پر کوئی

دلیل نہیں۔ بلکہ اس صحیح حدیث سے اس کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کے پاس انصار کی دو لڑکیاں اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے بارے میں کہے تھے۔ حضرت صدیق نے (غصہ سے) فرمایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشانۂ اقدس اور اس میں شیطان کے آلات۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو فرمایا: اے ابوبکر! انہیں گانے دو۔ کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ اگر غنا حرام ہوتا تو اس کا گزر حضور علیہ السلام کے گھر کیونکر ہوتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو اسے بند کرنا چاہا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی اور لوگوں سے نرمی فرمائی تاکہ وہ اس سے اپنے دلوں کو بہلا سکیں۔ کیونکہ ہر شخص ہر وقت ایسے زہد اور ایسی پابندی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ آج عید کا دن ہے انہیں گانے سے نہ روکو، یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وقت غنا سننا مکروہ ہے بلکہ خاص خاص تقریبات مثلاً عید، شادی، کسی مسافر کی واپسی وغیرہ موقع پر اس کی رخصت ہے اور (اس) غنا کی حرمت پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے یا معنی کے اعتبار سے قابلِ التفات نہیں ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۹۶، ۲۹۷)

محفل حمد و نعت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادوار میں بھی محافل حمد و نعت کا اہتمام ہوتا تھا۔ (اور وہ بھی نظم و نثر میں) اگرچہ وہ محافل ان ادوار کے تقاضوں کے مطابق ہوتی تھیں تاہم اس سے ہر دور میں اس طرح کی بابرکت محافل سجانے کا ثبوت تو ضرور مل جاتا ہے چنانچہ چند روایات ملاحظہ ہوں:

- حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے جب ان کے قریب ہوئے تو سنا کہ وہ آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنی مخلوق میں سے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا) خلیل بنایا دوسرے نے کہا کہ یہ اس سے زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں آخر میں کہنے والے نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ بنایا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ سلام کیا اور ارشاد فرمایا میں نے تم لوگوں کی گفتگو اور اظہارِ تعجب کرنا سن لیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرنے والے ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور وہ ایسے ہی ہیں۔ جان لو! میں اللہ کا حبیب ہوں لیکن میں فخر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن لواء الحمد اٹھانے والا ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفیع اور سب سے پہلا مشفع (شفاعت قبول کیا ہوا) ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں ہی پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے دروازے کی زنجیر کو حرکت دے گا اور اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ وہ مومنین ہوں گے جو فقیر تھے لیکن مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور اولین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم میں ہی ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

(جامع ترمذی جلد۲ صفحہ۲۰۲، سنن دارمی جلد۱ صفحہ۳۹، تفسیر ابن کثیر جلد۱ صفحہ۵۶۰، شرح السنۃ جلد۱۳ صفحہ۱۹۸، تفسیر درمنثور جلد۲ صفحہ۷۰۵، تفسیر کبیر جلد۶ صفحہ۱۶۷)

❁ عن ابی سعید الخدری قال خرج معاویة علی حلقة فی المسجد فقال: ما اجلسکم؟ قالوا: جلسنا نذکر اللّٰه عزوجل، قال آللّٰه ما اجلسکم الا ذاك؟ قالوا: آللّٰه ما اجلسنا الا ذاك،

قال اما انی لم استحلفکم تهمة لکم، وما کان احد بمنزلتی من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اقل عنه حدیثا منی و ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خرج علی حلقة من اصحابه فقال: ما اجلسکم؟ قالوا جلسنا نذکر اللّٰه عزوجل و نحمده علی ماهدانا للاسلام ومن علینا بك، قال آللّٰه ما اجلسکم الا ذلك؟ قالوا: آللّٰه ما اجلسنا الا ذلك، قال اما انی لم استحلفکم تهمة لکم، و انه اتانی جبریل علیه السلام فاخبرنی ان اللّٰه عزوجل یباهی بکم الملائکة ۔

(اخرجہ احمد فی مسندہ جلد ۴ صفحہ ۹۲ برقم ۱۶۹۶۰ و ابن مندۃ فی التوحید صفحہ ۱۳۰ برقم ۸۱۰ والطبرانی فی الکبیر جلد ۱۹ صفحہ ۳۱۱ برقم ۷۰۱ و ابن مبارک فی الزہد صفحہ ۳۹۶ برقم ۱۱۲۰)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک گروہ کے پاس تشریف لائے، تو فرمایا تم نے یہ جلسہ کیوں منعقد کیا ہے؟ (یعنی جمع ہو کر بیٹھے ہو) انہوں نے کہا ہم نے یہ جلسہ اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کے لیے منعقد کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم کیا تم صرف اسی لیے یہاں جمع ہو اس کے علاوہ تو کوئی بات نہیں؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم، ہم صرف اسی لیے یہاں جمع ہیں اور کوئی بات نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تم پر کسی تہمت کی وجہ سے تم سے حلف نہیں لیا، بلکہ میں تم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں سب سے کم بیان کرنے والا ہوں اور بے شک ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم نے اللہ عزوجل کا ذکر اور اس نے ہمیں جو

اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اس پر اس کی حمد وثنا بیان کرنے اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ہم پر جو احسان کیا ہے اس کا ذکر کرنے کے لیے یہ جلسہ منعقد کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم صرف اسی لیے یہاں بیٹھے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کی قسم! ہم یہاں صرف اسی لیے بیٹھے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم پر کسی تہمت کی وجہ سے تم سے حلف نہیں لیا، بلکہ بے شک میرے پاس جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے تو مجھے خبر دی کہ بے شک اللہ عزوجل تمہارے اس عمل پر فرشتوں کے سامنے فخر فرما رہا ہے۔

(اس حدیث مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں ذکرِ الٰہی کی مجالس کا انعقاد کرتے وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ کی تعریف وثنا کی محافل بھی سجاتے تھے اور وہ محافل ایسے مقام اور مرتبہ والی ہوتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ان لوگوں کو خوشخبریاں دیتا ہے کہ میں تمہارے اس کام پر فخر کرتا ہوں تو اگر آج چند مسلمان مل کر آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکروں کے لیے محفل سجاتے ہیں تو وہ ناجائز کیسے ہو سکتی ہے؟)

❁ حضرت مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے گویا انہوں نے کچھ (الفاظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے) سن رکھے تھے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دلی ارادے سے مطلع ہو گئے) پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر انور پر جلوہ فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا میں کون ہوں، سب نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں (حضرت) عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس مخلوق

میں بہترین گروہ کے اندر مجھے پیدا فرمایا پھر اس (گروہ) کو دو گروپوں (عرب و عجم) میں تقسیم کیا اور ان میں بہترین گروہ میں مجھے پیدا کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے قبائل بنائے اور ان میں سے بہترین قبیلہ میں مجھے پیدا کیا پھر اس بہترین قبیلہ کے گھر بنائے تو مجھے بہترین گھر اور نسب میں پیدا کیا۔

(جامع ترمذی جلد۲ صفحہ۲۰۱، مسند امام احمد جلد۱ صفحہ۹-۲۰۸، دلائل النبوت للبیہقی جلد۱ صفحہ۱۶۹، مجمع الزوائد جلد۸ صفحہ۱۰۶، ونحوہ عن علی المرتضیٰ، طبقات الکبریٰ جلد۱ صفحہ۱۸، کنز العمال جلد۲ صفحہ۱۷۵)

۞ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو اور اولاد کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

(جامع ترمذی جلد۲ صفحہ۲۰۱، صحیح مسلم جلد۲ صفحہ۲۴۵، مسند ابی یعلی صفحہ۱۳۵۹، المعجم الکبیر للطبرانی جلد۲۲ صفحہ۶۶، مسند امام احمد جلد۴ صفحہ۲۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی جلد۶ صفحہ۳۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ جلد۷ صفحہ۴۳۰، شعب الایمان جلد۲ صفحہ۱۳۹، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ۵۱۱)

۞ حضرت مریم بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک واپسی پر حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو میں نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہوئے پایا: یا رسول اللہ انی ارید امتدحك۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کروں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قل لا یفضض اللہ فاك۔ کہیے اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کو محفوظ رکھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار کی شکل میں بیان کرنا شروع کیا۔ پڑھیں اور بار بار پڑھیں، اور اپنے سینوں کو عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منور کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز دیکھیں کس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت و میلاد کے

تذکرے کرتے ہیں۔

من قبلها طبت فی الظلال و فی
مستودع حیث یخصف الورق

ترجمہ: یا رسول اللہ ﷺ آپ دنیا میں جلوہ گری سے قبل جنت میں سایہ تلے تھے، جبکہ جسموں پر ابھی پتے لپیٹے جا رہے تھے۔

ثم هبطت البلاد لا بشر
انت ولا مضغة ولا علق

ترجمہ: پھر آپ ﷺ کی دنیا کی طرف تشریف آوری ہوئی اور آپ ﷺ اس وقت نہ بشر تھے نہ خون کا لوتھڑا اور نہ ہی گوشت کا ٹکڑا۔

بل نطفة ترکب السفین و قد
الجم نسرا و اهله الغرق

ترجمہ: بلکہ آپ ﷺ ایک نطفہ کی صورت میں کشتی نوح علیہ السلام میں سوار تھے اور وہ کشتی نسر بت اور اس کے پجاریوں کو غرق کر رہی تھی۔

تنقل من صالب الی رحم
اذا مضی عالم بدا طبق

ترجمہ: آپ ﷺ ایک پشت سے ایک رحم کی طرف منتقل ہوتے رہے، جب دنیا جہاں میں صدیوں کی صدیاں گزر گئیں۔

حتی احتوی بیتك المهیمن
خندف علیا تحتها النطق

ترجمہ: حتیٰ کہ آپ ﷺ کے معظم گھر نے خندف کو احاطہ میں لے لیا، جس کے سامنے فلک بوس پہاڑ بھی سرنگوں ہیں۔

و انت لما ولدت اشرقت الارض
وضائت بنورك الافق

فنحن فی ذلك الضیاء و فی
النور و سبل الرشاد نخترق

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ صفحہ ۲۱۲)

آخری دو اشعار کا ترجمہ اشرف علی تھانوی صاحب نے نشر الطیب میں اس طرح کیا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے، سو ہم اس ضیاء اور نور میں ہدایت کے رستوں کو قطع کر رہے ہیں۔ (نشر الطیب صفحہ ۱۲)

اب ہم اس ذوقِ تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے نظم میں نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے اس بزم کو سجا رہے ہیں۔

اگر آنا تیرا اس بزم میں اک بار ہو جائے
تمہارا کیا بگڑتا ہے ہمیں دیدار ہو جائے

نعت کیا ہے؟ (حصہ نظم)

نعت کیا ہے؟ مدحتِ خیر البشر، خیر الورٰی
نعت کیا ہے؟ دونوں عالم میں محمد کی ثنا
نعت کیا ہے؟ روح و جاں میں گرمیٔ صلِ علیٰ
نعت کیا ہے؟ دل کے آئینے میں عکسِ مصطفیٰ

کیا کہوں رعنائیوں کا کون سا انداز ہے
نغمۂ عشقِ رسولِ پاک کا آغاز ہے

نعت کیا ہے؟ سرمدی جذبات کی ترسیل ہے
نعت کیا ہے؟ لا الٰہ کے نور کی ترتیل ہے
نعت کیا ہے؟ قصرِ حسن و عشق کی تکمیل ہے
نعت کیا ہے؟ حکمِ ربی کی فقط تعمیل ہے

رحمت و بخشش کی ارزانی ہے نعتِ مصطفیٰ
دیدہ و دل کی ثنا خوانی ہے نعت مصطفیٰ

نعت کیا ہے؟ عشق کے ساگر میں غرقابی کا نام
نعت کیا ہے؟ میرے ہر جذبے کی سیرابی کا نام
نعت کیا ہے؟ ہجر میں سانسوں کی بیتابی کا نام
نعت کیا ہے؟ گنبدِ خضرا کی شادابی کا نام

نعت ہے بے آب صحراؤں میں پانی کی سبیل
نعت ہے اسمِ محمد ہی کا اِک نقشِ جمیل

نعت کیا ہے؟ قریۂ نخوت کی ویرانی کا نام
نعت کیا ہے؟ ملتِ بیضا کی سلطانی کا نام
نعت کیا ہے؟ دست بستہ اُن کی دربانی کا نام
نعت کیا ہے؟ روضۂ اقدس پہ حیرانی کا نام

نعت، ابوابِ محبت کا جلی عنوان ہے
ہم غلامانِ پیمبر کی یہی پہچان ہے

نعت کیا ہے؟ لب بہ لب طیبہ کے میخانے کا نام
نعت کیا ہے؟ آنسوؤں کے رقص میں آنے کا نام
نعت کیا ہے؟ لوحِ جاں پہ پھول بکھرانے کا نام
نعت کیا ہے؟ اُن کی چوکھٹ پر مچل جانے کا نام

نعت کہنے کے لیے دل پاک ہونا چاہیے
غرقِ الفت دیدۂ نمناک ہونا چاہیے

نعت کیا ہے؟ وصفِ ختم المرسلیں کا تذکرہ
نعت کیا ہے؟ عظمتِ نورِ مبیں کا تذکرہ
نعت کیا ہے؟ نکہتوں کی سرزمیں کا تذکرہ
نعت کیا ہے؟ سب حسینوں سے حسیں کا تذکرہ
دل کے بنجر کھیت میں کرنیں اُگا دیتی ہے نعت
نقشِ باطل کو جبینوں سے مٹا دیتی ہے نعت

نعت کیا ہے؟ وادیٔ شعر و سخن کا افتخار
نعت کیا ہے؟ خوشبوؤں کا صحنِ گلشن میں فشار
نعت کیا ہے؟ رات کے پچھلے پہر کا انکسار
نعت کیا ہے؟ اک عطائے رحمتِ پروردگار
دل کی ہر دھڑکن کہے یا مصطفیٰ تو نعت ہو
حکم دے میرے قلم کو جب خدا تو نعت ہو
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(ریاض حسین چودھری سیالکوٹ)

نعت کیا ہے؟

نعت کیا ہے؟ سرورِ عالم کی سیرت کا بیاں
نعت کیا ہے؟ آپ کے لطف و محبت کا بیاں

نعت کیا ہے؟ مصلحِ انساں کے اوصافِ جمیل
نعت کیا ہے؟ مومنانہ فکر کی روشن دلیل

نعت کیا ہے؟ کیفِ حُبِّ سرورِ دنیا و دیں
نعت کیا ہے؟ لازوال اک دولتِ حُسنِ یقیں

نعت کیا ہے؟ مُرسَل و مرسِل میں فرق و امتیاز
نعت کیا ہے؟ جادہ و منزل میں فرق و امتیاز

نعت کیا ہے؟ ذکرِ کردارِ محمد مصطفیٰ
نعت کیا ہے؟ حسنِ گفتارِ محمد مصطفیٰ

نعت کیا ہے؟ گلشنِ افکارِ ختم المرسلین
نعت کیا ہے؟ راہِ ہستی میں سراج السالکین

نعت کیا ہے؟ شمعِ سُبحَانَ الَّذِیْ اسریٰ کی ہے
نعت کیا ہے؟ چاندنی اُس ناظرِ اقصیٰ کی ہے

نعت کیا ہے؟ داستانِ فاتحِ بدر و حنین
نعت کیا ہے؟ نکہتِ زلفِ امام القبلتین

نعت کیا ہے؟ اتباعِ حضرتِ حسّان ہے
نعت کیا ہے؟ موجِ کیفِ سورۂ رحمان ہے

جو اُصولِ شرع کا پابند رہ سکتا نہیں
وہ محمد مصطفیٰ کی نعت کہہ سکتا نہیں
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(راغب مرادآبادی، کراچی)

نعت کیا ہے؟

نعت کیا ہے؟ حُسن کے سردار جذبے کا جمال
چشمِ عشق و اشک سے دیکھے ہوئے منظر کی آل

نعت کیا ہے؟ سُنّتِ پروردگارِ دو جہاں
خالق و مخلوق کے مابین ربطِ لازوال

نعت کیا ہے؟ اِک تلاوت کربلائے عصر میں
ہر یزیدی دور پر غالب رہا جس کا جلال

نعت صادق چاہتوں کے باغ کا کھلتا گلاب
حضرتِ حسّان بن ثابت کا گلزارِ خیال

نعت، نسبت کے سہانے نور کی صبحِ ظہور
شب کے تنہا موسموں میں گونجتی بانگِ بلال

نعت دل کی بستیوں میں عہدِ خوشحالی کا راز
اک عقیدت مند سرشاری کا شہر بے مثال

چارۂ بے چارگاں ہے زخم کا مرہم ہے نعت
اپنے آقا سے عقیدت کا ہے عکسِ خوش خصال

سرزمینِ قلب میں سرسبزیوں کی فصل نعت
سبز گنبد کے سدا شاداب موسم سے وصال

حُسنِ کامل کی ازل سے تا ابد توصیف نعت
جس کے وردِ پاک سے فیروزؔ کٹتے ہیں ملال
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(محمد فیروز شاہ، میانوالی)

نعت کیا ہے؟

نعت کیا ہے؟ ذکرِ سُلطانِ عرب کا اہتمام
نعت کیا ہے، راحتِ قلبِ حزیں، لطفِ دوام

نعت کیا ہے؟ گلستانِ زندگانی کی بہار
نعت کیا ہے؟ انشراحِ لُطفِ ربّ کا اہتمام

نعت کیا ہے؟ آنکھ میں لرزیدہ آنسو کی چمک
نعت کیا ہے؟ دِل میں خوابیدہ محبت کا قیام

نعت کیا ہے؟ مطلعِ حسنِ یقیں کی چاندنی
نعت کیا ہے؟ دل کے گلشن میں ہواؤں کا خرام

نعت کیا ہے؟ جلوۂ صبحِ ازل، نُورِ ابد
نعت کیا ہے؟ شوق کا پیغام بہرِ خاص و عام

نعت کیا ہے؟ دل کی چاہت حاصلِ سوز و گداز
نعت کیا ہے؟ شاعرِ پُرشوق کا حُسنِ کلام

نعت کیا ہے؟ جذبِ مستی، رفعت ذوقِ یقیں
نعت کیا ہے؟ خستہ سامانوں کا آقا کو سلام

نعت کیا ہے؟ شوکتِ افکار کی رعنائیاں
نعت کیا ہے؟ عاصیوں کا اپنے آقا سے کلام

نعت کیا ہے؟ افتخارِ جُملہ اَصنافِ سُخن
نعت کیا ہے؟ کاروانِ عشق و مستی کی اِمام

نعت کیا ہے؟ فرقتِ شہرِ محمد کی کسک
نعت کیا ہے؟ دیدِ ارضِ شوق کی خواہش مدام

نعت کیا ہے؟مَن کے آنگن میں ستاروں کا طلوع
نعت کیا ہے؟ دِل میں ہر پل عظمتِ خیرالانام

نعت کیا ہے؟ ہرنَفَس عنبر فشانی کا گماں
نعت کیا ہے؟ ہدیۂ جاں الصلوٰۃ والسلام

نعت کیا ہے؟ جذبۂ توصیفِ محبوبِ خدا
نعت کیا ہے؟ حسنِ ایماں سے نبی کا احترام

نعت کیا ہے؟ دورِ حاضر کا نشانِ امتیاز
نعت کیا ہے؟ کلکِ شاعر سے عقیدت کا پیام

نعت کیا ہے؟ زندگانی کی بہارِ جاوداں
نعت کیا ہے؟ فکرِ شاعر کے مہک جانے کا نام

نعت کیا ہے؟ روشنی ہی روشنی ہی روشنی
نعت کیا ہے؟ شکرِ ربّ حضرت خیرالانام

نعت کیا ہے؟ روحِ انساں کو پیامِ آگہی
نعت کیا ہے؟ اے رِضا مدحِ محمد کا نظام
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(محمد اکرم رضا، گوجرانوالہ)

نعت کیا ہے؟

نعت کیا ہے؟ مصطفیٰ کی شان ہے، نعت میرا دین ہے ایمان ہے
نعت سنت ہے خدائے پاک کی، نعت کا رطب اللسان "سلطان" ہے

نعت ہے توصیفِ ختمی مرتبت، نعت تو آمد ہے اور وجدان ہے
نعت صنف شاعری میں پل صراط، نعت تو ایمان کا میدان ہے

نعت میرے عشق کی تمہید ہے، نعت میری قبر کا سامان ہے
نعت کا ہر حرف یاقوت وعقیق، نعت ہیرے موتیوں کی کان ہے

نعت میری زندگی کا حوصلہ، نعت بخشش کا میری سامان ہے
نعت شہرِ علم کی تعریف خاص، نعت میرے علم کا عنوان ہے

نعت ہے نیکی بدی میں امتیاز، نعت گویا حاصلِ فرقان ہے
نعت پڑھنا منعفت ہی منعفت، نعت سننا خاصۂ خاصان ہے

نعت میرے واسطے وجہِ پناہ، نعت میرے سر پہ سائبان ہے
نعت سے پاتا ہوں میں صبر وقرار، نعت تو اجملؔ کی اب پہچان ہے
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نعت کیا ہے؟

نعت کیا ہے؟ تپشِ دِل کا وفورِ اظہار
نعت کیا ہے؟ دِلِ بے تاب کا سامانِ قرار

نعت کیا ہے؟ نگہِ شوق کی تسکیں کا چمن
جس سے ملتی ہے ہر اک گلشنِ ایماں کو بہار

نعت کیا ہے؟ چمنِ دل کے لیے اذنِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہر اک چشمِ بصیرت بیدار

نعت کیا ہے؟ لبِ خاموش کا اعلانِ وجود
جس کا ہر لفظ ہے ایمان کے چہرے کا نکھار

نعت کیا ہے؟ دمِ عیسیٰ کا بدل بہرِ خیال
جس سے جاگ اُٹھتے ہیں آئینۂ دل میں افکار

نعت ہے، توبۂ آدم کے لیے راہِ قبول
نعت ہے، نوح کی کشتی کے لیے اذنِ قرار

نعت ہے جذبۂ انصاف کا سینے میں خروش
جس کے آہنگِ دلآویز سے انساں کا وقار

نعت ہے سایۂ رحمت میں ضیا پاشئ نُور
جس کے صدقے میں ہوا کون و مکان کا اظہار

نعت ہے اُن کی ثنا خوانی کی جرأت کا نشاں
مدح خواں جن کا ہے قرآن میں ربِّ مختار

نعت کہنا ہے خداوندِ دو عالم کی عطا
نعت سُننا ہے غلامانِ نبی کا معیار

نعت گر دل میں نہ ہو حمدِ خدا بے معنی
نعت ہے صیغۂ احمد میں احد کا اقرار

نعت ہے فکرِ بشر کے لیے معراجِ شعور
نعت ہے، ذکرِ محمد میں فرشتوں کا شعار

نعت ہے آئینۂ عرضِ ہُنر کا جوہر
جس سے ہوتی ہے نظر نورِ بصیرت سے دوچار

نعت ہے آئینۂ جاں کی جلا شام و سحر
دور ہو جاتا ہے جس سے غمِ دنیا کا غبار

حاصلِ تجربۂ دہر یہی ہے سجّادؔ
جو نثار احمدِ مرسل پہ، جہاں اس پہ نثار
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(سید سجاد رضوی، لاہور)

نعت کیا ہے؟

نعتِ رسولِ کریم وجہِ سکون و سُرور
نعتِ رسولِ کریم کیفِ شرابِ طہور

نعتِ رسولِ کریم آبِ زلالِ حیات
نعتِ رسولِ کریم موجہِ دریائے نور

نعتِ رسولِ کریم راحتِ قلب و جگر
نعتِ رسولِ کریم سوز و گداز و سُرور

نعتِ رسولِ کریم فکر و نظر کا کمال
نعتِ رسولِ کریم عقل و خرد کا ظہور

نعتِ رسولِ کریم گنجِ خلوص و یقیں
نعتِ رسولِ کریم نغمگیٔ صبحِ طور

نعتِ رسولِ کریم وردِ لبِ جبرئیل
نعتِ رسولِ کریم لطفِ خدائے غفور

نعتِ رسولِ کریم حصنِ بقائے دوام
نعتِ رسولِ کریم سلطنتِ بے ثغور

نعتِ رسولِ کریم سلسلۂ صبح و شام
نعتِ رسولِ کریم کارِ سنین و شہور

نعتِ رسولِ کریم میری متاعِ حیات
نعتِ رسولِ کریم دولتِ فہم و شعور

نعت مری آرزو، نعت مری جستجو
نعت مری زندگی نعت مری آبرو
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(خالد علیم، لاہور)

نعت کیا ہے؟

نعت، توصیفِ حبیبِ کبریا
نعت، مدحِ رہبرِ راہِ ہُدا

نعت، عکسِ سیرتِ میرِ اُمم
نعت، عنوانِ ثنائے مصطفیٰ

نعت، توقیرِ کلامِ اہلِ فن
نعت، ذکرِ شافعِ روزِ جزا

نعت، درمانِ مریضِ حرص و آز
نعت، دردِ زندگانی کی دوا

نعت، کردارِ رسالت کی مہک
نعت، خوشبوئے خصالِ مجتبیٰ

نعت، ایقان و محبت کی دلیل
نعت، احساساتِ مومن کی صدا

نعت، شمعِ خلوتِ زہد و ورع
نعت، نورِ مشعلِ غارِ حرا

نعت، الفاظ حسیں کا امتزاج
نعت، معراجِ قلم صلِ علیٰ

سربسر ناقص ہوں راسخ کیا کہوں
نعت کیا ہے، نعت کا مفہوم کیا
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(راسخ عرفانی، گوجرانوالہ)

نعت کیا ہے؟

نغمۂ جاں فزا ہے نعتِ رسول
حاصلِ مُدّعا ہے نعتِ رسول

درد کی روشنی عطا کر دی
ظلمتوں میں ضیا ہے نعتِ رسول

قلبِ بے تاب کو سکوں بخشا
زیست کا آسرا ہے نعتِ رسول

دردمندوں کی آبرو اس سے
آنسوؤں کی دعا ہے نعتِ رسول

گلشنِ جاں میں ہے مہک اس کی
ایسی رنگیں ادا ہے نعتِ رسول

قرب کی لذتیں ہیں دوری میں
وہ حسیں سلسلہ ہے نعتِ رسول

اِس سے تازہ ہے وارداتِ دل
حُسن اشعار کا ہے نعتِ رسول

ہے خیالوں میں ایک ہی صورت
صورتِ حق نما ہے نعتِ رسول

قبر میں جس سے روشنی ہوگی
وہ چراغِ وفا ہے نعتِ رسول

وصف کیسے بیاں ہوں اِس کے
کیسے لکھوں کہ کیا ہے نعتِ رسول

اس سے پائی ہے روح نے معراج
سوز کی انتہا ہے نعتِ رسول

آستاں عارفوں کی منزل ہے
عاشقوں کی صدا ہے نعتِ رسول

ان کے دربارِ قُدس میں حافظؔ
صورتِ التجا ہے نعتِ رسول
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(حافظ لدھیانوی)



تقریر نمبر ۱۵

حضور علیہ السلام کا وصالِ پُر ملال

محمد مصطفیٰ آئینہ انوارِ یزدانی
محمد مصطفیٰ دیباچہ انوارِ قرآنی
محمد مصطفیٰ سر تا پا اوصاف صمدانی
محمد مصطفیٰ تقدیس کل تطہیر سبحانی

اس کو اتفاق کہا جائے یا بارہ ربیع الاول اور پیر کے دن کی خوش بختی کہ حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت بھی بروز پیر ماہ ربیع الاول میں ہوئی اور اس ظاہری دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مولیٰ سے وصال بھی اسی میں ہوا بلکہ معتبر قول کے مطابق آقا کا میلاد بھی بارہ ربیع الاول شریف کو ہوا اور وصال بھی۔ اور اپنے وصال کے واضح اشارات حضور علیہ السلام نے پہلے ہی فرما دیے۔

مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پہ فرمایا ہوسکتا ہے یہ تمہاری میری آخری ملاقات ہو اور اگلے سال نہ مل سکیں۔ اس سال رمضان شریف میں بجائے دس دن کے بیس دن کا اعتکاف فرمایا اور قرآن پاک کا دور بھی خلافِ معمول حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ فرمایا۔

اسی سال شہداء احد کے مزارات کے پاس منبر پہ جلوہ گر ہو کر خطاب فرمایا صحابہ کہتے ہیں یوں خطاب کیا کہ جس طرح الوداعی خطاب ہوتا ہے۔ اس میں یہ بھی فرمایا: مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے بلکہ خطرہ ہے تو اس

بات کا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو گے اور دنیا میں زیادہ ملوث ہو جاؤ گے۔

اسی طرح سورہ النصر اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم سے صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا کہ جدائی ہونے والی ہے۔

قرآن مجید کی آیت ولن یؤخر اللّٰہ نفسا اذا جاء اجلھا کہ موت کا وقت ایک سانس بھی مؤخر نہیں ہوگا۔ یہ آیت جس سورت میں ہے وہ قرآن پاک کی تریسٹھویں سورت ہے جس میں حضور علیہ السلام کی ظاہری عمر کے سالوں کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی ظاہری حیات تریسٹھ سال تھی۔ پھر یہ آیت اس سورۃ (المنافقون) کی گیارہویں اور آخری آیت ہے جس میں حضور علیہ السلام کے وصال کا سال گیارہ ہجری اور یہ آپ کی ظاہری حیات کا آخری سال تھا۔ پھر اس سورت کے بعد سورۂ تغابن ہے جس کا معنیٰ ہلاکت وشکست ہے گویا یہ اشارہ ختم نبوت کی طرف تھا کہ اب میرے پیارے کے وصال کے بعد صرف قیامت کی شکست وریخت ہی ہوگی کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اس طرح کے سینکڑوں اشارے تو قرآن پاک سے مل سکتے ہیں اور ہزاروں احادیث میں موجود ہیں۔ بہرحال!

حضور علیہ السلام کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ازواج کے درمیان اوقات کی تقسیم کار میں اختیار دے رکھا تھا (ترجی من تشاء منھن و تؤوی الیك من تشاء۔ الاحزاب)

لیکن پھر بھی آپ اپنی بیویوں کو برابر کا وقت عطا فرماتے جب جسمانی کمزوری زیادہ ہوگئی اور وصال کا وقت قریب آیا تو اپنی ازواج سے پوچھا کل میری باری کہاں ہے؟ انہوں نے سمجھ لیا کہ حضور علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار فرما رہے ہیں چنانچہ سب نے عرض کیا حضور جہاں رہنا چاہیں ہمیں نہ صرف یہ کہ اعتراض کوئی نہیں بلکہ ہماری رضا بھی اس میں ہے۔

؎ راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

چنانچہ اس طرح روزانہ کی تکلیف اور مکان بدلنے کی فکر بھی ختم ہوگئی اور آپ

نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو پسند فرمایا جہاں آج آقا علیہ السلام کا مزار پرانوار ہے اور اس کے بارے میں فرمایا کہ میرے گھر سے لے کر منبر تک مسجد نبوی کا سارا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اور اس حجرہ مبارکہ میں صبح وشام ستر ستر ہزار فرشتے حاضر ہو کر حضور علیہ السلام کی قبر انور سے اپنے پروں کو مل کر سلام محبت عرض کرتے ہیں۔ ایک غیر مسلم نے روضۂ مبارکہ کے متعلق کیسا عجیب شعر کہا ہے:

رضواں تجھے جو ناز ہے جنت پہ اس قدر
کیا چیز ہے وہ روضۂ اطہر کے سامنے

(ٹھاکر بوا سنگھ اثیم)

وصالِ پُرملال سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: چند اشرفیاں ہمارے گھر میں ہیں وہ لے آؤ تا کہ راہِ خدا میں خرچ کر دی جائیں کیونکہ میں اپنے رب سے ایسی حالت میں نہیں ملنا چاہتا کہ گھر میں دنیا کا مال چھوڑ کے جاؤں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب زیادہ کمزوری ہوئی تو مسجد میں جانا موقوف کر دیا اور فرمایا: مروا ابا بکر فلیصل بالناس۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں سترہ نمازیں پڑھائیں اور مولیٰ علی سمیت سب نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نمازیں ادا فرمائیں۔ اگرچہ حضرت عائشہ نے بار بار حضرت حفصہ سے کہلوایا کہ ابوبکر رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ کھڑے نہ ہو سکیں گے۔

مگر حضور علیہ السلام نے جھڑک دیا فرمایا تم یوسف علیہ السلام کو پھسلانے والی عورتوں کی طرح نہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ صرف میرے صدیق کو ہی میرے مصلے پہ دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام تو یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ابوبکر میرے مصلے پہ کھڑا ہو کر کیسا لگتا ہے اور میں دیکھوں کون ہے جو میرے صدیق کی امامت کا انکار کرتا ہے۔

یاد رہے! کہ جب تک حضور علیہ السلام دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لا سکتے تھے لاتے رہے حدیث میں آتا ہے کہ قدم مبارک زمین کے ساتھ

گھسٹ رہے تھے اور آقا علیہ السلام حضرت ابن عباس اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے کندھوں کے سہارے مسجد میں تشریف لا رہے تھے۔ اہلِ محبت کو آپ کے قدموں کی یہی لکیر صراطِ مستقیم نظر آتی ہے اور مرتے دم تک نماز کی پابندی کرتے رہتے ہیں۔

جس دن حضور علیہ السلام کا وصال ہونا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضور علیہ السلام نے حجرے سے پردہ ہٹا کے اپنے غلاموں کو صدیق اکبر کی امامت میں نماز پڑھتے دیکھا اور خوشی سے مسکرانے لگے کہ میری کھیتی بار آور ہوگئی ہے اور میری محنت قبول ہوگئی ہے (کزرع اخرج شطئه فازره فاستغلظ فاستویٰ علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار) دل سے دعا نکلی:

پھلا پھولا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے پردہ ہٹایا حالانکہ حجرہ مبارکہ بائیں طرف تھا لیکن تین دن تک دیدار سے محروم رہنے والے مشتاقانِ دید کو جب محسوس ہوا کہ پردہ اُٹھا ہے تو انہیں نماز کی ہوش نہ رہی اور چہرۂ والضحیٰ دیکھنے میں مصروف ہوگئے اور امام صاحب کا یہ حال تھا کہ انہیں مصلّے یاد نہ رہا اور سب دیدار مصطفیٰ میں غرق ہوگئے۔

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

کیونکہ یہ وہ پاک وقت تھا کہ جب اس عقیدے کے لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے جو کہتے ہیں کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانے سے نماز خراب ہو جاتی ہے۔ کہاں خیال کہاں دیکھنا اور یہ کہنا کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ انور دیکھا تو ایسے لگا کہ گویا کھلا ہوا قرآن ہے۔

صحابہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں اپنی نمازیں ٹوٹنے کا خطرہ محسوس ہوا تو سرکار نے

پردہ لٹکا دیا اور فرمایا: اتموا صلاتکم ۔ اپنی نماز مکمل کرو۔ کیونکہ نماز کی بہر حال حضور علیہ السلام کی نگاہ میں بہت اہمیت تھی بوقت وصال جب نقاہت کی وجہ سے آواز بھی نہ نکل پا رہی تھی تو آپ ہونٹ ہلا رہے تھے۔ جب منہ کے ساتھ کان لگایا گیا تو آپ فرما رہے تھے الصلوۃ وما ملکت ایمانکم ۔ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہنا۔ کبھی فرمایا مہمانوں (وفود) کی خدمت کرنا اور ان کو ہدایا سے نوازنا۔ اسی دوران ہی نماز کے بارے میں بار بار پوچھتے، سر پہ پانی ڈالتے بار بار غشی طاری ہوتی اور اس دعا کے ساتھ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللھم الرفیق الاعلی۔ (متفق علیہ) قالت عائشہ فکان اخر کلمۃ تکلم بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ حضور علیہ السلام کے دہن اقدس سے نکلنے والے آخری الفاظ تھے۔

اس موضوع پہ چند احادیث مبارکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

۞ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام منبر پہ جلوہ گر ہوئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ان عبد اخیرہ اللہ بین ان یؤتیہ من زھرۃ الدنیا ما تشاء و بین ما عندہ۔ ایک بندے کو اللہ نے دنیا کی تر و تازگی (نعمتیں) عطا کرنے جتنی وہ چاہے اور آخرت کی نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں (میں سے کوئی ایک) لینے کا اختیار دیا ہے تو اس بندے نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کو پسند کر لیا ہے۔

حضور علیہ السلام کا یہ فرمان سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اور عرض گزار ہوئے ہمارے ماں باپ آپ پہ قربان (آپ ہمیں چھوڑ کے جا رہے ہیں؟) صحابہ کہتے ہیں ہم نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: دیکھو اس بزرگ کی طرف کہ حضور علیہ السلام تو ایک بندے کو دنیا و آخرت میں اختیار دینے کا ذکر فرما رہے ہیں اور یہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں فدیناك باباءنا و امھاتنا (ہمارے ماں باپ آپ

پہ قربان) پھر بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اختیار دیے گئے بندۂ خاص تو حضور علیہ السلام ہی تھے پس ابوبکر ہم میں سے سب سے زیادہ علم والے (اور مزاج شناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے)۔ (متفق علیہ)

یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیناک باباءنا و امھاتنا کا جملہ بول کر بتا دیا کہ لوگو! وہ بندۂ مختار تو ہمارے آقا ہی ہیں جن کی برکت سے ہم خدا کے بندے بنے اور ہم اس مقام پہ پہنچے کہ خدا کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوئی اور رویا اس لیے ہوں کہ مجھے حضور علیہ السلام کے فرمان سے ہجر کی بو آ رہی تھی۔

فراقِ یار قیامت سے کم نہیں ہے عدم
دن کو چین نہ راتوں کو نیند آتی ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا:

ما من نبی یمرض الاخیر بین الدنیا والآخرہ۔ اللہ کا کوئی نبی بیماری (مرض الموت) میں مبتلا نہیں ہوا مگر (اللہ کی طرف سے) اسے اختیار دیا گیا کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو پسند کرے (اور میرے پاس آ جائے۔ اور حضور علیہ السلام نے اس بیماری میں جس میں آپ کی وفات ہوئی جب آخری سانسوں میں تھے تو میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے:

مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ (متفق علیہ)

(اے اللہ! مجھے) نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ (ملا دے)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں پس میں نے جان لیا کہ حضور علیہ السلام کو اختیار دے دیا گیا ہے (اور آپ ہم سے رخصت ہونے ہی والے ہیں)

یعنی حضور علیہ السلام کو جب دنیا میں رہنے اور آخرت میں آنے کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے فوراً اپنے رب کے ساتھ ملاقات کو ترجیح دی گویا آپ نے زبان

حال سے کہا: اے اللہ! اب میں اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتا۔ میں نے اس دنیا میں طائف کے بازار بھی دیکھے ہیں اور اسی دنیا والی زندگی میں عرش کی سیر بھی کی ہے اب میرا دل اس دنیا سے اُچاٹ ہو گیا ہے۔ اب مجھے اپنے حریم قدس میں واپس بُلا لے۔ اگر معراج کی رات تو میری ملاقات کا مشتاق تھا تو آج میں تیری ملاقات چاہتا ہوں۔

۞ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعامات فرمائے ان میں سے حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت جو مجھ پر انعامات ہوئے وہ یہ ہیں:

۱- توفی فی بیتی۔ حضور علیہ السلام کا وصال با کمال میرے گھر میں ہوا۔

۲- و فی یومی۔ میری باری میں حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی اور مجھے اپنے آقا کی خدمت وزیارت کرنے کا خوب موقع ملا۔

۳- و بین سحری و نحری۔ حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ میرے سینے اور گردن کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

جن کا پہلو ہوا نبی کی آخری آرام گاہ
جن کے حجرہ میں قیامت تک نبی ہیں جاگزیں

۴- و ان اللہ جمع ریقی و ریقه عند موته۔ بوقت وفات میرے اور حضور علیہ السلام کے لعاب دہن کو اللہ نے ملا دیا۔ کیونکہ میرے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر مسواک کر رہے تھے اور میں حضور علیہ السلام کو سہارا دیے ہوئے تھی میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں نے پہچان لیا کہ آپ کا مسواک کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ میں نے پوچھا: حضور! مسواک چاہیے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر حضور علیہ السلام کو دی۔ آپ نے چبائی تو سخت تھی۔ میں نے عرض کیا: نرم کر دوں؟ فرمایا: ہاں۔ (میں نے منہ میں چبا کر نرم کر دی تو آپ نے اسی طرح بغیر دھوئے اس کو دانتوں پہ پھیرا۔

اس وقت آپ ﷺ کے سامنے پانی کا برتن رکھا ہوا تھا جس میں آپ (ﷺ) دونوں ہاتھ ڈبوئے اور پھر اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے:

لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی سختیاں بڑی شدید ہیں پھر فی الرفیق الاعلیٰ فرمایا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اور ہمیں پتہ تب چلا کہ جب آپ کا ہاتھ مبارک جھک گیا۔ (رواہ البخاری)

ایسے وقت میں بھی مسواک کرنے کی خواہش بتا رہی ہے کہ اسلام ہمیں کس قدر صاف ستھرا رہنے کا حکم دیتا ہے اور پھر بوقت موت مسواک اس لیے بھی ضروری ہے کہ ابھی چند لمحوں کے بعد خدا کی بارگاہ میں حاضری ہونے والی ہے۔

۞ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے وصال کے وقت فرمایا:

یا عائشة ما ازال اجدا لم الطعام الذی اکلت بخیبر و ھذا او ان وجدت انقطاع ابھری من ذالك السمّ۔

اے عائشہ! اس وقت میں اس کھانے کا اثر محسوس کر رہا ہوں جو میں نے (ایک یہودیہ کے ہاتھوں زہر آلود بکری کی صورت میں) خیبر کے موقع پہ کھایا تھا، میں اس وقت اپنی رگِ جاں کا ٹوٹنا اس زہر کی وجہ سے محسوس کر رہا ہوں۔

شہادت مصطفیٰ ﷺ:

حضور علیہ السلام میدان جنگ میں کفار کے ہاتھوں اس لیے شہید نہ ہوئے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمك من الناس۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ لیکن حضور علیہ السلام نے شہادت کی تمنا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو سرّی شہادت سے بہرہ مند فرمایا۔ تاکہ حفاظت کا وعدہ الٰہی بھی پورا ہو جائے اور حضور علیہ السلام کی تمنا بھی پوری ہو جائے۔

کیونکہ اگر آپ میدانِ جنگ میں شہید ہوتے اور آپ کے جسمِ اقدس پہ گھوڑے

دوڑتے تو کوئی کافر کہہ دیتا کہ دیکھو نبی کا کیا حال ہو رہا ہے۔ یا دیکھو! نبی میدان میں مرا پڑا ہے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ گوارا نہ تھا۔ لیکن رتبے دونوں شہادتوں کے آپ کو حاصل ہوئے کیونکہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو آپ نے اپنے بیٹے فرمایا، دونوں شہزادوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت نورانی بھی عطا کی امام حسن ناف سے سینے تک حضور علیہ السلام کے مشابہ تھے اور امام حسین ناف سے پاؤں تک۔ امام حسن کو سری شہادت ملی اور امام حسین کو جہری شہادت دے کر حضور علیہ السلام کو دونوں شہادتوں کا رتبہ عطا کر دیا۔

گویا روح شہادت آرزوئے شہادت میں پائی گئی اور شکل شہادت نواسوں کے ضمن میں پائی گئی۔ جس کی ابتداء غزوہ احد میں ہوئی اور انتہا ربیع الاول گیارہ ہجری میں ہوئی اس کا تعلق تو آپ کی ذات سے ہے اور امام حسن سے آغاز ہو کر دس محرم کو کربلا میں امام حسین پہ اختتام یہ نواسوں کے ذریعے تھا۔

دونوں نواسوں کے نام حسن وحسین کے اندر الحسنیٰ مشترکہ وصف ہے جس کا معنیٰ شہادت کیا گیا ہے الشهادة لانها حسنة واسعة۔ معلوم ہوا کہ نواسوں کے یہ نام رکھ کر حضور علیہ السلام نے ان کے پیدا ہوتے ہی بتا دیا کہ ان سے میری تمنائے شہادت کا ظہور ہوگا۔

عزرائیل علیہ السلام کی حاضری اور خضر علیہ السلام کا تعزیت کرنا:

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریشی ان کے والد حضرت امام زین العابدین کے پاس آیا اور کہا: کیا میں آپ کو حضور علیہ السلام کی (وفات) کی بات سناؤں؟ فرمایا: سناؤ۔ اس نے کہا:

جب حضور علیہ السلام بیمار ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا:

یا محمد ان اللہ ارسلنی الیك تكریمالك و تشریفا لك

یسئلك عما هو اعلم به منك یقول كیف نجد بك

اے محمد (ﷺ) مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس خصوصی طور پر عزت وتکریم کرنے کے لیے بھیجا ہے (کیونکہ آپ کے سوا اللہ نے کسی کی مزاج پرسی نہ فرمائی۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی بیماری میں ان کی مزاج پرسی فرمائی چنانچہ آپ کو اس سے اتنی لذت آتی کہ تندرست ہو کر رویا کرتے تھے کہ بیماری کی اتنی تکلیف نہ تھی اور اب تندرستی میں اتنی لذت نہیں جتنی لذت اس میں تھی کہ میرا رب مجھ سے پوچھتا تھا کہ اے میرے ایوب تیرا کیا حال ہے؟ لیکن یہ مزاج پرسی مرض الموت میں نہ تھی لہٰذا حضور علیہ السلام کی خصوصیت قائم ہے۔ (روح البیان)

اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے حالانکہ وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے، آپ کا کیا حال ہے؟ حضور علیہ السلام نے جبریل امین علیہ السلام کو فرمایا اے جبریل! میں (اپنے دین و امت کی فکر میں ہوں کہ میرے بعد ان کا کیا بنے گا اور) اپنے آپ کو غم اور تکلیف میں محسوس کرتا ہوں۔

پھر دوسرے دن جبریل امین نے یہی عرض معروض کی اور حضور علیہ السلام نے یہی جواب دیا۔ پھر جب تیسرا دن آیا تو جبریل امین نے یہی کچھ عرض کیا اور آپ (ﷺ) نے وہی جواب دیا اور اس دن جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ آیا جسکا نام اسماعیل تھا اور وہ ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا سردار تھا کہ ان ایک لاکھ میں سے ہر ایک پھر ایک لاکھ کا سردار تھا (تو یہ فرشتہ دس ارب فرشتوں کا سردار ہوا مگر) حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کر رہا ہے اور آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا، ملک الموت بھی اجازت مانگ رہا ہے۔ اس سے پہلے اس نے کسی سے (اندر آنے کی) اجازت طلب نہیں کی اور نہ ہی آپ کے بعد کسی سے اجازت لینے کی اس کو ضرورت ہے، فرمایا: اجازت ہے۔ فرشتے نے حاضر ہو کر عرض کیا:

یا محمد ان اللہ ارسلنی الیك۔ اللہ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

فان امرتنی ان اقبض روحك و ان امرتنی ان اترکه ترکته۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی روح قبض کروں اور آپ مجھے حکم دیں (کہ روح قبض نہ کروں) تو میں آپ کی روح قبض نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا:

و تفعل یا ملك الموت۔ اے ملک الموت کیا تم یہ کام کرو گے۔

عرض کیا: ہاں! مجھے اسی کام کا حکم ہوا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں۔ پھر حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا (اور آنکھوں آنکھوں میں مشورہ ہو گیا) جبریل نے کہا: یا محمد ان اللّٰہ قد اشتاق الی لقائك۔ اللہ تعالیٰ (خصوصی قرب کے ساتھ) آپ کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔

تب حضور علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا: امض لما امرت بہ۔ جو تجھے حکم ہوا ہے کر گذر۔ چنانچہ عزرائیل علیہ السلام نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح قبض کی اور وفات کے بعد جب تعزیت کا وقت آیا تو لوگوں کو گھر کے ایک کونے سے آواز آئی۔

السلام علیکم اهل البیت و رحمة اللّٰه و برکاته ان فی اللّٰه عزاء من کل مصیبة و خلفا من کل هالك و درکا من کل فائت فبا اللّٰه فاتقوا و ایاه فارجوا فانما المصاب من حرم الثواب۔

ترجمہ: اے گھر والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں اللہ کی راہ میں ہر مصیبت پہ صبر ہی کرنا چاہیے، اور ہر فوت ہونے والے کا خلیفہ ہوتا ہے۔ ہر گذر جانے والے کا عوض ہوتا ہے تو اللہ سے ڈرو اور اس سے ہی امید رکھو پورا مصیبت زدہ تو وہ ہے جو ثواب سے محروم کر دیا گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون تعزیت کر رہا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: یہ خضر علیہ السلام ہیں۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۹)

(ہو سکتا ہے علی سے مراد زین العابدین ہوں مگر امام جزری نے حصن حصین میں

جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ پہلے فرشتوں نے تعزیت کی پھر ایک سفید ریش نہایت حسین و جمیل تندرست لوگوں کو چیرتا ہوا آیا اور جسم اطہر کے پاس آ کر مذکورہ الفاظ کہے تو حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ خضر علیہ السلام ہیں)۔ (مرقات - اشعۃ)

غسل و دفن:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام کو غسل دینے کا ارادہ کیا گیا تو ہم نہ جان سکے کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپ کے کپڑے اتار کر غسل دینا ہے یا کپڑوں سمیت۔ جب اس بارے میں اختلاف پیدا ہوا تو لوگوں پر گہری نیند طاری کر دی گئی کہ ہر شخص کی ٹھوڑی سینے سے لگنے لگی (اور وہ اونگھنے لگے) پھر گھر کے ایک کونے سے کسی غیبی شخص (خضر علیہ السلام - مرقات) کی آواز آئی۔

اغسلوا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و علیہ ثیابہ۔ حضور علیہ السلام کو کپڑوں سمیت غسل دو چنانچہ آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

❁ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کے دفن (کی جگہ) کے بارے میں اختلاف ہوا۔ (بعض نے کہا مکہ شریف میں دفن کیا جائے بعض بیت المقدس اور بعض نے جنت البقیع میں دفن کرنے کا مشورہ دیا۔ مرقات میں ہے کہ بعض نے یہ کہا کہ آپ کو دفن نہ کیا جائے تاکہ لوگ قیامت تک زیارت کرتے رہیں کیونکہ نبی اللّٰہ حی یرزق)

فقال ابوبکر سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئاً قال ما قبض اللّٰہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ اذ فنوہ فی موضع فراشہ۔

(رواہ الترمذی - مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس بارے میں حضور علیہ السلام سے ایک بات سنی ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسی جگہ وفات دی ہے جو جگہ اس کو دفن کے لیے پسند تھی لہٰذا حضور علیہ السلام کو آپ کے بستر کی جگہ ہی دفن کرو۔

○ وضاحت

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے فلسطین کی سرزمین پہ دفن کی جگہ ملے چنانچہ وہیں پہ آپ کی وفات ہوئی اور وہیں آپ دفن ہوئے۔ (ہو سکتا ہے کہ خدا نے آپ کے دل میں یہ بات ڈالی ہو کہ معراج کی رات میرے حبیب کی سواری اس جگہ سے گذرے گی تو آپ نے اس جگہ دفن ہونے کی دعا کی تا کہ سوار جہانگیر کو گذرتا ہوا دیکھوں اور قبر میں کھڑے ہو کر ان پہ صلوٰۃ پڑھوں) یوسف علیہ السلام اولاً مصر ہی میں دفن ہوئے جہاں آپ فوت ہوئے تھے پھر چار سو برس کے بعد آپ کا تابوت فلسطین لایا گیا۔

یعقوب علیہ السلام اپنی زندگی میں ہی فلسطین پہنچے وہیں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں پہ دفن ہوئے۔

یہ ہمارے آقا علیہ السلام کی خصوصی شان ہے کہ آپ کی وفات بھی آپ کے گھر میں ہوئی اور دفن بھی گھر میں ہی ہوئے۔ ہم لوگ اپنے گھروں میں دفن نہیں ہو سکتے۔ حضور علیہ السلام کا گھر بوقت وفات کسی کی ملکیت نہ تھا بلکہ وقف تھا پھر ہر وقف شدہ زمین پہ قبر نہیں بنائی جا سکتی جس طرح مسجد میں قبر نہیں بن سکتی مسجد کی جگہ نماز کے لیے وقف ہے نہ کہ قبروں کے لیے۔

حدیث میں الذی یحب ان یدفن فیه کے الفاظ میں ہ ضمیر اللہ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور نبی (علیہ السلام) کی طرف بھی، پہلی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ نبی اللہ جہاں فوت ہو وہیں دفن کیا جائے اور دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ ہر نبی علیہ السلام کو یہی پسند ہے کہ جہاں اس کی وفات ہو وہیں اس کو دفن کیا جائے۔

مرزا قادیانی بے چارہ قسمت کا مارا:

ضمیر کو اللہ کی طرف لوٹائیں یا نبی اللہ کی طرف مرزا دونوں صورتوں میں قابو آ

جائے گا اور اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے گا۔ پہلی صورت میں اس لیے کہ جب اللہ کو یہ پسند ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں اس کو دفن ہونا چاہیے تو اے مرزائیو! اگر تمہارے مرزا نبی ہے (معاذ اللہ) تو اس کو واپس لائٹرین میں لاؤ اور برانڈرتھ روڈ احمدیہ مارکیٹ لاہور کے پتہ پہ اس کا ناپاک وجود ناپاک جگہ پہ لا کر دفن کرو اور وہاں پہ بورڈ لگاؤ ''قادیانی ہاؤس'' یا لکھو مرزا کی آخری نجاست گاہ کیونکہ اللہ کو یہی پسند ہے کہ نبی جہاں فوت ہو وہیں اس کی قبر بنے۔

دوسری صورت میں اگر مرزا نبی ہے (معاذ اللہ) تو اسکو بھی یہی پسند تھا کہ میری قبر میرے مرنے کی جگہ پہ بنے کیونکہ اللہ کا ہر نبی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی وفات کی جگہ پہ ہی اس کی قبر بنے اور مرزا لائٹرین میں مرا لہٰذا مرزا کی ناپاک روح کو خوش کرنے کے لیے اس کی قبر کو ناپاک جگہ پہ بناؤ کیونکہ غلاظت کی مکھی کو خوشبودار اور عمدہ جگہیں پسند نہیں آتیں اور ''گوں کی مکھی گوں پر ہی بیٹھتی ہے''۔

؎ کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے تو آپ نے ان کو تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکل گئی۔ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آئے تو اجازت لے کر آئے۔ کسی کے پاس آتا ہے تو سلام کرتا ہے کسی کے پاس آتا ہے تو اجازت لیتا ہے کسی کے پاس آتا ہے تو تھپڑ پڑتا ہے اور مرزے کو ''ٹٹی'' سے بھی نہیں نکلنے دیتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ عزرائیل علیہ السلام بھی چاہتے ہیں کہ مرزے کی قبر بیت الخلاء میں بنے۔ تو اے مرزائیو! تم حکومتوں سے مطالبے کرتے ہو کہ ہمارا فلاں مسئلہ حل کرو اور اللہ، رسول، عزرائیل اور خود مرزا تم سے مطالبہ کر رہا ہے کہ مجھے واپس لائٹرین میں لاؤ تا کہ

؎ ''پاسباں'' بھی خوش رہے راضی رہے ''صیاد'' بھی۔

حضور علیہ السلام کی وفات بھی رحمت ہے:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ اذا اراد رحمة امة من عبادہ قبض نبیھا قبلھا فجعلہ لھا فرطا و سلفا بین یدیھا و اذا اراد ھلکة امة عذبھا و نبیھا حی فاھلکھا وھو ینظر فاقر عینیہ بھلکتھا حین کذبوہ و عصوا امرہ۔ (رواہ مسلم)

جب اللہ تعالیٰ بندوں میں سے کسی امت پہ رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو امت کے سامنے نبی علیہ السلام کو وفات دیتا ہے جو آگے جا کر اپنی امت کا پیش رو بنتا ہے (اپنی امت کے لیے آخرت کی منزل آسان کرنے کا انتظام کرتا ہے) اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس نبی کی آنکھوں کے سامنے امت پہ عذاب نازل فرماتا ہے پھر وہ نبی اپنی نافرمان قوم کی ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے کیونکہ امت نے اپنے نبی کو جھٹلایا ہوتا ہے اور اس کے حکم کی نافرمانی کی ہوتی ہے۔

چنانچہ پہلے نبیوں کی نافرمان قوموں کو ان نبیوں کے سامنے ہلاک کر کے ان نبیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور ہمارے حضور علیہ السلام کی نافرمان امت کو حضور علیہ السلام کے سامنے ہدایت دے کر اور آپ کا مطیع بنا کر آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا فرمایا۔

جیسا کہ مکہ کے نافرمان کافر فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئے دوسرے نبی جلال والے تھے اس لیے ان کی آنکھیں اپنی نافرمان امتوں کی ہلاکت سے ٹھنڈی ہوئیں اور حضور علیہ السلام جمال والے ہیں تو حضور علیہ السلام کی امت کو آپ کا مطیع بنا کر آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا کیونکہ ہر آنکھ کے لیے ٹھنڈک کا سرمہ الگ ہوتا ہے۔ (مراۃ)

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دُعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

بزار نے اپنی مسند میں بسند صحیح جید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

حیاتی خیر لکم تحدثوننی و نحدث لکم و وفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رایت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رایت من شر استغفرت اللہ لکم۔ (فتاوی رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۵۱۹)

ترجمہ: میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم مجھ سے اور میں تم سے باتیں کرتا ہوں اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، جب نیکی دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہوں اور (تمہارے اعمال میں) گناہ دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے اللہ سے معافی طلب کرتا ہوں۔

حضور علیہ السلام کی رحلت کا صدمہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے بڑھ کر آپ کے صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام کیلئے اور کون سا صدمہ ہوگا اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک تشریف لائے تو مدینے والے اس قدر خوش ہوئے کہ حبشہ کے لوگ آپ کی آمد کی خوشی میں اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلتے کودتے تھے اور کرتب دکھاتے تھے (بنی نجار کی بچیاں دف بجاتی تھیں اور طلع البدر علینا کا ترانہ گاتی تھیں) (ابوداؤد)

اسی حدیث میں سنن دارمی کے اندر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ما رایت یوما کان اقبح ولا اظلم من یوم مات فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سب سے زیادہ تاریک اور قبیح دن وہ تھا کہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی۔

ترمذی میں اسی حدیث کے اندر حضرت انس فرماتے ہیں جس دن حضور علیہ السلام مدینہ پاک تشریف لائے اضاء منها کل شئ۔ مدینہ کی ہر شئ روشن و منور ہوگئی۔

فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منها کل شئ اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا سانحۂ ارتحال ہوا مدینہ کی ہر شی تاریک ہوگئی اور ہم نے ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے جبکہ ہم حضور علیہ السلام کو دفن کر رہے تھے اور ہمارے دلوں کی دنیا ہی بدل گئی (وہ نرمی وصفائی وہ نورانیت ورغبت الی اللہ جو کہ حضور علیہ السلام کی زیارت سے نصیب تھی گویا حضور علیہ السلام کے جمال کے مشاہدے کا اختتام کیا ہوا کہ یوں لگا جیسے ہمارا سب کچھ ہی لٹ گیا ہے یعنی ایمان وتصدیق کے باوجود۔ حضور علیہ السلام ہمیں سب کچھ دے گئے مگر اپنا دیدار ساتھ لے گئے جس سے لوگ صحابی بنتے تھے اب تعلیم وتائید ظاہری تو رہ گئی۔ حاجی ونمازی، قاری وقاضی تو بنتے رہے مگر صحابی کوئی نہ بن سکا کیونکہ صحابی بنانے والی چیز تو حضور علیہ السلام اپنے ساتھ لے گئے اور ہم آپ کے دیدار کو ترستے ہی رہ گئے۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا ان کا
خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا ان کا

اب دل کی آنکھوں سے تو دیدار ہوسکتا ہے یہ بھی ان کے کرم سے مگر سر کی آنکھوں کے ساتھ دیدار سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محرومی ہوگئی۔

تم آئے خواب میں ہم پتلیاں تلووں سے مل لیتے
ہم اپنی سوئی قسمت کو جگاتے اپنی آنکھوں سے

❁ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صدمے میں اس وقت اور بھی اضافہ ہوجاتا کہ جب انہیں یہ خیال آتا کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ بھی بند ہوگیا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی وفات (کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ کچھ عرصہ) کے بعد ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر سے کہا: جس طرح حضور علیہ السلام (اسامہ بن زید بن حارث کی والدہ، حضور علیہ السلام کی لونڈی اور دائی) ام ایمن (برکت) کی ملاقات کو جایا کرتے تھے ہم بھی چلتے ہیں (فوت شدہ کے ساتھ محبت کا تقاضا ہے کہ جن کی وہ خیر خواہی کیا کرتا تھا تم بھی کرو) چنانچہ جب یہ حضرات ام ایمن

کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھتے ہی رونے لگیں، انہوں نے پوچھا: کیوں روتی ہو تمہیں پتہ نہیں اللہ کے پاس اپنے رسول کے لیے بہتر اجر وثواب ہے انہوں نے کہا میں (صرف) اس لیے نہیں رو رہی۔ یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ اللہ کے ہاں اپنے رسول کے لیے بہتری ہی بہتری ہے مگر رو اس لیے رہی ہوں کہ
ان الوحی قد انقطع من السماء۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔
پس اس بات نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رُلا دیا۔ (مسلم)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی آہ وبکا:

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام پر بیماری سخت ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بے چین دکھائی دینے لگے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جان کی تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے کہا: و اکرب ابا۔ ہائے میرے ابا کی تکلیف۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا: لیس علی ابیك کرب بعد الیوم۔ بیٹی! آج کے بعد تیرے باپ کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ پس جب حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو حضرت زہراء بتول رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ سے اپنے غم کا اظہار کیا۔

یا ابتاہ اجاب ربا و دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ما واہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ۔

ترجمہ: ہائے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا قبول کر لیا اور ہمیں روتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے، آپ تو جنت کو تشریف لے گئے (ہمیں تڑپتا ہوا چھوڑ گئے) آپ کا مقام تو جنت الفردوس ہو گیا (ہمیں کس کے حوالے کر گئے) ہائے ابا جان ہم جبریل امین علیہ السلام کو تعزیت دیتے ہیں (کہ اس کا وحی لے کر آنا اب ختم ہو گیا)

پھر جب حضور علیہ السلام کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس کے سامنے اس طرح اپنے درد کا اظہار فرمایا:

یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التراب۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: اے انس! کیا تمہارے دلوں نے یہ گوارہ کرلیا کہ تم اللہ کے رسول پر مٹی ڈالو۔

یعنی تم نے یہ کیسے برداشت کرلیا کہ آفتابِ نبوت و رسالت کو زمین میں دفن کر دو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ نوحہ اور بے صبری کی بنا پر نہ تھے بلکہ حضور علیہ السلام کے جدائی پہ بے چینی نے الفاظ کا روپ دھار لیا جو نہ صرف جائز بلکہ عبادت ہے کیونکہ نوحہ یہ ہوتا ہے کہ میت کے ایسے اوصاف بیان کیے جائیں کہ جو اس میں نہ ہوں، اور اپنے آپ کو پیٹا جائے اور بے صبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا جائے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جو پانچ حضرات و خواتین دنیا میں سب سے زیادہ روئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- حضرت آدم علیہ السلام جنت سے جدا ہونے پر۔

2- نوح علیہ السلام خوف خدا کی وجہ سے۔

3- یحییٰ علیہ السلام خوف خدا کی وجہ سے۔

4- حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے وصال پر۔

5- حضرت امام زین العابدین سانحۂ کربلا کے بعد۔

اس موقع پر سید فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مشہور اشعار بمعہ ترجمہ ملاحظہ ہوں:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ عُدْنَ لَيَالِيَا

ترجمہ: حضور علیہ السلام کی جدائی میں وہ مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ مصیبتیں دنوں پر ٹوٹتیں تو دِن راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

اَغْبَرَ آفَاقُ السَّمَآءِ وَ كُوِّرَتْ
شَمْسُ النَّهَارِ وَ اَظْلَمَ الْاَزْمَانُ

ترجمہ: آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہوگئیں اور لپیٹ دیا گیا دِن کا سورج اور تاریک ہوگیا سارا زمانہ۔

وَ الْاَرْضُ مِنْ بَعْدِ النَّبِیِّ کَئِیْبَۃٌ
اَسَفًا عَلَیْہِ کَثِیْرَۃَ الْاَحْزَانِ

ترجمہ: اور زمین نبی کریم علیہ السلام کے بعد مبتلائے درد ہے، ان کے غم میں سرتاپا ڈوبی ہوئی۔

فَلْیُبْکِہٖ شَرْقُ الْبِلَادِ وَ غَرْبُھَا
یَا فَخْرَ مَنْ طَلَعَتْ لَہُ النِّیْرَانُ

ترجمہ: اب آنسو بہائے مشرق بھی اور مغرب بھی ان کی جدائی پر فخر تو صرف ان کے لیے ہے جن پر روشنیاں چمکیں۔

مَا ذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَ
اَلَّا یَشُمَّ مُدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

جس نے ایک مرتبہ بھی خاک پائے احمد مجتبیٰ سونگھ لی تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے۔

یَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَکِ صِنْوَۃً
صَلّٰی عَلَیْکَ مُنَزِّلُ الْقُرْاٰنَ

اے آخری رسول! آپ برکت وسعادت کی جوئے فیض ہیں آپ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود بھیجا ہے۔

❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا: مجھے اپنے وصال کی خبر دے دی گئی ہے (یعنی اس سورۃ کا نزول بتا رہا ہے کہ میرا کام مکمل ہوگیا۔ پہلی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ جب آپ کے ذریعے ایک ٹیڑھی امت سیدھی ہو جائے گی تو آپ کو بلا لیا جائے گا) حضرت فاطمہ یہ سن کر بہت

روئیں تب حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا تبکی فانك اول اھلی لاحق بی۔ نہ رو اے میری بیٹی! تو میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے مجھے ملے گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں (پیغامِ موت کو مژدۂ وصالِ رسول نے خوشی و مسرت کا سامان بنا دیا کیونکہ یہ وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا ذریعہ ہے)

یہ منظر حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات دیکھ رہی تھیں کہ ان میں سے ایک نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پہلے رونے کا اور بعد میں ہنسنے کا سبب پوچھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب مجھے حضور علیہ السلام نے اپنے وصال کی خبر دی تو میں بے چین ہو کر رونے لگی اور جب آپ نے فرمایا کہ تو مجھے سب سے پہلے ملے گی تو میں خوش ہو کر ہنسنے لگی۔ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات کو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد یہ راز کی بات بتائی تھی چنانچہ حضور کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ کا بھی وصال ہو گیا)

الغرض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچنے والے صدمے کی صحیح کیفیت کون بیان کر سکتا ہے کیونکہ ہمارے باپ تو صرف ہم پہ مہربان ہوتے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باپ وہ تھا جو کائنات کے تمام اہلِ ایمان پر رؤف و رحیم تھا (وبالمؤمنین رؤف رحیم) صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر ہمارے باپ تو ہم پر مہربان ہونے کے ساتھ ساتھ خدا جانے کتنوں کے لیے تکلیف و زحمت کا باعث ہوئے ہوں گے پھر بھی ان کی یاد آتی ہے تو تڑپ جاتے ہیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باپ تو وہ تھا کہ جو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت تھا اور جس میں زحمت کا پہلو پایا ہی نہیں جاتا تھا وما ارسلنك الا رحمة للعالمین۔ جو پتھر کھا کر بھی لوگوں کے لیے ہدایت کی دعا کرتے۔ اپنے تو پھر اپنے ہوتے ہیں سیدہ فاطمہ کے باپ نے کبھی دشمن کا بھی بُرا نہیں چاہا۔ اور جب فرشتے نے حاضر ہو کر کہا کہ اجازت

ہوتو اس بستی کو جہاں کے باشندوں نے آپ کولہولہان کیا ہے الٹا دیا جائے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ابانے فرمایا میں رحمت بن کر آیا ہوں زحمت بن کر نہیں آیا۔ ایسا رحیم و کریم آقا چلا جائے تو ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی چیخ کیوں نکلے پورے جہان کی چیخیں بھی نکلیں تو تعجب کی کون سی بات ہے؟

عظمت صدیق اکبر اور ایک سوال کا جواب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان میں کئی طرح کے اختلافات پیدا ہوئے۔ مثلاً

1- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جو کہے گا کہ حضور علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں میں اس کی گردن اڑادوں گا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: ان محمدا قد مات۔ حضور علیہ السلام واقعی فوت ہو گئے ہیں پھر آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ وما محمد الا رسول......اور حضرت عمر نے ابوبکر کی بات مان لی۔
2- حضور علیہ السلام کو غسل کپڑوں سمیت دیا جائے یا کپڑے اتار کر دیا جائے۔
3- حضور علیہ السلام کی قبر انور کہاں بنائی جائے۔
4- قبر انور سامی والی بنائی جائے یا سیدھی۔
5- حضور علیہ السلام کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟
6- منکرین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کے خلاف جہاد کروں گا جبکہ حضرت عمر نے اس سے اختلاف کیا۔
7- جمع قرآن کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔
8- لشکر اسامہ کی روانگی اور حضرت اسامہ کی قیادت کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔

ایسے حالات میں اس طرح کے اختلافات امت میں ایک بڑے ہی خوفناک نتائج پیدا کر سکتے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی مومنانہ فراست سے سوادو

سال کے قلیل عرصے میں تمام مسائل حل کر کے بعد والوں کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔

اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ قرآن مجید کے واضح حکم ولا تتفرقوا کے باوجود صحابہ کرام میں اختلاف کیوں پیدا ہوئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی وہ اختلاف ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے کہ اس سے امت کے لیے علم وعرفان کی راہیں بھی کھلتی ہیں اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل بھی حل ہوتے ہیں اور یہ ان نفوسِ قدسیہ کا اختلاف ذاتیات کے حوالے سے نہ تھا بلکہ نو پید مسائل میں تھا جس میں آراء کا مختلف ہونا کوئی معیوب نہیں کیونکہ آخر کار تمام مسائل کا حل نکل آیا اور جب بھی دوسرے فریق کو صحیح صورتحال سمجھائی گئی تو اس نے کسی قسم کی ضد نہ کی بلکہ سر تسلیم خم کر لیا۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اپنا عقیدہ درست کیجیے:

بعض لوگ بڑے دھڑلے سے کہہ دیتے ہیں کہ ہر کسی کی موت برابر ہے بلکہ قرآنی آیت انك ميت و انهم ميتون کے مطابق کفار کی موت اور حضور علیہ السلام کی وفات کو ایک جیسا کہنے سے بھی نہیں شرماتے۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ خود یہی آیت حضور علیہ السلام کی وفات کو کفار کی موت سے ممتاز قرار دے رہی ہے کیونکہ آیت میں دونوں جگہ نکرہ (میت، میتون) آیا ہے اور قانون یہ ہے کہ معرفہ دو بار آئے تو دونوں سے ایک شی ہی مراد ہوتی ہے یعنی دوسرا معرفہ پہلے معرفہ کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر آتے تو دوسرا نکرہ پہلے نکرہ کا غیر ہوتا ہے۔

ان دونوں کی مثالیں سورۂ انشراح کی مندرجہ ذیل دو آیات میں موجود ہیں ان مع العسر یسرا۔ ان مع العسر یسرا۔ یہاں دونوں جگہ عسر معرفہ آیا ہے اور یُسر نکرہ آیا ہے لہٰذا ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیوں کی خوشخبری سُنائی جا رہی ہے اسی قانون کی وضاحت کے لیے نور الانوار (اصول فقہ کی مشہور کتاب) میں مندرجہ ذیل اشعار درج

کیے گئے۔

اذا اشتدت بك البلوی ففکّر فی الم نشرح

فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

جب تیرے اوپر مصیبت آئے تو سورۂ الم نشرح میں غور کیا کر کیونکہ اس میں ہے کہ ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان ہوتی ہے جب تو غور وفکر کرے گا تو خوش ہو جائے گا۔

تو معلوم ہوا کہ کافر کی موت اور ہے اور رسول خدا کی وفات اور ہے کفارہ تو مرتے ہیں تو مر ہی جاتے ہیں صرف قبر میں عذاب لینے کے لیے انہیں ایک نوع کی حیات برزخی ملتی ہے اور ہمارے آقا علیہ السلام پر ایک آن کے لیے موت آئی پھر آپ کو حیات جاودانی عطا کی گئی جبکہ شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آپ ﷺ کو غسل بھی دیا گیا۔ کفن بھی پہنایا گیا، نماز جنازہ بھی پڑھی گئی اور آپ ﷺ کو قبر میں حقیقی اور جسمانی حیات سے بھی نوازا گیا۔ یہی کچھ اس آیت کے تحت مفسرین کرام نے لکھا۔

(دیکھیے تفسیر کبیر، الجامع لاحکام القرآن، روح البیان، خزائن العرفان)

بلکہ بانی مدرسہ دیو بند نے تو اس قلیل بلکہ اقل قلیل وقت کے لیے بھی آپ کی روح مبارک کا جسم سے جدا ہونا نہیں مانا اور کہا ہے کہ حضور علیہ السلام مثل آفتاب ہیں کہ وقت گرہن جس کا نور مستور ہوتا ہے زائل نہیں ہوتا یا مثل شمع چراغ سمجھئے کہ جب اس پر کوئی سرپوش رکھیں تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہو جاتا۔

(آب حیات صفحہ ۱۸۴ و صفحہ ۱۸۵ ملخصاً)

جب کہ یہ عقیدہ صراحتاً غلط ہے کیونکہ اس عقیدہ کے مطابق تو کل نفس ذائقة الموت اور کل من علیها فان کا وعدۂ الٰہی بھی پورا نہ ہوا۔

بہر حال! صرف حضور علیہ السلام ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ وسلامت ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس پر کئی احادیث شاہد عادل ہیں۔

(دیکھیے مسند ابی یعلیٰ حدیث نمبر ۳۴۲۵، حیات الانبیاء للبیہقی صفحہ ۳، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی حدیث نمبر ۶۲۱، مجمع الزوائد، جلد ۸ صفحہ ۲۱۱، حلیۃ الاولیاء حدیث نمبر ۲۵۱۶۷)

یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسم کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام نبیوں اور رسولوں کی حیات بعد الممات سے بھی ممتاز، بلکہ افضل و اعلیٰ ہے۔ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کو حضور علیہ السلام کا قبر انور میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ پڑھنا تو صحیح مسلم کی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور اس حدیث میں حضور علیہ السلام کا قبر موسیٰ علیہ السلام سے گذر جانا اور قبر کے اندر کے حالات کو دیکھ لینا بھی ثابت۔ حالانکہ رات کا وقت اور رات بھی معراج (۲۷ رجب کی) کی اور سواری برق رفتار، اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کا نام ہے؟

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے:

ما من احد یسلم علی الارد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔

(حدیث نمبر ۲۰۴۱)

جب بھی کوئی شخص مجھ پہ سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں خود اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اسی طرح تمام امت کے اعمال کا حضور علیہ السلام پر پیش کیا جانا فرشتوں کا حضور علیہ السلام کو امت کا سلام پہنچانا معراج کی رات مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء کرام سے ملاقات احادیث سے ثابت ہے حوالہ جات مندرجہ ذیل ہیں۔

(مسلم شریف حدیث نمبر ۱۶۴، کنز العمال جلد ا صفحہ ۷۰۴، مسند احمد حدیث نمبر ۳۶۶۶، الطبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴، الوفاء لابن الجوزی صفحہ ۸۱۰، سنن نسائی حدیث نمبر ۱۲۸۱، جلاء الافہام صفحہ ۶۴)

اگر کوئی سوال کرے کہ روح کا لوٹانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بار بار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں روح داخل کی جاتی ہے اور نکالی جاتی ہے یہ بات تو حضور علیہ السلام کے لیے بڑی تکلیف کا باعث ہو گی اس کے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء میں پندرہ جوابات دیے ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر عظمت و شانِ مصطفیٰ اور رفعت مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کر رہا ہے۔ حصولِ برکت کے لیے

ان جوابات کا خلاصہ یوں عرض کرسکتا ہوں۔

رد اللہ روحی۔ میں ردّ بمعنیٰ صیر ورت ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں شعیب علیہ السلام کے واقعہ (الاعراف:۷۹) میں عُدنا بمعنی صرنا ہے کیونکہ اگر عُدنا اپنے اصلی معنی میں ہوتو اس کا معنی ہوگا اگر ہم تمہارے دین کی طرف (اے کافرو!) لوٹ جائیں۔ جو کہ سراسر غلط ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ آپ پہلے ان کے دین میں تھے لہٰذا ''عدنا'' کا معنی ''صرنا'' کریں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہم تمہارے دین میں ہو جائیں تو پھر ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔

اور روح کے لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی روح انور کو غلاموں کے سلام کا جواب دینے کے لیے متوجہ کیا جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احوال برزخ اور مشاہدۂ رب کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول فرمائے ہوئے ہوتے ہیں تو امتی کے سلام پر آپ کی توجہ جواب سلام کی طرف مبذول کرادی جاتی ہے۔

ہوسکتا ہے ''ردّ روح' حیات کے دوام سے کنایہ ہو کیونکہ ہر وقت تو آپ کی خدمت میں سلام کے تحفے پیش ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے ردّ روح سے مراد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نطق کو امتی کے سلام کے جواب کی طرف متوجہ کرنا ہو۔

اس سے امت کے سلام کو سننے کی غیر معمولی قوت سماعت کا ملنا بھی مراد ہوسکتا ہے (کیونکہ آپ کا ارشاد ہے میرا امتی جہاں سے بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے جو میں خود سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں اور ان کو پہچانتا بھی ہوں)۔

روح سے مراد یہاں خوشی و فرحت بھی ہوسکتی ہے۔ (فروح وریحان۔ الواقعہ:۸۹) وہ فرشتہ بھی ہوسکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر امت کا سلام پہنچانے کے لیے متعین ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح لوٹانا ابتدائی درجہ ہو اور (وللاخرة خیر لك من الاولیٰ کے مطابق) بعد میں بلندئ درجات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کی حیات عطا فرمادی ہو۔

اس سلسلہ میں آخری بات یہ ہے کہ وصال کے بعد نبی اکرم ﷺ سے اولیاء کاملین کا اخذ فیض کرنا اور وہ بھی بیداری کی حالت میں اس پر واقعات معتبرہ کے انبار موجود ہیں حوالہ جات پہ اکتفاء کر رہا ہوں تا کہ موضوع کو مکمل کیا جائے۔

(طبقات الاولیاء از شیخ سراج الدین بن الملقن، میزان الشریعۃ الکبریٰ جلد ا صفحہ ۴۴، لوقح الانوار القدسیہ صفحہ ۱۷، فیض الباری جلد ا صفحہ ۲۰۴، انور شاہ کشمیری، انہوں نے یہ بھی لکھا: بیداری میں آپ (ﷺ) کی زیارت متحقق (ثابت) ہے اور اس کا انکار جہالت ہے)

انبیاء تو پھر انبیاء ہیں اولیاء کا بھی آن واحد میں متعدد جگہ موجود ہونا کتب معتبرہ سے ثابت ہے۔ (دیکھئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی جذب القلوب صفحہ ۱۵۳۔ فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۷، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ فتح الملہم از شبیر احمد عثمانی صفحہ ۳۰۵ و صفحہ ۳۰۶)

چونکہ ان تمام اجسادِ مثالیہ میں روح واحد ہی متصرف ہوتی ہے اس لیے اشارہ حسیہ کے لحاظ سے تو اگرچہ کسی قدر تغایر ہوگا مگر یہ تکثر جزی نہیں لہٰذا ہر جسم مثالی دوسرے کا عین ہوا نہ کہ غیر، اور یہ تکثر جزی نہ ہوا جو کہ محال ہے۔

اس بارے میں حرف آخر کے طور پر ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو جو امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۳۶ پہ لکھا ہے۔

ایک شخص حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوا، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تجھے اس (بیٹے) سے محبت ہے؟ اس نے (بڑا پیارا جواب دیا اور) کہا: اللہ تعالیٰ آپ سے بھی اتنی محبت کرے جتنی مجھے اس سے محبت ہے (یعنی انتہا درجے کی محبت) پھر حضور علیہ السلام نے کچھ عرصہ اس کے بیٹے کو نہ دیکھا تو صحابہ سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا: حضور! اس کا بیٹا تو فوت ہو گیا ہے، آپ (ﷺ) نے اس کے باپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تیرا بیٹا جنت کے ہر دروازے پر تیری انتظار کے لیے کھڑا ہو؟ ایک شخص نے سوال کیا: حضور! یہ خوشخبری صرف اسی کیلئے ہے یا ہم سب کے لیے؟ فرمایا: سب کے لیے ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری مرقات جلد۴ صفحہ۹ اور صفحہ۳۱ پہ لکھتے ہیں:

فیہ اشارۃ الی خرق العادۃ من تعدد الاجساد المکتسبۃ حیث ان الولد موجود فی کل باب من ابواب الجنۃ۔ ولا تباعد من الاولیاء حیث طویت لھم الارض و حصل لھم ابدان مکتسبۃ متعددۃ وجدوھا فی اماکن مختلفۃ فی آنٍ واحد۔

اس حدیث میں اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ بطور خرق عادت اجسام مثالیہ متعدد ہو سکتے ہیں کیونکہ بچے کے بارے میں ثابت ہو گیا کہ وہ جنت کے ہر دروازے پہ موجود ہوگا۔

اور اولیاء اللہ کے لیے زمین کو لپیٹ دیا جاتا ہے لہٰذا ان کے اجساد مثالیہ کا متعدد ہونا کوئی بعید نہیں اور وہ آن واحد میں مختلف مقامات پہ موجود ہو سکتے ہیں۔

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱٦

الدّعآء بعد الجنازہ

مرنے کے بعد مرنے والے سے زندوں کا تعلق دعا ہی کے ذریعے قائم رہ سکتا ہے کیونکہ زندوں کی دعا سے مردوں کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور ان کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان الرجل لترفع درجته فی الجنة۔

ترجمہ: ایک بندے کا جنت میں درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔

فیقول انی ھذا۔

ترجمہ: وہ عرض کرتا ہے یہ درجہ کس طرح بلند ہو گیا؟

فیقال باستغفار ولدك لك۔

ترجمہ: تیرے بیٹے نے خاص تیرے لیے دعائے مغفرت کی ہے۔ (ابنِ ماجہ صفحہ ۲٦۸)

اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔

(رواہ ابوداؤد فی السنن جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ و ابن ماجہ و ابن حبان والبیہقی فی السنن الکبریٰ)

ترجمہ: جب تم میت پہ نماز جنازہ پڑھ لو تو پھر خاص اس کے لیے دعا کرو۔

چونکہ نماز جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دعائیں اللّٰھم اغفر لحینا و میّتنا...... تمام اہلِ اسلام کے لیے ہوتی ہیں تو حکم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد خاص مرنے والے کے لیے دعا کیا کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ مرنے والے کا تعلق زندہ لوگوں سے تین طرح ہوتا

ہے۔صدقہ جاریہ سے،علم نافع سے اور ولد صالح یدعولہ۔نیک اولاد جو مرحوم کیلئے دُعا کرتی رہے۔اس آخری جز کی شرح میں ابنِ ماجہ شریف کے حاشیہ صفحہ ۲۱ پہ ہے:

انما ذکر دعاء تحریضا للولد علی الدعاء لابیہ۔ حضور علیہ السلام نے والد کیلئے دعا کا ذکر کر کے بیٹے کو ترغیب دلائی ہے کہ (دعا کا منکر نہ بنے بلکہ) اپنے باپ کے لیے ضرور دعا کرے۔چنانچہ حضور علیہ السلام خود بھی اپنے فوت ہونے والے امتی کے لیے دعا کا اہتمام فرماتے۔مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ میت کو دفن کر کے حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کرام سے فرماتے:

استغفر والاخیکم ثم سلوا له بالتثبیت الان یسئل۔(صفحہ ۲۶)

ترجمہ: اب اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو اور اس کے لیے (قول ثابت پہ) قائم رہنے کا (اللہ سے) سوال کرو کیونکہ اب اس سے حساب ہونے والا ہے۔

چنانچہ ایک قبر پہ حضور علیہ السلام نے تسبیح و تکبیر کہی اور پھر فرمایا: اس پہ قبر تنگ ہو گئی تھی حتیٰ فرجه الله عنه۔اب (میرے تسبیح و تہلیل کرنے سے) اللہ نے اس کی قبر کو کشادہ فرما دیا ہے۔(مشکوٰۃ صفحہ ۲۶)

عجیب بات ہے کہ جب ہم انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے استغاثہ کرتے ہیں تو ہمیں کہا جاتا ہے اللہ سے مانگو اور جنازے کے بعد اللہ سے بھی مانگنے نہیں دیا جاتا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔(البقرہ:۱۸۶) میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں وہ جب بھی مجھ سے دعا کرے۔

اس آیت کا شانِ نزول ہی یہ ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: حضور آپ نے جو فرمایا ہے۔اللہ سے دعا مانگنے میں کمی نہ کرو تو اس کا کیا مطلب ہے؟ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(اخرجہ الحاکم کمافی کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۶۱۲ عن علی رضی اللہ عنہ)

بعض لوگوں کو ایسے موقع پہ کہتے سنا گیا ہے کہ جنازہ تو خود دعا ہے پھر بعد میں دعا مانگنے کا کیا مطلب؟ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ دعا کے بعد

دعا کرنا، بددعا ہو جاتا ہے۔

جب وضو پر وضو کرنا نُورٌ علیٰ نور اور باعث برکت ہے تو دعا کرنا کیوں جائز نہیں جبکہ دعا بذات خود عبادت ہے بلکہ عبادت کی بھی جان ہے۔ الدعاء مخ العبادۃ۔ دعا عبادت ہی ہے۔ (ترمذی جلد۲ صفحہ۱۷۳) پھر حکم خداوندی بھی ہے۔ و قال ربکم ادعونی استجب لکم ۔ اور تمہارے رب کا فرمان ہے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جب بندہ اللہ تعالیٰ سے نیک دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یا تو من وعن قبول فرمالیتا ہے یا آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیتا ہے یا اس کے بدلے کوئی تکلیف دور کر دیتا ہے۔ عرض کیا گیا: اگر ہم بہت زیادہ دعا مانگیں تو؟ فرمایا: اللہ کے پاس بھی بہت کچھ ہے۔ (رواہ احمد فی مسندہ جلد۳ صفحہ۱۸)

فقہاء نے دعا بعد الجنازہ سے کیوں منع فرمایا؟:

جنازہ کے بعد دعا سے منع کر کے شاید تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ کہیں مرنے والا بخشا نہ جائے۔ آخر اس سے کون سا بدلہ لینا چاہتے ہو؟ فقہاء کرام نے جو جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع فرمایا ہے تو اس کی ایک خاص صورت ہے کہ اسی طرح صفوں میں کھڑے رہ کر دعا نہ کرو کہ کہیں دیکھنے والوں کو شبہ نہ پڑ جائے کہ ابھی نماز جنازہ ہی پڑھی جا رہی ہے۔ لہٰذا صفیں توڑ دو پھر دعا کرتے رہو۔ یہی کچھ علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی نے مفتی کفایت اللہ کی طرف سے الکلام الموزون صفحہ۹۱ پہ لکھا کہ ''جو منع ہے وہ قبل کسر الصفوف ہے اور جو جائز ہے وہ بعد کسر الصفوف ہے اور یہی تطبیق میرے نزدیک درست ہے''۔

نکتہ: جب کسی کا عزیز فوت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ دکھی و پریشان کون ہوگا؟ پھر وہ سب سہارے چھوڑ کر اپنے رب سے اپنے مرحوم کے لیے دعا کرتا ہے تو رب کی طرف سے یہ کہہ کر اس کو تسلی و حوصلہ دیا جاتا ہے:

امن یجیب المضطر اذا دعاہ۔ (النمل:۶۲)

ترجمہ: کون ہے (اللہ کے سوا) جو لاچار کی سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے۔

گویا اس لاچار کو اس کے رشتہ دار اگر مختلف الفاظ بول کر تسلی وحوصلہ دیتے ہیں تو اس کا خالق و مالک بھی اسے مایوسی کی دلدل سے نکال کر اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے اور جب اللہ اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کو حکم دیتا ہے: و اما السائل فلا تنہر۔ اے پیارے مانگنے والے کو جھڑکنا نہیں۔ تو اس سراپا رحمت کو پیدا کرنے والا رب العالمین اپنے دکھی ولاچار بندے کی ایسے موقع پر کس قدر دستگیری فرماتا ہوگا؟

؎ میرا اللہ بھی کریم اس کے محمد بھی کریم
دو کریموں میں گنہ گار کی بن آئی ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ای الدعاء اسمع؟ کون سی دعا زیادہ قبولیت والی ہے؟ آپ نے فرمایا: جوف الیل و دبر الصلوات المکتوبات۔ آدھی رات کی دعا اور فرض نماز کے بعد کی جانے والی دعا۔

(ترمذی: جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

اور نماز جنازہ کی فرضیت کا کون انکار کر سکتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس، امام ضحاک، امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء، امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی اور دیگر کئی حضرات نے قرآن مجید کی آیات فاذا فرغت فانصب و الی ربك فارغب کے بارے میں فرمایا کہ جب تو نماز سے فارغ ہو جائے تو دعا میں مشغول ہو جا۔

(تنویر المقیاس علی الدر المنثور جلد ۶ صفحہ ۳۲۱، تفسیر ضحاک جلد ۲ صفحہ ۷۷، تفسیر معانی القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۰۷، تفسیر عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۹، جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کا عمل یہ تھا:

ان علیا صلی علی جنازۃ بعد ما صلی علیہا۔ (التمہید لعبد البر جلد ۶ صفحہ ۲۷۵)

ترجمہ: آپ نے جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا فرمائی۔

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا:

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین۔

(ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۵ عن عرباض بن ساریہ)

ترجمہ: تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حدیث میں دونوں جگہ صلّٰی کا لفظ آیا ہے اور اس کا یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دوبارہ نماز جنازہ پڑھی۔ حالانکہ صلوٰۃ کا معنیٰ صرف نماز ہی نہیں بلکہ درود و دعا بھی ہے۔

تو لیجیے! ہم ایسی حدیث لکھ دیتے ہیں جس میں واضح طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عمیر بن سعید فرماتے ہیں:

صلیت مع علی رضی اللہ عنه علی یزید بن المکلف فکبر علیه اربعا ثم مشی حتی اتاه فقال اللھم عبدك و ابن عبدك نزل بك الیوم فاغفرله ذنبه و وسع علیه مدخله ثم مشی حتی اتاه و قال اللھم عبدك و ابن عبدك نزل بك الیوم فاغفرله ذنبه و وسع علیه مدخله فانا لا نعلم منه الا خیر و انت اعلم به۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۲)

ترجمہ: میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یزید بن مکلف کی نماز جنازہ پڑھی تو حضرت علی نے چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی پھر چل کر میت کے پاس آئے (اور میت کیلئے نماز جنازہ کے بعد ان الفاظ سے دعا کی) یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا ہے۔ آج تیرے پاس پہنچ رہا ہے اس کے گناہ معاف فرما اور اس کی قبر کو کشادہ کردے۔ پھر چل کر (دوسری طرف سے) اس کے پاس آئے (اور یوں دعا کی) اے اللہ یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہے اس کے گناہ معاف کر اور اس کی قبر کو کشادہ کردے۔ ہم تو اس کے بارے میں اچھا ہی جانتے ہیں اور تو اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ (اس حدیث کے راویوں کو تہذیب الکمال میں ثقہ قرار دیا گیا ہے)۔

یہی عمل (جنازے کے بعد دعا کا) حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم کا بیان کیا گیا ہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے: مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۱۹، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۵ و صفحہ ۹، کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۱۷۷، بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۳۱۱، المبسوط للسرخسی جلد ۲ صفحہ ۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ صفحہ ۴۳۴ پہ مفتی عزیز الرحمٰن نے صاف لکھا ہے کہ بعد نماز جنازہ قبل دفن نمازیوں کا ایصال ثواب کے لیے سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا اور امام جنازہ یا کسی نیک آدمی کا دونوں ہاتھ اُٹھا کر مختصر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ سلفیہ صفحہ ۲۳ پہ مولوی اسماعیل سلفی (اہلحدیث) اور فتاویٰ برکاتیہ صفحہ ۱۴۷ پہ مولوی ابوالبرکات احمد (غیر مقلد) یہی کچھ لکھتے ہیں کہ میت کے لیے دعا ہر وقت بلا تخصیص کی جاسکتی ہے۔

حضور علیہ السلام کی اجازت و حکم:

بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۳۱۱ پہ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور چاہا کہ دوبارہ نماز ادا کر لی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر کو فرمایا:

الصلوۃ علی الجنازۃ لاتعاد و لکن ادع للمیت واستغفرلہ۔

ترجمہ: نماز جنازہ کو دوبارہ نہیں پڑھی جاتی لیکن تم میت کیلئے دعا و استغفار کرلو۔

اس روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس میں نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا مانگنے کی اجازت کا ذکر ہے (نہ کہ بعد دفن جو متفق علیہ ہے) کیونکہ حضرت عمر کا بعد دفن آ کر دوبارہ نماز جنازہ ادا کرنے کا ارادہ کرنا بعید از فہم ہے۔

۞ کتاب المغازی للواقدی صفحہ ۷۶۱ و ۷۶۲ پہ ہے کہ جنگ موتہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی شہادت کی خبر حضور علیہ السلام نے اہلِ مدینہ کو دی ان میں سے ہر ایک پہ نماز پڑھی اور دعا فرمائی:

ثم قال استغفر والاخیکم فانه شهید۔

ترجمہ: پھر تمام لوگوں کو فرمایا تم بھی اپنے ہر ایک بھائی کیلئے دعائے مغفرت کرو کیونکہ ان میں سے ہر ایک شہید ہے۔

۞ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن پڑھنے والا کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو فرشتے اس کے جنازے میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ ثم تستغفرله الى یوم یبعث۔ پھر قیامت تک اس کیلئے دعا گو بھی رہتے ہیں۔ (شرح الصدور)

دعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر:

صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۶۵ پہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی پیاری حدیث مروی ہے جس میں حضور علیہ السلام کی دعا کا اثر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لیے رؤف ورحیم ہونا نیز مرنے کے بعد قبر کی حاضری اور مرحومین کیلئے دعائے خیر کرنے جیسے بیشمار مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اہلِ محبت کیلئے ازدیادِ محبت اور ایمان کی تازگی کا باعث ہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ (ایک سیاہ فام مرد یا) عورت مسجد نبوی شریف کی صفائی کیا کرتی تھی کہ اس کا وصال ہو گیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس کا جنازہ پڑھا اور دفن کر دیا۔ (حضور علیہ السلام کو اطلاع اس لیے نہ دی کہ رات کا وقت ہے آپ کو تکلیف ہوگی) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا:

افلا کنتم أذنتمونى به دلونی علی قبرها فاتی علی قبرها فصلی علیها (فقال ان هذه القبور مملوة ظلمة علی اهلها و ان الله ینورها بصلوتی علیهم)۔

ترجمہ: تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ چلو مجھے اس کی قبر پر لے چلو، چنانچہ آپ نے قبر

پر جا کر دعا کی (یا نماز پڑھی جو آپ کی خصوصیت ہو سکتی ہے) بخاری شریف کے حاشیہ پر ہے پھر آپ نے فرمایا بے شک یہ تمام قبریں اندھیرے سے بھرپور تھیں میری دعا کی وجہ سے اللہ نے ان تمام قبروں کو نور سے معمور کر دیا ہے۔

الغرض! اپنے اعزہ کو ان کی موت سے لے کر اپنی موت تک اپنی دعاؤں میں انہیں یاد رکھنا چاہیے تا کہ جب تم مرو تو تمہارے لیے بھی تو کوئی ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے والا ہو۔ هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ خدا جانے کس کے ہاتھ اُٹھیں اور مرنے والے کی نجات ہو جائے، اور جنازے کے بعد تو دعا کرنا کبھی نہ بھولیے۔ کیونکہ کئی شکستہ دل جب رو کر بارگاہِ خداوندی سے مرحوم کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں تو یقیناً کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوتا ہی ہوگا جس کے دل سے نکلی ہوئی دعا کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرمائے گا اور مرنے والے کی مغفرت ہو جائے گی اور اس کے ساتھ سچی خیر خواہی کا حق ادا ہو جائے گا۔

نہ بندگی ہے نہ سجدہ نہ عبادت
محبت ہے محبت ہے

اس موقع پہ اکڑ جانا اور نہ خود دعا کرنا اور کرنے والوں پہ بھی فتوے لگانے شروع کر دینا یقیناً بدبختی ہے۔ دعا سے روکنے والے قدرت کی طرف سے انتقام کا نشانہ بنتے ہیں اور دعا کرنے والے رب کی طرف سے انعام کا پروانہ لیتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مرنے والے سے زندگی میں دشمنی رکھتے ہیں مگر اس وقت دل صاف کر کے اس کے لیے دعا کر رہے ہوتے ہیں ارے خدا کے بندے! تیری دشمنی بھی کیسی دشمنی ہے کہ جان کے دشمن دعا کر رہے ہیں اور یہ ایمان کا دشمن نہ خود دعا کرتا ہے نہ دوسروں کو کرنے دیتا ہے کیا ایسا تو نہیں ہے کہ جو دعا کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ کیونکہ خدا کو دعا کے ساتھ پیار ہے اور جو دعا کا منکر ہے اس پہ خدا کی مار ہے۔ ان کو تو چاہیے کہ اس موقع پر اپنے لیے بھی اور مرحوم کے لیے بھی رو رو کر دربارِ خداوندی میں عرض کریں:

بندہ وہ کون سا ہے جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تیری رحمت سے دور ہے

پیارے کے لیے پیاری دُعا:

ایک صحابی حضرت طلحہ بن براء انصاری رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینے آئے تو حضور علیہ السلام سے لپٹ گئے اور فرطِ جذبات میں عرض کیا حضور! مجھے کوئی حکم دیں میں عمل کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ کافر ہے اس کا خاتمہ کر دے، صحابی نے تلوار اُٹھائی اور چلے باپ کو مارنے، حضور علیہ السلام نے واپس بلا لیا کہ تو امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ میں رشتوں کو توڑنے نہیں جوڑنے آیا ہوں۔ یہ صحابی بیمار ہو گئے اور وصیت کر گئے کہ اگر میں رات کو فوت ہو جاؤں تو یہودیوں اور حشرات الارض کے خطرات کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو اطلاع کیے بغیر میرا جنازہ پڑھ کر مجھے دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اللہ کے محبوب علیہ السلام صبح کے وقت اپنے پیارے کی قبر پہ تشریف لے گئے جنازہ پڑھا اور مندرجہ ذیل مفہوم کی پیاری دعا فرمائی۔

اے اللہ! طلحہ سے اس حال میں ملاقات کرنا کہ تو اس کو دیکھ کر مسکرائے اور یہ تجھے دیکھ کر مسکرائے۔

یہی سہارا ہے اس جان ناتواں کے لیے
کہ دل میں عشق ہے سرکار دو جہاں کے لیے
درود سے دل تاریک میں اجالا ہے
چراغ ڈھونڈ لیا ہم نے اس مکاں کے لیے
زمیں پہ ان کی حکومت فلک پہ راج ان کا
حضور رحمت و رافت یہاں وہاں کے لیے

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا حکم، خود حضور علیہ السلام سے اور اس بارے میں صحابہ

کبار علیہم الرضوان کی سنت نیز مجوزین اور منکرین ہر دو فریق کے علماء کی تصریحات کے بعد ایک غلط فہمی جو ایسے ہر موقع پہ سامنے آتی ہے اس کا ازالہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کہا جاتا ہے جو کام حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صحابہ کرام نے نہ کیا یا ان ادوار میں نہ تھا وہ بدعت ہے''۔

و کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔

اس غلط فہمی کے ازالے کا ایک تو وہی انداز ہے جو اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ حسنہ و سیئہ...... اب ایک اور انداز سے اس سوال کا جواب ملاحظہ ہو کہ کئی کام حضور علیہ السلام نے ساری عمر کیے ہیں مگر تم نے کبھی نہیں کیے مگر پھر بھی نہ تم بدعتی بنتے ہو اور نہ ہی مخالفت سنت کا الزام ہے۔ مثلاً:

- حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ساری زندگی گھوڑے، تلوار، تیر، نیزے، زرع، ڈھال کے ساتھ جہاد کیا، اب یہ ساری چیزیں میسر ہونے کے باوجود جہاد جیسی عبادت میں یہ طریقہ نہیں اپنایا جاتا بلکہ بندوق، بم، جہاز، ٹینک وغیرہ استعمال ہوتے ہیں تو کیا یہ بدعت یا خلاف سنت ہے۔
- آپ (ﷺ) نے ساری زندگی جن جانوروں پہ سواری فرمائی۔ ہے وہ جانور اس دور میں موجود ہیں پھر ان کو چھوڑ کر سفر کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کرنا کیسا ہے۔
- سرکار ﷺ نے ساری زندگی جوتا پہن کر نماز ادا فرمائی ہے بلکہ فرمایا:

خالفوا لیھود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم۔ (مشکوۃ صفحہ ۷۳)

ترجمہ: یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ جوتے اور موزے پہن کر عبادت نہیں کرتے مطلب یہ کہ تم جوتے اور موزے پہن کر نماز ادا کیا کرو۔

- نبی اکرم ﷺ نے بغلوں کے بال اکھیڑنے کا حکم دیا ہے منڈوانے کا حکم حدیث شریف میں کہیں نہیں جب کہ آپ حضرات ساری زندگی منڈوانے پہ کمر کسے ہوئے ہیں یہ کیسا ہے؟

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں تنہا (اکیلے) سفر نہیں فرمایا بلکہ آپ کا ارشاد ہے:

الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلاثۃ رکب۔

(مؤطا امام مالک صفحہ ۸۱۱ مترجم، ترمذی)

ترجمہ: اکیلا سوار شیطان ہے دو شخص سفر کرنے والے دو شیطان ہیں اور تین سوار، (قافلہ) ہیں۔

سارا زور اس بات پہ لگایا جاتا ہے کہ قبروں کو پکا کرنا ناجائز ہے تو کیا یہ فرمان نظر سے نہیں گذرا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ما امرت بتشیید المساجد۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۶۹)

ترجمہ: مجھے مسجدیں پکی یا خوبصورت بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: ترمذی ابواب الجہاد میں کہ تین کھیلوں کے علاوہ ہر کھیل باطل ہے۔ تیر کمان کے ساتھ مقابلہ بازی، جہاد کے لیے گھوڑوں کو سدھارنا اور اپنی بیوی کے ساتھ خوش طبعی کرنا۔ (المستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۹)

حالانکہ تمہارا فتویٰ ہے کہ کرکٹ کھیلنے کے لیے ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھی جا سکتی ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام نے ساری زندگی میں کئی کام ایک بار بھی نہیں کیے مگر تم وہی کام دن میں کئی کئی بار کرتے ہو جس طرح کہ حضور علیہ السلام نے ساری زندگی بھینس کا نہ دودھ پیا ہے نہ گوشت کھایا ہے نہ گھی کھایا ہے بلکہ قرآن وحدیث میں بھینس کا ذکر ہی نہیں ہے تو بھینس رکھنا، اس کا دودھ پینا اور گھی کھانا کیا ہوا؟ فما ھو جوابکم وھو جوابنا۔

تصویر کا دوسرا رخ:

اگر عمل کرنے کا پروگرام ہو تو چند احادیث لکھی جاتی ہیں جو درس مشکوٰۃ کے

دوران ایک ہی باب کتاب اللباس میں سامنے آ ئیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ جب ایک باب میں اتنی احادیث ہیں جن پر تمہارا عمل نہیں ہے تو پورے ذخیرۂ حدیث میں کس قدر احادیث ہوں گی جن کی طرف تم نے اہلِ حدیث ہونے کے باوجود کبھی دھیان ہی نہیں دیا۔ صرف دعا بعد جنازہ، رفع یدین، آمین بالجہر جیسے مسائل ہی بحث کرنے کے لیے رہ گئے ہیں؟ وہ بھی پیٹ کا دھندا چلانے کے لیے امت کو لڑانے کے لیے اور محبوب خدا کا دل دکھانے کے لیے۔

۞ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

فراش للرجل و فراش لامراته و الثالث للضيف والربع للشيطان۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۴، مسلم)

ترجمہ: ایک بستر مرد کے لیے دوسرا عورت کے لیے تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے۔

اب اگر مہمان زیادہ آجائیں تو کیا کیا جائے یہ حضور علیہ السلام سے پوچھو مجھے تو یہ بتاؤ کہ اس حدیث پہ عمل کرتے ہوئے آپ کے گھر میں صرف تین ہی بستر ہیں یا بستروں کے انبار لگا کر آپ نے کئی شیطانوں کو گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔

۞ ٹخنوں کے نیچے شلوار کرنے پہ آپ لوگوں کو بہت غصہ آتا ہے حالانکہ شلوار تو حضور نے پہنی ہی نہیں احادیث میں اکثر جگہ ازار (چادر) کا ذکر ہے۔ وہ بھی تکبر کی نیت سے۔ پھر کاٹنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں اور صرف اس قدر کا ذکر ہی نہیں۔ بلکہ الاسال في الازار والقميص والعمامة من جر منها خيلاء لم ينظر الله يوم القيمة۔ (نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۴)

چادر، قمیص اور عمامہ ہر ایک کو تکبر کرتا ہو جو کوئی گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو نجدیوں کو تو مشورہ دے سکتے ہو جو اپنے سے دو حصے بڑے ہر شخص تین تین چُغے پہن رہا ہے اور عمامہ

شریف جس کو تیجان العرب فرمایا گیا (العمامة تیجان العرب۔ عمامہ عربوں کا تاج ہے) اس تاج سے تم بھی محروم ہوا اور وہ بھی۔ جبکہ حضور علیہ السلام نے اس کو اپنی امت کے لیے کس قدر مناسب سمجھا کہ فرمایا:

علیکم بالعمائم فانها سیماء الملائکة و ارخوها خلف ظهور کم۔

(مشکوۃ صفحہ ۳۷۷)

ترجمہ: تم پہ لازم ہے کہ عمامے باندھا کرو۔ یہ فرشتوں کی نشانی ہے اور ان کے شملے پیٹھ پر چھوڑو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عممنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فسد لها بین یدی و من خلفی۔

(مشکوۃ صفحہ ۳۷۱)

ترجمہ: مجھے حضور علیہ السلام نے خود عمامہ شریف باندھا اس کا ایک شملہ سامنے (سینے پہ) رکھا اور دوسرا میری پشت پر۔

۞ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

البسوا ثیاب البیض فانها اطهروا طیب و کفنوا فیها موتاکم۔

(مشکوۃ صفحہ ۳۷۵)

ترجمہ: سفید کپڑے پہنا کرو بیشک وہ پاکیزہ تر اور زیادہ ستھرے ہیں اور اپنے مردوں کو انہی میں کفن دیا کرو۔

آپ نے حدیث کا پہلا جملہ جو زندوں کے لیے ہے اس کو چھوڑ دیا اور دوسرا جملہ جو مردوں کے لیے ہے اس پر سختی سے کاربند ہو گئے اور مردہ پرست پھر بھی ہم ہی ٹھہرے، جبکہ البسوا۔ صیغۂ امر ہے لہٰذا باقی کپڑے اتار پھینکو صرف سفید لباس ہی پہنو، کتنے اہل حدیث اس حدیث پر عمل کرتے ہیں؟

ایک روایت میں ہے:

ان احسن ما زرتم اللّٰہ فی قبورکم و مساجدکم البیاض۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۷)

ترجمہ: سب سے بہترین کپڑے کہ قبروں اور مسجدوں میں جن کے اندر تم اپنے رب کا دیدار کرو سفید ہیں۔

۞ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

ان اردت اللحوق بی فلیکفك من الدنیا کزادا الراکب و ایاك و مجالسته الاغنیاء ولا تستخلفی ثوبا حتی ترقعیہ۔ (مشکوٰۃ، ۳۷۵)

ترجمہ: اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو دنیا سے تجھے اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ سوار کے پاس (زادِ راہ) ہوتا ہے اور اپنے آپ کو امیروں کی مجلس سے بچا اور کپڑا اس وقت تبدیل کر کہ جب پہلا پھٹ جائے اور اس پر پیوند لگ جائیں۔

بتایئے اس حدیث کے کس جملے پر آپ عمل کرتے ہیں؟ شاید اس لیے نہیں کرتے کہ حضور علیہ السلام سے ملنا ہی نہیں چاہتے یا پھر اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے ان تمام فرمودات سے آپ کی توجہ ہٹا کر چند اختلافی مسائل کی طرف لگا دی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام تم لوگوں سے ملاقات کرنا ہی نہیں چاہتے۔

۞ آپ لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ جتنے بدصورت بنو اللہ تعالیٰ کو اتنا ہی پسند ہے حالانکہ اللّٰہ جمیل و یحب الجمال۔ اللہ خود جمال والا ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اور آپ حضرات تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ڈاڑھی مبارک) کی آرائش و زیبائش کا خیال بھی نہیں کرتے اور لوگ دیکھ کر مذاق اڑاتے رہتے ہیں جبکہ حضور علیہ السلام بذات خود اپنی داڑھی مبارکہ کی سیٹنگ فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مشکوٰۃ باب الترجل) کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یاخذ من لحیته من عرضها و طولها۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

حضور علیہ السلام اپنی داڑھی مبارک طول و عرض سے لیا کرتے تھے یعنی بڑھے ہوئے بال کاٹ دیا کرتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام کثرت سے (سر اور داڑھی کے بالوں پہ) تیل لگایا کرتے وتسریح لحیتہ اور کثرت کے ساتھ داڑھی کو کنگھی فرمایا کرتے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۱ باب الترجل)

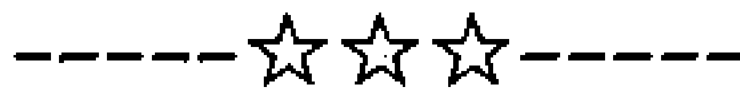
حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں ایک شخص جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے حاضر ہوا تو آپ نے ہاتھ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس کے بال درست کرو چنانچہ تعمیل ارشاد کے بعد جب وہ شخص دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الیس ھذا خیر من ان یاتی احدکم وھو ثائر الراس کانہ شیطان۔

(رواہ مالک، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۴)

ترجمہ: کیا یہ حالت اس پہلی حالت سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی بکھرے بالوں کے ساتھ آئے گویا کہ وہ شیطان ہو۔

سبحان اللہ! آج کل یہ شکل نام نہاد ''مجاہدین'' کی قرار پا گئی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔



تقریر نمبر ۱۷:

نکات ثلاثہ

نکتۂ توحید (الاسم الاعظم):

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے الحاوی للفتاوی جلد اول کے آخر میں الدر المنظم فی الاسم الاعظم نامی فتویٰ میں اسم اعظم کے بارے میں بیس اقوال نقل کیے ہیں کہ کون سا اسم اسم اعظم ہے اور قائلین میں صحابہ کرام سے لے کر امام سیوطی علیہ الرحمۃ کے دور تک کے لوگ شامل ہیں کئی اقوال کی بنیاد احادیث پر ہے چنانچہ مندرجہ ذیل الفاظ کے بارے میں اسم اعظم ہونے کا قول کیا گیا ہے:

اللّٰہ ٥ھو ٥ الرحمٰن الرحیم ٥ الحی القیوم ٥ اللّٰہ الرحمٰن الرحیم٥ الحنان المنان بدیع السموات و الارض ذو الجلال و الاکرام٥ بدیع السموات و الارض ذو الجلال و الاکرام ذو الجلال و الاکرام٥ اللّٰہ لا الہ الا ھو الاحد الصمد الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد٥ رب رب٥ مالك الملك٥ لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین٥ کلمۂ توحید٥ ھو اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو رب العرش العظیم٥ اللھم ۔ (باقی اقوال خاص الفاظ کے بارے میں نہیں)

❁ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے کسی نے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: سینہ صاف ہو تو ہر اسم ہی اسم اعظم ہے ورنہ اسم اعظم بھی اس

کے لیے کچھ نہیں حضرت سعدی فرماتے ہیں:

ہر شب شب قدر است گر قدر دانی

دیکھو ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے کہ یہ چیزیں کھاؤ اور یہ نہ کھاؤ اور جب وہی مریض تندرست ہو جاتا ہے تو وہی ڈاکٹر اسی شخص کو کہتا ہے اب جو چاہے کھالے، تجھے ہر چیز ہی فائدہ دے گی، یہی وجہ ہے کہ ہم جیسے پاپیوں کیلئے کبھی عبادت بھی (ریاکاری کی نیت سے کی ہوئی عبادت) وبال بن جاتی ہے اور اہل اللہ کا سونا بھی عبادت ہو جاتا ہے۔

اسی لیے ابو جعفر طبری، ابو الحسن اشعری، امام مالک، ابو حاتم بن حبان اور قاضی ابو بکر الباقلانی وغیرہ نے کہا لا یحوز تفضیل بعض الاسماء علی بعض۔ خدا کے سارے نام ہی اعظم ہیں اور جو حدیث میں اسم اعظم کا لفظ آیا ہے اس سے مراد بھی عظیم بمعنی بہت بڑا ہے نہ کہ اصطلاحی اسم اعظم انه لا وجود له بمعنی ان اسماء اللّٰہ کلها عظیمة۔ کیونکہ اس معنی میں کوئی اسم بھی اسم اعظم نہیں۔ اور اگر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے ہی چھپا رکھا ہے جیسے لیلۃ القدر، جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کو اور صلوۃ وسطیٰ کو۔ حافظ ابن حجر نے زیادہ راجح قول یہ قرار دیا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے پاس یہ دعا کی اللھم انی اسئلك بأنی اشھد انك انت اللّٰہ لا اله الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن له کفوا احد۔ تو آپ نے فرمایا اس نے ایسے نام سے مانگا ہے کہ جب بھی اس نام سے مانگا جائے دیا جاتا ہے اور دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ تو نے اسم اعظم کے ساتھ مانگا ہے۔ (ترمذی، ابن حبان حاکم عن بریدہ رضی اللہ عنہ)

جہالت بود اندر روئے آدم
کہ می بودش شرف بر جملہ عالم
اگر ایں نکتہ دانستے عزازیل
ہزاروں سجدے آوردے دمادم

نکتۂ سیرت

سیرت کیا ہے؟:

سیرت یہ ہے کہ جو حالت ہر وقت قائم رہے جلوت ہو یا خلوت، خوشی ہو یا غمی، تنگدستی ہو یا خوشحالی، گھریلو معاملات ہوں یا بیرونی تعلقات، ہمارے آقا علیہ السلام کی بابرکت زندگی میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ حضور علیہ السلام کا سلوک بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ یکساں تھا۔ امیر وغریب، ادنیٰ واعلیٰ شاہ وگدا بلکہ دیوانہ ہو یا فرزانہ، ہر کوئی حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آ کر اپنائیت محسوس کرتا تھا۔ ایک دیوانی عورت حضور علیہ السلام کو مدینہ شریف کی گلیوں میں لے کر گھوم رہی ہے اور اپنا دکھڑا سُنا رہی ہے اور حضور علیہ السلام اس کی دلجوئی فرمارہے ہیں کہ میں اکتاؤں گا نہیں تو جہاں چاہے مجھے لے جا اور جتنی چاہے باتیں سُنا میں سنتا رہوں گا۔ عید کے دن یتیم بچے کو کندھوں پہ بٹھا کر عید گاہ کی طرف تشریف لے جارہے ہیں اور اس کو فرمارہے ہیں آج سے میں تیرا باپ ہوں، عائشہ تیری ماں ہے اور فاطمہ تیری بہن اور حسن وحسین تیرے بھائی ہیں۔

ابوسفیان حالت کفر میں حاضر ہوتا ہے بیٹی (حضرت ام حبیبہ) باپ کو نبی علیہ السلام کے بستر پہ نہیں بیٹھنے دیتی اور نبی علیہ السلام اس کی درخواست پہ دعا کر کے مکہ والوں کا قحط دور فرمارہے ہیں۔

آپ (علیہ السلام) کا کافر مہمان بستر پہ پیشاب و پاخانہ کر کے دوڑ جاتا ہے تو آپ اس کی غلاظت کو اپنے بابرکت ہاتھوں سے صاف فرماتے ہیں کہ مہمان میرا تھا لہٰذا میں ہی صاف کروں گا۔ غریب عورت مسجد کی صفائی کرنے والی کا جنازہ راتو رات پڑھا دیا گیا تو حضور علیہ السلام اس کی قبر پہ جا کر دعا کرتے ہیں اور قبر بلکہ پورا قبرستان نور سے منور ہو جاتا ہے۔ غلاموں کے ساتھ سلوک ایسا کہ حضرت زید کا باپ اور چچا لینے کیلئے آئے ہیں کہ کئی سالوں سے تو غائب ہے تیرے بہن بھائی اور ماں بہت اُداس ہیں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جاتا ہے تو لے جاؤ مگر حضرت زید نے ساتھ جانے

سے انکار کر دیا اور فرمایا مجھے یہاں سے وہ پیار ملا ہے جو ماں اور باپ بھی نہیں دے سکے۔ غریبوں کی اس طرح دلجوئی فرماتے کہ تم امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جاؤ گے یہ فرمان سُن کر ان غربت کے مارے ہوؤں کے چہروں پہ مسکراہٹ و رونق آجاتی فرمایا اے امیرو! تمہیں ان غریبوں کا صدقہ رزق ملتا ہے۔ اپنا تبرک تقسیم کرتے ہوئے صدیق و فاروق کو بعد میں دیا اور ایک غلام جو دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا اس کو پہلے دیا تا کہ امت کو مسئلہ بھی مل جائے اور غلام کا دل بھی خوش ہو جائے کوئی گالی دیتا ہے تو دعا دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں بھلائی کے بدلے بھلائی تو بدلہ ہے احسان تو یہ ہے کہ برائی کے بدلے بھلائی کی جائے۔ بچوں، غلاموں کو سلام کرنے میں پہل فرماتے ہیں:

اے ضعف مدد کر در احمد پہ گرا دے
دربان کہے اُٹھ میں کہوں اُٹھا نہیں جاتا

٥ نکتۂ محبت

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

محبت کے عموماً چار مصادر (مشتق منہ) بیان کیے جاتے ہیں۔

1- لفظ محبت حباب الماء سے ہے جس کا معنیٰ ہے پانی کا بلبلہ، اس لیے کہ جب دل میں کسی کی محبت جوش مارتی ہے تو جس طرح پانی کی سطح پہ پانی میں حرکت کی وجہ سے بلبلے پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح دل کے دریا میں بھی عقیدت کے بلبلے بن جاتے ہیں۔

2- احب البعیر سے ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اونٹ زمین پہ جم کر بیٹھ جائے اور اُٹھانے سے نہ اُٹھے اب لفظ محبت کو اس معنیٰ سے مناسبت اس طرح ہو گی کہ جس دل میں محبت بیٹھ جاتی ہے پھر وہ نکالے سے نہیں نکلتی، پھر گرم ریت پہ لٹا کر

جسم میں سلاخیں بھی ماری جائیں اور کہا جائے اے بلال نبی کا نام لینا چھوڑ دے تو بلال مسکرا کر کہتے ہیں:

؎ سر کٹے کنبہ مرے یا گھر لٹے　　　دامن احمد نہ ہاتھوں سے چھٹے

3- یا لفظ محبت حبۃ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے بیج، اور بیج دراصل پودے کی ابتداء بھی ہوتا ہے اور انتہا بھی۔ آپ آم کا بیج (گٹھلی) زمیں میں بوتے ہیں، پودا نکلتا ہے اس پہ آم لگتے ہیں پھر وہ پکتے ہیں آپ آم کھاتے ہیں تو آخر میں آپ کے ہاتھ میں وہی گٹھلی رہ جاتی ہے جو پہلے تھی، اسی طرح انسانی سیرت و کردار پہ اعمال کے جتنے بھی پودے اگتے ہیں ان کا بیج ہی محبت ہے کیونکہ محبت کے بغیر نہ سیرت بنتی ہے نہ کردار تو انسانی عظمت کا نکتۂ آغاز بھی محبت ہے اور نکتۂ کمال بھی محبت ہے اور اس کو سمجھنا مشکل ہے تبھی تو کہا گیا ہے:

؎ محبت معنیٰ و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہ اک ایسی حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

4- اگر محبت ''حب'' سے ہو تو اس کا معنیٰ ہے مٹکوں کا بھر جانا اتنا کہ مزید کی گنجائش نہ رہے یونہی جب کسی کی محبت دل کے مٹکے میں بھر جاتی ہے تو لاکھ جتن کرو اس میں مزید کسی محبت کی گنجائش نہیں رہتی اسی لیے کہتے ہیں:

؎ محبت ایک سے ہوتی ہے ہزاروں سے نہیں ہوتی

یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ حق سہی مگر محبت کے مفہوم کی صحیح سمجھ تب ہی آتی ہے جب کسی سے محبت ہوتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ محبت کو سمجھنا ہے تو ناصر خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱۸:

پاکستانی جمہوریت پر ایک نظر

؎ تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبہ قلندرانہ

پاکستان میں جمہوری عمل کا تسلسل برقرار نہ رہنے سے رائے دہندگان کی فکری تربیت نہ ہوسکی۔ تحریک پاکستان کے دور میں مسلم عوام قومی اعتبار سے زیادہ توانا اور باشعور تھے۔ وہ ووٹ کو امانت اور اس کے صحیح بھگتان کو فرض تصور کرتے تھے۔ 1945ء کے انتخابات میں ڈاکٹر حمید فاروقی مرکزی اسمبلی کی نشست کیلئے امیدوار تھے اور مسلم لیگ کے امیدوار نواب محمد اسمٰعیل کے مقابلے پر کھڑے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کی بیگم نے اپنا ووٹ نواب صاحب کو دیا تو ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی، انہوں نے جواب میں کہا: ''ملت کے مفاد کو رشتہ ازدواج پر فوقیت حاصل ہے''۔ کیا پیارا جواب تھا! قومی سوچ کے حامل ایسے افراد اب کہاں ہیں؟

صحیح جمہوریت میں کوئی فرد دوسرے فرد کو اپنے ذاتی مفاد کیلئے استعمال نہیں کر سکتا لیکن ہمارے ملک میں جمہوریت کے سابقہ ادوار میں غریب عوام طبقہ امراء کیلئے بطور آلہ کار استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اسمبلیاں جاہ پسندوں اور مفاد پرستوں کی چوپالیں رہی ہیں، جو نوٹوں کے عوض ووٹوں کا سودا کرتے رہے ہیں۔ ہارس ٹریڈنگ اور فلور کراسنگ جیسی اصطلاحات ایسے ہی افراد کی بدولت وجود میں آئی ہیں۔

اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ سب کچھ دین سے دوری کا نتیجہ ہے اور مصطفیٰ ازم کی بات کرنے کی بجائے سوشل ازم، کمیونزم، بھٹو ازم اور ضیاء ازم کا نعرہ

لگانے کی نحوستیں ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مسجد کے منبر سے سیاست کی بات بلند نہیں ہونی چاہئے کیونکہ سیاست کا مفہوم جو گندے لوگوں نے ہمارے ذہنوں میں بھر دیا ہے وہ یہ ہے کہ سیاست دھوکہ دہی، گالی گلوچ، وعدہ خلافی، ڈھول کی تھاپ پہ بھنگڑا اور خالی نعروں کا نام ہے ہاں صحیح ہے ایسی سیاست کا مسجد سے کیا تعلق؟ بلکہ اس کو سیاست کہنا ہی گناہ ہے کیونکہ سیاست کرنا تو نبیوں کا طریقہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے: كانوا بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء۔ یہ وہ سیاست ہے جو اپنے اپنے دور میں ہر نبی کرتا رہا اور اس امت میں صدیق و فاروق اور علی و عثمان رضی اللہ عنہم نے کی اور یہ سیاست مسجد میں کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ سنت انبیاء اور طریقۂ خلفاء مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ اس سیاست کا مقصد یہ ہے کہ

طرز جمہوری نہ شان کج کلا ہی چاہئے
جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہئے

اور اگر مطلقاً سیاست پہ پابندی ہے تو بتا زہرا کا لعل کربلا میں کیوں گیا تھا کیا ان کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے کوئی روکتا تھا، بدر میں تلوار کیوں چلی تھی۔

اگر حجرے میں ہو سکتی تھی روشن شمع ایمانی

علماء سیاست کی بات اس لیے کرتے ہیں کہ جو لوگ خود تو نیکی کرتے ہیں لیکن لوگوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام نہیں دیتے ان پر عذاب پہلے آتا ہے اور حکم ہوتا ہے ان وجهه لا يتغير فى ساعة قط۔ لوگ تباہی کی طرف جا رہے ہیں اور یہ حجرے میں بیٹھ کر تسبیح پھیر رہا ہے، پہلے اس کو پکڑو۔ اور معاشرے کی صفائی تبھی ہو گی جب اقتدار اہل حق کے پاس آئے گا۔ ورنہ تم نے دیکھ نہیں لیا کہ ساٹھ سال تک حکومت کرنے والے اور لوگوں کو خالی اسلام کے نعرے پہ ہر الیکشن میں دھوکہ دینے والے، کیا ان کی بہو بیٹی پہ اسلام کی کوئی علامت ہے؟

یہ بے پردگی و بے حیائی، یہود و نصاریٰ کی پیروی والا اسلام کربلا کے حسین والا

اسلام نہیں بلکہ یزید والا اسلام ہے اور ابن زیاد والا اسلام ہے۔ ووٹ بہروپیوں، مسخروں، اداکاروں اور بے دین سرمایہ والوں اور جاگیرداروں کو دیتے ہو اور یاد کربلا کے شہیدوں کی مناتے ہو ارے شہید کربلا نے تو سارا گھر کٹا دیا مگر ایک غلط کار کو ووٹ نہ دیا یہ ووٹ جس کی تم کوئی اہمیت نہیں سمجھتے ہو اور چند ٹکوں اور تھوڑے سے مفاد کیلئے ہر بار اپنے سر پہ فرعونوں کو مسلط کر لیتے ہو تم ووٹ نہیں بیچتے بلکہ اپنا دین اور ایمان بیچتے ہو کیونکہ ووٹ ہی بیعت ہے جو بیع سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں بیچ رہے ہو جس کو ووٹ دے رہے ہو۔

الیکشن کے دنوں میں بےلوث بن جانے والے اور ووٹ لینے کیلئے گدھے کو بھی باپ کہہ دینے والوں نے کبھی دور اقتدار میں بھی غربت اور تنگدستی سے مرنے والے کا حال تک پوچھا ہے کبھی کسی بیمار کی تیمارداری کر کے اس کے علاج معالجہ کیلئے اپنی حرام کی کمائی سے ہی سہی کچھ دیا ہے؟ ارے ان کے کتے بھی بیمار ہو جائیں تو علاج امریکہ اور لندن میں ہو اور تیری ماں بھی مر جائے تو تیرے ساتھ افسوس کرنے کے بھی روادار نہ ہوں تو پھر بھی وقت آنے پر ان کی جادوگری کا شکار ہو جاتا ہے۔

نیند سے بیدار ہوتا ہے ذرا مزدور اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

(اقبال)

ان سرمایہ داروں کے سامنے جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو سرداری جانے کے خوف سے فوراً لوگوں کو دین سے بدظن کرنے اور اپنی فرعونیت چھپانے کیلئے کہہ دیتے ہیں اچھا! اب ہاتھ کاٹے جائیں گے، اب کوڑے مارے جائیں گے، اب یہ مولوی ہم پر راج کریں گے مولوی اگر خدا کی عبادت میں تیرا امام ہو سکتا ہے اور پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک تیری دینی راہنمائی کر سکتا ہے تو سید القوم خادمھم بن کر عوام الناس کی خدمت کا فریضہ سرانجام کیوں نہیں دے سکتا، دراصل بات وہی ہے جو

فرعون اور اس کے وزراء نے اپنی حکومت جانے کے خوف سے اپنے درباریوں کو مطمئن کرنے کے لیے، موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کو باغی کرنے کیلئے اور ان کے معجزے کے غالب آنے پر مبہوت ہو کر کہی تھی۔

قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه اباء نا و تکون لکما الکبریاء فی الارض و ما نحن لکما بمؤمنین۔ (یونس:۷۸)

ترجمہ: بولے: کیا تم (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور تم زمین میں (حکومت حاصل کر کے) بڑے بن جاؤ اور ہم تو تمہاری بات نہ مانیں گے۔

خطرے میں ہے محصور سدا اس کی سیاست
جس ملک میں مفلسی کا نمائندہ ہے زردار

دور ایوب میں جب بلوچستان کے قبائلی علاقوں میں سڑکیں وغیرہ بننے لگیں تو وہاں کے سرمایہ داروں اور وڈیروں نے کہنا شروع کر دیا کہ اب تمہاری بیٹیاں شہروں میں لے جائی جائیں گی، ان سے ڈانس کروایا جائے گا اولاد والدین کی باغی ہو جائے گی تو اس طرح عوام الناس کو حکومت سے متنفر کیا گیا چنانچہ ایوب خان کو بمباری کر کے ترقیاتی کام کرنے پڑے اور جب سڑکیں سکول اور ہسپتال وغیرہ بن گئے تو لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ تو ہمارے فائدے کے لیے تھا سرداروں کو اپنی بدمعاشی اور جگا ٹیکس ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا اس لیے شور مچا رہے تھے، کسی سردار کا ملازم بھی کسی علاقے میں آجاتا تو لوگوں کیلئے خان جی ہوتا اور سو سوا افراد کو ساتھ لے جا کر سارا دن کام کرواتا اور مزدوری ایک پیسا بھی نہ دیتا۔

یہ لوگ بھی اسلام کے بارے میں سزاؤں کا ذکر کر کے یہی مقاصد رکھتے ہیں کہ کہیں لوگ ہماری غلامی سے نکل نہ جائیں۔ اس لیے مولویوں کو ایسے کوستے ہیں کہ شاید اپنی ماں باپ کے نکاح پڑھانے کا انتقام لے رہے ہوں کبھی کہیں گے یہ ترقی کی

بریکیں ہیں کبھی کہتے ہیں ان کا کردار کیا ہے ارے نادان تاریخ انڈیا پڑھ کے دیکھ وہ ستاون ہزار علماء ہی تو تھے جن کو سور کے چمڑوں میں بند کر کے جلا دیا گیا، تو مولوی کی تاریخ سے غافل ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے انگریز نے جن کی کھوپڑیوں میں شراب ڈال کے پی تھی وہ بھی تو علماء ہی تھے۔

فضل حق خیر آبادی کون تھا؟ احمد بن حنبل کون تھا؟ جیل سے کس کا جنازہ نکلا تھا؟ قرآن کا فارسی میں ترجمہ کرنے کی پاداش میں ہاتھ تڑوانے والا کون تھا؟ یہ سب علماء ہی تو تھے۔ تاریخ کو مسخ نہ کرو ورنہ۔ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یاد رکھو! تم نے ہر میدان میں شکست کھائی ہے میدان سیاست کا ہو یا معیشت کا، ایٹمی ترقی کا ہو یا کوئی اور تم پیچھے ہو اور دوسری قومیں تم سے آگے ہیں ایک مساجد و مدارس کا میدان تم نے علماء کے حوالے کیا ہوا ہے۔ الحمد للہ! ٹوٹی ہوئی صفوں پہ بیٹھ کر علماء نے اس میدان میں تمام قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے کوئی عیسائی یہودی دکھا دو جو تورات وانجیل کا حافظ ہو لیکن یہ مساجد و مدارس کا نظام چلانے والوں کی ہی شان ہے کہ اس وقت دنیا میں لاکھوں سینے قرآن کے نور سے جگمگا رہے ہیں۔ ہر طبقہ اپنے مطالبات کے لیے، اپنی تنخواہوں میں اضافے کے لیے ہڑتالیں کرتا ہے، احتجاج کرتا ہے لیکن کلرک سے بھی کم تنخواہ لینے والے ان مذہبی لوگوں نے کبھی ان مقاصد کے لیے جلوس نکالا ہو یا ہڑتال کی ہو تو بتاؤ۔

آج سے بیس سال پیچھے چلے جاؤ تو مساجد و مدارس میں وہ رونقیں نہ تھیں جو آج ہیں یہ کن کی محنتوں کا نتیجہ ہے؟ تمہارے گھروں کا ماحول تو دین کو کب سے ''دیس نکالا'' دے چکا ہے۔ خدا ان درویشوں کو سلامت رکھے جن کے دم قدم سے اسلام کا جھنڈا چار دانگ عالم میں لہرا رہا ہے۔

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنا کہ بس پاک ہو گئے

لوگوں کی سادگی یا بدقسمتی ہے کہ موجودہ نام نہاد ظالمانہ جمہوریت اور اسلام کے پاکیزہ نظام میں فرق نہیں کر پا رہے، جمہوریت بندوں کی حکومت ہے اور اسلام خدا کی حکومت کا نام ہے: و من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئك هم الكفرون۔ بندے اگر مل کر قرآن واسلام کے خلاف بھی قانون بنا دیں تو یہی جمہوریت ہو جائے گی جس کی اسلام کبھی بھی اجازت نہیں دیتا۔ خالی صلاح مشورہ اگر جمہوریت ہے تو یہ جمہوریت تو دربار فرعون میں بھی تھی جو اپنے درباریوں سے مشورہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: فماذا تامرون۔ بتاؤ تم مجھے کیا حکم (مشورہ) دیتے ہو اور ملکہ بلقیس نے بھی سورج کی پوجا کرنے والے اپنے وزیروں سے کہا: افتونی فی امری ما کنت قاطعة امرا حتی تشهدون۔ مجھے مشورہ دو میں تمہارے بغیر کوئی کام نہیں کروں گی۔ اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ سارا زمانہ ایک طرف ہو جائے مگر اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ایک طرف ہو تو پورے جہان کو ٹھکرا دو اور حکم خدا و مصطفیٰ کو سینے سے لگا لو۔ خواہ مخواہ تنقید نہ کرو اور اچھی باتوں اور مفید کاموں میں بھی کیڑے نکالنے نہ شروع کر دو اگر تم حزب اختلاف میں بھی ہو اور کسی مسئلہ کا حل نہیں نکل رہا تو وہ تعاونوا علی البر و التقوٰی کے حکم خدا کے تحت صاحبان اقتدار کے ساتھ مل بیٹھ کر حق کو تلاش کرو۔

کہتے ہیں کسی ملک کی اسمبلی میں بل پیش ہوا کہ شراب پہ پابندی ہونی چاہئے بحث ہوتی رہی پانچ سال گذر گئے مگر اس بل پہ بحث ہی ختم نہ ہو سکی۔ اقبال نے کیا خوب کہا:

گریز از طرز جمہوری ''غلام مرد کامل'' شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

ترجمہ: ایسے دو سو گدھے بھی ایک انسان پختہ کار اور مرد کامل کے غلام کی پاکیزہ فکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس جمہوریت سے بھاگ اور کسی کامل کا دامن پکڑ لے۔

ہمارے ملک کے قانون میں ووٹر اور امیدوار میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا جیسا بھی چور ڈاکو، ظالم قاتل ہو وہ امیدوار بھی ہو سکتا ہے اور ووٹر بھی اس طرح کے لوگوں

کی اکثریت کو جمہوریت کہو گے تو اے اہل پاکستان اور اے مسلمانانِ عالم ان کی تو ہر دور میں کثرت رہی ہے و لو اعجبك كثرة الخبث مگر سنو! لا يستوى الخبيث و الطيب- لا يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون- خبیث وطیب برابر نہیں، عالم و جاہل برابر نہیں، اندھیرا اجالا برابر نہیں جمہوریت اور اسلام برابر نہیں بلکہ جو جمہوریت اسلام کی جڑیں کمزور کرے وہ جمہوریت ہے ہی نہیں بلکہ جمہوری تماشا اور چنگیزیت ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ووٹ کی چار حیثیتیں:

ووٹ ایک مقدس امانت ہے۔ امانت کے بارے میں حکم خداوندی ہے کہ "امانتیں ان کے سپرد کرو جو ان امانتوں کے اہل ہیں"۔ نااہل کو ووٹ دینا امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہے۔ ووٹ امانت کے علاوہ شہادت بھی ہے۔ جس شخص کو آپ ووٹ دے رہے ہیں تو گویا اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ یہ شخص لائق اعتماد ہے۔ ووٹ وکالت کا پروانہ بھی ہے۔ وکیل اسی کو بنایا جاتا ہے جسے موکل معتمد تصور کرتا ہے۔ ووٹ کی ایک چوتھی حیثیت بھی ہے اور وہ ہے سفارش۔ قرآن حکیم میں ہے "جو شخص نیک بات کی سفارش کرے گا اسے اس کے ثواب میں سے حصہ ملے گا"۔ یہ ہیں شرعی اعتبار سے ووٹ کی چار حیثیتیں جنہیں ووٹ دیتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیے۔

قائداعظم کا قول ہے:

"اگر تم میں صحیح نمائندہ منتخب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تو سمجھ لو تمہاری آدھی مشکل حل ہو گئی"۔

یہ بات یاد رہے کہ ووٹ دینا ہر شخص کا حق ہے اس میں مسلمان یا کافر کی بھی کوئی قید نہیں جو بھی مُلک میں رہتا ہے وہ ووٹ کاسٹ کر سکتا ہے لیکن جس کو ووٹ دینا ہے

وہ اس امانت کا حق دار ہونا چاہئے۔ اگر کسی کو ووٹ دے کر کسی کو اقتدار کا حق دار بنایا جا سکتا ہے تو اس ذمہ داری کو صحیح طریقہ سے نہ نبھانے والے کا گریبان پکڑ کر اس کو کرسی اقتدار سے ہٹایا بھی جا سکتا ہے۔ جو امیدوار الیکشن سے پہلے کلاشنکوف استعمال کرتا ہے اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ الیکشن کے دوران انہی مظلوموں سے ووٹ مانگتا پھرے جن پہ اسلحہ استعمال کرتا رہا وہ بعد میں کیا یہی کام نہیں کرے گا؟ اب تو اس کے پاس اختیار بھی آ جائے گا جب بے اختیار تھا تو کسی کو سکون کا سانس نہیں لینے دیا اب تو ضرور آپ کی حفاظت کرے گا جو خدا کا باغی ہو وہ خدا کی مخلوق کا بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں جو خدا کا قرض (نماز) نہیں ادا کر سکتا اس کو تمہارے حقوق کا کیا پاس ہو سکتا ہے اس لیے:

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

بار بار اپنے آپ کو ان بدمعاشوں کے ہاتھ نہ بیچو، کتنی بار ضمیر فروشی کرو گے؟ کس کس کے ہاتھ بکو گے؟ کیوں بار بار بک بک کر ان ''بگ بگ'' کرنے والوں کی غلامی کی ذلت اُٹھاتے ہو اور اپنی قدر گھٹاتے ہو، بازار مصطفیٰ ﷺ میں ایک ہی بار بک جاؤ تمہاری اتنی قیمت پڑے گی کہ کوئی دوبارہ خرید ہی نہ سکے گا۔

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

جب کوئی پرانا شکاری نیا جال لے کر تمہارے دروازے پہ آئے تو اس کو صاف کہہ دو کہ تم جس وڈیرے کے ساتھ ہو تمہیں مبارک ہو ہم تو اپنے آقا کے ساتھ ہیں، ہمارا سودا بازار مصطفیٰ ﷺ میں ہو چکا ہے۔

اور کہو ہم ہر امیدوار کے سامنے جھوٹ بول کر ہر ایک کو راضی کر کے اپنے خدا و مصطفیٰ کو ناراض کرنے کی عادت چھوڑ چکے ہیں ہم نے سب کو آزما لیا ہے، اب ہمیں

کوئی مائی کا لعل بے وقوف نہیں بنا سکتا کیونکہ اب ہمارے شعور کی آنکھ میں عشق رسول ﷺ کی بیداری پیدا ہو چکی ہے لہٰذا

؎ دور ہٹو اے دشمن ملت پاکستان ہمارا ہے

یہ کوئی بات ہے کرنے والی کہ ہر بار امریکی ٹٹو ہی ہمارے اوپر مسلط کر دیا جائے جو امریکہ کو خوش کرنے کیلئے اپنا بھی دین و ایمان ضائع کر دے اور لوگوں کو بھی بے دین بنا دے۔ اب ہماری قیادت ان کے ہاتھ میں ہوگی جو منبر و محراب کے وارث ہیں جو اللہ کے دین کے مبلغ ہیں، جن کی زندگیاں قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے پڑھاتے گذری ہیں۔ جو ہمیں مصلّٰی رسول ﷺ پہ نماز پڑھاتے ہیں تو ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے برابر ملے۔ جنہوں نے ہمارے والدین کے جنازے پڑھائے ہیں جو ہمارے دین کے امام ہیں وہی ہماری دنیا کے بھی امام و راہنما ہوں گے۔ کیا خوب کہا تھا حضرت علی المرتضٰی نے حضرت ابوبکر صدیق کو کہ جب آپ ہمارے دین کے امام ہیں تو آپ ہماری دنیا کے بھی امام ہیں۔ اپنے علماء پہ اعتماد کرو ووٹ تو ووٹ جان بھی مانگیں تو حاضر کرو۔ کیونکہ

؎ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

ارے لوگو! جن کو خدا کے گھر میں کھڑے ہو کر پانچ وقت اپنا امام کہتے ہو کیا پانچ سال کے بعد وہ آپ، کے ایک ووٹ کے بھی مستحق نہیں ہیں کیا صرف نماز میں پیچھے اس امام کے اور باقی ہر کام میں آگے اس امام کے کا بدبودار عقیدہ اپنائے ہوئے ہو؟ کہیں تمہارے اسی کردار کی تو ساٹھ سال سے سزا نہیں مل رہی۔ اپنے علماء کی راہنمائی کرتے ہو کہ آپ چپ رہیں جی آپ کو سیاسی بات نہیں کرنی چاہئے۔ سیاسی بات مولوی کے منہ سے اتنی بُری لگتی ہے جیسے وہ تیری ''ماسی'' کی بات کر رہا ہے۔

یہ کوئی جمہوریت ہے کہ امیروں کے کتے بھی عیش کریں اور غریب کے بچے کو علاج، تعلیم اور دیگر ضروری سہولتیں بھی حاصل نہ ہوں ہمیں وہ جمہوریت نہیں چاہئے

کہ اگر کوئی مر رہا ہو تو جمہوریت کہے وہ مر رہا ہے ناں تو تو عیش کر رہا۔ بلکہ ایسی جمہوریت چاہئے کہ خود بھوکے رہ کر دوسروں کا پیٹ بھرو۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کے دور میں قحط پڑھ گیا تو لوگوں نے دعا کیلئے عرض کیا، آپ نے دعا کی تو آپ کی دعا سے قحط دور ہو گیا لیکن آپ نے فرمایا: قحط کے دوران جس کے پاس کھانا نہیں ان کو دوسرے لوگ کھانا کھلائیں اگر نہ کھلائیں تو اپنا حق ان سے چھین بھی سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک کا کھانا دو کی جان بچا سکتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے دور میں ایک شخص نے پکا مکان بنایا تو حضور علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار کیا مطلب یہ تھا کہ ابھی ہر شخص کو جھونپڑی بھی نصیب نہیں اور تو عالیشان مکان میں آرام کر رہا ہے، شاباش اس جانثار کے، اس کو پتہ چلا تو اس نے مکان ہی گرا دیا کہ جو چیز میرے آقا پسند نہ کریں وہ دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہیں یہ کوئی قانون ہے کہ قرآن گندی نالیوں میں پھینکے جا رہے ہیں، مردہ لڑکیوں کو قبروں سے نکال کر بدکاریاں کی جا رہی ہیں، نہ کسی کی عزت محفوظ نہ مال۔ یہ سارے مسائل ووٹ کے صحیح استعمال سے حل ہوں گے تمہاری نگاہوں میں ووٹ کی اہمیت اور کچھ نہیں تو پانی کے قطرے جتنی تو ہو گی؟ ارے پانی کا قطرہ بھی سانپ کے منہ میں جائے گا تو زہر بن جائے گا اور سیپ میں جائے گا تو موتی قرار پائے گا۔ جب اس قوم کو اس عذاب میں مبتلا کر ہی دیا گیا ہے تو ظاہر بات ہے اسی نظام سے ہو کر اعلیٰ مقصد حاصل کرنا ہو گا، اس لیے ووٹ سے ہی حکومت آتی ہے اور جیسی حکومت آئے گی ویسا نظام لائے گی اور ووٹ دینے والے برابر کے شریک ہوں گے اگر اچھے لوگوں کو منتخب کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ اس دنیا میں بھی سزا بھگت رہے ہو اور د لعذاب الاخرۃ اکبر۔ آخرت کی سزا تو بہت بڑی ہے۔ تو اے دوستو!

زندگی اتنی غنیمت تو نہیں جس کیلئے
عہد کم ظرف کی ہر بات گوارا کر لیں

حکمرانوں کے خلاف عوامی جذبات:

- جو حکمران بھی آتا ہے پہلے خدمت کے جذبات کا اظہار کرتا ہے بعد میں فرعون بن جاتا ہے، کوئی اپنی کرسی کی مضبوطی کی اور کوئی وردی کے جسم کا حصہ بنا جانے کی بات کرنے لگتا ہے اگر تم نے دین کا کام نہیں کرنا تو ہم تمہاری کرسی اور وردی سے تو بغاوت کر سکتے ہیں زلف مصطفیٰ سے بغاوت نہیں کر سکتے عوام کے پاس عشق مصطفیٰ کی بدولت اتنی طاقت ہے کہ اگر انہیں صحیح راہنمائی مل جائے تو تمہاری حکومتوں کو خاک میں ملا کر ہوا میں اڑا دیں اور تمہارا وہ حشر کریں جو ایک مجرم کا ہوتا ہے کیونکہ تم کسی ایک شخص کے مجرم نہیں ہو بلکہ پورے ملک کے اور پوری پاکستانی عوام کے بلکہ تمام اہل اسلام کے مجرم ہو اس لیے ہوش کے ناخن لو ورنہ جو لاوا پک رہا ہے اگر پھٹ گیا تو تمہیں جہنم رسید کیے بغیر نہ چھوڑے گا۔

حیدر کرار نے وہ زور بخشا ہے ہمیں
ایک کے دو کر دیں ہم تم سب کے گلے چیر کر

- موجودہ حکمران جب دشمن کے سامنے جاتے ہیں تو بھیگی بلی بن جاتے ہیں اور دشمن کی نظروں میں نظریں ڈال کر بات کرنے کی ان میں ہمت نہیں ہوتی اور جب اپنے عوام سے بات کرتے تو ان کے بیانات سے فرعونیت و وحشت ٹپکتی ہے کسی کو نظر بند کسی کو گھر میں بند، کسی کو جیل میں بند، یہ کیا تماشا ہے؟ جو عوام تمہیں کرسی پہ بٹھاتی ہے اس سے اتنی نفرت آخر کیوں؟ قرآن تو اہل ایمان کی شان یوں بیان کرتا ہے اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ جس کا ترجمہ اقبال نے یوں کیا:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

امریکہ اور بھارت سے بات کرتے ہو تو رویہ معذرت خواہانہ اور اپنے ہم وطنوں پہ ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے ہو مساجد سے حق کی آواز کو دبانے کیلئے سپیکروں پہ

پابندی، دہشت گردی کو روکنے کیلئے مدرسوں پہ پابندیاں، اپنے ہی برادر اسلامی ممالک کی تباہی کیلئے یہود ونصاریٰ کا ساتھ، آخر مسلمانوں سے اور اسلام سے اتنی نفرت کیوں؟ اور اسلام دشمنوں سے اتنی ہمدردی کیوں؟ جو مر رہے ہیں وہ تو دہشت گرد ہیں اور جو مار رہے ہیں وہ انسانیت کے ہمدرد ہیں؟

ذرا قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات کو ہی غور سے پڑھ لو' اور جب ان (منافقوں) کو کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! یہی ہیں اصل فسادی لیکن سمجھتے نہیں ہیں'' وزراء کے بیان ایسے خوشنما آتے ہیں کہ جیسے ملک میں کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں حالانکہ پورا ملک مسائلستان بنا ہوا ہے کہیں مہنگائی کا رونا رویا جا رہا ہے کہیں بلوں کی مصیبت ہے، کہیں لوڈ شیڈنگ کی لعنت ہے کہیں سفری سہولتوں کا نہ ہونا، سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں، ہر طبقہ احتجاج کر رہا ہے اور وزراء کہہ رہے ہیں کہ ہم ملک میں خوشحالی لا رہے ہیں اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ سربراہ مملکت ان سو فیصد جھوٹے بیانات کی تصدیق کر رہے ہیں گویا اس بات کا برملا اعتراف کر رہے ہیں کہ

؎ دروغ گو سبھی شامل ہیں میری کابینہ میں
کہ سرزمین دروغاں کا بادشاہ ہوں میں

۞ اسلام یہ نہیں جو تم لا رہے ہو کہ ڈر کے مارے کوئی زبان نہیں کھول سکتا، کوئی زبان کھولے گا تو اس کیلئے جیل کے دروازے کھل جائیں گے اور پھر اس کی زبان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا جائے گا مگر یاد رکھو جس انسان پر تم پابندیاں لگا رہے ہو خدا نے اس کو آزاد پیدا فرمایا ہے تم اس کی عظمت کی تذلیل نہ کرو، اس کے سر پہ اللہ کریم نے عزت و تکریم کا تاج سجایا ہے (و لقد کرمنا بنی ادم)

؎ انسان کی عظمت کو ترازو پہ نہ تولو
انسان تو ہر دور میں انمول رہا ہے

ان میں سے کوئی نہ کوئی دیوانہ اُٹھ کھڑا ہوگا جس کی آواز پورے ملک کی آواز بن

جائے گی پھر تمہیں منہ چھپانے کیلئے جگہ نہیں ملے گی اور عوامی سیلاب کے ریلے میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاؤ گے۔ نہ تم ہمیشہ حکمران رہو گے اور نہ عوام ہمیشہ تمہارا ظلم سہتے رہیں گے، ہمیں تم سے وفا و ہمدردی کی کوئی امید نہیں رہی ہم تو تمہارے ظلم کی انتہا کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو کسی موسیٰ کو حکم ہوتا ہے کہ فرعون سے ٹکرا کر اس کو پاش پاش کر دے اور اس کے ناپاک وجود سے میری زمین کو پاک کر دے اور میری مخلوق کو اس کے ظلم سے نجات دے دے۔ اس لیے:

؎ تم سے امید وفا ہوگی جسے ہوگی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تم ظالم کہاں تک ہو

تو میں کہہ رہا تھا اسلام وہ نہیں جس کا تم ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو اور ظلم کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کو دبا رہے ہو بلکہ اسلام یہ ہے کہ جس عمر کے سائے سے بھی شیطان بھاگتا ہے وہ خطبہ دے رہے ہیں اور پھٹے پرانے کپڑوں والا شخص کھڑا ہو کر کہتا ہے اے عمر منبر سے نیچے اتر آؤ تمہیں کوئی حق نہیں ہے ہم پر حکومت کرنے کا، کیونکہ مال غنیمت سے ایک ہی چادر تمہیں ملی تھی اور ایک ہی ہم میں سے ہر ایک کو، ہم میں سے کسی کی تو قمیص بن نہ سکی تیری کیسے بن گئی؟ اگر کوئی آج کل کا حکمران ہوتا تو جو اس شخص کا حشر کرتا دنیا دیکھتی لیکن حضرت عمر اپنے بیٹے کو فرماتے ہیں میرا باپ اس وقت تک منبر پہ نہ بیٹھے گا جب تک اس سائل کو مطمئن نہ کر دیا جائے، ابن عمر نے کہا میرا باپ خلیفۃ المسلمین ہے مگر ان کی قمیص کو اٹھارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ میں نے ہی عرض کیا تھا کہ میری چادر بھی لے لیں لہٰذا ایک قمیص بن گئی۔ تب حضرت عمر نے پوچھا: اب مجھے منبر پہ خطبہ دینے کا حق ہے کہ نہیں؟ سب حاضرین نے بیک زبان ہو کر عرض کیا آپ جیسے لوگوں کو ہی حکومت وخلافت کا حق ہے اور حضرت عمر بھی ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے جو اصلاح کی بات کرنے والے ہوں:

؎ جستجو قوم کو ہے ایسے مسلمانوں کی

ملتا ہے سکون جن کو گود میں طوفانوں کی

۞ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ ہے کہ آپ نے بر سر منبر مجمع سے پوچھا! اگر میں صحیح حکومت کروں تو مجھے امید ہے تم میرا ساتھ دو گے لیکن اگر میں صحیح نہ چلوں تو تم کیا کرو گے؟ ایک درویش کھڑا ہوا، تلوار میان سے نکالی اور لہرا کر کہا اگر تو صحیح نہیں چلے گا تو ہم تمہیں اس تلوار سے سیدھا کر دیں گے حضرت عمر نے اس کو سینے سے لگایا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ میری قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مجھے سیدھا بھی کر سکتے ہیں:

؎ گماں نہ کر کہ مجھے جرأت سوال نہیں
خدا کے فضل سے تجھے لاجواب کر دوں گا

۞ حضرت عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ ہوئے تو ستر اونٹ اور ڈھیروں جائیدادان کی ملکیت میں تھے لیکن جب حکومت چھوڑی ہے تو قمیص کو بیس پیوند لگے ہوئے تھے کیونکہ یہ لوگ عوام کی خدمت کر کے خدا کو راضی کرنے والے تھے اور خوف خدا سے ان کے سینے لبریز تھے۔

اسی لیے موت کو دیکھ کر خوشیاں منایا کرتے تھے کہ ہم اپنے محبوب کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر جا رہے ہیں اس لیے اے موت تو جس حال میں بھی ہمارے پاس آئے گی ہمیں تیار پائے گی۔

؎ ہم اہل جنوں اور جھلکیں موت کے آگے
ہم جب بھی مرے موت پہ احسان کریں گے

یاد رکھو! ہم جیلوں میں جاتے ہیں، واپس آنے کیلئے، ہم قید ہوتے ہیں رہا ہونے کیلئے مگر جب تم پکڑے جاؤ گے تو کوئی چھڑانے والا نہ ہو گا کیونکہ ان بطش ربک لشدید۔ ''اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ ہم (عوام) کی عمر تم سے کہیں زیادہ ہوتی ہے ہم نے کئی (مونچھوں والے، مضبوط کرسی والے، ایسی وردیوں والے

کہ جن کی وردیاں اس کے جسم کی کھال بن گئی تھیں) ''ہنڈا'' دیے ہیں سب فنا ہو گئے مگر

اک اہل عشق ہیں جہاں تھے وہیں رہے

حضرت عمر بن عبد العزیز ہی کا واقعہ ہے کہ جب حکمران بنائے گئے تو ساری ساری رات روتے رہتے تھے بیوی نے عرض کیا: لوگ بادشاہ بنتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں اور آپ روتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: کیوں نہ روؤں کہ پہلے میرے سر پر صرف ایک اپنی ذات کی ذمہ داری کا بوجھ تھا اور اب پورے ملک کی ذمہ داری کا بوجھ آن پڑا ہے چنانچہ آپ سے پہلے حکمران اپنے ساتھ چھ چھ سو باڈی گارڈ رکھتے تھے آپ نے ان سب کو ہٹا دیا اور فرمایا: میری حفاظت میرا خدا کرے گا۔ خطرہ تو اس کو ہو جس نے کسی پر ظلم کرنا ہے، کسی کا حق مارنا ہے جس کو کتے کے پیاسا مرنے پر بھی پکڑ کا خوف ہو وہ بغیر کسی باڈی گارڈ کے دوپہر کے وقت سر کے نیچے اینٹ رکھ کر بھی سکون کی نیند سوتا ہے اور قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کے دلوں پر اس کی ہیبت بیٹھی ہوتی ہے۔

ایک ہمارے حکمران ہیں کہ دس میل کا سفر کرنا ہو تو آگے پیچھے گاڑیاں حفاظتی گارڈ، سڑکیں سنسان، ہٹو بچو کی صدائیں یوں لگتا ہے جیسے کوئی انسان نہیں شیطان آرہا ہے کیا لا الہ الا اللہ کے نام پہ حاصل ہونے والا ملک انہی عیاشیوں کیلئے بنایا گیا تھا اور ہمارا حکمران ملک کی جان تب چھوڑتا ہے جب کچھ بھی باقی نہ رہ جائے۔

کیا اس لیے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے

بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

ایسے ہی حکمرانوں کے خلاف جب مظلوم طبقہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو پھر خونی انقلاب بھی آتے ہیں، پھر لاشے بھی تڑپتے ہیں اور یہ مرنے والے پھر زندہ رہنے والوں پہ احسان کر جاتے ہیں اور ان کو زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا جاتے ہیں اور خود مر کر بھی زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں جس طرح ماچس کی تیلی خود تو جل جاتی ہے لیکن کئی گھروں

میں روشنی کا سامان کر جاتی ہے ایسے ہی باطل سے ٹکر لینے والا مخلوق پہ احسان کرتا ہے کہ ان کو باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی گزارنے کی ہمت دے جاتا ہے اور یہی حقیقی کامیابی ہوتی ہے۔

غرق ہونے کیلئے باطل سے ٹکراتا ہوں میں
کھیلتا ہوں موت سے اور زندگی پاتا ہوں میں
اپنے مرنے پر مجھے جانباز اتنا ناز ہے
بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہوں میں

یہ حکومتیں یہ وزارتیں یہ صدارتیں کب تک چلیں گی آخر کار عبرت کا نشان بن جاؤ گے اور فنا ہو جاؤ گے لوگوں کے ہاتھ کاٹ سکتے ہو، زبانیں کاٹ سکتے ہو مگر دل میں چھپا ہوا جذبۂ حریت و آزادی جو خدا نے ودیعت کر رکھا ہے ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ بیدار ہو کر یہ نعرۂ مستانہ لگا کر میدان کربلا بپا کر دے گا کہ جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا۔ یہ اللہ کا فضل ہوتا ہے جس پہ چاہے کر دے اور وہ اس کی مخلوق کا محسن بن جائے۔

وہ جو چاہے تو قطرے کو سمندر کر دے
وہ جو چاہے تو فقیروں کو قلندر کر دے
وہ جو چاہے تو یتیموں کو پیمبر کر دے
وہ جو چاہے تو وزیروں کو بھی اندر کر دے

۞ یہی وہ عوام ہے کہ جن کو طاقت کا سرچشمہ قرار دے کر اقتدار حاصل کرتے ہو اگر ان کو کرسی اقتدار پہ کسی کو بٹھانا کرنا ہے تو اتارنا بھی آتا ہے مگر جیسے ظلم آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اسی طرح ان کا شعور بھی آہستہ آہستہ بیدار ہوتا ہے پہلے کنڈی کھٹکھٹاتے ہیں پھر تالا کھولنے کی کوشش کرتے ہیں نہ کھلے تو دروازہ توڑ دیتے ہیں انہیں سانپ کو بل سے نکالنا بھی آتا ہے اور اسے مارنا بھی آتا ہے، پھر یہ جان پہ کھیل جاتے ہیں اور موت کی پرواہ کیے بغیر گلشن کو سجا دیتے ہیں اور گلشن

اجاڑنے والوں کو بھا گا دیتے ہیں۔

مشکل میں بہت قافلہ سالار رہے ہیں
سردار ازل سے ہی سر دار رہے ہیں

بالخصوص جب مسلمانوں کے ملک میں شریعت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہوں، بے پردگی اور بے حیائی کے عام مظاہرے ہو رہے ہیں انسان تو انسان خدا و مصطفیٰ کی عزت و ناموس پہ دن دیہاڑے ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں اور حکمران وقت کے نمرود و فرعون بن کر خدائی کا دعویٰ کر رہے ہوں تو ایسے خطرناک حالات میں اندر بیٹھ کر تسبیح پھیرنے والوں کو علامہ اقبال کہتے ہیں:

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن
نعرۂ لا پیش نمرود بزن

خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۱۹

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اور فکرِ آخرت

گردشِ کوئے یار کرتا ہوں
بس یہی کاروبار کرتا ہوں
بندگی کی نہیں خبر مجھ کو
تیرے بندوں سے پیار کرتا ہوں

عموماً کہا جاتا ہے کہ بزرگان دین فکر آخرت اور خوف خدا کے موضوع کو بہت کم بیان کرتے ہیں اسی وجہ سے مزارات پہ حاضری دینے والے لوگ عموماً بدعمل ہوتے ہیں، شریعت کی پرواہ کم کرتے ہیں حالانکہ کتب تصوف میں یہ دو موضوعات جس کثرت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں وہ کسی بھی باہوش اہل علم پہ پوشیدہ نہیں ہے چونکہ آج کی محفل میرے پیر بھائیوں کی محفل ہے اور حضرت سلطان العارفین علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہی بات زیادہ زور دے کر بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے ان موضوعات کو کم چھیڑا ہے لہٰذا میں آپ کے پنجابی کلام سے صرف ایک دوہڑے کی تشریح وتوضیح عرض کروں گا اور اس کے ہر مصرعہ کی تائید وتصدیق میں قرآن وسنت سے دلیل بیان کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں:

ہَسّن دے کے رووَن لیوای تینوں دتا کس دلاسا ہو
عمر بندے دی اینج وہانی جیویں پانی وچ پیاسا ہو
سوڑی سامی سَٹ گھتیسن، پلٹ نہ سکیسیں پاسا ہو
تیتھوں صاحب لکھیا منگسی باہو رتی گھٹ نہ ماسا ہو

ترجمہ مصرعہ اول: اے انسان تو نے آخرت کی خوشی کا تبادلہ دنیا کی راحت و آرام سے کرلیا ہے۔ تجھے یہ گھاٹے کا سودا کرنے کا مشورہ کس نے دیا ہے اور اس سودے پہ مطمئن ہو جانے کی تسلی تجھے کس نے دی ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ ایسے گھاٹے کے سودے کا ذکر فرمایا گیا:

اولٰئك الذين اشترو الضللة بالهدٰى۔ فما ربحت تجارتهم۔ (البقرہ:١٦)

''انہوں (منافقوں) نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا، اس سودے میں ان کو کوئی نفع نہ ہوا''۔

اولٰئك الذين اشتروا الحيوة الدنيا بالاخرة۔ (البقرہ:٨٦)

''انہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی''۔

و من الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم۔ (لقمان:٦)

ترجمہ: کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ بے سمجھے اللہ کی راہ سے بہکائیں (لوگوں کو)۔

بئسما اشتروا به انفسهم۔ (البقرہ:٩٠)

ترجمہ: انہوں نے اپنی جانوں کا سودا بہت بڑے مول سے کیا۔

بنی اسرائیل نے جب من و سلویٰ جیسے جنتی کھانے سے اکتاہٹ کا اظہار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا:

يموسىٰ لن نصبر على طعام واحد فادع لنا ربك يخرج لنا مما تنبت الارض......

ترجمہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم ہرگز ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے پس آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں زمین کی اُگائی ہوئی چیزیں عطا فرمائے۔ (ساگ، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز)

تو اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر۔

ترجمہ: کیا تم اعلیٰ چیز دے کر ادنیٰ شی لینا چاہتے ہو۔

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے بندے تو نے کس قدر گھاٹے کا سودا کیا ہے کہ آخرت کی راحت وسکون کی خوشی کے بدلے نفسانی خواہشات اور دنیا کا رونا دھونا لے لیا ہے۔ اور پھر تو اس پر مطمئن بھی ہے آخر اس گھاٹے کے سودے پہ مطمئن رہنے کا دلاسا تجھے کس نے دیا گیا؟

آپ علیہ الرحمۃ کا یہ انداز (جس کی تائید میں آپ نے قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں) بھی قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الانسان ماغرك بربك الکریم الذی خلقك فسوٰك فعدلك فی ای صورۃ ماشاء رکبك۔ (الانفطار:۶،۷،۸)

ترجمہ: اے انسان! تجھے تیرے کرم کرنے والے رب کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جس رب نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا، پھر تجھے برابر کر کے ہموار فرمایا، جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔

اس کے بعد سورۂ فجر کی آخری آیات کتنی مناسب رہیں گی جن میں ارشاد ہوتا ہے:

یا ایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی۔

ترجمہ: اے اطمینان والی جان (حضرت انسان) اپنے رب کی طرف واپس لوٹ آ۔ اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے (خاص) بندوں میں داخل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس پہلے مصرعہ سے یہ تو ثابت ہوا کہ صوفیاء کرام علیہم رحمۃ الرحمٰن کی تعلیمات فکر آخرت اور خوف خدا کی تعلیم سے شروع ہوتی ہے اور عشق الٰہی کی تعلیم پہ مکمل ہوتی ہے

یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم جیسے نالائق و ناہنجار لوگ اس کی گہرائی میں نہ جائیں اور بدنام ان نفوس قدسیہ کو کرتے رہیں۔

ترجمہ مصرعہ ثانیہ: اے انسان تو اپنی زندگی کی متاع عزیز کو اس طرح ضائع کر رہا ہے جس طرح پانی میں پیاشہ گھل کر اپنا وجود ختم کر لیتا ہے۔ لہٰذا اپنی اس مختصر سی زندگی کو کام میں لا اور اس کو رضائے الٰہی کے مطابق بسر کر"۔

دنیا کی زندگی کی بے ثباتی کو بیان کیا جا رہا ہے جو کہ آخرت کے مقابلہ میں ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی اگر زیادہ بھی ہو گی تو سو سال ہو گی اور آخرت کا تو پہلا دن خمسین الف سنۃ۔ پچاس ہزار سال کا ہو گا۔ قرآن مجید کا ایک مقام ملاحظہ ہو۔

قال کم لبثتم فی الارض عدد سنین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پوچھے گا تم زمین (دنیا اور قبر) میں کتنا ٹھہرے سالوں کے اعتبار سے۔

قالوا لبثنا یوما او بعض یوم فسل العادین۔

ترجمہ: وہ کہیں گے (سال کہاں) ہم تو ایک دن یا آدھا دن ٹھہرے (صحیح مدت کیلئے) گننے والوں سے پوچھ لے۔

قال ان لبثتم الا قلیلا لو انکم کنتم تعلمون۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم تھوڑا ہی ٹھہرے ہو (آخرت کی بہ نسبت) اگر تم (اس حقیقت کو) جانتے۔ (المومنون: ۱۱۲ تا ۱۱۴)

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے مصرعہ ثانیہ میں کتنے خوبصورت انداز میں اس ساری کاروائی کا خلاصہ بیان فرما دیا ہے۔

ترجمہ مصرعہ ثالثہ: اے انسان وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب تجھے مرنے کے بعد قبر کی تنگ و تاریک سامی میں پھینک کر منوں مٹی ڈال دی جائے گی جہاں تو پہلو بھی

نہ بدل سکے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے بندوں کیلئے رحمت کا ذکر کیا ہے وہاں اپنی مخلوق کو قیامت کی ہولنا کیوں اور قبر کی سختیوں سے بھی خوب ڈرایا ہے سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:

ذلك يخوف الله به عباده يعباد فاتقون۔(١٦)

ترجمہ: یہ ہے وہ عذاب جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

لذتوں کو توڑنے والی یعنی موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ اسی حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: فانه لم يات على القبر يوم الاتكلم ۔ قبر پہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جب وہ ان لفظوں سے کلام نہ کرتی ہو"۔

انا بيت الغربة و انا بيت الوحدة و انا بيت التراب و انا بيت الدود۔

ترجمہ: میں غربت وتنہائی اور مٹی اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں۔ (مشکوۃ)

ہم تو بڑی جرأت سے یہ کہہ دیتے ہیں:

لوکاں مینوں آن ڈرایا رات قبر دی کالی
میں سنیاں اوتھے اوس نے اوناں جھدے موہڈے کملی کالی

جس کالی کملی والے نے قبر میں جلوہ گری کرنی ہے وہی تو قبر سے ڈرا رہے ہیں گویا "لوکاں" نے نہیں بلکہ سرکار نے خود ڈرایا ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے دو شخصوں کو قبر میں عذاب کے اندر مبتلا دیکھ کر فرمایا: ایک ان میں سے چغلی کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے اپنے آپ کو نہیں بچاتا تھا۔

یہ دونوں شخص حضور علیہ السلام کے دور اقدس کے تھے اور ظاہر ہے کہ مسلمان تھے ورنہ کافر کو تو قبر میں عذاب ہی عذاب ہوگا اس کے بارے میں بتانے کی اور قبروں

یہ شاخیں گاڑنے کی کیا ضرورت تھی؟

آج کوئی کس طرح کہہ سکتا ہے کہ ہم سلطان العارفین کے ماننے والے ہیں جو چاہیں کرتے پھریں ہمیں دیکھ کر تو جہنم کو بھی پسینہ آ جائے گا۔ جبکہ آپ (علیہ الرحمۃ) خود ارشاد فرما رہے ہیں:

؎ سوڑی سامی سٹ گھتیسن پلٹ نہ سکیں پاسا ہو

مصرعۂ رابعه کا ترجمه: تجھ سے رب العالمین ایسا حساب لینے والا ہے کہ ایک رتی ماشہ بھی کمی بیشی قبول نہ کی جائے گی۔

اس مصرعہ کی تائید میں قرآن پاک کی کون کون سی آیات پیش کروں، آیات بے شمار ہیں، مقصد اختصار ہے، فرمان مالک ومختار ہے:

اقرأ کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیباً۔

ترجمه: ''(قیامت کے دن حکم ہوگا) اپنا نامۂ (اعمال) خود ہی پڑھ لے آج تو اپنا حساب کرنے کیلئے خود ہی کافی ہے''۔ (الاسراء:۱۴)

سورۂ زلزال میں ارشاد ہوتا ہے:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

ترجمه: جو (دنیا میں) ایک ذرہ بھر بھلائی کرے گا وہ اسے (قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے) دیکھ لے گا اور جو (آج) ذرہ برابر برائی کرے گا وہ (کل) اسے دیکھ لے گا۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ہر ذرہ زراعت خرمن است
نیک بدرا نظر کن درجان تن است

ہر ایک ذرّہ زراعت کے ڈھیر کی طرح ہے جب تک جسم میں جان ہے نیک و بد پہ نظر رکھ۔ (امیر الکونین صفحہ ۱۱۹)

اس بارے میں ایک حدیث شریف پہ اکتفاء کر رہا ہوں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں:

ایک شخص حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض گذار ہوا یا رسول اللہ! میرے پاس غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے بھی ہیں میرے مال میں خیانت بھی کرتے ہیں اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں پھر میں (اس وجہ سے) انہیں مارتا بھی ہوں پس میرا یہ عمل کیسا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی خیانت، تکذیب اور نافرمانیوں کا حساب ہوگا اور جو تو انہیں سزا دیتا رہا ہے اگر تو تیری سزا ان کے جرائم کے مطابق ہوئی تو حساب برابر ہو جائے گا نہ تجھے جزا ملے گی نہ سزا اور اگر تیری سزا ان کے جرائم سے کم ہوگی تو تجھے جزا ملے گی اور اگر تیرا ان کو سزا دینا ان کے جرائم سے زائد ہوگا تو اقتص لھم منك الفضل۔ جتنی تو نے ان کو زائد سزا دی ہوگی تجھ سے قصاص و بدلہ لیا جائے گا۔ اتنی بات سننے کی دیر تھی کہ وہ شخص حضور علیہ السلام کی مجلس سے تھوڑا دور ہو کر چیخیں مار کر رونے لگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

و نضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شیئا و ان کان مثقال حبة من خردل اتینا بها و کفی بنا حاسبین۔ (الانبیاء:۴۷)

ترجمہ: اور ہم عدل کے ترازو رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کیلئے کافی ہیں۔ (مشکوۃ: صفحہ ۴۸۶-۴۸۷)

پیر باہو نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ے تیتھوں صاحب لکھیا منگسی رتی گھٹ نہ ماسا ہو

معلوم ہوا کہ ہمارے مرشد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام خوف خدا، فکر آخرت، عشق الٰہی، تزکیہ نفس اور برکات اسم ذات پر بیک وقت روشنی ڈالتا ہے ہم اگر اس کی گہرائی کو نہ پا

سکیں تو ہمارا اپنا قصور ہے باقی رہا یہ سوال کہ بعض ان کے نام عاشق نماز روزے سے تنگ نظر آتے ہیں اور ہر قسم کے گناہوں کے سنگ دکھائی دیتے ہیں تو جس طرح ملنگ علی شیر خدا کا نعرہ لگا کر ان کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کرتا ہے اور ایسے ملنگ کا مولیٰ علی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسی طرح حضرت پیر باہو کے بعض مخصوص اشعار پڑھ کر بے دینی کی طرف مائل ہونے والے کا بھی آپ سرکار سے کوئی تعلق نہیں ہے آپ تو فرماتے ہیں:

سنو! (ظاہری) پارسائی اور زیادہ علم حاصل کرنا کوئی فرض نہیں البتہ گناہوں سے بچنا فرض ہے پارسائی اور علم تو اس کا ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے اور یہ فرض ہے ورنہ کوئی شخص اگر تمام رات نماز ادا کرتا رہے اور تمام دن روزے سے رہے اور ایک گناہ سے بھی نہ بچے تو ان (عبادات) کا کوئی فائدہ نہیں۔

(عین الفقر جلد ۲ شرح نظام الدین، صفحہ ۴۱)

اندازہ لگا لیں کہ جو عبادت کر کے گناہوں سے نہ بچے آپ اس کی عبادت کو بھی بے کار بتا رہے ہیں اور جو بد بخت عبادت بھی نہ کرے اور گناہوں سے بھی نہ بچے وہ آپ کے نزدیک کس کھاتے میں ہوگا؟ خدا تعالیٰ ہمارے مرشد کے آستانے کو سلامت تا قیامت رکھے اور ان کے فیض سے ہمیں دامن مراد بھرتے رہنے کی توفیق دے۔

اے خدا ایں آستاں قائم بدار
فیض او جاری بو دلیل و نہاد
آستانش سالکاں را مستقر
گرد را ہش سرمۂ اہل نظر

انسان کی خود فریبی اور فکر آخرت:

اونچے اونچے مکان تھے جن کے بڑے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

اب نہ خود ہیں، نہ ہیں مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشان باقی

کوئی بزرگ چلے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک شخص جو بہت بڑا مالدار تھا یعنی دنیا کی اصطلاح میں بڑا آدمی تھا، چلا آ رہا تھا اور اپنی بڑائی کی وجہ سے تکبر کی چال چل رہا تھا۔ پاؤں رکھتا کہیں تھا، پڑتا کہیں تھا۔ چھاتی ابھارے ہوئے، منہ پھولا ہوا۔ غرض متکبرانہ چال سے چل رہا تھا۔ اُدھر سے کوئی بے چارہ اللہ والا، سادی زندگی والا درویش انسان آ رہا تھا۔ اُس نے خیر خواہی کے طور پر اُسے نصیحت کی اور کہا: ''اے عزیز! خدا کی زمین پر اکڑ کر مت چل...... لا تمش فی الارض مرحا...... اللہ کی زمین پر اکڑ کر مت چل یہ جو تو اکڑ کر، چھاتی اُبھار کر چل رہا ہے...... انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا...... تو اکڑ کر زمین کو نہیں پھاڑ ڈالے گا اور آسمان کو چیر نہیں ڈالے گا۔ اتنی ہی جگہ میں رہے گا، جتنی جگہ میں ہے۔ خواہ مخواہ یہ مصیبت برداشت کر رہا ہے۔ یہ انسانیت کا کام نہیں ہے''۔

اس شخص کو بہت ناگوار گزرا کہ دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھے ٹوکے۔ میں تو سب سے بڑا آدمی ہوں۔ اُس نے بہت ہی غصے سے کہا: ''او جاہل درویش! تو نہیں جانتا میں کون ہوں؟ میرے سامنے ایسا گستاخانہ کلام؟

یہ درویش بھی عجیب دل کا آدمی تھا۔ اگر یہ اپنے مال میں مست...... تو وہ اپنی کھال و حال میں مست تھا۔

درویش آگے بڑھا اور اس نے کہا: جی ہاں! میں جانتا ہوں آپ کون ہیں؟ اگر آپ اجازت دیں تو میں بتلاؤں آپ کون ہیں؟ متکبر ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا کہ بھئی! یہ بھی عجیب درویش ہے؟ کیا آخر آپ کیا بتلائیں گے کہ میں کون ہوں؟

اس نے کہا میں جانتا ہوں آپ کون ہیں؟ آپ ذرا سن لیجئے...... اوّلك نطفة قذرة و اخرك جيفة مذرة و انت بين ذلك تحمل العُذرة...... آپ کی ابتداء

ایک گندے قطرے سے ہوئی ہے جو بدن سے نکل آئے تو غسل واجب، کپڑے کو لگ جائے تو دھونا واجب، آدمی نہ نماز کا رہتا ہے نہ تلاوت کا۔ یہ تو آپ کی ابتداء ہے۔ انتہا آپ کی یہ ہے کہ قبر میں پہنچ کر یہی بدن پانی ہو کر بہے گا۔ کیڑے اس میں پڑیں گے، نجاست یہ بنے گا۔ یہ آپ کی انتہا ہے۔ درمیان میں حالت یہ ہے کہ ڈھیروں گندگی اور نجاست آپ کے پیٹ میں بھری ہوئی ہے۔ پاخانہ بھی ہے۔ پیشاب بھی ہے اور خون (دم مسفوح) بھی ہے۔

ابتداء گندی، انتہا گندی اور درمیانی حالت میں گند در گند...... یہ ہے آپ کی حقیقت۔ اب فرمایئے! آپ اپنی حقیقت سمجھ گئے کہ آپ کون ہیں؟

اس کی آنکھ کھلی۔ چونکا، کیونکہ دل سے ایک بات نکلی تھی۔

؎ از دل خیزد بر دل ریزد

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

دل پر اثر کیا اور اس شخص نے کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کر دی
مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

خدا تجھے جزائے خیر دے۔ تو نے میری آنکھ کھول دی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری یہ حقیقت ہے۔

؎ کئی رات حف و حکایت میں
سحر ہو گئی بات ہی بات میں

حقیقت یہی ہے کہ انسان اپنے مادے کے لحاظ سے اتنا گندہ اور نجس واقع ہوا ہے کہ اگر وہ اپنے مادوں پر دھیان کرے تو اس کے لیے منہ اُٹھانے کی جگہ نہیں ہے

بلکہ شرمندگی کی وجہ سے آنکھ نیچی رکھے گا۔

ہر صبح و سفر ہر شام سفر
ہر وقت ہمارا کام سفر
اس زندگی کا انجام سفر

کس کا خیال کون سی منزل نظر میں ہے
صدیاں گذر گئیں زمانہ سفر میں ہے

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۲۰:

پرویز نام کی نحوست

اس منحوس نام کی نحوست بیان کرنے سے پہلے بطور تمہید ایران کا حدود اربعہ ملاحظہ ہو۔ مکران، بلوچستان، کرمان، خراسان، باقیان، سیستان، زابلستان، اصفہان، مازندان، گرکان، لارستان، خورستان، افغانستان، کابلستان، کردستان، نمود ہندوکش، ماوراءالنہر، استرآباد، پنجاب، بابل، موصل، دیار بکر، کرکوک دمشق (اس وقت موجودہ لبنان، شام، فلسطین، اردن دمشق میں شامل تھے) ایک سرحد چین اور وسط ایشیا کی آزاد ریاستوں سے ملتی، دوسرا حصہ کویت سے آگے انقرہ تک، موجودہ ترکی بھی ایران کے زیر تسلط تھا۔ صرف عہد ساسان کی حکومت کا آغاز ۲۲۷ء میں ہوا بلکہ طوفانِ نوح کے بعد سے عہدِ نبوی تک ایک ہی خاندان کی حکومت رہی۔ کبھی چچا آ گیا کبھی بھتیجا کبھی باپ کبھی بیٹا۔ ایک طرف ہندوستان وچین دوسری طرف ایشیائے کوچک تیسری طرف بحیرۂ روم اور چوتھی طرف یورپ اتنی بڑی سلطنت کا خاتمہ کیسے ہوا؟ حضور علیہ السلام کے خط کی بے ادبی پر اور آپ کے چند جملوں کی توہین کی وجہ سے۔ ورنہ ان لوگوں کے پاس سونے چاندی کے زیورات ہی نہیں تھے باغات تھے سونے چاندی کے، سونے چاندی کی زمین، نہریں چشمے درخت سونے چاندی کے، پھل پتے ہیرے جواہرات کے، حضرت عمر کے دور میں باغ مال غنیمت میں آیا۔ آپ نے چھینی ہتھوڑوں سے توڑ کر غرباء مدینہ میں تقسیم کر دیا۔ آتش کدہ جس میں سینکڑوں سال آگ مسلسل جلتی رہی۔ صرف ایران میں تھا۔ خدا کی شان ایک تو پانی کا سمندر ہوتا ہے لیکن سینکڑوں سال آگ جلے تو اس میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمندر کہلاتا ہے یہ

صرف ایران میں تھا۔ خسرو پرویز بادشاہ اور رستم اس کا جرنیل اعلیٰ دونوں کافر آتش پرست اور گستاخِ رسول تھے۔ اب عرض کروں گا کہ جو لوگ اپنا نام ان کے ناموں پہ رکھتے ہیں میرا مخلصانہ مشورہ تو یہ ہے کہ رامچند رر کھ لیں، کالکا پرشاد، گرونانک وغیرہ رکھ لیں کہ یہ تو صرف کافر تھے اور وہ کافر بھی تھے گستاخ رسول بھی۔ کیا نام ہے آپ کا؟ جی محمد پرویز۔ ارے بدنصیب محمد اور پرویز میں کیا جوڑ؟ حضور علیہ السلام کے خط کے ابتدائی الفاظ ایک ہی انداز کے ہوتے محمد رسول اللہ کی طرف سے فلاں کی طرف۔ بس اتنے سے وہ آگ بگولا ہو گیا کہ محمد کو جرأت کیسے ہوئی اپنا نام پہلے لکھنے کی۔ خط پھاڑا، پھینکا، اوپر تھوکا، پاؤں میں مسلا اور قاصد کو کہا اگر تیرا قتل غیر قانونی نہ ہوتا تو تیرا حشر بھی یہی کرتا لیکن جا اس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتا دے کہ جیسا اس کے خط کا حشر کیا ہے ایسا ہی اس کا بھی کروں گا۔ قاصد مدینے آیا اور سارا قصہ بتایا حضور علیہ السلام نے دعا کی یا اللہ! جیسے اس نے میرے خط کے پرزے کیے ہیں اس کی حکومت کے پرزے کر دے۔

پرویز نے اپنے گورنر یمن بازان کو خط لکھا کہ ایک دستہ مدینے بھیج اور محمد کو فوراً گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ اس نے فیروز ویلمی کی سربراہی میں وفد بھیجا، یہ مدینے گئے، یاد رہے! عربوں کی ان کے مقابلہ میں کوئی ویلیو ہی نہ تھے ایک طرف سپر پاور ایران دوسری طرف روم دونوں جب چاہتے عربوں کو روند ڈالتے۔ اپنی رعیت میں شامل نہ کرتے کہ فائدہ کوئی نہیں کچھ دینا ہی پڑے گا حضور علیہ السلام کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہا باتیں سنیں اور متاثر ہوا۔ کہا میرے رب نے یہ حکم دیا ہے مگر آپ کہیئے اتنی رعایت کرا لیں گے کہ مارے گا نہیں لیکن ساری زندگی جیل میں رہنا پڑے گا۔ فرمایا: آج کی رات مجھے اپنے رب سے بھی بات کر لینے دے۔ رات ٹھہرا صبح حضور علیہ السلام نے نماز کے بعد بلایا۔ فرمایا تیرے رب کو اس کے بیٹے شیرواں نے قتل کر دیا ہے اور اس کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ واپس جا اور نئے رب سے حکم لے کر آ۔ اس نے کہا: دیکھیں وہ پہلے ہی آپ سے بہت خفا ہے یہ بات سنے گا تو اور بگڑ جائے گا، نتیجتاً سارے عرب کی

اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ حکم ہوا: تاریخ لکھ لے میں غلط بیانی نہیں کر رہا۔ واپس یمن گیا ابھی وہاں بھی اطلاع نہیں پہنچی تھی فیروز مدینے کی روئیداد بیان کر ہی رہا تھا کہ فارس سے قاصد آ گیا اور جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ جو وقت لکھا تھا اُسی وقت ہوا۔ پھر اس کے بیٹے نے شیرواں کو قتل کیا پھر اس کی بیٹی حکمران بنی تب حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا: جس قوم نے عورت کو حاکم بنایا وہ کبھی فلاح نہ پائے گی۔ ہم نے عورت کی حکمرانی کا مزہ چکھ لیا پرویز کی حکمرانی کا چکھ رہے ہیں۔ رستم کا کیا بنا پورے ایران کا فخر میدان میں لڑتا ہوا بھاگا سامان سے لدے خچر کے نیچے جا چھپا۔ حضور علیہ السلام کے غلاموں نے ٹانگوں سے پکڑ کر باہر گھسیٹا اور قتل کر دیا۔

خدا ہمارے ملک کی خیر فرمائے:

اس نام کی نحوست آج بھی جوں کی توں برقرار ہے اور کسی کو یقین نہ آئے تو دو پرویزوں کے کرتوت دیکھ لے جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ملک پاکستان کا ہر ادارہ تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ سیاست کے بعد صحافت کو فتح فرمایا اور اب عدلیہ پہ اپنا ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ ایران میں ایک پرویز نے اپنی حرکتوں کی وجہ سے ایران کو تباہی کے دہانے پہ لا کھڑا کیا اور ہمارے چھوٹے سے ملک کو دو پرویز چمٹے ہوئے ہیں یعنی دو ملاؤں کے درمیان ملک پاکستان کی پاک مرغی حرام ہوتی نظر آ رہی ہے۔

آزادی کی نعمت:

مگر یاد رکھواے حکمرانو! پاکستان مٹنے کیلئے نہیں بلکہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔ تم فنا ہو جاؤ گے اور تم جیسے کئی فنا ہو گئے۔ جبکہ پاکستان ان شاء اللہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا کیونکہ یہ ملک شہداء کی یادگار ہے۔ جنہوں نے تعمیر پاکستان کے لیے اینٹوں کی جگہ اپنی ہڈیاں پیش کی ہیں۔ گارے کی جگہ اپنے جسم کا گوشت دیا اور پانی کی جگہ اپنا خون بہا دیا۔

ہمیں آج تک وہ منظر نہیں بھولا کہ جب چودہ اگست 1947ء کو ریڈیو نے شام کی خبروں میں کہا: یہ ریڈیو ہندوستان ہے اور رات کے بارہ بجے اعلان ہوا کہ اب یہ ریڈیو پاکستان ہے۔ اور یہ وہ بابرکت رات تھی کہ جس کو رمضان کی ستائیسویں رات ہونے کا شرف حاصل تھا۔ جبکہ مسجدوں میں شبینے ہو رہے تھے اور لاکھوں فرزندانِ اسلام قرآن کی تلاوت کرنے اور سننے میں مصروف تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان بننے کا گواہ خود اللہ کا پاک کلام ہے، نہ کوئی کلام اللہ کو مٹا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی طاقت پاکستان کو مٹا سکتی ہے، کئی لوگ کہتے ہیں پاکستان کا کیا بنے گا؟ میں اولیاء اللہ کے دامن کو تھام کے عرض کروں گا پاکستان کی فکر نہ کرو میں تو اس انتظار میں ہوں کہ پاکستان کے بدخواہوں کا کیا بنے گا۔ دیکھنا ہے زور کتنا خنجرِ قاتل میں ہے

پاکستان رمضان اور قرآن کے صدقے سے ملا ہے، قرآن کی حفاظت بھی خدا ہی فرمائے گا۔ جب تک قرآن کی تلاوت ہوتی رہے گی رمضان شریف آتا رہے گا، شب قدر لوٹ کر آتی رہے گی پاکستان باقی رہے گا۔ ہاں مگر شرط یہ ہے کہ اس ملک میں امریکہ و برطانیہ کا قانون چلانے کی بجائے قرآن کا قانون چلایا جائے۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کی بلندی کو ایمان کی شرط کے ساتھ مشروط فرمایا گیا۔ و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک ہم آزادی کے مقاصد کو ہی حاصل نہیں کر سکے۔ لہٰذا فی الحال ہمیں یومِ آزادی منانے کا حق حاصل نہیں ہے اور آزادی کے نام پہ کروڑوں روپیہ برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور زندہ قومیں ایسی آزادی سے پناہ طلب کرتی ہیں۔ ہماری نبی اکرم ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو ٹھیک آٹھ سال بعد واپس مکہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے اور جو مظلوم مسلمان مکہ میں کسمپرسی اور کافروں کے زیر تسلط زندگی گزار رہے تھے مکہ فتح کر کے ان مسلمانوں کو بھی آزادی بخشی، ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تھا کہ ہندوستان پہ اسلام کا جھنڈا لہرا کر وہاں کے مسلمانوں کو بھی آزاد کرواتے۔ مگر نصف

صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے ہم ان کو آزاد تو کیا کروائیں گے اپنا ملک بھی آدھا کھو دیا اور اب صرف مغربی حصہ ہی پاکستان بن کر رہ گیا ہے۔ سچ کہا سعدی علیہ الرحمہ نے

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

ہم نے پاکستان کو مکان سمجھا ہے گھر نہیں سمجھا۔ مکان وہ ہوتا ہے جو ہاتھوں سے بنایا جاتا ہے اور گھر وہ ہوتا ہے جو دلوں سے بنایا جاتا ہے، مستری نے صرف مکان بنانا ہو تو ایک دن کے کام میں پورا ہفتہ لگا دیتا ہے اور اگر گھر بنانا ہو تو دس دنوں کا کام ایک دن میں کر دکھاتا ہے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنا گھر بناتے ہیں تو کروڑوں روپیہ لگاتے ہیں، گیٹ سے اندر چلے جائیں تو یوں لگتا ہے جیسے جنت میں داخل ہو گئے ہیں۔ خوبصورت لان ہے اور لان کے درمیان جو سڑکیں ہیں ان پہ بھی سنگِ مرمر لگا ہوا ہے اور لائٹوں وقمقموں سے جگمگ جگمگ ہو رہی ہے اور گیٹ سے باہر سڑک پہ گٹر بنا ہوا ہے، گٹر کا ڈھکنا نہیں ہے، سڑک کی لائٹ مہینوں سے خراب ہے مگر اس کو ہم صحیح نہیں کرواتے کیوں؟ اس لیے کہ ہم سمجھتے ہیں یہ حکومت کی ذمہ داری ہے ہم کیوں صحیح کروائیں۔ مانا کہ حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن کیا مکان پہ کروڑوں لگانے والو! اگر چند سو باہر لگا کر سڑک درست کرا دو اور لائٹ صحیح کروا دو گے تو اس میں تمہارا اور دوسروں کا بھلا نہیں ہے اور ثواب علیحدہ ہے مگر ہم دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے قائل ہی نہیں۔ ہم نے گھر وہی سمجھ رکھا ہے ناں جو ہماری چار دیواری کے اندر ہے۔ پورے ملک کو گھر تو نہ سمجھا۔ جو کام حکومت کرواتی ہے اس کو ضائع کر کے اینٹیں بھی اُٹھا کر لے جانا تو ہمارا وطیرہ بن گیا ہے۔ جو نیجو دور میں کئی جگہ بیوہ عورتوں کیلئے کوارٹرز بنائے گئے، چند ماہ بعد نہ وہاں دروازے نظر آ رہے تھے نہ الماریاں اور نہ ہی اینٹیں۔

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

بھائیو! دوکان اگر گھر بن جائے تو پھر بھی مقصد حاصل نہں ہوتا، اگر ہم نے پاکستان بنانے کے مقصد کو حاصل کرنا ہے جو کہ بڑا واضح ہے۔ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' ۔ تو پھر ہمیں اپنے ملک کے لیے قربانی بھی دینا ہوگی۔ اپنا خون بھی بہانا ہوگا۔ جس طرح کہ پاکستان بناتے وقت قربانیاں دی تھیں۔ پاکستان کو بچانے کیلئے بھی تن من دھن کی قربانی دینا ہوگی۔

یاد رکھو! پاکستان شہیدوں کی وراثت ہے، تاریخ دیکھ لو کہ جب پاکستان بن رہا تھا تو شہداء کے خون سے راوی دریا خون بن کر بہہ رہا تھا، پاکستان کو نقصان پہنچانے والا شہداء کے خون کے ساتھ غداری کرتا ہے۔ جب پاکستان شہیدوں کی وراثت ہے تو کسی کی وراثت کو چھیڑا نہیں کرتے کیونکہ زندہ کو ہی تو وارث بنایا جاتا ہے اور شہید تو ایسا زندہ ہے کہ جس کی زندگی پر قراان گواہ ہے۔ ان کی روحیں ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ تم نے ہماری قربانیوں کی قدر نہیں کی۔ پاکستان کے حصول کا جو ہمارا مقصد تھا وہ آج تک ہمیں نہیں ملا، صرف پاکستان بن جانا ہماری حقیقی آزادی نہیں ہے بلکہ اس ملک میں نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ اور مقام مصطفیٰ کا تحفظ ہماری منزل ہے۔

شہداء کی روحیں پاکستان کے ساتھ ہماری غداریوں کو دیکھ رہی ہیں اور پکار رہی ہیں کہ بیشک ہمارے ٹکڑے ہو گئے۔ خون بہہ گئے مگر ہمیں اپنے ساتھ یہ سب کچھ منظور ہے لیکن پاکستان کا ٹکڑے ہونا ہم نہیں دیکھ سکتے۔ سنو! اے ہمارے بنائے ہوئے پاکستان میں رہنے والو! مغربی پاکستان ہماری جان ہے، کشمیر ہمارا سر ہے، بنگلہ دیش ہمارا دھڑ ہے مگر یاد رکھو! ہمارے ٹکڑے دیکھ کر کہیں ہماری وراثت میں ڈاکہ ڈالنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ ہم شہید ہیں اور شہید زندہ ہوتے ہیں مگر تمہیں ہماری زندگی کا شعور نہیں ہے۔ لوگو! قرآن کی بات بھی سنو، ارشاد ہوتا ہے:

یا ایها الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اهلیکم نارا و قودها الناس والحجارة علیها ملٰئکة غلاظ شداد لا یعصون اللّٰه ما امرهم و یفعلون ما یؤمرون o

(التحریم: آیت ٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔

پاکستان کا آئین:

قائد اعظم کی روح بھی تبھی خوش ہو گی کہ جب اس ملک میں نظام اسلام نافذ ہو گا کیونکہ اس بابرکت نظام کے لیے انہوں نے پاکستان بنایا جس کا اظہار انہوں نے اپنے کئی انٹرویوز میں فرمایا۔ چنانچہ حیدر آباد میں ایک انٹرویو کے دوران جبکہ امریکی جرنلسٹ نے پوچھا کہ پاکستان کا آئین کیا ہو گا۔ تو قائد نے فرمایا:

Who am i give you the Constitution the Constitution was given to you about 1400 years ago. I am here to follow that.

ترجمہ: میں کون ہوتا ہوں آئین دینے والا ہمارا آئین تو چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں (قرآن و سنت کی شکل میں) دے دیا گیا ہے۔ ہم نے تو صرف اس پہ عمل کرنا ہے۔

اپنی آخری تقریر میں جو انہوں نے کراچی بار ایسوسی ایشن میں فرمائی اس میں باقاعدہ شریعت محمدی کے الفاظ استعمال فرمائے اور کہا۔ سنو اے قانون دانو! میں تمہارے سامنے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام پیش کرتا ہوں۔

یقیناً قائد اعظم نے اپنے رفقاء کے تعاون سے ایک مشکل گھاٹی کو عبور کیا اور ایک گردن کو آزادی دینا (فلا اقتحم العقبۃ) بڑی فضیلت کی بات ہے تو پورے ملک کو آزاد کروانا کس قدر فضیلت کی بات ہو گی۔

بیشک آزادی کے دن جھنڈیاں جھنڈے لگاؤ، راستے سجاؤ کہ یہ ہندوستان سے

آزادی کا دن ہے مگر بارہ ربیع الاول پر بھی خوشیاں منائی جائیں کیونکہ اس دن وہ رسول تشریف لائے کہ جنہوں نے امت کو دوزخ سے آزاد کروایا جو چودہ اگست کی آزادی کو نہ مانے اگر وہ پاکستان کا غدار ہے تو جو خدا کے محبوب علیہ السلام کی آمد کے دن خوشی کا اظہار نہ کرنے دے وہ خدا اور رسول کا غدار ہے اور اسی ذہن کے لوگ دراصل پاکستان کے مخالف تھے اور ان کی اس حرکت کو بطور علامت اللہ نے ان میں قائم رکھا ہوا ہے تاکہ سند رہے۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں۔ ؎ دین اپنا جیسا وقت ہو ویسا بنالیا

ان کے بڑے گاندھی کے ساتھ ایک ہی موڑ پہ سیر کر رہے تھے جب پاکستان بنانے کے لیے مسلمان اپنے سر کٹا رہے تھے اہلِ اسلام قربانیاں دے کر اللہ و رسول سے وفاداری کا عہد نبھا رہے تھے اور یہ اہل نفاق ہندوؤں کے ساتھ دوستی کی پینگیں چڑھا رہے تھے اور عہد فرما رہے تھے کہ جو ہمارا ہے وہ تمہارا ہی تو ہے۔

؎ گاندھی سے یہ آباء نے تیرے عہد کیا تھا
ہر عبد خدا عبد صنم ہو کے رہے گا

ان کو امام حسین کی نیاز اور ان کے نام پہ لگائی جانے والی سبیل سے تو شرک کی بو آتی ہے اور ہولی دیوالی بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ قرآن نے بھی یہ فیصلہ فرما دیا ہے:

الخبیثت للخبیثین والخبیثون للخبیثت والطیبت للطیبین والطیبون للطیبت۔

یاد رکھو! تم پاکستان بننے کے مخالف تھے یا موافق اب تمہیں پاکستان سے وفاداری کرنی ہی پڑے گی، عبرت کے لیے ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

تحریکِ پاکستان کے دوران عطاء اللہ بخاری اور سیف الدین کچلو نے بھرپور طریقہ سے کانگرس کا ساتھ دیا اور پاکستان کی مخالفت کی۔ ایک دن ہندوؤں نے اِن دونوں کو پکڑ لیا اور مارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا: ہم تو پاکستان کے مخالف ہیں اور

کانگرس کے حمایتی ہیں۔ ہمیں کیوں مارتے ہو؟ تو ہندوؤں نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ تم اس تحریک میں ہمارے ساتھ ہو لیکن مارتے اس لیے ہیں کہ ہو تو مسلمان ناں؟

یاد رکھو! پاکستان پر بڑے بڑے مشکل حالات آئے۔ چھ ستمبر 1965ء کا دن نہیں بھلایا جا سکتا۔ جب صدر ایوب خان نے ریڈیو پہ تقریر کی معلوم ہوتا تھا کہ صدر پاکستان نہیں بلکہ خود پاکستان بول رہا ہے اور پاک فوج کے سپاہیوں نے اپنے جسموں پہ بم باندھے اور دشمنوں کے ٹینکوں کے نیچے لیٹ گئے اور اپنی جان دے کر ایک بار پھر گیارہ کروڑ پاکستانیوں کو دوبارہ غلام بننے سے بچالیا۔

ادھر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی کہ ہندوستان کی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل کریاپا کا بیٹا جو پائلٹ تھا ہندوستانی فوج کے جہازوں کا، وہ زخمی ہو کر جب سی ایم ایچ میں آیا تو اپنے انٹرویو میں اس نے پاکستان کے اخباری رپورٹروں سے کہا: پاکستان نے ہمیں دھوکہ دیا ہے کہ بری بحری اور ہوائی افواج کے علاوہ اس کے پاس ایک عرشی فوج بھی تھی جس کے بارے میں ہمیں بتایا تک نہیں گیا۔

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے کہا: ''ہر محاذ اور کئی پلوں پر ہم بم مارتے تو نیچے سبز چولوں والے بابے وہ بم پکڑ کر اپنے تھیلے میں ڈال لیتے۔

معلوم ہوا! ہم سو رہے تھے اور اللہ کے ولی ہماری مدد فرما رہے تھے، اس سلسلہ میں کئی واقعات مختلف اخباروں میں بھی آتے رہے جن کو طوالت کی بنا پر نہیں لکھا جا رہا۔ اور یہ بھی اللہ کی مدد ہی تھی کہ بے سروسامان اور تھوڑے ہو کر بھی پاکستانی فوج کے جذبات قابو میں نہیں آ رہے تھے، موت کا ڈر نہ رہا، جہاز آتا تو پاکستانی عوام بجائے چھپ جانے کے چھتوں پہ چڑھ کر ہندوؤں کو للکارتی، کیوں؟ اس لیے کہ پاکستان ہمارے لیے مسجد کی حیثیت رکھتا ہے اور اہلِ اسلام مسجد بچانے کے لیے اپنی جان پر بھی کھیل جاتے ہیں اور دین کے دشمن کو دیکھ کر اس کا خون کھولنے لگتا ہے۔

اے وطن! تو نے پکارا تو لہو کھول اُٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

ہم نے روندا ہے صحراؤں کو میدانوں کو
ہم جو بڑھتے ہیں تو بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں

الغرض! اس قدر قربانیوں سے لیا ہوا ملک آج کل بڑے نازک دور سے گذر رہا ہے جن کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا تھا۔ وہ ایوان اقتدار میں براجمان ہیں اور دین اسلام کے ہر نشان کو مٹانے کے درپے ہیں، یہود و نصاریٰ کا کلچر اور کفار کی ثقافت کو نہ صرف متعارف کرایا جا رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی نئی نسل پہ مسلط کیا جا رہا ہے۔ فلمی گانوں کی آوازیں کوچہ و بازار میں گونج رہی ہیں اور قال اللہ اور قال الرسول کی آواز کو دبایا جا رہا ہے۔ بسنت، ویلنٹائن ڈے اور میراتھن جیسی بیہودہ رسموں کو فروغ دیا جا رہا ہے اور جہادی کھیلوں کو دہشت گردی کہہ کران کا قلع قمع کیا جا رہا ہے۔ روشن خیالی اور رواداری کے نام پر لوگوں کے ایمان کمزور کیے جارہے ہیں۔ فحاشی و عریانی کا دور دورا ہے، آیات جہاد کا نصاب تعلیم سے اخراج ہو رہا ہے اور لوگوں کو کھیل تماشوں اور ڈرامے و فلموں کا دلدادہ بنایا جا رہا ہے۔ ان حالات میں سوا اس کے کیا کہا جائے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ہر شخص اسی فکر میں ہے کہ پیسہ ہو چاہے کیسا ہو، رشوت کا ہو یا سود کا، حرام کاری کا ہو یا چور بازاری کا جب حالات اس قدر مخدوش ہو گئے ہیں تو وہ لوگ کہاں سے لائیں جن کا کردار یہ تھا۔

بادشاہِ وقت اور عالمِ ربانی:

خاندانِ مغلیہ کا درویش صفت شہزادہ اورنگزیب عالمگیر تاریخ میں راسخ العقیدہ مسلمان بادشاہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہزادے کو بچپن میں جو اتالیق ملا وہ ایک نہایت دین دار اور پاکیزہ صفت درویش تھا جب شہزادہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوا تو شاہ جہان نے بعد از تلاش بسیار جناب ملا عبداللطیف صاحب

سلطان پوری (ریاست کپورتھلہ) کو شہزادے کا اتالیق مقرر کیا اور دارالحکومت دہلی طلب کیا جس پر جناب ملا صاحب نے جواب دیا کہ تشنہ بنزد چاہ می رود نہ چاہ بنزد تشنہ۔

ترجمہ: پیاسا خود کنویں کے پاس جاتا ہے نہ کہ کنواں پیاسے کے نزدیک آتا ہے۔

شاہ جہاں اُستاد کا مرتبہ پہچان گیا اور شہزادہ کو سلطان پور بھجوا دیا۔ شہزادہ جس کے لیے قیام وطعام کا کوئی علیحدہ انتظام نہ تھا ایک دن سبق نہ سنا سکا جناب ملا صاحب نے زور سے جو طمانچہ جڑا تو شہزادے کی نکسیر پھوٹ گئی۔ ڈائری نویس نے خون آلود اوراق شاہی محلات میں پہنچا دیئے۔ بیگمات اور ہمشیرگان تڑپ اٹھیں اور ملا صاحب کو سزا دینے کے لیے شاہ جہاں پر زور دیا۔ بادشاہ نے سزا کا حکم نامہ یوں لکھا:

بعوض طمانچہ زدن ہزار بیگھہ زمین از رقبہ سلطان پور بنام ملا عبداللطیف تفویض نمودیم۔

ترجمہ: طمانچہ مارنے کے بدلے ہم نے ہزار بیگھہ زمین سلطان پور (ریاست کپور تھلہ) سے ملا صاحب کے نام لگوادی ہے"۔

جناب ملا صاحب کی بے نیازی بھی دیکھیے کہ اسی حکم نامہ کی پشت پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا۔

شاہ مارا دیہہ دہد منت نہد
رازق ما رزق بے منت دہد

ترجمہ: بادشاہ مجھے جاگیر دے کر احسان جتا رہا ہے حالانکہ میرا مولا مجھے بے حساب رزق دے رہا ہے۔

بالآخر بادشاہ کو وہ اراضی درس کے نام لگانی پڑی۔ (اس واقعہ سے اپنی اپنی جگہ باپ اور اُستاد کے اعلیٰ کردار کا نمونہ ملتا ہے۔ اے کاش! آج کے والدین اور اساتذہ کرام بھی ایسی ہی روایات کو اپنائیں)

ایک عالم ربانی کی شان بے نیازی:

نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ بریلی اسٹیشن آیا، تو نواب کی اسپیشل ٹرین رک گئی۔ نواب کے مدارالمہام (وزیراعظم) اور سید مہدی حسن میاں نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار روپے کی نذر لے کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غالباً بعد ظہر کا وقت تھا۔ آپ قیلولہ (دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹنے کو کہتے ہیں) فرما رہے تھے۔ خبر ہوئی۔ چوکھٹ تک آئے۔ اور پوچھا، کیا ہے؟ عرض کیا گیا: یہ ڈیڑھ ہزار نذر ہے اور واپسی کے وقت نواب صاحب ملاقات کے خواستگار ہیں۔ کھڑے کھڑے یہ کھرا جواب دیا: یہ ڈیڑھ ہزار (اس وقت کا ڈیڑھ ہزار، آج کا ڈیڑھ لاکھ) کیا، کتنا بھی ہو۔ واپس لے جائیے اور نواب صاحب سے کہہ دیجئے کہ فقیر کا مکان اس قابل کہاں کہ ان کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔

کھڑے کھڑے ایسا کھرا جواب بظاہر بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہی شانِ فقیری ہے۔ یہی شانِ درویشی ہے۔ جو حکمران وقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ جس کی مثال بزرگانِ کاملین کی حیات و کردار میں ملتی ہے۔

نواب حیدر آباد کا واقعہ مولانا سیف الاسلام دہلوی کی زبانی سنئے:

میں نے سوداگری محلہ کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد نے کئی بار لکھا کہ حضور (اعلیٰ حضرت) کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت صرف اسی کی اطاعت کے لیے ہے۔ میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں؟

یہی مولانا سیف الاسلام دہلوی بیان کرتے ہیں:

نواب حامد علی خاں مرحوم کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار انہوں نے اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ حضور رام پور تشریف لائیں۔ تو میں بہت خوش ہوں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو، تو مجھے

ہی زیارت کا موقع دیں۔آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرفدار اور ان کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعات میں معاون ہیں۔لہٰذا میں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہوں، نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہوں۔

الغرض! ہمارے ملک پاکستان میں کسی پرویز کے پیروکار کی وجہ سے مسائل کا خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ کسی ایسی ہی عالم ربانی کے ہاتھوں یہ خطہ جنت نظیر بنے گا اور عنقریب بنے گا۔ان شاءاللہ العزیز۔

؎ ہر کہ بیند روئے پاکاں صبح و شام
آتش دوزخ بود بوئے حرام

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۲۱:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

تیری پاکیزگی پر نطق فطرت نے شہادت دی
تجھے عظمت عطا کی عافیت بخشی فضیلت دی

خدائے لم یزل کا بارہا تجھ کو سلام آیا
مبارک ہیں وہ لب جن پر ادب سے تیرا نام آیا

رسول اللہ نے رکھا ہے صدیقہ لقب تیرا
فقط فرشی نہیں عرشی بھی کرتے ہیں ادب تیرا

شرف تیرے دوپٹے نے یہ جنگ بدر میں پایا
اسے پرچم بنا کر رحمت عالم نے لہرایا

تیرا حجرہ امین خاص ہے ذات رسالت کا
بساطِ ارض پر ٹکڑا یہی ہے باغِ جنت کا

اسی میں رحمۃ للعالمین رہتے تھے رہتے ہیں
تیرا حجرہ ہے جس کو گنبدِ خضریٰ بھی کہتے ہیں

اسی سے حشر کے دن سرورِ کونین اُٹھیں گے
مگر تنہا نہیں اُٹھیں گے مع شیخین اُٹھیں گے

شفاعت کی تیرے رحمت کدے سے ابتداء ہوگی
اسی پر امتوں کی مغفرت کی انتہا ہوگی

سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات کے بعد امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں محبوبہ محبوب رب العالمین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو مرتبہ و مقام ہے وہ اہلِ علم و دانش پہ پوشیدہ نہیں ہے۔ جب بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت و حرمت پہ اعتراضات کیے گئے، ان کی پاکدامنی و طہارت پر حملے ہوئے، ان کے حسب و نسب کو داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی تو ان انبیاء کرام نے خود ہی اپنے دامانِ کرم پہ لگنے والے اعتراضات کے جواب دیے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ جب زلیخا نے اپنے خاوند سے کہا ''جو تیرے گھر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی یہی سزا ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا اس کو سخت سزا دی جائے''۔ اس بات کے جواب میں یوسف علیہ السلام نے خود فرمایا: ھی راودتنی عن نفسی۔ (اس میں میرا کوئی قصور نہیں یہ تو) اس عورت نے خود مجھے ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کو قوت گویائی بخشی جس نے بول کر یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی، جیسا کہ سورۂ یوسف میں تفصیلاً یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کی پیدائش پر، ان کے نسب اور ان کی والدہ ماجدہ پر جو طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا گیا تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی طہارت نسب اور عصمت مریم رضی اللہ عنہا کو بیان کیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ جب معترضین نے کہا:

یا اخت ھارون ما کان ابوك امرء سوء وما كانت امك بغيًا۔ (مریم:۲۸)۔

ترجمہ: اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا تھا اور نہ تیری ماں ایسی تھی (یہ تو نے کیا کر دیا)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاشارت الیہ۔ حضرت بی بی مریم نے اپنے دودھ پیتے

بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو معترضین کہنے لگے۔ کیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔ گود کے بچے کے ساتھ ہم کس طرح کلام کریں (اور وہ ہمیں کیا جواب دے گا؟) اسی دوران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر اللہ کی توحید، اپنی رسالت اور اپنی ماں کی عفت و پاکدامنی کی گواہی دی۔ اس قرآنی تمہید کے بعد ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا نکتہ سورۂ نور کی روشنی میں سمجھ لیجئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پہ تہمت لگتی ہے تو ان کی پاکدامنی کی گواہی بچہ دیتا ہے۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا پہ تہمت لگتی ہے تو ان کی عصمت کی گواہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیتے ہیں اور محبوبۂ محبوب رب العالمین پہ تہمت لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ سورۂ نور نازل فرما کر ان کی عصمت وعفت کو بیان کرتا ہے اور منافقین کی منافقت کا پردہ چاک کرتا ہے۔ کتنے زبردست الفاظ میں اہلِ ایمان کو جھنجھوڑا گیا۔

ولو لا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

ترجمہ: اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے (اس تہمت کے بارے میں) سنا تھا تو یوں کہتے کہ ہمیں نہیں حق پہنچتا کہ ہم اس بارے میں ایسی بات کہیں، اے اللہ تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ (اس سے پہلے فرمایا)

لو لا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنت بانفسھم خیرا و قالوا ھذا افك مبین۔ (۱۲)

ترجمہ: ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے سنا تو مسلمان مرد اور عورتیں اپنوں پر اچھا گمان کرتے اور کہتے یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ (اور تہمت لگانے والوں کے بارے میں فرمایا)

لو لا جاء و علیه باربعة شھداء فاذلم یاتوا بالشھداء فاؤلئك عند اللہ ھم الکذبون۔ (۱۳)

ترجمہ: ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس (تہمت و بہتان) پہ چار گواہ لاتے پس جب گواہ نہیں لا سکے تو وہ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔

مزید دیکھیے ! کس قدر رعب دار الفاظ میں تنبیہ فرمائی گئی۔

و تحسبونه هينا وهو عند الله عظيم۔

ترجمہ: تم اس کو معمولی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک تو یہ بہت بڑی بات ہے۔

سبحان اللہ! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت پر سورۂ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں ہر آیت سے آپ کی شان عفت چھلکتی نظر آتی ہے کونسی لکھی جائے اور کون سی چھوڑی جائے۔ اختصار مطلوب نہ ہوتا تو ساری آیات اور پورا واقعہ لکھتا مگر سب چھوڑ کر ایک ایسی آیت لکھ رہا ہوں جس میں تمام امہات المؤمنین کے ایمان وطہارت کی گواہی ہے اور اہلِ اسلام کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے۔

الخبيثت للخبيثين والخبيثون للخبيثات والطيبت للطيبين والطيبون للطيبات اولئك مبرؤن مما يقولون لهم مغفرة و رزق كريم۔ (۲۶)

ترجمہ: گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے (میرے حبیب کی بیویاں) پاک ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

واقعۂ افک اور علم نبوت:

تو جس کی طہارت و پاکیزگی خود خدا بیان کرے اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمائے۔

هذا زوجتك فى الدنيا والآخرة۔ (ترمذی)

ترجمہ: عائشہ آپ کی دنیا و آخرت میں بیوی ہے۔

اور جن مؤمنین نے سکوت اختیار کیا انہیں اللہ تعالیٰ تنبیہ فرمائے اور حضور علیہ السلام

برسرِ منبر فرمائیں۔

واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔ اللہ کی قسم میں اپنے گھر والی کے بارے میں بہتر ہی جانتا ہوں۔ اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی اس لیے کہ پھر وہی لوگ کہتے کہ اپنے گھر والوں کے بارے میں تو ہر کوئی ایسے ہی کہتا ہے، یا پھر حدیث کو ضعیف کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتے۔ خدا نے فرمایا میں قرآن کی آیات نازل کرتا ہوں تاکہ نہ ماننے والا کافر ہو کر تو مرے۔ اگر آیات نہ آتیں تو ہو سکتا ہے علم نبوت کے منکر اصل مسئلہ کو چھوڑ کر آقا علیہ السلام کے علم پر طعن کا بازار گرم کر دیتے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اپنا علم بھی ظاہر فرما دیا تاکہ ان کے منہ بند ہو جائیں اور خدا نے آیات نازل کر دیں تاکہ میرے محبوب علیہ السلام کے علم کی تصدیق بھی ہو جائے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کی توثیق بھی ہو جائے اور منافقین کی تکذیب بھی ہو جائے۔

واقعۂ افک اور صحابہ کرام کے تأثرات:

- سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب حضور علیہ السلام نے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: جب آپ کے جسم اقدس پہ مکھی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے (کیونکہ مکھی گندگی پہ بیٹھی ہے اور آپ کا جسم اقدس طیب و طاہر ہے) تو آپ کے نکاح میں ایسی عورت کو اللہ تعالیٰ کب گوارا کرے گا۔
- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جب اس بارے میں رائے لی گئی تو انہوں نے عرض کیا: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ گندگی کی جگہ پہ نہ پڑے اور کوئی آپ کے سائے کی بھی توہین نہ کر سکے تو آپ کے حرم میں ایسی بیوی کس طرح ہو سکتی ہے۔
- حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا: آپ کی نعل پاک کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ چیز لگی تھی تو اللہ نے جبریل کو بھیجا کہ میرے حبیب کو کہہ (جبکہ آپ حالت نماز میں تھے) کہ جوتا اتار دیں تو جو اللہ آپ کے جوتے کے ساتھ

ناپسندیدہ شی نہیں لگی رہنے دیتا وہ آپ کے گھر میں ایسی عورت کو کیسے گوارا فرمائے گا۔ (مدارک)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور! ہم تو آپ کے گھر والوں کے بارے میں سوائے بھلائی اور خیر کے کچھ اعتقاد نہیں رکھتے۔

نکتہ: تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام تو یقین کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی گواہی دیں اور حضور علیہ السلام پہ حضرت عائشہ کی پاکدامنی پوشیدہ رہے؟ کیا صحابہ کرام حضرت عائشہ کو حضور علیہ السلام سے زیادہ جانتے تھے یا ان کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ تھا؟ اس طرح تو غیر نبی کا علم نبی سے افضل ہو گیا جو ایک باطل ولغو امر ہے۔ پھر سکوت کرنے والے اہلِ ایمان کا حال آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کن الفاظ کے ساتھ تنبیہ فرمائی۔ اگر کہا جائے کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم نہ تھا تو حضور علیہ السلام بھی اس تنبیہ کی زد میں آئیں گے جو کہ سراسر باطل ہے اس میں شک نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت و برأت بڑا واضح امر تھا اس میں نہ وحی کے انتظار کی ضرورت تھی اور نہ کسی سے آپ کے صفائی لینے کی، بلکہ خدا تعالیٰ کو اپنی بارگاہ سے ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان کرنا مقصود تھا ورنہ حضرت علی المرتضیٰ کا استدلال آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ جب آپ کے جوتے پہ ناپسندیدہ چیز لگی ہوئی تھی تو جبریل حاضر ہو گئے اور وہ چیز ہٹا دی گئی تو اب جبریل کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ناپسندیدہ امر نہیں ہے تو حضرت علی وحی کا نہ آنا بھی پاکدامنی کے علم کی دلیل بنا رہے ہیں اور آج کل کا گستاخ کہتا ہے کہ وحی جب تک نہ آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ تھا۔ فیا للعجب۔ صحابی اور وہابی کے عقیدے میں فرق ملاحظہ کر لیں۔

؎ ببیں تفاوت راہ از کجا تا بہ کجا

امام رازی علیہ الرحمۃ کا استدلال:

اس واقعہ کی آڑ میں علم نبوت پہ اعتراض آج کی بات نہیں ہے امام فخر الدین رازی

رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی اعتراض ہوا کہ اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا کہ عائشہ پاکدامن ہے تو مشورہ کیوں کیا؟ پریشان کیوں ہوئے؟ تو آپ نے اس کا جواب یوں دیا:

قلنا انه علیه السلام کثیرا ما کان یضیق صدره عن اقوال الکفار مع علمه بفساد تلك الاقوال و قد قال الله تعالٰی و لقد نعلم انك یضیق صدرك بما یقولون فکان هذا من هذا الباب۔

ترجمہ: ہم جواب میں کہیں گے کہ کیا حضور علیہ السلام کو کافروں کے الزامات (جو آپ کو مثلاً شاعر، مجنون اور جادوگر وغیرہ کہا کرتے تھے) پر پریشانی نہیں ہوئی تھی حالانکہ آپ قطعی طور پر جانتے تھے کہ ان کے الزامات غلط ہیں لیکن آپ کا پریشان ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و لقد نعلم ...... اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کافروں کی باتوں سے رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ تو جس طرح کفار کی ان بیہودگیوں کا جھوٹا ہونا آپ کو معلوم تھا مگر پھر بھی آپ پریشان ہو جاتے اسی طرح اس واقعہ میں بھی آپ کو منافقین کی تہمت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کا قطعی علم تھا کہ منافق جھوٹے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سچی ہے۔ مگر پھر بھی پریشان ہونا یہ اسی باب سے ہے جس کے بارے میں قرآن پاک کی آیت پیش کی گئی ہے۔

نکتہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کی عظمت کے تحفظ کیلئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے تمام پردے ہٹا دیے اور آپ جابر بادشاہ کی حرکات و سکنات کو ملاحظہ فرمانے لگے، وہ بادشاہ سخت پکڑ میں آ گیا اور حضرت سارہ اس کے شر سے محفوظ رہیں تو امام الانبیاء کی زوجہ محترمہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے کس قدر حفاظت کا اہتمام فرمایا کہ منافقین کو ذلیل و رسوا کر دیا اور حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے قیامت تک خطبے پڑھوا دیے۔ علماء فرماتے ہیں ''حضرت عائشہ صدیقہ کی عظمت کے بیان کیلئے کم از کم دو دلیلیں یاد رکھی جائیں ایک عرشی دلیل ہے دوسری فرشی دلیل، عرشی دلیل تو سورۂ نور ہے

اور فرشی دلیل روضۂ حضور پرنور ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرۂ مبارکہ رشک کوہ طور ہے، جب تک سورۂ نور کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت بیان ہوتی رہے گی اور جب تک روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی رہے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت بیان ہوتی رہے گی اور جب تک روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی رہے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا ظہور ہوتا رہے گا۔ یہ وہی حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ ہمارے آقا علیہ السلام نے اپنی ظاہری حیات کے آخری ایام میں اس حجرہ کو تمام حجرات پہ ترجیح دی اور تب سے اب تک اور اب سے قیامت تک اسی حجرۂ مقدسہ پہ ستر ہزار نوری فرشتے صبح کو اترتے ہیں اور ستر ہزار شام کو اور اسی حجرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں حضور کا وصال ہوا۔

اللہ اللہ عائشہ کا اتنا اونچا ہے مقام
حشر تک ان ہی کے گھر میں ہے محمد کا قیام
(صلی اللہ علیہ وسلم)

تیمم کی نعمت اور حضرت عائشہ کی عظمت:

۵ صحیح بخاری کتاب التیمم میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے ساتھ تھیں جب اپنا کام مکمل کر کے قافلہ واپس لوٹا تو ایک مقام (ذات الجیش) پہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار ٹوٹ گیا اس عمر میں عورت کو زیور کی رغبت چونکہ کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے اور پھر یہ ہار تھا بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا۔ حضور علیہ السلام کو اطلاع دی گئی تو آپ نے پڑاؤ کا حکم دے دیا، ایک آدمی ڈھونڈنے لگا، اتفاق سے اس جگہ پانی بالکل نہ تھا، نماز کا وقت آ گیا لوگ گھبرا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آج پھر ہمیں ایک مصیبت سے دوچار کر دیا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور اس وقت حضور علیہ السلام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پہ سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں غصے سے کئی کونچے دیے لیکن حضرت عائشہ حضور علیہ السلام کے آرام کے پیشِ نظر نہ ہلیں۔ مطلب یہ تھا کہ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں یہ تم نے کیا مصیبت کھڑی کر دی ہے؟ رب العالمین کی غیرت کو جوش آیا حکم ہوا نماز میری عبادت ہے اور عائشہ میری محبوب کی محبوبہ ہے، میری عبادت کی عظمت بہت ہے مگر میری حبیب کی عزت و عظمت بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ میرے حبیب کے حرم کے بارے میں زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں اگر وقت پہ پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھ لینا ورنہ فتیمموا صعیدا طیبا۔ پاک مٹی سے تیمّم کر لینا۔ وضو بھی ہو جائے گا غسل بھی ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی فرزندانِ اسلام اپنی بابرکت ماں کو دعائیں دینے لگے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تو خوشی سے جھوم اٹھے اور کہنے لگا اے صدیق کے گھر والو اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔

جزاك اللّٰه خيرا فو اللّٰه ما نزل بك امر قط الا جعل اللّٰه لك منه مخرجا و جعل المؤمنين فيه بركته۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۵۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے بہترین جزا دے جب بھی کوئی معاملہ تیرے ساتھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے تیری عزت کو محفوظ کیا ہے اور اہلِ ایمان کیلئے باعثِ برکت بنایا ہے۔

اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ رہے تھے اپنی لختِ جگر کو کہنے لگے۔ اے عائشہ! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر بابرکت ہے کہ تیرے ذریعے خدا نے مسلمانوں کو اتنی آسانی عطا فرما دی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۷۳)

حالانکہ اس سے پہلے بھی کئی مواقع ایسے آئے تھے کہ پانی نہ ہوتا تھا لیکن چونکہ عظمت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بیان کرنا مقصود تھا اور تیمّم کی رعایت ان کے وسیلے سے قیامت تک امت کو دینی مقصود تھی اس لیے یہ موقع مناسب سمجھا گیا۔ ہار کی گمشدگی تو ایک بہانہ تھا کیونکہ اونٹ کو اٹھایا گیا تو نیچے سے ہار مل گیا۔ (بخاری) ؎ رحمت حق بہانہ می جوید

یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ ہے کہ اس رعایت سے اہلِ بیت بھی نفع اٹھا رہے ہیں، صحابہ بھی متمتع ہورہے ہیں اور اولیاء بھی فائدہ پارہے ہیں۔ حالانکہ مٹی کو منہ پہ ملنا پاک ہونے کا ذریعہ بن جائے عقل نہیں مانتی لیکن جب سے حضور علیہ السلام کے قدم زمیں پہ لگے ہیں اللہ نے زمین کو اتنا پاک کر دیا ہے کہ صرف خود ہی پاک نہیں ہوئی ناپاکوں کو بھی پاک کر دیتی ہے۔ زمین کی پاکیزگی حضور علیہ السلام کے قدم کا معجزہ ہے، تیمّم کی رعایت سیدہ عائشہ کی عظمت کا اظہار ہے اور امہات المؤمنین حضور کی نگاہ کرم کا اعجاز ہیں اور یہ سب حضور علیہ السلام کی اک کائنات میں جلوہ گری کی برکتیں ہیں۔

؎ دنیا میں رسول انس و جاں آتے ہیں
پیغمبر آخر الزماں آتے ہیں
میلاد مناؤ اے مقدر والو
سلطان رسولانِ جہاں آتے ہیں

○ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی شان:

آپ (رضی اللہ عنہا) خود فرماتی ہیں کہ میں فخریہ نہیں کہتی لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے نو فضیلتیں ایسی بخشی گئیں کہ میرے سوا کسی کو نہ دی گئیں۔

○ 1- خواب میں حضور علیہ السلام کے سامنے میری صورت پیش کی گئی۔ (صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے پہلے خواب میں ایک فرشتہ تین راتیں حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں ریشمی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹ کر پیش کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے عرض کیا: یہ آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے کپڑا کھولا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمثیل تھی۔

○ 2- میں سات برس کی تھی کہ حضور علیہ السلام سے میرا نکاح ہوا۔

○ 3- میں نو برس کی تھی کہ میری رخصتی ہوئی۔

○ 4- میرے سوا کوئی کنواری عورت حضور علیہ السلام کے نکاح میں نہ تھی۔

5- میرے بستر پہ حضور علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ (چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی دوسری ام المؤمنین کے بستر پہ وحی کا نزول ثابت نہیں)۔

(بخاری شریف، مناقب عائشہ)

6- میں حضور علیہ السلام کی محبوب ترین بیوی تھی (حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جب حضرت عائشہ سے روایت کرتے تو یوں کہتے: حدثتنی الصدیقة بنت الصدیق حبیبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المبرۃ من فوق سبع سموات۔ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق، محبوبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن کی پاکدامنی سات آسمانوں کے اوپر سے نازل ہوئی، نے حدیث بیان فرمائی ہے)

7- میری شان میں قرآن کی آیات اتریں۔

8- میں نے جبریل امین علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

9- حضور علیہ السلام کا وصال مبارک جب ہوا تو آپ کا سر انور میری گود میں تھا۔

(المستدرک للحاکم، طبقات ابن سعد)

مناقب عائشہ صدیقہ احادیث کی روشنی میں:

۞ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لها یا عائشة هذا جبریل یقرء علیك السلام۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۴۵۷، ۵۳۲)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ جبریل امین ہے جو تجھے سلام کہہ رہا ہے۔

جس کو جبریل امین علیہ السلام سلام کہتا ہے اگر کوئی اس سے دشمنی کرتا ہے تو وہ جبریل کو بھی اپنا دشمن سمجھتا ہوگا کیونکہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے اور قرآن پاک میں ہے کہ یہودی جبریل امین کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔قل من کان عدو الجبریل۔

(البقرہ:۹۸)

جس پر اللہ نے فرمایا:

من کان عدو اللہ و ملئکته و رسله و جبریل و میکل فان اللہ عدو

للکفرین۔

ترجمہ: جو جبریل امین کا دشمن ہے وہ میرا بھی دشمن ہے معلوم ہوا جو حضرت عائشہ سے دشمنی رکھتا ہے وہ خدا کا بھی دشمن ہے۔

۞ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

لا توذینی فی عائشة فانه واللہ ما نزل الوحی و انا فی لحاف امرأة منکن غیرھا۔ (بخاری:۵۳۲)

ترجمہ: مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو قسم بخدا مجھے عائشہ کے بستر کے علاوہ (کسی زوجہ کے بستر پر) وحی نہیں آئی۔

یہ آپ نے اس وقت فرمایا کہ جب حضور علیہ السلام کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہوتی تو لوگ کثرت کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں ہدایا وتحائف بھیجتے تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خوشنودی کے ذریعے حضور علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کریں، اس پر امہات المؤمنین نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا کہ حضور علیہ السلام سے بات کی جائے کہ لوگوں کو کہیں جہاں بھی میری باری ہو اسی طرح ہدایا بھیجا کریں، جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا تو دو مرتبہ آپ نے اعراض فرما کر تیسری بار ام سلمہ کو مندرجہ بالا جواب ارشاد فرمایا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ السلام نے خواب میں فرمایا:

من طعام درخانہ عائشہ میخورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔

ترجمہ: میں عائشہ کے ہاں کھانا کھاتا ہوں جو بھی میرا کھانا بھیجے وہ عائشہ کے گھر بھیجے۔ (مکتوبات جلد۲ صفحہ ۵۹)

یہ مجدد الف ثانی کون ہیں؟ یہ وہ ہیں کہ جو پورے ایک ہزار سال کے مجدد ہیں اور جن کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:

لقد جرت علی الامام قدس سرہ سنۃ اللّٰہ و عادتہ فی انبیائہٖ من قبل بایذاء الظلمۃ والمبتدعین و انکار الفقہاء المتقشفین و ذلک لیزید اللّٰہ فی درجاتہ و یلحق بہ الحسنات من بعد وفاتہ ۔ لا یحبہ الا مومن تقی ولا یبغضہ الا فاجر شقی۔

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ماخوذ از رسالہ ترجمۃ احوال الامام الربانی برحاشیہ مکتوباتِ عربی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیاء کے ساتھ رہی ہے اُسی کو اس نے حضرت مجدد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہا نے آپ کا انکار کیا، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔ مؤمن ہی کو آپ سے محبت ہوگی اور شقیِ فاجر ہی کو آپ سے عداوت۔

اور یہ وہ مجدد ہیں کہ علامہ اقبال نے جن کے مزار پرانوار پہ حاضری کو سعادت سمجھتے ہوئے یوں نذرانۂ محبت پیش کیا:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ سے فرمایا: مجھے پتہ ہے تو مجھ سے راضی کب ہوتی ہے اور ناراض کب ہوتی ہے۔ عرض کیا: ارشاد فرمائیں۔ فرمایا: جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے تو ان لفظوں سے قسم اٹھاتی ہے۔ لا ورب محمد۔ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی قسم۔ اور جب ناراض ہوتی ہے تو یہ الفاظ قسم میں بولتی ہے۔ لا ورب ابراھیم۔ مجھے ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم۔ عرض کیا: حضور یہ تو صرف زبان کی حد تک ہے دل تو ہر وقت آپ کی محبت سے لبریز رہتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی انعام ہے کہ حضور علیہ السلام کا وصال باکمال میری گھر میری باری اور میری گود میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت میرے اور حضور علیہ السلام کے لعاب کو جمع فرما دیا اور وہ اس طرح کہ جب حضور علیہ السلام میرے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے تو میرا بھائی عبدالرحمٰن حاضر ہوا جس کے ہاتھ میں مسواک تھی، حضور علیہ السلام بار بار اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے پہچان لیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، میرے پوچھنے پر آپ نے اثبات میں جواب دیا، میں نے اس سے مسواک لی تو وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کیا: نرم کر دوں؟ آپ نے سر انور کے ساتھ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ میں نے اپنے دانتوں سے نرم کر کے پیش کی جو آپ نے (بغیر دھوئے) استعمال فرمائی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۷، بخاری)

نکتہ نمبر۱: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جسمانی رشتے کے لحاظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں لیکن ام المومنین اور زوجۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی وجہ سے (روحانی رشتہ کے اعتبار سے) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں۔

نکتہ نمبر۲: حضور علیہ السلام نے ہجرت کی رات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بستر عطا کیا تو وہ حیدرِ کرار ہوئے اسی رات اللہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے نبی کا وجود

با جود عطا کیا تو ابوبکر یارِ غار ہو گئے اور عائشہ صدیقہ کو ایک رات نہیں نو سال تک خدا نے اپنے نبی علیہ السلام کا بستر بھی عطا کیا اور حضور علیہ السلام کا وجود مسعود بھی عطا فرمائے رکھا۔

نکتہ نمبر۳: لوگ سوال کرتے ہیں کہ عائشہ افضل ہے، خدیجہ افضل ہے یا فاطمہ (رضی اللہ عنہن) میں جواب میں کہتا ہوں بتاؤ الرحمٰن افضل ہے یٰسین افضل ہے یا مریم (قرآنی سورتیں) تم کہو گے یہ تو کلام خدا کی سورتیں ہیں سب ہی افضل ہیں۔ میں کہوں گا وہ مصطفیٰ کی صورتیں ہیں وہ بھی سب کی سب افضل ہیں۔

کعبے کی زیارت کرنے سے حق دار جنت کے بنتے ہیں
بھلا ان کو ہم پھر کیا سمجھیں جو "یار" کے گھر میں رہتے ہیں

۞ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

• کمل من الرجال کثیر و لم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران و أسیة امرأة فرعون و فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام۔ (بخاری جلد۱ صفحہ۵۳۲)

ترجمہ: مردوں میں تو بہت سارے کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں مریم بنت عمران (والدۂ عیسیٰ علیہ السلام) حضرت آسیہ زوجۂ فرعون کامل ہوئی ہیں اور عائشہ (کی شان کیا پوچھتے ہو اس) کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہے ثرید (کھانوں کے سردار) کی تمام کھانوں پر۔

حضرت عائشہ کی علمی شان صحابہ و تابعین کرام کی نظر میں:

۞ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (جلیل القدر صحابی) فرماتے ہیں:

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسألنا عائشة رضی اللہ عنہا الا وجدنا عندها منه علما۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب، مشکوٰۃ صفحہ۵۷۴)

ترجمہ: ہم (صحابہ کرام) پر کوئی مشکل مسئلہ آتا (جو ہم سے حل نہ ہوتا) تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ مسئلہ انہوں نے علم کے ذریعے حل نہ فرمایا ہو۔

ع ۞ حضرت موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں:

ما رایت احدا افصح من عائشة رضی اللّٰہ عنہا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۴، ترمذی)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا۔

۞ حضرت عطا بن ابی رباح تلمیذ رشید متعدد صحابہ (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں:

کانت عائشة رضی اللّٰہ عنہا افقه الناس و اعلم الناس و احسن الناس رایا فی العامة۔ (المستدرک للحاکم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ، صاحبِ علم اور اچھی رائے والی تھیں۔ حضرت عائشہ کے بارے میں امام زہری (جو تابعین کے پیشوا اور کئی جید صحابہ کرام کے شاگرد (ہیں) کی رائے بھی یہی ہے)۔ (طبقات ابنِ سعد)

ن ۞ جلیل القدر تابعی حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر سنت کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا اور نہ ہی رائے میں زیادہ سمجھ دار، جب بھی ضرورت پڑی، اور نہ ہی آیات کا شانِ نزول اور علم میراث کے مسائل جاننے میں''۔

ے ۞ الغرض جید صحابہ کرام اور تابعین کی آراء کے مطابق علم میراث، طب و شعر، حسب و نسب، حلال و حرام اور دیگر کئی شعبوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علم میں بہت اونچا مقام تھا۔ یہاں تک کہ امام زہری بیان کرتے ہیں:

لو جمع علم الناس کلھم و علم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانت عائشة رضی اللّٰہ عنہا اوسعھم علما۔ (مستدرک للحاکم)

اگر تمام لوگوں کا علم اور ازواجِ مطہرات کا علم جمع کر لیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم پھر بھی زیادہ وسیع ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

خذوا شطر دینکم عن حمیراء۔

ن **ترجمہ:** اپنے دین کا ایک حصہ عائشہ (حمیرا) سے سیکھو۔

سلمان ندوی لکھتے ہیں اس حدیث کو ابن اثیر نہایہ میں اور فردوس اپنی مسند میں (تبغیر الفاظ) لائے ہیں لیکن لفظاً اس کی سند ثابت نہیں اور اس کا شمار موضوعات میں ہے۔ (موضوعات شوکانی صفحہ ۱۳۵، خاتمہ مجمع البحار صفحہ ۵۱۴، مقاصد حسنہ صفحہ ۹۴)

تاہم معنی اس کے صحیح ہونے میں کس کو شک ہے؟ (سیرت عائشہ صدیقہ صفحہ ۱۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی علمی شان بیان فرماتی ہیں:

حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں:

اتیت عائشة رضی الله عنها فقلت یا ام المؤمنین ما ترین فی المسح علی الخفین فقالت ایت علیا فهو اعلم بذلك منی کان یسافر مع رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

ترجمہ: میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں (سفر وحضر میں) موزوں پہ مسح کرنے کا مسئلہ پوچھنے حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے فرمایا: حضرت علی کے پاس جاؤ وہ یہ مسئلہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ وہ سفر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (طحاوی جلد ا باب المسح علی الخفین کم وقتہ للمقیم والمسافر)

اس روایت میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسح علی الخفین کے مسئلہ میں اپنے اوپر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی برتری بیان فرمائی۔ اگلے ہی صفحہ پہ اسی کتاب میں فرماتی ہیں:

أیت علیا فانه اعلمهم بوضوء رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

ترجمہ: حضرت علی سب لوگوں سے زیادہ حضور علیہ السلام کے وضو کا علم رکھتے ہیں۔

اہلِ بیت اطہار کا مرتبہ ومقام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نظر میں:

جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کی کئی احادیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے روایت فرمائی ہیں اسی طرح سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے فضائل کی بہت ساری احادیث کی

راویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس سے ان کا آپس میں پیار و محبت اور خلوص دیانتداری کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں لے کر حضور علیہ السلام کا فرمانا: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس...... والی حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ صفحہ ۵۶۸)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ نے ہی فرمایا تھا:

ما تخفی مشیتھا من مشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: حضرت فاطمہ کی چال حضور علیہ السلام کی چال سے مکمل مشابہت رکھتی ہے۔

اسی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آتے دیکھا تو فرمایا: مرحبا بابنتی۔ میری بیٹی کا آنا مبارک ہو۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہ کو بٹھایا اور اپنی رحلت کی خبر دی۔ اس پر حضرت فاطمہ بہت روئیں۔ جب حضور علیہ السلام نے ان کی آہ و بکا میں پریشانی ملاحظہ فرمائی تو دوبارہ سرگوشی فرمائی جس پر وہ ہنسنے لگیں۔ (کیونکہ آپ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرے اہلِ بیت میں سے تو سب سے پہلے مجھے ملے گی) اور فرمایا:

یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اھل الجنۃ او نساء المؤمنین۔

ترجمہ: اے فاطمہ! تو کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا: تمام ایمان والی عورتوں کی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کی یہ جامع حدیث بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے۔

اسی طرح حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ کی شادی ہوئی تو ہم نے ان کے مکان کا فرش بنایا۔ حضرت فاطمہ کا سامان تیار کیا، ہم نے کھجوریں، کشمش کھائی اور شربت پیا۔ یہاں تک کہ کپڑے لٹکانے کیلئے کِلّی تک لگا دی۔

فما راينا عرسا احسن من عرس فاطمة رضي الله عنها۔
ترجمہ: ہم نے حضرت فاطمہ کی شادی کی طرح خوبصورت کوئی شادی نہ دیکھی۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۳۹)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں کہ کوئی لونڈی مل جائے کام کرنے کے لیے کیونکہ کام کر کر کے (چکی چلا چلا کے) میرے ہاتھوں پہ چھالے پڑ گئے ہیں اور حضور علیہ السلام کو گھر میں نہ پایا تو حضرت عائشہ کو ہی پیغام دے کر گئیں کہ حضور تشریف لائیں تو عرض کر دینا کہ فاطمہ اس کام کیلئے حاضر ہوئی تھی۔

(بخاری شریف جلد ا صفحہ ۴۳۹)

اس سے ان کا ایک دوسرے پہ اعتماد معلوم ہوتا ہے اگر اعتماد نہ ہوتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ پیغام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکر نہ جاتیں کیونکہ اعتماد نہ ہونے کی صورت میں ان کو ضرور خیال آنا تھا کہ اگر حضور نے لونڈی دینی بھی ہے تو حضرت عائشہ درمیان میں آ کر کوئی خرابی نہ پیدا کر دیں اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی نہیں کہا کہ حضور نے اپنے گھر کیلئے تو لونڈی رکھی نہیں تجھے کیسے دے دیں؟ بلکہ من وعن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام حضور کو پہنچا دیا اور حضور علیہ السلام نے بہ نفس نفیس تشریف لے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تسبیح فاطمہ کا نورانی وظیفہ بتا دیا اور امت کو سمجھا دیا کہ میری بچی اور میری بیوی کے درمیان ناچاکی کی باتیں کرنا ہمارے خیر خواہوں اور سچے غلاموں کا کام نہیں ہے۔

؎ یہ "ہوائیاں" دشمن نے "اڑائیاں" ہوں گی

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر۲۲

نگاہِ نبوت سے ایک سردار کا قبولِ اسلام

آج پھر جلوہ دکھایا یار نے
مست و دیوانہ بنایا یار نے
دل کا رتبہ عرش سے بھی بڑھ گیا
جب سے دل میں گھر بنایا یار نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا (یاد رہے کہ نجد کا لغوی معنی تو اونچی زمین ہے لیکن نجد کا علاقہ مراد ہو تو وہ عرب کے پانچ صوبوں (حجاز، عراق، یمن، بحرین اور نجد) میں سے ایک صوبہ ہے۔ موجودہ دور کے نجدی عقائد رکھنے والوں نے بڑا زور لگایا کہ جس نجد کے لیے حضور علیہ السلام نے دعا نہ فرمائی اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہاں سے فتنے، زلزلے اور شیطان کے سینگھ نکلیں گے وہ نجد عراق ثابت ہو جائے تا کہ شیخ نجدی اور اس کے پیروکاروں کو حضور علیہ السلام کی دعا سے محرومی نصیب نہ ہو حالانکہ شیخ نجدی والا نجد وہ ازلی بد بخت خطہ ہے جو حضور علیہ السلام کی دعا سے محروم ہے۔ الغرض! اس دور میں نجد عرب کے پانچ صوبوں میں سے ایک صوبہ تھا اور ان پانچ صوبوں کے علاوہ سارے جہان کو عجم کہا جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فجاءت برجلٍ من بنی حنیفة یقال له ثُمامة بن اُثال سید اهل الیمامه۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے لشکر بھیجا وہ لشکر بنی حنیفہ قبیلے کے ایک شخص جو یمامہ والوں کا سردار تھا اور اس کا نام ثمامہ بن اُثال تھا، کو پکڑ کر لے آیا یہ شخص کافر تھا۔

(پھر یاد رہے کہ یمامہ علاقۂ نجد میں ایک جگہ ہے جو مکہ شریف سے سولہ منزل کے فاصلے پر ہے، مشہور کذاب مدعی نبوت مسیلمہ بھی یہیں کا رہنے والا تھا بلکہ اسی نبی حنیفہ قبیلے کا تھا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فربطوه بسارية من سواري المسجد۔

ترجمہ: صحابہ کرام نے ثمامہ کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

شاید اس لیے تا کہ حضور علیہ السلام کو آتے جاتے دیکھے اور ایمان کا نور دیدارِ حضور سے اس کے سینے میں اتر جائے۔

جب حسن تھا ان کا جلوہ نما دیدار کا عالم کیا ہوگا
ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے دیدار کا عالم کیا ہوگا

کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو حضور علیہ السلام کی زیارت کر کے بھی ایمان کی بلندی پہ فائز نہ ہو۔ آج امت میں جس قدر اختلاف وافتراق ہے اور ہر مسلک والا دوسرے کے درپئے آزار ہے۔ کیا خیال ہے اگر حضور علیہ السلام کی جلوہ گری ہو جائے تو یہ جھگڑے امت میں باقی رہ سکتے ہیں، نہیں ہرگز نہیں۔

کفر و اسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے
تو اگر جلوہ دکھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

الغرض! ثمامہ کو مسجد نبوی میں باندھے رکھا اور پیشاب وغیرہ ہی کیلئے باہر لایا جاتا تھا، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کافر کے جسم پہ اگر ظاہری غلاظت نہ ہو تو اس کو مسجد میں لانا، باندھنا، رکھنا جائز ہے۔

ثمامہ اگرچہ قید میں تھا لیکن اس کے بعد والے حالات بتاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو آتے جاتے دیکھ کر اس کو اس قید میں وہ سکون آتا ہوگا کہ جو اس کو سرداری میں

بھی حاصل نہ ہوا ہوگا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں:

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ از بیگانگاں بابوستاں

محبوبوں کے سامنے بندہ زنجیروں میں جکڑا ہوا بھی ہوتو اس سے بہتر ہے کہ بیگانوں کے ساتھ باغ میں ہو۔اور پھر محبوب بھی وہ کہ جوصرف خدائی کا ہی محبوب نہیں بلکہ خدا کا بھی محبوب ہے۔جس کا دیدار تو پھر دیدار ہے اس کے مدینے کی زیارت کا شوق تمام غم بھلا دیتا ہے۔

جو زائر ہیں وہ زندہ لوٹتے ہیں حاضری دے کر
جو عاشق ہیں وہ ان کے شہر سے مر کر نکلتے ہیں
نصیر اپنی امیدیں بھی ہیں اس کوچے سے وابستہ
کہ جس کوچے کے بے زر فقر میں بوذر نکلتے ہیں

حکایت:

حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والے کے مریدین کا قافلہ جانب مدینہ رواں تھا کہ ڈاکوؤں نے راستے میں لوٹ لیا، مارا اور آگے بھیج دیا، جب حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپس مرشد کے پاس آئے تو شکایت کے انداز میں ڈاکوؤں کا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا محبوب کے دیس والوں کی شکایت نہیں کرتے۔جب اگلا سال آیا تو خواجہ صاحب خود حج پہ تشریف لے گئے اور بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا جس طرح کا پچھلے سال مریدین کے ساتھ پیش آیا تھا یعنی ڈاکوؤں نے مال بھی لوٹ لیا اور مارا بھی اور لوٹ مار کر کے مدینے بھیج دیا اور جب واپس تشریف لائے تو مریدین کو خبر ہو گئی تھی کہ آپ کے ساتھ بھی ویسا ہی واقعہ پیش آیا ہے اور پچھلے سال والی بات بھی یاد تھی،سوچ رہے تھے کہ اب حضرت کس طرح بیان کریں گے،جب مریدین نے ماجرا پوچھا تو فرمایا:

؎ مَر یندے ہن، کٹیندے ہن، مدینے دل بھجیندے ہن

انہاں دی مارتوں صدقے، انہاں دے پیارتوں صدقے

بات کہاں سے کہاں چلی گئی، جس ستون کے ساتھ ثمامہ کو باندھا گیا اور وہ حضور علیہ السلام کی آتے جاتے زیارت کرتا وہ ستون اتنا بابرکت ہو گیا کہ آج تک اس کی زیارت کی جاتی ہے کیونکہ ثمامہ پہ حضور علیہ السلام کی نظر پڑتی اور اس نگاہ ناز سے ستون بھی مستفیض ہوتا رہتا۔

فخرج اليه رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فقال ماذا عندك يا ثمامة۔

ترجمہ: پس حضور علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: اے ثمامہ! کیا ہے تیرے پاس۔

یا ہمارے بارے میں تو کیا خیالات رکھتا ہے؟ ہم تیرے ساتھ کیسا سلوک کریں؟ قیدیوں کے ساتھ بھی ہمارے آقا علیہ السلام کیسی محبت کا معاملہ فرما رہے ہیں۔ اس قید پہ ہزاروں آزادیاں قربان کہ جس قیدی کا محبوب خدا حال پوچھ رہے ہیں۔

؎ دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا

آزاد ہے جو آپ کے دامن میں چھپا ہو

ثمامہ نے اس سوال پر حضور علیہ السلام کو عجیب جواب دیا۔

ان تقتل تقتل ذات دم۔

ترجمہ: اگر آپ نے مجھے قتل کر دیا تو قتل کے حقدار کو قتل کیا کیونکہ آپ کے دشمنوں میں سے ہوں۔

یا مطلب یہ ہے کہ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں بلکہ سردار ہوں اور میرے خون کی کوئی قدر ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں قد کاٹھ والا ہے فلاں منہ سر والا ہے، فلاں کھاتا پیتا ہے حالانکہ ہر کسی کا قد، منہ سر ہوتا ہے اور ہر کوئی کھاتا پیتا بھی ہے ورنہ زندہ کیسے رہ سکتا ہے۔

مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں سے اس معاملہ میں آگے ہے۔ یا قرآن پاک

میں ہے:

لمن کان له قلب۔

ترجمہ: جس شخص کا دل ہے۔

حالانکہ ہر شخص بلکہ ہر جاندار کا دل ہوتا ہے مگر یہاں معنیٰ یہ ہوگا کہ خاص دل جو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایک روایت میں ذا دم کی بجائے ذا ذم بھی ہے کہ آپ ایک ذمہ دار کو قتل کریں گے۔ (اگر چہ یہ ضعیف ہے)

و ان تنعم تنعم علی شاکر۔ اور اگر احسان کر کے مجھے چھوڑ و گے تو میں احسان فراموش نہیں ہوں، ساری عمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔

و ان کنت ترید المال فسئل تعط منه ما شئت۔

ترجمہ: اگر آپ کو فدیہ کے طور پر مال چاہیے تو جتنا چاہتے ہو میں دینے کو تیار ہوں۔

کافر ہو کر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور جو چاہیں ہو سکتا ہے اور آج کل کے مسلمانوں کا عقیدہ اتنا خراب ہو گیا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

لو شئت لسارت معی جبال الذهب۔ (او کما قال علیه السلام)۔

ترجمہ: اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں۔

اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما اریٰ ربك یسارع فی هواك۔ (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ ۲۸۱)

حضور! آپ کا رب تو آپ کی چاہت پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

اور پھر جس کے چاہنے سے قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے اس کے چاہنے سے اور کیا نہیں ہو سکتا؟

ویکھو محبوباں دی مرضی تے قبلے بدلائے جاندے نیں

جس کے دو چار ملازم ہوں اس کے بارے میں آپ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا اور جس کی چاہتیں خدا پوری کرتا ہو اس کے چاہنے پہ کیا کچھ

نہیں ہوسکتا؟

و لسوف یعطیك ربك فترضٰی۔ فلنولینك قبلة ترضھا۔ کلھم یطلبون رضائی و انا اطلب رضاك یا محمد۔ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)

بہر حال! اتنی بات ہوئی فتر کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ حضور علیہ السلام نے ثمامہ کو اسی حالت میں چھوڑا اور آگے تشریف لے گئے۔ یعنی نہ اس کو قتل کیا، نہ آزاد فرمایا اور نہ ہی فدیہ طلب کیا۔

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ تین دن حضور علیہ السلام اس کے پاس تشریف لا کر اس کے دل کی طرف توجہ فرماتے رہے، اور تیسرا دن آنے پر اس کا دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا۔

چھیڑ کے ذکر لا الٰہ دھوم مچا گئے حضور
سارا جہاں تھا محو خواب آ کر جگا گئے حضور
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حتی کان الغد۔ اگلا دن ہوا تو پھر حضور تشریف لائے اور وہی پہلے دن والا سوال فرمایا اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو پچھلے دن دیا تھا۔ پھر آپ اس کو چھوڑ کر آگے گذر گئے۔ حتی کان بعد الغد۔ اس سے اگلا دن ہوا تو حضور علیہ السلام نے وہی سوال دہرایا اور اس نے انہی لفظوں سے جواب دیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ حضور علیہ السلام کے سوالیہ الفاظ کی ترتیب وہی رہی جبکہ اس کے جوابی الفاظ تو وہی تھے لیکن ترتیب بدلتی رہی یعنی پہلے دن قتل کا ذکر پہلے کیا اور احسان و مال کا ذکر بعد میں کیا اور بعد والے دونوں دن احسان ورحمت کا ذکر پہلے کر رہا ہے اور قتل کا ذکر بعد میں۔ (فقال عندی ما قلت ان تنعم تنعم علی شاکر و ان تقتل تقتل ذا دم) اس کی وجہ

علماء نے یہ بیان فرمائی کہ پہلے دن اس کی نظر اپنے جرم پر اور اس جرم کی سنگینیت پر تھی اور جب سارا دن حضور علیہ السلام کا کرم دیکھتا رہا تو سوچا کہ میرے جیسے تو ہزار مجرم ان کے دامن کرم میں پناہ لے سکتے ہیں۔

؎ ان کا کرم پھر ان کا کرم ہے ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مجرم کو چاہیے کہ پہلے اپنے گناہوں کا اقرار و ذکر کرے پھر استغفار کرے اور اللہ کی رحمت سے معافی کی امید رکھے تا کہ الایمان بین الخوف والرجاء کے تقاضے پورے ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثمامہ پہلے دن تو اجنبی تھا جانتا نہ تھا کہ کتنے بڑے کریم کے دربار میں آیا ہے اور اس کے بعد آشنا ہو گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کرم کا امیدوار ہو گیا۔ اور زبانِ حال سے پکار اٹھا۔

؎ تیرے حضور آیا ہوں رحمت کی بھیک مانگنے
دونوں جہاں کا آسرا تیرے سوا کوئی نہیں

؎ تیرے کرم سے اے کریم کون سی شئی ملی نہیں
تیرا کرم بے انتہا تجھ پر درود اور سلام

چنانچہ تیسرا دن آیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: اَطْلِقُوْا ثمامة۔ ثمامہ کو کھول دو اور قید سے رہا کر دو۔ صحابہ نے تعمیل ارشاد کی اور سوچا کہ شاید یہ دوبارہ ہمارے ہاتھ نہ آئے یہ تو معلوم تھا کہ چڑیا کو آزاد کر دیا جائے تو وہ اڑ جاتی ہے اور پھر دوبارہ ہاتھ نہیں آتی لیکن اگر چڑیا کے پر ہی کاٹ دیے جائیں تو اڑ کر کہاں جائے۔ اگرچہ سردار تھا مگر ادھر بھی مصطفیٰ کا دیدار تھا، اور ہندی زبان کا ایک شعر ہے۔

؎ تال سوکھ پر بھٹ ہوا اور دھنسا کہیں نہ جائیں
باند پچھلی پریت کے وہ کنکریاں چن چن کھائیں

کہ تالاب میں رہنے والا تالاب خشک ہونے پر وہیں مٹی چاٹ چاٹ کر جان دے دیتا ہے یعنی تالاب کا پانی تو جائے یار ہے مگر وہ بیچارہ کہاں جائے۔

یہاں بھی معاملہ کچھ اس سے ملتا جلتا ہی تھا ثمامہ مسجد نبوی سے نکلا پانی کے پاس گیا غسل کیا اور واپس آ کر

؎ گر کر قدموں پہ قربان ہو گیا
پڑھ کر کلمہ مسلماں ہو گیا

میں تھا کیا مجھے کیا بنا دیا:

اب مسلمان ہو جانے کے بعد ثمامہ اپنی پہلی کیفیات اور اسلام لانے کے بعد کی دلی کیفیات کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہناتا ہے:

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واللہ ما کان علی وجہ الارض وجہ ابغض الی من وجھك فقد اصبح وجھك احب الوجوہ کلھا الی۔

اے میرے آقا! آپ کی ملاقات سے پہلے مجھے آپ سب سے زیادہ (خاکم بدہن) مبغوض تھے اور اب اسلام لانے کے بعد حالت یہ ہو گئی ہے کہ علی الاعلان کہتا ہوں، ڈنکے کی چوٹ پہ کہتا ہوں، علی رؤس الاشھاد کہتا ہوں، بانگ دہل کہتا ہوں کہ

؎ اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میری سرکار ہیں ویسا نہیں کوئی

اب آپ مجھے سارے جہان سے بڑھ کر محبوب ہو گئے ہیں۔ یہی تقاضائے ایمان ہے (لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین) اور یہی ایمان کی جان ہے کہ جب ایمان دل میں آتا ہے تو ایمان کے بعد سب سے پہلے دل میں محبت مصطفیٰ ﷺ آتی ہے اور باقی ہر شی اسی نعمت کی برکت سے بعد میں آتی ہے۔ اور

؎ جس دل میں محمد کی محبت نہیں ہوتی
اس پر کبھی اللہ کی رحمت نہیں ہوتی
میرا یہ عقیدہ ہے کہ گر ذکر خدا میں
یہ نام نہ شامل ہو تو عبادت نہیں ہوتی

اور کیا خوب کہا حفیظ جالندھری مرحوم نے:

محمد کی محبت دین حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اور قرآن وسنت کا مطالعہ کرنے سے یہی کچھ ثابت ہوتا ہے کہ لامکاں سے بھی روکھی سوکھی عبادت کرنے والوں کو یہی پیغام آرہا ہے کہ

یہ عبادت رات دن کی مجھ کو نامنظور ہے
دور ہے جو میرے احمد سے وہ مجھ سے دور ہے

حضور علیہ السلام کی معرفت ہی ایمان وقرآن تک اور رب رحمٰن تک پہنچاتی ہے کیونکہ جن لوگوں نے حضور علیہ السلام کو کاہن اور جادوگر کہا انہوں نے پھر قرآن کو کتاب اللہ ماننے کی بجائے اساطیر الاولین کہا، معلوم ہوا کہ ہر شئی کا ماننا حضور ہی کو ماننے پر موقوف ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی توحید کا اعلان لفظ "قل" کہہ کر نہ فرماتا۔ اے محبوب تیرے کہے کو مان کر جو مجھے ایک مانے گا اسی کی توحید بھی مقبول ہوگی۔

قرآن ملا ان کے صدقے، ایمان ملا ان کے صدقے
رحمان ملا ان کے صدقے وہ کیا ہے جو ہم نے پایا نہیں

ثمامہ نے عرض کیا:

واللہ ما کان من دین ابغض الی من دینك فاصبح دینك احب الدین کله الی۔

ترجمہ: اسلام لانے سے پہلے آپ کا دین مجھے سب سے برا لگتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے تمام ادیان سے محبوب تر ہے۔

یعنی حضور علیہ السلام کی محبت آئی تو دین کی ضروریات پر بھی ایمان نصیب ہو گیا۔ کیونکہ گھر میں گھر والا بمعہ سامان آتا ہے اور خانۂ دل میں مکین گنبدِ خضراء کی محبت بمعہ ایمان آتی ہے اور ضروریاتِ دین کی محبت لے کر آتی ہے:

؎ در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ است　　　آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

پھر ثمامہ نے عرض کیا:

ما کان من بلد ابغض الی من بلدك فاصبح بلدك احب البلاد کلھا۔

ترجمہ: پہلے آپ کا شہر (مدینہ) مجھے تمام شہروں سے زیادہ مبغوض تھا اور اب میری حالت یہ ہے کہ ؎ خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است

معلوم ہوا کہ مدینہ شریف کی محبت بھی علامتِ ایمان ہے، وہاں کے ذرے دونوں جہاں سے پیارے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے پیارے کے پیارے شہر کے ذرے ہیں اور مدینہ نور والے آقا کا نورانی شہر ہے اسی لیے تو اہلِ محبت کا دل اس نور سے معمور شہر کی طرف کھنچا جا رہا ہے اور از عرش تا فرش یہ صدائیں گونج رہی ہیں:

؎ اہلِ نور و بیت نور و بلد نور
جائیکہ آمد محمد کرد نور

؎ واہ کیا مرتبہ اے شہرِ مدینہ تیرا
مسکنِ صاحبِ لولاک ہے سینہ تیرا

(صاحبزادہ عابد حسین مدنی)

ثمامہ نے عرض کیا: حضور! و انا ارید العمرۃ فماذا تری؟ میں عمرہ کے ارادے سے جا رہا تھا کہ آپ کے صحابہ نے مجھے پکڑ کر آپ کی بارگاہ میں حاضر کر دیا، اب آپ فرمائیں کہ میں عمرہ کیلئے جاؤں یا نہ جاؤں۔ یعنی اب عمرہ جیسی عبادت بھی آپ کی اجازت سے ہوگی، کیونکہ عبادت بنتی ہی حضور کی رضا و اجازت سے ہے کیونکہ جس کی عبادت کرنی ہے جب وہ آپ کی رضا چاہتا ہے تو ہم کیوں نہ آپ کی رضا چاہیں۔ قدرت نے بھی کہا ہوگا کہ میرے محبوب کی غلامی میں آنے سے پہلے تو کعبہ کی زیارت کرتا تھا تو تجھے صرف کعبہ نظر آتا تھا اب میرے حبیب کو راضی کر کے کعبے جائے گا تو کعبے کے رب کی رضا بھی ملے گی اور اس کے انوار بھی نصیب ہوں گے۔ کیونکہ

؎ رب کعبہ کی رضا میں ہے رضائے مصطفیٰ
ہے رضائے مصطفیٰ میں رب کعبہ کی رضا

فبشرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و امرہ ان یعتمر ۔ حضور علیہ السلام نے اس کو خوشخبری سنائی اور عمرہ کی اجازت عطا فرمائی۔ خوشخبری کس بات کی؟ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

بما حصل له من الخير العظيم و انه يهدم ما كان قبله من الاثام۔

ترجمہ: اسلام قبول کرنے پر جو اس کو عظیم بھلائی حاصل ہوئی اور جس سے اس کے کفر سمیت پہلے تمام گناہ معاف ہو گئے۔

اس دور میں کوئی واقعہ ہو جاتا تو عرصے بعد دوسری جگہ خبر پہنچتی لیکن مشہور سردار ہونے کی وجہ سے اس کے ایمان لانے کی خبر اس کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ گئی اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اہلِ مکہ کو یہی ثمامہ سال بھر کی گندم سپلائی کرتا تھا۔ چنانچہ جب یہ مکہ حاضر ہوا تو اہلِ مکہ نے سب سے پہلے اس سے یہی سوال کیا۔ اَصبوت؟ کیا تو نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟ (کافر لوگ اسلام قبول کرنے کو بے دینی کہا کرتے) ثمامہ نے کہا: لا ولکن اسلمت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۔ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ اپنے دین کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دین پہ قربان کر دیا ہے اور میں تمہیں بھی یہی کہوں گا کہ

؎ دونوں عالم میں تمہیں مقصود گر آرام ہے
ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے

یہ بات سن کر کافروں کے ہوش اڑ گئے اور حیرت زدہ ہو کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

جب انہوں نے ثمامہ کی زبان سے یہ الفاظ سنے۔ واللّٰہ لا یاتیکم من الیمامۃ حبۃ حنطۃ حتی یاذن فیھا رسول اللّٰہ ﷺ ۔ اللہ کی قسم اب ہر کام حضور علیہ السلام کی مرضی سے ہی ہوگا کیونکہ میں نے اپنی مرضی حضور علیہ السلام کی مرضی میں فنا کر دی ہے اب یہ نہیں ہو سکے گا کہ تم میرے آقا سے دشمنی بھی کرتے رہو اور میں پھر بھی تمہیں غلہ بھیجتا

رہوں، اب ان کا حکم ہو گا تو تمہیں غلہ ملے گا ورنہ ایک دانہ بھی نہ بھیجوں گا اور بھوکے مر جاؤ گے۔

ہم نے قطرے پہ کیا غور نہ دریا دیکھا
جس جگہ تیری جھلک پائی وہیں ڈوب گئے

چنانچہ عمرہ کر کے واپس اپنے وطن گیا تو اس نے واقعی غلہ روک لیا تب اہلِ مکہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں وفد لے کر حاضر ہوئے اور منت سماجت کی کہ ہمارا غلہ بحال کرایا جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے حکم سے ثمامہ نے اہلِ مکہ کیلئے غلہ بحال کر دیا۔

میری آنکھوں کی راہ سے میرے دل میں اتر گئی
میرا تو فیصلہ نگاہِ یار کر گئی

سیرت ایسی کہ اغیار کلمہ پڑھیں صورت ایسی کہ یوسف بھی دیکھا کریں
پاؤں ایسے کہ جبریل چوما کریں، ابن مریم سے بڑھ کر شفاء ہاتھ میں

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت فرمایا ہے اور امام بخاری نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۳۴۴ وصفحہ ۳۴۵ پہ تفصیل کے ساتھ ہے اور مراۃ شرح مشکوٰۃ کی جلد ۵ اور صفحہ ۵۳۳ تا ۵۳۷ پہ دیکھی جا سکتی ہے۔ میں نے اس کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

اس حدیث سے حاصل ہونے والے فقہی مسائل کو بیان نہیں کر سکا جو بہت سارے ہو سکتے ہیں مثال کے طور پر یوں کہہ سکتا ہوں۔

1- ثمامہ نے آزاد ہونے کے بعد جس پانی سے غسل کیا وہ جاری پانی کے حکم میں تھا اور مالک کی اجازت کے بغیر غسل کیا تھا لہٰذا اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جاری پانی سے بغیر مالک کی اجازت کے غسل کرنا جائز ہے۔

2- زمانۂ جنگ میں کفار کو نہ ہتھیار فروخت کرنا جائز ہے نہ غلہ لیکن زمانۂ امن میں

غلہ تو کفار کے ہاتھ بیچا جا سکتا ہے ہتھیار نہیں۔

3- کفار سے کسی حد تک حسنِ سلوک اور احسان کرنے کی اجازت ہے۔

4- جنگی کافر قیدی کو بلا معاوضہ آزاد کر دینا بھی مصلحتاً جائز ہے۔

یاد رہے! ثمامہ کے ایمان لانے کی برکت سے اس کے علاقے اور دیگر مقامات سے بہت سارے لوگ ایمان لائے اور اسلام کو بہت فائدہ ہوا۔ سچ فرمایا گیا:

الناس علی دین ملوکھم۔

میخانے میں ہے جام سے جَم تک مستی
دیر سے ہے صحن حرم تک مستی
کیا سلسلۂ کیف ہے اللہ اللہ
یوں دست بدست آتی ہے ہم تک مستی

سبق:

اس ایمان افروز واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہدایت و ایمان اس کو نصیب ہوتا ہے جو در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ جھک جاتا ہے۔ عظمت نبوت کے سامنے ابلیس اکڑ گیا شیطان و ملعون ہو گیا۔ نمرود، فرعون، شداد نے ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے سامنے تکبر کیا ابو جہل و ابولہب نے اپنی بڑائی کا اظہار محبوب خدا کے مرتبہ و مقام کو گھٹانے کیلئے کیا خدا نے ہدایت سے محروم کر دیا، بلال و اویس و حبیب و سلمان رضی اللہ عنہم نے عظمتِ رسالت کے سامنے سر تسلیم خم کیا خدا نے ہدایت سے بھی نوازا اور عظمت کی بلندی پر بھی پہنچا دیا کیونکہ من تواضع للہ فقدر فعہ اللہ۔ اسی طرح یمامہ کے سردار نے در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ جھک جھک کر سرداری بھی قائم رکھی اور ہدایت سے بھی نواز دیا گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا:

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا — فکم تحتها قوم ھمو منك ارفع
و ان کنت فی عز و حرز و منعة — فکم مات من قوم ھمو منك امنع

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۲۳

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

خیر التابعین حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی کنیت اور نسب نامہ باختلاف روایات اس طرح ہے۔

ابو عمرو اویس بن عامر بن جزء (عبداللہ) بن مالک بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن رومان بن ناجیہ قرنی۔

آپ رضی اللہ عنہ یمن کے شہر قرن میں پیدا ہوئے۔ وہیں آپ کی رہائش رہی، والد ماجد بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔ والدہ ضعیف و ناتواں تھیں، انہی کی خدمت میں مصروف رہتے۔ شتربانی سے جو معاوضہ ملتا، ماں کی خدمت میں لگا دیتے جو بچ جاتا راہ خدا میں لٹا دیتے۔ والدہ کی خدمت میں مصروفیت کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا ظاہری دیدار تو نہ کر سکے اگرچہ حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا لیکن حضور علیہ السلام نے مدینہ شریف میں حضرت اویس قرنی کی آمد کی بشارت دی تھی۔ (اکمال فی اسماء الرجال) آپ کی ملاقات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے، زہد و تقویٰ میں بہت مشہور تھے۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (اکمال) اشعۃ اللمعات میں جنگ نہاوند میں آپ کی شہادت کو راجح قول قرار دیا گیا۔ (مراۃ)

یاد رہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی جائے پیدائش وہ قرن نہیں جو اہلِ نجد کا میقات ہے کیونکہ وہ تو طائف کے قریب ہے بلکہ یہ قرن یمن کی ایک چھوٹی سی بستی یا محلہ ہے جو حضرت اویس قرنی کے مورث اعلیٰ قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد نے

آباد کیا۔ اور انہی کے نام پہ مشہور ہو گیا۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۵۷۴)

بعض جگہ وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی کہ اس بستی کی کھدائی کے دوران زمین کے کسی حصہ سے گائے کا ایک سینگ نکلا تھا چونکہ عربی میں سینگ کو بھی قرن کہا جاتا ہے اس لیے بستی کا نام قرن پڑ گیا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے خلافت فاروقی میں حج ادا کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر نے پوچھا: آپ کہاں رہنا پسند کریں گے تو انہوں نے کوفہ کا نام لیا چنانچہ آخر تک کوفہ میں رہے۔ چونکہ حضرت اُویس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی حج کیلئے حاضر ہونا تھا اس لیے حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی فرمایا: تم میں سے جو بھی اویس کو پائے وہ اس سے دعا کروائے اس سے حضور علیہ السلام کی وسعت علم کا اشارہ بھی ملتا ہے اور آپ کے فضائل پہ مشتمل حدیث بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ وھو ھذا۔

حضرت اویس قرنی کے فضائل کی جامع حدیث:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان رجلا یاتیکم من الیمن یقال لہ اویس لا یدع بالیمن غیر ام لہ قد کان بہ بیاض فدعا اللہ فاذھبہ الا موضع الدینار او الدرھم فمن لقیہ فلیستغفرلکم (و فی روایۃ) قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس ولہ والدۃ و کان بہ بیاض فمروہ فلیستغفر لکم۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۱ و صفحہ ۵۸۲)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن سے ایک مرد آئے گا جسے اویس کہا جاتا ہے۔ اسے یمن میں صرف اس کی ماں ہی روکے ہوئے ہے جس (اویس یا اس کی ماں) کو برص کا (سفید داغ) تھا جو اس (اویس) نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ (داغ) ختم کر دیا۔ سوائے دینار یا درہم کی جگہ کے، پس تم میں سے جو کوئی اس (اویس) سے ملے تو پس چاہیے کہ وہ

(اویس) اس کے لیے دعا بخشش کرے (یعنی حضرت اویس سے دعائے مغفرت کی درخواست کرے تاکہ وہ اس درخواست کنندہ کیلئے دعا کریں۔ سبحان اللہ)

معلوم ہوا کہ افضل مفضول سے دعا کی درخواست کر سکتا ہے کیونکہ صحابہ بہر حال حضرت اویس قرنی سے افضل ہیں لیکن انہی کو دعا کروانے کیلئے حکم ہوا ہے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے خود حضرت عمر سے فرمایا: جب وہ عمرہ کرنے کیلئے مکہ شریف جا رہے تھے۔ ہمیں اپنی دعا میں نہ بھولنا۔

ایک روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا آپ نے فرمایا: تابعین میں سے اویس بہترین ہے۔ اس کی والدہ ہے جس کو برص کی سفیدی تھی۔ پس اس سے کہنا کہ تمہارے لیے دعا کرے۔

آپ کے فضائل کی دیگر احادیث:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں ان کے فضائل کی بہت احادیث جمع فرمائی ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابو نعیم نے حلیہ میں، بیہقی نے دلائل میں، ابویعلی اور ابن مندہ نے بہت احادیث اس قسم کی نقل فرمائی ہیں۔ ہم صرف دو حدیثوں کا ترجمہ نقل کرتے ہیں:

- ابنِ عساکر نے بروایت سعید ابن مسیب حضرت فاروق سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: میری امت میں ایک شخص اویس قرنی ہے ان کے جسم میں برص کا داغ تھا ان کی دعا سے وہ درست ہوا تھوڑا سا باقی رہا اگر ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو میرا اسلام پہنچانا اور ان سے اپنے لیے دعا کرانا۔ وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں۔ اگر وہ رب پر قسم کھالیں تو رب ان کی قسم پوری فرما دے وہ میری امت کی شفاعت کریں گے۔ ان کی شفاعت سے قبلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگ بخشے جائیں گے۔ حضرت عمر

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کی حیات (ظاہری) میں پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تلاش کیا مگر نہ پایا پھر میں نے انہیں اپنی خلافت کے زمانہ میں پایا یہ حدیث بہت دراز ہے۔ (اشعہ)

۞ ابنِ عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بہت روز تک حضرت اویس کی آمد کے منتظر رہے۔ حجاج میں تلاش کرتے تھے۔ ایک بار آپ کو پتہ چلا کہ قبیلۂ مراد سے حجاج کا قافلہ آیا ہے۔ آپ اور حضرت علی اس قافلہ میں پہنچے۔ پوچھا کیا تم میں اویس نامی کوئی شخص ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ میرا ایک بھتیجا ہے بہت کمزور و غریب۔ انہوں نے فرمایا: ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ کہا وہ عرفات کے قریب قافلہ کے ہمراہ اونٹ چرا رہے ہیں۔ یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے ان سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا کیا تم اویس ہو؟ کہا: ہاں۔ کیا تم قرنی مرادی ہو؟ فرمایا: ہاں۔ کیا تمہارے پہلو پر برص کے داغ کا کچھ بقیہ ہے؟ فرمایا: ہاں۔ کہا ہم کو دکھایئے۔ انہوں نے کرتہ اٹھا کر داغ دکھایا۔ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نے دوڑ کر اس داغ کے بوسے لیے۔ پھر فرمایا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام فرمایا ہے اور ہمیں تم سے دعا کرانے کا حکم دیا ہے۔ آپ ہم دونوں کیلئے دعا کریں۔ اولاً حضرت اویس نے معذرت کی مگر پھر دعا کی۔ (اشعہ) ہم نے بعض بزرگوں کو فرماتے سنا کہ بعض صحابہ نے حضرت اویس سے کہا کہ تم نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی۔ بولے کیا تم نے زیارت کی ہے۔ فرمایا: ہاں۔ کہا بتاؤ محبوب کے سر اور داڑھی میں کتنے کتنے بال سفید تھے۔ صحابی نے کہا: ہم نے شمار نہیں کیے۔ فرمایا مجھ سے پوچھ لو میں نے گن لیے ہیں۔ سر شریف میں چودہ بال سفید تھے۔ ڈاڑھی مبارک میں پانچ، ریش اور بچی میں ایک۔ واللہ اعلم! (حضرت مفتی احمد یا خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:)

؎ گو میسر نہیں سالک کو حضور بدنی
روح حاضر ہے مگر مثل اویس قرنی
جسم ہندی ہے مرا جان ہے میری مدنی
یا خدا دور کسی طرح ہو بُعد بدنی

(مراۃ شرح مشکوۃ جلد۸ صفحہ۵۷۵، ۵۷۶)

حضرت اویس قرنی کے القابات کا سلسلہ:

آپ کے فضائل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اہلِ محبت نے آپ کے فضائل کے ذخیرے سے آپ کے مندرجہ ذیل القابات کا استنباط فرمایا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت میں اضافہ کیجئے:

فیض ذاتِ الٰہی، پرتو صفات غیر متناہی، مظہر انوار رحمانیہ، مصدر اسرار ربانیہ، مکین کنار نبوت، امین اطوار فتوت، مبارز میدان مجاہدہ، مجاہد ایوان مشاہدہ، مقبول لایزال، محبوب ذی الجلال، سلطان ملت مصطفیٰ، برہان شریعت نبوی، ملیک ممالک فقر و تجرید، فارس مضمار وحدت و توحید، قطب ابدال ولایت، مرکز دائرۂ ہدایت، زبدۂ تابعین، قدوۂ زاہدین، نفس رحمٰن، آفتاب نہاں، سہیل یمن، خورشید قرن، غوث الثقلین، خواجۂ کونین، افاض اللہ علینا برکاتہ واوصل الینا فتوحاتہ۔

(لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ از احمد بن محمود اویسی (فارسی) نسیم یمن (اردو ترجمہ از محمد اشفاق الاسحاق المحمود العلوی الرزاقی صفحہ۷)

؎ عاشق دل سوختہ محبوب من　　　اسمہٗ خواجہ اویس اندر قرن

حضرت اویس قرنی کی درویشانہ زندگی:

امام حجۃ الاسلام ابو محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کتاب احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ امام و مقتدائے امت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کار دنیا کو

اپنے اوپر اس قدر تنگ کیا ہوا تھا کہ لوگ ان کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ بوجہ اُن کی سخت گیری کے اپنے نفس کے ساتھ۔ پس اُن کے واسطے اپنے گھروں کے دروازوں پر مکان بنا دیتے تھے۔ اور دو دو تین تین برس گزر جاتے کہ کوئی ان کو نہ دیکھتا اور صبح کو اذان کے وقت باہر نکل جاتے۔ اور بعد عشاء کے آتے۔ اور اُن کی خوراک کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں۔ جو رستہ میں سے چن لیتے تھے اور جو کہیں سے اُن کو کھجوریں ناکارہ مل جاتیں تو ان کو اپنی روزہ افطاری کے واسطے رکھ چھوڑتے تھے۔ اور اگر ان کو اس قدر ایسی کھجوریں مل جاتیں کہ ان کی خوراک کو کافی ہو جائیں تو خستہ خرما کو صدقہ کر دیتے۔ اور اگر کھجوریں بقدر خوراک نہ ملتیں تو کھجوروں کی گٹھلیوں کو بیچ کر کھجوریں خرید لیتے۔ اور اس سے روزہ افطار کر لیتے اور اُن کا لباس ایک گودڑی ہوتی تھی۔ جو اس طرح بنا لیتے تھے کہ کوڑیوں پر سے چیتھڑے اُٹھا کر دھو لیتے اور ان کو اوپر نیچے پیوند لگا کر سی لیتے اور ان کو لڑکے کہیں دیکھ لیتے تو دیوانہ سمجھ کر چھیڑتے اور ڈھیلے مارتے۔ پس آپ فرماتے کہ بھئی چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارو کہ میرے زخم نہ ہو جائیں اور خون نہ بہنے لگے کہ میں نماز روزے سے رہ جاؤں۔

اور بعینہٖ اسی طرح شیخ شرف الدین نے اپنے مکتوبات میں اور خواجہ شیخ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں اور مولانا سید محمود نے حیاۃ الذاکرین میں نقل کیا ہے اور امام الخافقین غوث الثقلین سبط الحسنین مولانا و سیدنا و شیخنا و شیخ الکل حضرت میراں ابو محمد محی الدین سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو لڑکے پتھر مارتے اور آپ فرماتے کہ اگر تم کو بغیر پتھر مارنے کے چین نہیں آتا تو تم چھوٹے چھوٹے ڈھیلے مارو کہ میری ٹانگیں زخمی نہ ہو جائیں اور میں نماز پڑھنے سے نہ عاجز ہو جاؤں اور خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان کو ایک کمبلی پیوند کار پہنے ہوئے دیکھا ہے اور حضرت خواجہ اویس قرنی کو دیکھا ہے کہ اُون کا کپڑا

پہنے ہوئے تھے اور اُس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔اور تذکرۃ الاولیاء میں بھی ہے کہ حضرت خواجہ کے پاس ایک کملی اونٹوں کی اون کی تھی اور شرح تعرف عربی اور حیوٰۃ الذاکرین میں نقل ہے کہ حضرت خواجہ کے پاس ایک ازار اور ایک چادر اُون کی تھی۔ اور حیوٰۃ الذاکرین میں سید محمود فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ کوڑیوں پر سے چیتھڑے چن لیتے تھے اور ان کو پاک کر کے ان سے گودڑی بنا لیتے تھے۔ایک روز ایک کتا کسی کوڑی پر تھا۔وہ حضرت پر بھونکنے لگا۔آپ نے فرمایا: جو میرے پاس ہے وہ میں کھاتا ہوں اور جو تیرے پاس ہے وہ تو کھالے۔مجھ پر دور سے کیوں بھونکتا ہے پس اگر میں پل صراط سے گزر گیا تو میں اچھا ہوں۔ ورنہ تو مجھ سے اچھا ہے۔ با ایں ہمہ تمام قوم حضرت کو دیوانہ کہتی تھی اور آپ کے عزیز واقارب بھی آپ کا ٹھٹھہ اُڑاتے تھے۔اور بچے چیتھڑے اور پتھر مارتے تھے۔اور رسائل سلوک میں سے ایک کتاب میں مَیں نے لکھا دیکھا ہے کہ تمام ملکِ یمن میں حضرت خواجہ سے زیادہ کوئی شخص خفیف و ناتواں نہ تھا۔ یہاں تک کہ جس محلہ اور کوچہ میں سے آپ گزر جاتے۔لوگ ٹھٹھہ کرتے اور پتھر مارتے۔اور خاک مٹی آپ کے سر پر پھینکتے اور روایت ہے کہ اصمع نے کہا ہے" جب رات ہوتی حضرت خواجہ جو کچھ دانہ پانی اور کپڑا آپ کے گھر میں ہوتا سب خیرات کر دیتے اور کہتے کہ بارالہا! اگر کوئی بھوکا یا پیاسا یا ننگا مر جائے مجھ سے مواخذہ نہ کرنا اور نضر بن اسمٰعیل سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ لید اور گوبر میں سے دانہ چن لیتے اور ان کو دھو کر صاف و پاک کر کے انہیں میں سے خیرات کر دیتے۔اور کچھ آپ بھی کھا لیتے اور کہتے کہ بارالہا! میں اس کو چنتا ہوں بسبب بھوک کے۔

خیارِ امت کی نگاہ میں خیر التابعین کا مقام:

حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ائمہ تابعین، آفتاب امت، شمع دیں، اہل تصوف میں معظم، مشائخ کرام کے طبقہ میں مانی ہوئی ہستی قرار دیا ہے اور فرمایا: حضور علیہ السلام کا

ارشاد ہے: اویس کا یہ مرتبہ ہے کہ اس کی شفاعت میری امت میں قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بکریوں کے بالوں کے برابر ہوگی۔ اور پھر حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ کی طرف رخ فرما کر ارشاد ہوا تم دونوں اُسے دیکھو گے اس کا قد چھوٹا ہوگا۔ اس کے سر کے بال لمبے ہوں گے۔ اس کے پہلوئے چپ پر ایک درہم برابر سفید داغ ہے اور ایک داغ اس کی ہتھیلی پر ہے۔ جب تم اس سے ملو ہمارا اُسے سلام کہنا اور کہنا کہ وہ ہماری امت کیلئے دعا کریں۔

بعد وفات سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما مکہ معظمہ تشریف لائے۔

اثناءِ خطبہ میں آپ نے فرمایا: یا اَھلَ نجدٍ قوموا۔

ترجمہ: اے نجد کے لوگو کھڑے ہو جاؤ۔

حکم سن کر تمام کھڑے ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے اندر کوئی قبیلہ مقام قرن کا رہنے والا ہے۔ لوگوں نے عرض کی حاضر ہے اور جو مقام قرن کے لوگ تھے انہیں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمہارے اندر کوئی اویس نام کا آدمی ہے۔ عرض کی اویس ایک دیوانہ آدمی ہے جو آبادی میں نہیں رہتا۔ کسی کے پاس نہیں بیٹھتا۔ لوگوں کی غذا سے اس کی غذا بھی علیحدہ ہے۔ خوشی اور غم اس کے نزدیک یکساں ہیں۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ مولائے روم فرماتے ہیں:

چوں خدا خواہد کہ مایا ری کند
میل ما را جانب زاری کند

میاں محمد بخش فرماتے ہیں:

جہاں دلاں وچ عشق سمایا روناں کم انہائیں
اٹھدے رووَن بہندے رووَن، رووَن چلدیاں راہیں

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے عرض

کی: حضور جنگل میں اونٹوں کے پاس ملے گا۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اُٹھے اور جنگل میں جا کر ان سے ملے۔ دیکھا کہ حضرت اویس نماز میں مشغول ہیں، یہ حضرات بیٹھ گئے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فاروق و اسد اللہ رضی اللہ عنہما نے انہیں سلام کیا اور ہتھیلی پر نشان دیکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا اور امت کے حق میں دعا کرنے کا حکمِ حضور سنایا۔

تھوڑی دیر فاروق و اسد اللہ رضی اللہ عنہما حضرت اویس قرنی کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت اویس نے عرض کی آپ حضرات کو تکلیف ہوئی۔ اچھا اب تشریف لے جائیں۔ قیامت بہت نزدیک ہے۔ اس جگہ ہمیں وہ دیدار ہوگا جس کیلئے بازگشت نہیں۔ میں اب قیامت کے راستہ کے سامان میں مشغول ہوں۔ جب قرنی لوگ حضرت فاروق اور اسد اللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت اویس کی خدمت میں آئے تو انہوں نے آپ کا مرتبہ سمجھا اور آپ کا احترام کرنے لگے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ وہاں سے کوفہ میں آ گئے۔ اس کے بعد ہرم ابن حیان نے ایک روز انہیں دیکھا۔ اس کے بعد جنگ وغزوات علی کرم اللہ وجہہ تک کسی نے نہ دیکھا۔ پھر جبکہ حرب صفین ہوا اس میں حضرت اویس رضی اللہ عنہ حضرت علی کی طرف داری میں آئے۔ شریکِ حرب ہو کر شہید ہو گئے۔ عَاشَ حَمِیْدًا وَمَاتَ شَهِیْدًا۔ زندہ رہے تو حضور کی زبانِ مبارک سے تعریف ہوئی۔ انتقال فرمایا تو شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ہرم بن حیان سے ملاقات:

تابعین میں سے بقول حضرت داتا صاحب شمع صفا، معدنِ وفا، معاملہ حقیقت میں خط وافر رکھنے والے، طریقت کے بزرگ حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ جو کہ صحابہ کرام کے صحبت یافتہ ہیں انہوں نے حضرت اویس قرنی سے ملاقات کی اور آپ کی ملاقات کا واقعہ کشف المحجوب میں اس طرح ہے:

آپ نے حضرت اویس قرنی کی زیارت کا قصد کیا حتیٰ کہ قرن پہنچے مگر ناامید

واپس آئے۔۔ پھر مکہ معظمہ آ گئے تو خبر ملی کہ اویس اب کوفہ میں رہتے ہیں۔ آپ شوقِ زیارت لیے ہوئے کوفہ آئے۔ مگر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ ایک مدت دراز کوفہ میں گزاری۔ آخرش بصرہ آنے کا عزم کیا۔ روانہ ہوئے تو راستہ میں دیکھا کہ لبِ فرات اویس طہارت فرما رہے ہیں۔ اور آپ کے جسم پر خرقہ ہے۔ پہچان لیا، وضو فرما کر اویس نے شانہ فرما کر بالوں کو سنوارا اور چلنے لگے تو ہرم بن حیان سامنے آئے اور سلام کیا۔ حضرت اویس نے جوابِ سلام میں فرمایا: وَ عَلَيْكُم السَّلام يا هرم بن حيان۔

ہرم متعجب ہو کر کہنے لگے آپ نے کس طرح پہچان لیا؟ آپ نے فرمایا:

عرفت رُوحي رُوحك۔

ترجمہ: میری جان نے تیری جان کو پہچان لیا۔

تھوڑی دیر بیٹھے پھر مجھے رخصت فرما دیا۔ میرے ساتھ جو گفتگو فرمائی اس میں حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق زیادہ باتیں تھیں اور مجھے حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی اور کہا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الاعمال بالنيات و انما لكل امرءٍ ما نوىٰ فمن كانت هجرتهٗ الى الله و رسوله فهجرتهٗ الى الله و رسوله و من كانت هجرتهٗ الىٰ دنيا يصيبها او الى امرءةٍ يتزوجها فهجرته الىٰ ما هاجر اليه۔

ترجمہ: جز ایں نیست کہ عملوں کی جزا نیتوں پر ہے اور ہر ایک شخص کے لئے وہی بدلہ ہے جو اس کی نیت ہو تو جس نے ہجرت کی اللہ و رسول کی طرف تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہوگی۔ اور جس نے ہجرت کی حصولِ دنیا کیلئے یا کسی عورت کیلئے کہ اس سے عقد کرلے تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس نیت سے ہجرت کی۔

اس کے بعد مجھے فرمایا:

عليك بقلبك۔

ترجمہ: اپنے دل کی نگرانی ہر قسم کے اندیشۂ غیر سے رکھ۔

اس عبارت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ مجاہدہ اتنا ہو کہ اپنے دل کو تابع حق کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنی خواہشات کو اُس دل کا فرمانبردار بنا لے۔

داتا صاحب فرماتے ہیں:

یہ دونوں زبردست اصول ہیں مگر دل کو خدا کا تابع کرنا ان مریدوں کا کام ہے جو کثرت شہوت اور محبت حرص سے مجتنب ہو جائیں اور ہر قسم کے تفکرات جو درجہ بدرجہ پیدا ہوتے ہیں انہیں دل سے دور کر دیں اور تدبیر صحت و حفظ امور میں کوشاں رہیں اور ہر معاملہ میں نظر برحق رکھے۔ تا کہ از دیاد محبت ہو اور اپنے کو تابع دل مزکی بنا لینا کاملوں کا کام ہے اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ ان کے دلوں کو اپنے نورِ جمال سے منور فرما دیتا ہے اور تمام علل واسباب سے آزاد کر دیتا ہے اور درجہ علیا پر پہنچا کر خلعت تقرب بخش کر اپنے الطاف کی تجلیات ان پر فرماتا ہے اور اپنا مشاہدۂ جمال اور قرب کو ان پر مستولی کر دیتا ہے۔ اس وقت ان کا جسم بھی ان کے دل کے موافق کر دیا جاتا ہے۔

تو وہ گروہ جو پہلے اہلِ دل گزرا وہ صاحب القلوب اور باقی الصفت ہے اور یہ گروہ جو مغلوب القلوب ہے وہ فانی الصفت ہے اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے جو حق جل جلالہٗ نے فرمائی۔ اِلّا عبادك منهم المخلصين۔

ترجمہ: مگر وہ بندے جو خالص کیے گئے۔

اسے بفتح لام پڑھا گیا اس لیے کہ مخلص (بکسر اللام) فاعل ہے اور باقی الصفت اور مخلص مفعول فانی الصفت۔ اور یہ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں کہ تن کو موافق دل بناتے ہیں اس لیے کہ ان کے دل تجلی حق کی طرف محول اور مشاہدۂ جمال میں محو رہتے ہیں اور باقی الصفت جو ہیں وہ دل کو بتکلف موافق امر بناتے ہیں۔

حضرت خواجہ حبیب بن سہیل اور حضرت اویس کی کرامت:

حضرت حبیب بن سہیل سے کتاب زہرۃ الریاض میں روایت ہے کہ میں ایک

کشتی میں سوداگروں کی جماعت کے ساتھ سوار تھا۔ اس کشتی میں طرح طرح کا قیمتی مال لدا ہوا تھا کہ اچانک آندھی اور طوفان آیا اور کشتی لہروں سے ڈولنے لگی یہاں تک کہ کشتی میں پانی بھر گیا اور ہم سب اپنے مال اور اپنی جانوں سے مایوس ہو گئے۔ اسی کشتی میں ایک معمر شخص تھا۔ جس نے اونٹ کے بالوں کا کمبل اوڑھا ہوا تھا۔ وہ اٹھے اور پانی پر جا کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ نماز میں اس طرح مشغول تھے کہ جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا۔

پس ہم لوگوں نے فریاد کی کہ اے مردِ مومن! خدا سے ہمارے لیے دعا کریں۔ پس آپ نے ہماری طرف رخ کیا۔ اور فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ ہم سب نے عرض کی: آپ دیکھ ہی رہے ہیں اپنا اور ہماری موجوں کا حال۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قربت پیدا کرو، ہم نے عرض کیا: کس چیز کے ذریعے؟ فرمایا ترکِ دنیا کے ساتھ ہم نے عرض کی ہم نے دنیا کو ترک کیا۔ پس آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر باہر آ جاؤ۔ ہم سب نے حکم کی تعمیل کی اور سب پانی پر کھڑے ہو گئے۔ ہم سب سو آدمی تھے۔ کشتی تمام اسباب کے ساتھ تباہ ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم اب دنیا سے آزاد ہو۔

ہم میں سے کسی ایک نے عرض کی کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اویس قرنی ہوں۔ پس ہم سب نے کہا کہ اس کشتی میں مدینہ منورہ کے فقیروں کا مال ہے۔ جو مصر کے کسی آدمی نے بھیجا ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں آج کل قحط ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو تمہارا مال دے دے تو کیا تم سارے کا سارا مال مدینہ شریف کے فقیروں میں تقسیم کر دو گے۔

ہم سب نے اثبات میں جواب دیا۔ تب حضرت خواجہ اویس قرنی نے دو رکعت نماز نفل پانی پر ادا کی اور دربارِ خداوندی میں دعا کی۔ پس کشتی صحیح سلامت کنارے پہ آ گئی اور مدینہ منورہ پہنچے۔ اور سارا مال و اسباب مدینہ منورہ کے فقیروں میں تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد مدینہ شریف میں کوئی فقیر نہ رہا۔ اور یہ روایت اسرار الفاتحہ میں بھی ہے۔

کچھ ولی اور کرامت کے بارے میں:

یاد رہے! کرامت حق ہے اس کا انکار کرنے والا گمراہ بدمذہب ہے شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۵ میں ہے: الکرامات للاولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنة اولیائے کرام سے کرامتوں کا صادر ہونا حق ہے یعنی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہلِ حق اتفاق دارند بر جواز وقوع کرامت از اولیاء و دلیل بر وقوع کرامت کتاب و سنت و تواتر اخبارست از صحابہ و من بعدہم تواتر معنی۔ یعنی اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ اولیائے کرام سے کرامت کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اور اللہ والوں سے کرامتوں کا صادر ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور صحابہ و تابعین کی مسلسل خبروں سے بھی واضح ہے۔

(اشعۃ اللمعات جلد چہارم صفحہ ۵۹۵)

مگر یاد رہے کہ ولی وہ مسلمان ہے جو بقدر طاقت بشری ذات و صفات باری تعالیٰ کا عارف ہو، احکامِ شرع کا پابند ہو اور لذات و شہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں ہے۔ الولی هو العارف باللّٰه تعالیٰ و صفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات ولی کی یہی تعریف اشعۃ اللمعات جلد چہارم صفحہ ۵۹۵ پہ ہے۔

لہٰذا ولی وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا عقیدہ مذہب اہلِ سنت و جماعت کے مطابق ہو کوئی مرتد یا بدمذہب ولی تو در کنار مومن بھی نہیں ہو سکتا۔

نیز اولیائے کرام و صالحین عظام کا فیض بعد وصال بھی جاری رہتا ہے۔ تفسیر عزیزی پارہ عم صفحہ ۵۰ پہ ہے۔ از اولیائے مدفونین و دیگر صلحائے مومنین انتفاع و استفادہ جاری ست و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور۔

مرحومین اولیاء کرام اور صلحائے امت سے بعد وصال فائدہ حاصل ہوتا ہے اور ان کو فائدہ (بذریعہ دعا، ثواب، صدقہ) پہنچایا بھی جا سکتا ہے۔ (انوار الحدیث)

کرامات کا ثبوت:

قرآن مجید میں اصحاب کہف، حضرت بی بی مریم اور آصف بن برخیا کی کرامات ایک زندہ حقیقت ہیں (دیکھئے سورۂ آل عمران رکوع ۴ سورۂ مریم رکوع نمبر ۲ اور سورۂ النمل رکوع نمبر ۳) لیکن یہاں صرف چند احادیث بیان کرنا مقصود ہیں۔

1- عن ابن عمران عمر رضی اللہ عنہ بعث جیشا و امر علیھم رجلا یدعی ساریۃ فبینما عمر یخطب فجعل یصیح یا ساریۃ الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین لقینا عدتنا فھزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساریۃ الجبل فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ تعالٰی۔ (بیہقی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۶)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر نہاوند کی طرف (مدینہ شریف سے ایک ماہ کا فاصلہ) بھیجا اور اس لشکر پر ایک مرد کو سپہ سالار مقرر فرمایا جن کو ساریہ کہا جاتا تھا۔ تو (ایک روز) جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (مدینہ شریف میں) خطبہ (جمعہ) پڑھ رہے تھے۔ یکا یک آپ بلند آواز فرمانے لگے: اے ساریہ! پہاڑ (کی پناہ لو۔ چند روز کے بعد) لشکر سے ایک قاصد آیا تو اس نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ہمارے دشمن نے ہم پر حملہ کیا تو ہم کو شکست دی پھر اچانک ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی کہ اے ساریہ! پہاڑ کی پناہ لو تو ہم نے پہاڑ کی طرف اپنی پشت کر لی (اور دشمن سے لڑے) پھر خدائے تعالٰی نے دشمنوں کو شکست دی۔

2- عن ابن المنکدر ان سفینۃ مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخطاء الجیش بارض الروم او اسرفا نطلق ھاربا یلتمس الجیش فاذا ھو بالاسد فقال یا ابا الحارث انا مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

كان من امرى كيت و كيت فاقبل الاسد له بصبصة حتى قام الى جنبه كلما سمع صوتا اهوى اليه ثم اقبل يمشى الى جنبه حتى بلغ الجيش ثم رجع الاسد۔

ترجمہ: حضرت ابن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے (ایک مرتبہ سرزمین روم میں اسلامی لشکر تک پہنچنے) کا راستہ بھول گئے۔ یا قید کر دیے گئے تھے تو اسلامی لشکر کی تلاش میں نکل بھاگے۔ اچانک ایک شیر سے ان کا سامنا ہو گیا تو آپ نے شیر سے فرمایا: اے ابو حارث! میں سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں میرے ساتھ ایسا ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو شیر (کتے کی طرح) دم ہلاتا ہوا قریب آ کر حضرت سفینہ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ (اور ساتھ ساتھ چلتا رہا) جب شیر کسی چیز کی آواز سنتا تو اس کی طرف دوڑ پڑتا پھر واپس آ کر ان کے پہلو میں چلنے لگتا یہاں تک کہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر تک پہنچ گئے پھر شیر واپس ہو گیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۵)

3- عن انس ان اسيد بن حضير و عباد بن بشر تحدثا عند النبى صلى الله عليه وسلم فى حاجة لهما حتى ذهب من الليل ساعة فى ليلة شديدة الظلمة ثم خرجا من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ينقلبان و بيد كل واحد منهما عصية فاضاءت عصا احدهما لهما حتى مشيا فى ضوءها حتى اذا افترقت بهما الطريق اضاءت للاخر عصاه فمشى كل واحد منهما فى ضوء عصاه حتى بلغ اهله۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے کسی معاملہ میں ایک پہر رات گزرنے تک گفتگو کرتے رہے اور وہ رات بہت تاریک تھی۔ پھر وہ لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے نکلے اور دونوں حضرات کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی لاٹھیاں تھیں پھر ان میں سے ایک صاحب کی لاٹھی دونوں کے لیے روشن ہو گئی بعدہٗ دونوں

حضرات لاٹھیوں کی روشنی میں چلتے رہے یہاں تک کہ جب دونوں کا راستہ علیحدہ علیحدہ ہوا تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی پھر ہر ایک اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں اپنے گھر والوں تک پہنچ گیا۔ (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۴)

حضرت اویس قرنی کی عبادات ومجاہدات:

تذکرۃ الاولیاء میں حضرت ربیع بن خثیم سے ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت اویس قرنی کی زیارت کیلئے حاضر ہوا کہ اس وقت آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اذکار میں مشغول ہوگئے۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ میں انتظار میں رہا تا آنکہ تین دن رات اسی طرح ہی گزر گئے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ سوئے، چوتھی رات کچھ نیند محسوس کی تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے: ''اے اللہ! میں اس نیند سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔ ربیع کہتے ہیں میں نے اس پر اکتفا کیا اور دل میں کہا: ان سے بات چیت کرکے انہیں تکلیف نہ ہی دوں تو بہتر ہے۔

کیمیائے سعادت اور روض الریاحین میں حضرت سہیل یمنی سے حضرت اویس کی عبادت کے بارے میں منقول ہے کہ ایک رات آپ فرماتے: ھذہ لیلۃ الرکوع۔ یہ رات رکوع کی ہے تو پوری رات رکوع میں گذار دیتے۔ دوسری رات فرماتے: ھذہ لیلۃ السجود۔ یہ رات سجدے کی ہے تو وہ رات سجدے میں بسر کردیتے۔ کسی نے پوچھا: اتنی طویل راتیں آپ کس طرح سجدے رکوع میں گذار دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تو چاہتا ہوں کہ ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی اور میں رو رو کر سجدے کرتا اور زمانہ بیت جاتا۔ اب تو حال یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ بھی سبحان ربی الاعلیٰ نہیں کہہ پاتا کہ رات ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تین تسبیحات پڑھنا میرے آقا کی سنت ہے۔ جبکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ملائکہ کی سی عبادت کروں جو سجدے میں ہے وہ ساری زندگی سجدہ ہی کررہا ہے اور جو رکوع میں ہے وہ ساری زندگی رکوع میں گذار رہا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے برابر تین دن رات کچھ نہ کھایا پیا، راستے میں ایک پیاز پڑا ہوا ملا۔

آپ نے ارادہ کیا کہ اٹھالوں پھر سوچا کہ شاید میرے لیے حلال نہ ہو، دیکھا کہ ایک پرندہ منہ میں روٹی لے کر آیا اور آواز دی تم نے حرام کے خدشے سے پیاز چھوڑا لو اب فرشتے کے ہاتھ سے کھاؤ تا کہ آپ کے نفس کو آرام ملے، ایک مرتبہ اسی طرح تین دن کے بعد ایک بکری کے ذریعے آپ کو غذا دی گئی اور دیکھا تو بکری غائب تھی۔

آپ کا استغناء:

سر بمہر دوستی ویس قرن
بے خطا چوں نافۂ مشک ختن

حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جب سے ہم نے رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا تو ہم ذلت و رسوائی کی پستیوں میں بھٹکنے لگے ورنہ ہماری حالت یہ تھی کہ

مسلماں تا بمسجد صف کشیدند
گریبان شہنشاہاں دریدند

ترجمہ: جب تک ہم مسجدوں کی صفوں سے پیار کرتے رہے بڑے بڑے شہنشاہوں کے گریبان چاک کر دیا کرتے تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں سفرنامہ فرزندی میں فرماتے ہیں کہ امیر خراسان شاہ یمن نے ایک دن تمام اکابر مشائخ اور خلوت نشیں درویشوں کو ملاقات کیلئے طلب کیا۔ سب حضرات تشریف لے گئے مگر حضرت اویس قرنی نہ تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت مخدوم نے اپنی کتاب شرح ہدایہ جو آپ کے ملفوظات ہیں میں لکھا کہ یمن کا بادشاہ خود ملاقات کیلئے حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے اپنا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا، وہ کافی دیر کھڑا رہا کہ کسی کام کیلئے ہی دروازہ کھلے اور ملاقات ہو چنانچہ کافی دیر بعد دروازہ کھلا اور اس کو شرف ملاقات حاصل ہوا۔ (لطائف نفیسہ، لطیفہ ہفتم)

اس کی ایک وجہ تو آپ کا استغناء کامل تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ مستور الحال رہنے کو پسند فرماتے تھے اور شہرت سے اجتناب کرتے تھے کیونکہ آپ نے بارگاہِ

خداوندی میں دعا کی: اے اللہ! جس طرح تو نے دنیا میں مجھے پوشیدہ رکھا آخرت میں بھی مستور رکھ، غیب سے ندا آئی تیری دعا ہم نے قبول فرمائی۔ عرض کیا: بروز قیامت جب اٹھارہ ہزار عالم ہوگا کس طرح پوشیدہ رہوں گا۔ حکم ہوا: تیرے ہم شکل سات سو یا ستر ہزار موحدین (فرشتے) اپنی قدرت سے پیدا کروں گا اور تجھے ان میں چھپا کر جنت میں لے جاؤں گا۔ کیونکہ اولیاء تحت قبائی لا یعرفهم سوائی۔

ترجمہ: میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہوں گے جنہیں میرے سوا کوئی نہ پہچانے گا۔ (ایضاً)

تذکرۃ الاولیاء میں مذکورہ جملہ بطور حدیث نبوی اس طرح ہے:

احب الاولیاء الی اللہ الاتقیاء الاخفیاء

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اولیاء وہ ہیں جو پرہیزگار اور پوشیدہ رہنے والے ہیں۔

ہم جو کریں راٹپ تو بنیں سودائی
تم جو کرو چپ تو تقویٰ ٹھہرے

حضرت اویس قرنی کے مستور الحال رہنے کی وجہ:

صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ مستور الحال اولیاء کرام کا درجہ اور مقام ان سے زیادہ ہے جو مشہور الحال ہیں۔ اسی لیے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار میں کرامت کو اولیاء اللہ کیلئے ایسا قرار دیا ہے جس طرح کہ عورتوں کیلئے ایام حیض۔ کیونکہ کرامت سے جو ایک شہرت اور عزت حاصل ہوتی ہے وہ بعض دفعہ اس ولی اللہ کے روحانی مدارج کیلئے مفید نہیں ہوتی۔ لیکن ملاں علی قاری علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے مستور الحال ہونے کی وجہ آپ کا مستجاب الدعوات ہونا تھا۔ آپ کے پاس چونکہ ہر طرح کے لوگ بغرض دعا حاضر ہوتے تو آپ بہتر نہ سمجھتے کہ نیکوں کیلئے دعا کریں اور بروں کو نظر انداز کر دیں

لہٰذا آپ نے مستور الحال ہونے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ آپ کا نام بھی حدیث شریف میں آنے کی وجہ سے شہرت پا گیا ورنہ نام بھی کوئی نہ جانتا۔
(شرح مشارق، روض الریاحین)

اولیاء اللہ کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ سے رات دن یہ دعا کرتی ہے:

اللھم سترلی فی عبادك و بلادك۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنے بندوں اور شہروں میں چھپا کر رکھ۔

ہر کہ در ستر محبت بندہ شد
تا ابدھم محرم و ھم زندہ شد
ہر کہ اواز دار دنیا پاک شد
نور مطلق شد اگرچہ خاک شد

یہی وجہ ہے کہ آپ کی قبر انور کے بارے میں کوئی حتمی بات نہ معلوم ہو سکی۔ اس بارے میں صاحب لطائف نفیسہ نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ آپ ایک دفعہ چھ درویشوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ پر حالت سکر و مستی طاری تھی۔ آپ کی نگاہ جو اٹھی اور ان درویشوں پر پڑی تو چھ کے چھ کی شکل آپ جیسی ہو گئی۔ کہ کوئی آپ کو پہچان ہی نہ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ جہاں بھی گئے لوگ ان کو اویس قرنی سمجھنے لگے اور جو جہاں فوت ہوا اس کو اویس قرنی سمجھ کر دفن کر دیا گیا۔ چنانچہ سندھ کے نواح ٹھٹھہ کی حدود میں بھی آپ کا مزار کہا گیا ہے، ایک مزار شریف غزنی میں اسی طرح کا بیان کیا گیا، اسی طرح ایک بندر زبید میں اور اس کے علاوہ تین اور مقامات بیان کیے گئے۔ لیکن حضرت سلطان الاولیاء فتح محمد نے فرمایا ہے کہ آپ کا روضہ خاصہ یمن میں ہے۔ بڑے بڑے اولیاء کاملین نے وہاں چلے کاٹے ہیں اور فیض حاصل کیا ہے۔

لب بہ بندو دم مزن ایں جائے گفت و گوئی نیست
جائے حیرانی ست حیراں باش و جائے دم مزن

امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب شرح الصدور میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت

اویسی قرنی رضی اللہ عنہ کو قبر میں دفن کیا گیا اور باقاعدہ قبر کا نشان بھی بنایا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد آ کر دیکھا تو نہ قبر ہے اور نہ قبر کا نشان ہے۔ (لطائف نفیسہ در فضائل اویسیہ)

سرمایۂ ایمان رہا عشق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
صدیوں میں کہیں آیا نظر عاشق صادق
اقبال مقدر کے اویس قرنی تھے
دیدار سے محروم مگر عاشق صادق (رحمۃ اللہ علیہ)

(وقار انبالوی)

روحانی وایمانی رشتے:

یاد رہے! اسلام جسمانی رشتوں پر روحانی رشتوں کو ترجیح دیتا ہے۔ دیکھو ابولہب جسمانی رشتے کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کا سگا چچا تھا، پھر اس کو قرب مکانی بھی حاصل تھا زمانی بھی یعنی زمانہ ایک ہے رہتے بھی ایک جگہ یہ ہیں اور حضرت اویس جسمانی رشتہ داری کے اعتبار سے تو ہمارے آقا علیہ السلام کے کچھ نہیں لگتے پھر رہتے بھی دور ہیں مگر ہمارے آقا علیہ السلام سینے سے کپڑا ہٹا کر یمن کی طرف منہ کر کے فرماتے ہیں۔

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔

ترجمہ: مجھے یمن کی طرف سے رحمان کی خوشبو آتی ہے۔

(تذکرۃ الاولیاء، خلاصۃ المفاخر از بدرالدین جعفر بدخشی)

ایں چنیں فرمود و صفش مصطفیٰ
از یمن می آیدم بوئے خدا
بوئے جاں من آید از سوئے عدن
از دمے جاں پرور ویس قرن

یہی وہ خوش نصیب ہے کہ ''درسا کنان زمین مجہول است و درسا کنان عرش مشہور است'' زمین والے اس کو جانتے نہیں ہیں گم ہو جائے تو کوئی اس کو تلاش نہیں کرتا، مگر عرش والوں کے ہاں ہر کوئی جانتا ہے اور محبوب رب العرش اپنے یاروں کو

فرماتے ہیں کہ میرے وصال کے بعد میرا یہ جبہ قرن کے اویس کو پہنانا اور اسے کہنا کہ میری امت کیلئے مغفرت کی دعا کرے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

دور تھے اویس مگر ہو گئے قریب
بولہب تھا قریب مگر دور ہو گیا

ارے بھوک کی وجہ سے جس کی کمر اور پیٹ ایک ہو جائیں، لوگ جس کو دیوانہ سمجھ کر اس کے قریب نہ آئیں، لوگ جس کو پتھر ماریں، آوازے کسیں، طعنے دیں مگر محبوب خدا جو خدا اور ساری خدائی کے ممدوح ہیں وہ ان کا محبت کے ساتھ تذکرہ فرمائیں تو اس ''دیوانے'' سے پوچھا تو جائے کہ تیری دیوانگی پہ ہزاروں فرزانگیاں قربان ہو جائیں ذرا بتا تو سہی کہ ؎ حب نبی میں زندگی کیسے گذر گئی

یاد رکھو! اقبال نے تو کہا: ؎ اویس طاقت دیدار کو مگر ترستا تھا

مگر اہلِ محبت کہتے ہیں اویس اس لیے مدینہ حاضر نہیں ہو رہا تھا کہ ایک تو اپنی ماں کی خدمت کے سبب جیسا کہ حدیث میں ہے اور دوسرا اس وجہ سے بھی کہ بھلا میں ان گلیوں میں اپنے پاؤں کے ساتھ چلوں جن میں محبوب خدا کے قدم لگتے رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور کے نشان قدم پہ میرا پاؤں آ جائے اور عشق و محبت کی دنیا میں بدنام ہو جاؤں۔ (لطائف نفیسہ صفحہ ۱۷۳)

؎ نہ ہو دیدار میسر تو نہ سہی
در جاناں کی زیارت ہی سہی
نہ ہو قسمت میں میرے ساغرِ مے
تیرے میخانے کی خدمت ہی سہی

میرا پیارا اویس قرنی:

مجالس المومنین میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اویس اپنی والدہ سے اجازت لے کر حضور علیہ السلام کی زیارت کیلئے مدینہ شریف آئے اور اجازت صرف اتنی ملی کہ اگر حضور

علیہ السلام گھر مل جائے تو زیارت کر لینا ورنہ فوراً لوٹ آنا۔ چنانچہ مدینہ پہنچے حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ آپ کاشانہ اقدس پہ نہیں ہیں۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ حضور علیہ السلام گھر تشریف لائے تو پوچھا: کون آیا تھا؟ عرض کیا گیا: یمن سے ایک اونٹ چرانے والا آیا تھا۔ فرمایا: وہ تو میرا پیارا اویس قرنی تھا۔ واللہ اعلم!

کیا عقل نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

میں حضرت اویس قرنی کی اس گدڑی پہ کیوں نہ سارے جہاں کے بادشاہوں کے تخت قربان کر دوں جس کے بارے میں قلندر لاہوری نے کہا:

گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

ایسے ہی لوگ ہیں کہ جو خدا کی توحید کو بھی مطلوب ہیں، جو لالچ میں آ کر اللہ احد کی ضرب لگاتے ہیں وہ بہت ہیں مگر اویس قرنی کی طرح جن کا دل پکارے: لا الٰہ الا اللہ۔ انہی خوش نصیبوں کے بارے میں قرآن بولتا ہے:

و اذا جاءك الذين يؤمنون بايتنا فقل سلم عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة۔

ترجمہ: اے حبیب جب تیرے پاس (ایسے) ایمان والے آئیں جو ہماری آیات پر (دل سے) ایمان رکھتے ہیں تو تو خود ان کو سلام کہا کر (اور ساتھ یہ خوشخبری بھی دیا کر کہ) تمہارے رب نے (تمہارے لیے) اپنے ذمہ کرم پہ رحمت کو لکھ دیا ہے۔

پوچھے کوئی بلال و خبیب و اویس سے
حبِّ نبی میں زندگی کیسے گذر گئی

دراصل حضرت اویس قرنی کا نظریہ یہ تھا کہ

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

یا بقول کسے: (اللہ تعالیٰ ہا ہے ڈھولے سے بچائے گر انما الاعمال بالنیات)

گڈی دیاں دو لیناں
جتھے ماہی یاد آوے اوتھے بیٹھ کے رو لیناں

فضائل میں ضعیف روایت بھی چل جاتی ہے وضو کے بعد اعضا پونچھنے کی روایت ضعیف ہے مگر ساری دنیا عمل کر رہی ہے۔ حاجی کی فضیلت میں یہ روایت کہ حج کرنے کے بعد حاجی ایسے ہو جاتا ہے: کیوم ولدته امه۔ جس طرح آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے کو ضعیف لکھا گیا ہے مگر ہر کوئی بیان بھی کرتا ہے اور ہر حج کرنے والا اس کو اپنے آپ پہ منطبق بھی کرتا ہے۔ حضرت اویس کے بارے میں بھی ایک روایت میں آتا ہے جو مختصر امراۃ کے حوالے سے گذر بھی چکی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال پا گئے اور حضرت اویس کی والدہ ماجدہ بھی وفات پا گئیں تو آپ مدینہ منورہ آئے۔ تو بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کیوں نہ آئے۔ اس آستاں پر کہ

جہاں کے ذرے بھی ہیں ستارے اس آستانے پہ "کیوں نہ آئے"

آپ نے جواب دیا کہ میری والدہ رنجور تھیں اور وہ اپنی خدمت کے واسطے مجھ کو اپنے سے دور نہیں کر سکتی تھیں۔ صحابہ کرام نے فرمایا! ہم نے تو اپنے والدین کو اور سب مال و اسباب کو حضور علیہ السلام کی محبت میں قربان کر دیا۔ آپ ایک والدہ کو نہ چھوڑ سکے۔ آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا: بتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ جمال و کمال کیسا تھا؟ پس صحابہ کرام نے بعض نشانات بدن اور معجزات بیان کیے۔ اس پر حضرت اویس نے فرمایا میرا سوال ہیبت ظاہری سے نہ تھا۔ بلکہ مقصودِ سوال حلیہ و جمال نوری اور صورتِ کمالِ باطنی سے تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ہم جو کچھ جانتے تھے عرض کر دیا۔ آپ اگر مزید کچھ جانتے ہیں تو ارشاد فرما دیں۔ پس آپ فرطِ محبت میں جھوم گئے۔

تب خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نشان و صورت حلیہ جمال و کمال شاہِ دو جہاں مالک و کون و مکان سے آگاہ کریں اور بیان کیا: آپ

کے کلام کے نور نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے خودو مستی و سرور سے پر کر دیا۔ اوران میں ہر ایک مستی وانکساری سے گر گیا۔

میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

حضرت اویس قرنی کے مریدین:

آپ کے سوانح کی کتب میں کل چار افراد کا ذکر ملتا ہے جو آپ کے ہاتھ پہ باقاعدہ بیعت ہوئے۔

1- خواجہ موسیٰ بن یزید الراعی۔ ان کو آپ نے نصیحت فرمائی۔ اے موسیٰ! موت کو ہمیشہ یاد رکھ اور ناک جو تیری آنکھوں کے سامنے ہے اس کی شکل قبر جیسی ہے اس پر ہمیشہ نگاہ رکھ۔ انہی سے آپ کا سلسلہ جاری ہوا۔
2- خواجہ حسام الدین یمنی۔
3- خواجہ احمد خراسانی۔ انہیں آپ نے اپنا عصا اور گدڑی بھی عنایت فرمائی۔
4- خواجہ صدر الدین مفتی خراسان۔ (لطائف نفیسہ صفحہ ۱۹۵)

بڑی معذرت کے ساتھ گذارش ہے کہ آج کل پیر حضرات دھڑا دھڑ مرید تو کر لیتے ہیں اور باقاعدہ لاکھوں مریدوں کے نام رجسٹر پہ درج ہوتے ہیں لیکن صد افسوس کہ نہ ان کی روحانی تربیت کا انتظام کر سکتے ہیں اور نہ اخلاقی تربیت کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بس کسی قدر ظاہر کو سنوارنا کافی نہیں ہے۔ عبادات، معاملات، اخلاقیات، ان تمام امور میں محنت کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت ہے۔ بعض حضرات تو صرف سلسلہ کی ٹوپی پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں، نہ تربیت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں نہ مسائل شریعت کے حصول کی تکلیف کرتے ہیں یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ اس راہ کے مسافر تو کہتے ہیں کہ ایک جملے میں یوں سمجھو کہ

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اچھی سیرت اور عمدہ اخلاق کی اہمیت کے بارے میں چند احادیث واقعہ دندان شکنی کی وضاحت کے بعد ملاحظہ ہوں۔

واقعۂ دندان شکنی کی وضاحت:

اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض میں یہ ہے کہ آپ نے خود اپنے چار دانت توڑے تھے۔ لیکن اس روایت میں جو محمود بن علی الشیخانی القادری المدنی (احد من کبار المشائخ) نے اپنی کتاب حیات میں درج کی ہے اور اس کو حضرت سیدی عبدالوہاب شعرانی کی طرف منسوب کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے بار بار حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی ہے۔ اب یہ ایسی بات ہے جو عقل و نقل کی رو سے درست نہیں۔

لطائف نفیسیہ میں ایک سے زیادہ مقامات پہ لکھا ہے کہ آپ کے دندان مبارک خود بخود ہی گر گئے تھے۔ آپ نے خود نہیں توڑے تھے اور تمام دندان کے بحکم الٰہی گرنے کی روایت بھی صفحہ ۲۱۲ پر موجود ہے۔

کتاب منہاج الدین و معراج المسلمین میں عبداللہ انصاری سے یہ بھی مروی ہے کہ دانت توڑنا بحالت سکر و غلبہ آپ سے وقوع میں آیا ہے۔

حضرت ملا علی قاری نے دانت توڑنے کو امر مخالف شرع اور کار سفہاء لکھا ہے اس لیے یہی توجیہہ مناسب ہے کہ حضرت اویس سے یہ کام غیر ارادی طور پر ہوا یعنی سکر کی حالت میں یا پھر بحکم الٰہی خود بخود ہی بوجہ کمال نسبت محمدی دندان گر گئے۔

پھر یہ بھی سوال ہو سکتا ہے کہ کمال نسبت محمدی تو اور بھی بہت سوں کو حاصل تھا تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ یا آپ کی جزوی فضیلت کے اظہار کیلئے۔ پھر یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام پہ اور بھی کئی مصائب آئے ان کو اپنے آپ پہ طاری کیوں نہ فرمایا جیسا کہ طائف کا واقعہ۔ بہر حال کوئی قطعی اور یقینی بات اس سلسلہ میں ملنا مشکل ہے یہی کہا جائے گا۔ واللہ

تعالی اعلم بحقیقۃ الحال۔ (اولیائے کرام کو ماننے کا دعویٰ کرتے والے اور اخلاقی تربیت سے عاری مریدین مندرجہ ذیل احادیث سے حسن اخلاق کی اہمیت کو سمجھیں)

حسن اخلاق کی اہمیت:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان من احبکم الی احسنکم اخلاقا۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۱)

ترجمہ: میرے نزدیک تم سب میں سے پسندیدہ وہ ہے جس کا تم میں سے اخلاق اچھا ہے۔

انہی سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان من خیارکم احسنکم اخلاقا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہیں۔

مزینہ قبیلے کے ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ما خیر ما اعطی الانسان۔ انسان کو عطا کیا جانے والا سب سے عمدہ تحفہ کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الخلق الحسن۔ اچھا اخلاق۔ (رواہ البیہقی، مشکوٰۃ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان اثقل شئ یوضع فی میزان المؤمن یوم القیمۃ خلق حسن۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے وزنی چیز اچھا اخلاق ہوگی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان المؤمن لیدرک بحسن خلقہ درجۃ قائم الیل و صائم النہار۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: مومن اچھے اخلاق سے قائم الیل اور صائم النہار کا درجہ پالیتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے ہوئے) مجھے حضور علیہ السلام نے آخری وصیت فرمائی جبکہ میں سواری پہ پابرکاب تھا وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا:

احسن خلقک للناس۔ (رواہ مالک، مشکوٰۃ)

ترجمہ: لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔ (رواہ مالک)

ترجمہ: میں اچھے اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

حضور علیہ السلام کی دعاؤں میں یہ دعا بھی شامل ہے:

اللھم حسنت خلقی فاحسن خلقی۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ)

ترجمہ: اے اللہ! تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے تو سیرت بھی اچھی بنا دے۔

حضور علیہ السلام کی صورت و سیرت تو اچھی ہی تھی اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے اعلان پر اپنی سیرت کو ہی بطور دلیل کافروں کے سامنے پیش کیا تھا۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔ (یونس)

ترجمہ: میں نے تم میں اس سے پہلے طویل زندگی گذاری ہے تم سمجھتے کیوں نہیں۔

مطلب یہ کہ اگر تم میری زندگی میں کوئی جھول یا عیب دیکھتے ہو تو بیشک میری بات نہ مانو اور جب تم مجھے صادق و امین مانتے ہو تو میرے بھیجنے والے کا انکار کیوں کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ مریدین کیلئے صرف ظاہر کو سنوار لینا ہی کافی نہیں ہے باطن کی اصلاح بھی ضروری ہے ہر جمعرات کو داتا صاحب حاضری دینے والا اگر غرور و تکبر کا پیکر بن جائے اور بد اخلاقی میں اپنی مثال آپ ہو جائے تو ایسی حاضری کا کیا فائدہ؟ حضرت سلطان العارفین اسی مقام کیلئے فرماتے ہیں۔

دل کالے کولوں منہ کالا چنگا جے کوئی اس نوں جانے ہو

اور کسی عارف نے فرمایا:

باہروں مَل مَل دھوندیے اندروں مَل مَل دھو

اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے وقت ان کے

اخلاق وعادات، ان کی سیرت وکردار، اخوت ومحبت، خوف ورجا کو بھی پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخرت کے طلبگاروں کیلئے ایک واقعہ:

بعض اللہ والوں نے غافل انسان کیلئے ایک بڑی خوبصورت مثال بیان کی ہے اور وہ یہ کہ ایک بادشاہ کا دربار لگا ہوا ہے۔ وزراء اور ارکان سلطنت ملکی صورتحال پہ گفتگو کر رہے ہیں اور بادشاہ کے حسن و جمال اور فضل وکمال کی تعریف ہو رہی تھی کہ ایک بھکاری نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، بادشاہ نے بھکاری کو اندر بلا لیا۔ بھکاری نے بادشاہ کو ایک آئینہ بطور تحفہ پیش کیا، بادشاہ بھکاری کے اس تحفے سے بہت خوش ہوا اور اس نے بھکاری سے کہا:

"آج رات عشاء سے فجر تک تمہیں اجازت ہے تم جتنا سونا چاہو میرے خزانے سے اٹھا کر لے جا سکتے ہو، لیکن اذان فجر کے بعد تمہیں میرے محل میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی"۔

بھکاری اس عنایت سے بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں کہنے لگا، میں راتوں رات اتنا خزانہ اٹھا کر لے جاؤں گا کہ پھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

عشاء کے بعد وہ بھکاری بادشاہ کے محل میں داخل ہوا، محل کی اندرونی سجاوٹ دیکھ کر حیران ہوا، ایک کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ کچھ دیر کیلئے رک گیا، ریشمی پردے، مخملیں فرش، قیمتی پلنگ اور اعلیٰ بستر دیکھ کر وہ سوچنے لگا! ابھی کافی رات باقی ہے۔ کیوں نہ کچھ دیر اس قیمتی پلنگ پر آرام کرلوں۔ چنانچہ وہ سو گیا اور رات بھر سویا رہا۔

بھکاری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا اور قسمت آنسو بہا رہی تھی۔ آئندہ ساری زندگی کے سکھ چین کو تھوڑی دیر کے آرام پر قربان کر رہے ہو۔ اس وقت آرام نہ کرتے بلکہ خزانہ اٹھانے میں مصروف رہتے تو آئندہ ساری زندگی آرام سے گزارتے، قسمت

روتی رہی، فقیر سوتا رہا۔

ادھر مسجد کے میناروں سے اذانِ فجر کی صدا بلند ہوئی، اور ادھر بادشاہوں کے ملازموں نے آ کر فقیر کو جگایا، اور محل سے باہر نکالنے لگے، فقیر واویلا کرنے لگا کہ میں نے ابھی خزانہ اٹھانا ہے، تم کیوں مجھے باہر نکالتے ہو، بادشاہ کے نوکروں نے جواب دیا۔

''تمہیں خزانہ جمع کرنے کیلئے جو وقت دیا گیا تھا وہ وقت ختم ہو گیا ہے، تم نے وہ قیمتی وقت سو کر گنوا دیا ہے''۔

الغرض وہ بھکاری روتا چلاتا رہا، اور نوکروں نے اسے محل سے باہر نکال دیا، وہ بھکاری خالی ہاتھ آیا تھا اور خالی ہاتھ چلا گیا۔ اس کی مجرمانہ غفلت نے اسے کچھ بھی حاصل نہ کرنے دیا۔

اے غافل مسلمان! تیرے خالق نے تجھے آخرت کیلئے نیک اعمال کا خزانہ اکٹھا کرنے کی مہلت دی ہے۔ خیال رکھنا کہیں تیرا انجام اس بھکاری جیسا نہ ہو جس نے خزانہ جمع کرنے کی مہلت کو غفلت میں گزار دیا تھا۔ (از: پیغامِ ہدایت)

حضرت اویس قرنی کے ملفوظاتِ عالیہ:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے ملفوظات عالیہ اس قدر نور و سرور اور معرفت و روحانیت سے بھرپور ہیں کہ بڑے بڑے اولیاء کرام نے آپ کے ملفوظات مقدسہ کی تشریح فرمائی ہے۔ مثلاً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ایک قول کی شرح اس طرح فرمائی ہے:

1- حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اَلسَّلَامَةُ فِي الْوَحْدَةِ سلامتی تخلیہ اور تنہائی میں ہے۔ اس لیے کہ جو اپنا دل خالی رکھے وہ اغیار کے خطرہ اور اندیشہ سے آزاد ہے اور اپنے ماحول میں سب سے مایوس، اسی وجہ سے وہ اغیار کی تمام آفتوں سے سلامتی میں رہتا ہے اور سب سے منہ پھیرے ہوئے ہوتا ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وحدت سے مراد تنہا زندگی بسر کرنا ہے تو یہ محال ہے۔ اس لیے کہ جب تک کسی کے دل میں شیطان کی محبت ہو اور اس کے سینہ میں نفس غالب ہو اور دنیا و عاقبت کی فکر اور لوگوں کا اندیشہ ہو اس وقت تک اس کو کیفیت وحدت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ماسوی اللہ سے آرام ہو یا اس کا اندیشہ دونوں کی ایک ہی کیفیت ہے تو جو تنہا ہوتا ہے اگرچہ اس کی صحبت لوگوں میں ہو اُسے اپنی کیفیت وحدت میں کوئی خلل نظر نہیں آتا اور مشغول بغیر اللہ ہو اگرچہ خلوت نشین ہی کیوں نہ ہو وہ کیفیت وحدت سے محروم ہی رہے گا۔

تو قطع محبت ماسوی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دل میں سوا ذاتِ واحد کے کسی کا تعلق اور کسی کی محبت نہ ہو، اور جب اُس کے دل میں خالص ذاتِ واحد کی محبت جاگزیں ہو چکی وہ کتنا ہی لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے اُسے کوئی خطرہ نہیں۔

اور جو مخلوق سے محبت رکھے اس کے دل میں محبت الٰہیہ کا گزر نہیں ہو سکتا گویا وہ محبت الٰہی کو سمجھتا ہی نہیں۔

لان الوحدة صفة عبد صاف اسمع قوله تعالى اليس الله بكاف عبده۔

ترجمہ: صفت عبد صافی محض وحدت ہے۔ سن اللہ کا فرمان کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں۔ (کشف المحجوب صفحہ ۱۹۹)

(اسی طرح اگر آپ کے ملفوظات کی شرح شروع کر دی جائے تو کئی دفتر درکار ہوں ہم صرف اختصار کے ساتھ آپ کے چند ملفوظات پیش کر رہے ہیں۔)

2- من عرف الله لا يخفى عليه شئى۔

ترجمہ: جو خدا کو پہچان لے اس پر کوئی شی مخفی نہیں رہے گی۔

3- جو شخص مندرجہ ذیل تین باتوں کو پسند کرتا ہے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

(i) اچھا کھانے کی خواہش

(ii) عمدہ پہننے کی خواہش

(iii) مالداروں کی صحبت پہ فخر کرنا۔

عربی کا مقولہ ہے:

نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر۔

ترجمہ: امیر فقیر کے دروازے پہ اچھا لگتا ہے اور فقیر امیر کے دروازے پہ اچھا نہیں لگتا۔

اگلا ملفوظ پڑھنے سے پہلے ایک اہل اللہ کا ایک نواب کے ساتھ معاملہ ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارے بزرگوں کی نگاہوں میں بڑے سے بڑے نواب کی کیا وقعت تھی۔ اگرچہ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس دور کے نواب آج کے نوابوں سے بہت بہتر ہوتے تھے۔

ایک نواب اور ایک فقیر کا واقعہ:

نواب صادق محمد عباسی رابع حکمران ریاست بہاولپور ایک دن اپنے ذاتی ملازم سے ناراض ہو گئے کہ اس نے پانی پلانے میں ذرا تاخیر کر دی۔ انہوں نے ملازم کو نوکری سے برطرف کر دیا۔ ان دنوں میں ملازمتیں نایاب ہوا کرتی تھیں۔ اور خاص کر ایسے فرمانروا کی ملازمت؟ ملازم نے نواب صاحب کی بہت منت سماجت کی مگر نواب صاحب نے اسے معافی نہ دی۔ آخر وہ شخص کوٹ مٹھن شریف میں خواجہ غلام فرید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان کو سارا ماجرا سنایا اور سفارش کی التجا کی۔ نواب بہاولپور، خواجہ صاحب کے حلقۂ ارادت میں سے تھے۔ خواجہ صاحب نے نواب صاحب کو ایک سفارشی خط لکھا خط پڑھ کر نواب صاحب نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور ملازم کو معافی دے کر ملازمت میں واپس لے لیا۔

غالباً برصغیر کی تاریخ میں کسی والی ریاست کو لکھا گیا یہ مختصر ترین خط ہے۔ آج تک نہ کبھی کوئی سفارش چھٹی اتنی مختصر لکھی گئی اور نہ ہی اتنے سبق آموز خط میں ذاتی نام سے مخاطب کیا گیا ہے کوئی القاب یا خطابات نہیں تھے اس میں زیر، زبر، پیش کے استعمال سے لفظی اور معنوی لحاظ سے بے پناہ بلاغت پیدا ہو گئی یہ سفارش کم ہے اور فہمائش زیادہ۔ یہ چھٹی ایک مرد قلندر کی شان بے نیازی کی خوبصورت مثال بھی ہے۔

خط کا متن یہ تھا یہ خط سرائیکی زبان میں لکھا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صادق! زیربن، زبرنہ بن متاں پیش پوندی ہووی۔ فرید!

''اے صادق محمد عباسی! ضرورت مندوں پر اپنی نظر کرم رکھ۔ اور ان کو عطا کرنے والا زیر دست سخی بنا رہ اور دوسرے کے کام آتا رہ۔ اتنی زبردست اونچی اڑان اڑنے سے پرہیز کر کہ کہیں خدانخواستہ تمہاری راہ میں کوئی مشکل درپیش ہو جائے اور تجھے کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ (خواجہ غلام فرید)

4- لوگوں کیلئے غائبانہ طور پر دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے۔

5- یادِ الٰہی میں ایسے مشغول رہو کہ گویا تم نے ساری دنیا کو قتل کر دیا ہے کیونکہ دنیا کو چھوڑے بغیر تقویٰ میں کمال پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اپنے آپ کو عبادت الٰہی کیلئے وقف کر دو اور یاد رکھو یقین کے بغیر عبادت قبول نہیں۔ اس لیے کہ جو دلوں میں شک رکھتے ہیں وہ نظر رحمت اور شفقت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

6- نماز میں خشوع یہ ہے کہ اگر نمازی کے پہلو میں تیر لگ جائے تو نمازی کو اس کی خبر نہ ہو۔ (آپ نے فرمایا)

7- طلبت الشرف فوجدته فی القناعة۔

ترجمہ: میں نے آخرت کی بزرگی چاہی تو قناعت میں ملی۔

طلبت الفخر فوجدته فی الفقر۔

ترجمہ: میں نے فخر چاہا تو فقر میں پایا۔

8- طلبت الرفعة فوجدته فی التواضع۔

ترجمہ: میں نے بلندی چاہی تو وہ مجھے تواضع میں ملی۔

9- طلبت النسب فوجدته فی التقوٰی۔

ترجمہ: میں نے نسب چاہا تو تقویٰ (پرہیزگاری) میں پایا۔

10- طلبت الریاسة فوجدته فی نصیحة الخلق۔

ترجمہ: میں نے آخرت کی سرداری چاہی تو مجھے خلق خدا کو نصیحت کرنے میں ملی۔

11- طلبت المروۃ فوجدته فی صدق۔

ترجمہ: میں نے مروت طلب کی وہ مجھے صدق میں ملی۔

طلبت الراحة فوجدته فی الزھد۔

ترجمہ: میں نے آخرت کی راحت چاہی تو زہد میں پائی۔ (لطائف نفیسیہ صفحہ ۱۴۱)

قرنہا اندر سجود آمد زمین در ہر زمن
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

<u>درود اویسیہ:</u>

حضرت خواجہ اویس قرنی کے حالات پہ مشتمل معتبر کتاب لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ جو کہ عالم ربانی صاحب الخلوۃ والاسرار احمد بن محمود اویسی علیہ الرحمۃ کی تالیف ہے جو دراصل زبان فارسی میں ہے۔ اس میں ایک درود شریف جس کے اندر حضرت اویس قرنی کے فضائل اور ان کا حلیہ جلیلہ لکھا ہوا ہے اس کا نام درود اویسیہ رکھ کر قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور اس موضوع کو سمیٹنے کی اجازت چاہ رہا ہوں۔

اللھم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی ال سیدنا و مولانا محمد ن الذی اخبر بعض صحابته و قرابته بعلامة اویس القرنی و شفاعته۔

اللھم صل و سلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی اٰل سیدنا و مولانا محمدِ الذی اشھل العینین بُعید ما بین المنکبین۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمدٍ و علی اٰل سیّدنا و مولانا محمد ن الذی اخبر انہٗ معتدل القامة شدید الادمة ذو رأفة و رحمة یشفع فی کثیر عن ھٰذہ الامة۔

اللھم صل وسلم علٰی سیدنا و مولانا محمدٍ و علی اٰل سیّدنا و مولانا محمد ن الذی اخبر فی صحیح خبرہ انّہٗ ضارب بذقنه الٰی صدرہٖ۔

اللّٰھم صل وسلم علٰی سیدنا و مولانا محمدٍ و علی اٰل سیّدنا و مولانا محمد ن الذی اخبر فی صحیح اقواله انہٗ رامٍ ببصرہٖ الٰی موضوع سجودہٖ واضع یمینہٖ علی شمالہٖ۔

اللّٰھم صل وسلم علٰی سیدنا و مولانا محمدٍ و علی اٰل سیدنا و مولانا محمدٍ ن الذی اخبر وھو فی مجلسہٖ انه کان یقراء القراٰن و بکی علٰی نفسہٖ۔

اللّٰھم صل وسلم علٰی سیّدنا و مولانا محمدٍ و علی اٰل سیّدنا و مولانا محمد ن الذی اخبر فی خبرہ ان تحت منکبیه لمعة بیضاء تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
عمر بھر لکھتا رہا اور مدح باقی ہے

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۲۴

غازی علم الدین شہید (رحمۃ اللہ علیہ)

نا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ابتدائی حالات:

آج کی نشست میں آپ کے سامنے اس عاشقِ رسول کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ جو ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ بمطابق ۴ دسمبر ۱۹۰۸ء بروز جمعرات محلّہ چابک سواراں (جو بعد میں سرفروشاں اور اب سریاں والا بازار کہلاتا ہے) طالع مند ولد عبدالرحیم ولد جوایا ولد برخوردار کے گھر پیدا ہوا اور والدین نے اس کا نام علم دین رکھا اس کا سن ولادت وہی ہے کہ اسی سال سلطان عبدالحمید نے ترکوں کو پارلیمنٹری حکومت دی تھی۔ مدینہ شریف میں حجاز ریلوے اسٹیشن کا اجراء ہوا، ایران میں احمد شاہ قاچار اور عوام کے درمیان خانہ جنگی ہوئی، افغانستان میں امیر حبیب اللہ شاہ نے پہلی مرتبہ عوام میں سکول جاری کئے۔ مراکش میں نہتے عربوں نے فرانسیسیوں کو شکست فاش دی۔ بنگال میں انارکسٹ (دہشت گرد گروہ) نے بمباری کر کے انگریزوں کو ہراساں کیا اور مرزا قادیانی بھی اسی سال جہنم رسید ہوا۔

دسمبر ۱۹۰۸ء سے لے کر اپریل ۱۹۲۹ء تک علم دین کو سوائے اس کے عزیزوں اور دوستوں کے کوئی جانتا تک نہ تھا۔ مگر ۶، اپریل ۱۹۲۹ء کا دن آیا تو اس نے ایسا کام کر دکھایا کہ کوئی اس کو غازی کہنے لگا تو کوئی شہید، کوئی پروانۂ شمع رسالت کہنے لگا تو کوئی عاشقِ رسول، ہر جگہ اس کا نام ہے، ہر مقام پہ اس کے چرچے ہیں، جگہ جگہ اس کی تصاویر ہیں بچے بچے کی زبان پہ اس کا ذکر خیر، کیوں؟ اس لیے کہ اس نے اپنے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر ایسا کام کیا کہ اس کام نے اس کو قعرِ ظلمت سے نکال کر ہمدوشِ ثریا کر دیا۔ اور اقبال کے اس شعر کی سچی تعبیر سامنے آ گئی۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

○ غازی علم دین کے والد کہتے ہیں کہ میں نے تعلیم کیلئے اپنے بیٹے کو تکیہ سادھواں کی مسجد میں اور پھر بازار نوہریاں اندرون اکبری گیٹ بابا کالو کے ہاں داخل کرایا لیکن کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ جبکہ سیال شریف کے سجادہ نشین فرماتے ہیں کہ جب میں میانوالی جیل میں علم دین سے ملنے گیا تو علم دین کے جلال و جمال کا مجھ پہ اتنا رعب طاری ہوا کہ میں مرعوب ہو کر کوئی بات نہ کر سکا اور سورۂ یوسف کی تلاوت شروع کر دی، ایک اچھے حافظ وقاری ہونے کے باوجود وفورِ جذبات کی وجہ سے بار بار رک جاتے۔ علم دین عرض کرتے۔ بسم اللہ شریف پڑھ کر پھر شروع کریں مگر روانی سے نہ پڑھ پاتے۔ اکثر گلوگیر ہو کر کسی اور عالم میں پہنچ جاتے۔ علم دین جو کہ قرآن پاک نہ پڑھا ہوا تھا پیر صاحب کو از اول تا آخر صحیح لقمے دیتا رہا یہاں تک کہ خواجہ صاحب نے سورۂ یوسف مکمل پڑھ لی۔ اور باہر آ کر فرطِ حیرت سے بات نہیں ہو رہی تھی صرف اتنا فرمایا: میں نے علم دین کے لبادے میں کسی اور ہستی کو پایا ہے کون کہتا ہے علم دین پڑھا ہوا نہیں، اس پر تو اللہ و رسول اس قدر راضی ہو گئے ہیں کہ اس کے اس عظیم کارنامے پہ اسے علم لدنی حاصل ہو گیا ہے جس سے وہ کائنات کے تمام اسرار و رموز سے واقف ہو گیا ہے۔

○ وہ عشق جس نے ناتواں کو زورِ حیدری دیا
وہ عشق جس نے بے نوا کو تاجِ قیصری دیا
وہ عشق جس سے دل کو ایک لذتِ سکوں ملی
سکوں کے ساتھ ایک عجیب نعمتِ جنوں ملی

وہ کس کا عشق ہے حبیب کبریا کا عشق ہے
وہ شاہ دوسرا کا عشق مصطفیٰ کا عشق ہے
اس عشق سے ہی علم دیں محبوب ''مسلمیں'' بنا
عشاق کے قلوب میں وہ دلنشیں مکیں بنا

(حسرت)

اسی عشق نے بے ذر کو بوذر بنایا۔ بلال حبشی کو رشک قمر بنایا۔ زید وخبیب کا نام روشن کیا، رضی اللہ عنہم۔ علم دین نہ ہمارا رشتہ دار ہے نہ دوست، نہ ہم نے اس کو دیکھا ہے نہ اس کا زمانہ پایا ہے لیکن پھر بھی اس کی بارگاہ میں نذرانہ محبت پیش کر رہے ہیں تو اس لیے کہ ایک رشتہ اس کے ساتھ ایسا ہے جو رشتہ سارے رشتوں سے بلند و بالا ہے اور وہ غلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ہے کہ جس پیارے آقا کے ناموس کے تحفظ کیلئے اس نے جان قربان کی اسی آقا کے قدموں کے ساتھ ہمیں بھی نسبت غلامی حاصل ہے۔

من و او ہر دو خواجہ تا شانیم
بندۂ بارگاہ سلطانیم

اسی بنا پہ تو شاعر مشرق بھی علم دین پہ قربان ہو رہا ہے، شیخ المحدثین سید دیدار علی شاہ بھی نثار ہو رہے ہیں، پیر جماعت علی شاہ بھی اس کے جنازے کو دیکھ کر رشک کر رہے ہیں اور بڑے بڑے اولیاء، علماء، صلحاء یہ تمنا کر رہے ہیں کہ کاش یہ جنازہ ہمارا ہوتا اور اس قبر میں ہم دفن ہوتے لیکن ۔ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

حالانکہ علم دین کا باپ (طالع مند) بڑھئی تھا مگر کس قدر طالع مند (نیک بخت) تھا کہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ ہونے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ ۔ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

علم الدین کے بارے میں اگرچہ اخبارات میں آیا کہ صوم وصلوٰۃ کا پابند اور مروت واخلاق میں یگانہ تھا لیکن اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی اس نے کام ایسا کیا کہ بڑے بڑے پرہیزگاروں سے آگے بڑھ گیا اور ایسے کام عموماً ایسے ہی لوگ سرانجام

دیتے ہیں اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جو بظاہر فاسق و فاجر ہو اس کا دل حب رسول سے خالی ہوتا ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ایک شخص عبداللہ نامی (جس کا لقب حمار تھا) جو اپنی خوش کلامی اور مزاح سے حضور علیہ السلام کو ہنسایا کرتا تھا، کئی بار شراب نوشی کے جرم میں سزا کیلئے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لایا گیا اور اس کو سزا دی گئی ایک بار اسی جرم کی پاداش میں سزا کے دوران کسی صحابی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

اللھم العنه ما اکثر ما یؤتی به۔

اس پر خدا کی لعنت ہو یہ بار بار اسی جرم میں لایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

لا تلعنوه فو اللہ ما علمت الا انه یحب اللہ و رسوله۔

ترجمہ: اس پر لعنت نہ کرو جو میں جانتا ہوں وہ تو یہی ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری شریف عن عمر بن الخطاب)

وہ گوہر مقصود کہ تھی جس کی تمنا
جھولی میں دیا ڈال تیرے دست عطا نے

مگر ہائے افسوس کہ

کم نظر بے تابی جانم ندید
آشکارم دید و پنہانم ندید

معلوم ہوا کسی کی ایک برائی کو دیکھ کر مت فیصلہ کرو کہ اس کو اسلام میں کوئی دلچسپی نہیں ہے ہو سکتا ہے اگر آپ میں وہ برائی نہیں ہے تو اس میں دس خوبیاں ایسی ہوں جو آپ میں نہ ہوں۔ بسا اوقات مجرم ایسا نیکی کا کام کر جاتے ہیں جو بے گناہ متقی نہیں کر پاتے، کسی کے نیک و بد کا فیصلہ اس کے اچھے برے کاموں کو سامنے رکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ایک فاسق فاجر، کسی مظلوم کی حاجت میں اپنی جان تک لڑا دیتا ہے اور متقی خاموش کھڑا رہ جاتا ہے۔ گناہگار اپنی جان کی پونجی کسی اعلیٰ

مقصد کیلئے دے رہا ہے اور پرہیز گار سنبھال کے رکھ رہا ہے اور ''مار خزانہ'' بنا ہوا ہے، جاہل اپنی اسلامی خودی کو ہر قیمت پہ باقی رکھے ہوئے ہے اور عالم کفر کے ہاتھوں بِک رہا ہے دراصل انسان اپنے مجموعی کردار سے اپنا مقام متعین کرتا ہے نہ کہ صرف بادی النظر میں دکھائی دینے والے چند اعمال سے مولانا روم فرماتے ہیں:

من ز صاحبدل کنم در تو نظر
نے بنقش سجدہ و ایثارِ زر
تو دلِ خود را چو دل پنداشتی
جستجوئے اہلِ دل بگذاشتی
آنچنیں دل ریزہ ہارا دل مگو
سبزوار اندر ابوبکرے مجو

چھ اپریل ۱۹۲۹ء بروز ہفتہ (موسمِ بہار):

یہ وہ دن تھا کہ علم دین اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ یکا یک کانوں میں آواز گونجی:

''ہے کوئی جانباز جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی ناموس کی حفاظت کرے''۔

علم دین نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے لبریز ہو کر کہا:

لبيك يا ام المؤمنين لبيك۔

میں آپ کا فرزند حاضر ہوں اے اہلِ ایمان کی ماں میں حاضر ہوں، اٹھے تیز چھرا ہاتھ میں لیا اور راجپال ملعون کی دوکان (ہسپتال روڈ لاہور) پہ پہنچے جس ملعون نے ''رنگیلا رسول'' نامی پلید کتاب کو شائع کیا تھا۔ راستے میں علم دین بار بار یہ دعا کر رہے تھے۔ ''اللہ خدائے محمد! اس کام کی سعادت مجھے عطا فرمانا''۔ راجپال دوکان میں لیٹا ہوا تھا۔ علم دین نے للکار کر کہا: اپنے جرم کی معافی مانگ اور کتاب کا تمام ایڈیشن تلف کرنے کا وعدہ کرو ورنہ مقابلے کیلئے تیار ہو جا۔ اس ملعون نے اس للکار کو گیدڑ بھبکی

سمجھا اور خاموش رہا، غازی علم دین نے وار کیا اور اس کو واصلِ جہنم کر دیا۔ دو کان میں اس وقت اس ملعون کے دو ملازم بھی تھے (بھگت رام، کدار ناتھ) ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بت بن کر کھڑے رہے۔ ؎ کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے ہیں

شہر میں شور بپا ہوا کہ راجپال قتل ہو گیا ہے اور قاتل مسلمان نوجوان ہے جو خون آلود چھرا لہراتا ہوا مشرق کی طرف دوڑ گیا ہے۔ مگر وہ دوڑا کب تھا وہ تو قریبی نلکے پہ اپنے ہاتھوں اور چھرے سے راجپال کا ناپاک خون دھونے گیا تھا اور واپس آ کر علی الاعلان پکار اٹھا کہ اس گستاخِ رسول کو میں نے جہنم رسید کیا ہے اور اپنا فرض ادا کیا ہے اور اس ''جرم'' کی پاداش میں ہر سزا سہنے کو تیار ہوں۔

؎ بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسول میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کوئی کام جذبات میں آ کر کر گذرتا ہے لیکن جب اس کی سزا دیکھتا ہے تو گھبرا کر پچھتانے لگتا ہے لیکن علم دین راجپال کو مار کر دو سو آٹھ دن جیل میں رہا۔ اس دوران قائداعظم سے لے کر سر محمد شفیع اور علامہ اقبال تک نے پورا زور لگایا کہ ایک بار انکار کر دے بلکہ بعض لوگوں سے سنا گیا کہ ان بزرگوں نے کہا: میں نے قتل کیا ہے کی بجائے یہ کہہ دے۔ مینہ (بھینس) نے قتل کیا ہے۔ تو پھر بھی کچھ بات بن جائے گی۔ مگر وہ پروانہ شمع رسالت یہی کہتا رہا کہ نہیں میں نے ہی قتل کیا ہے اور کہا اگر ساری زندگی میں ایک ہی نیکی کی ہے کیا اس کا بھی انکار کر دوں۔ نہیں نہیں بلکہ آئندہ بھی میرا اعلان یہی ہو گا کہ

؎ میں گستاخ محمد کو مٹا کر خاک کر دوں گا
جہالت کے بلندوں کا میں قصہ پاک کر دوں گا
سنو جس نے اہانت کی میرے پیارے محمد کی
حشر میں ان لٹیروں کے گریباں چاک کر دوں گا

میں رہوں یا نہ رہوں مگر اپنی قوم کو یہ سبق سکھا کر جاؤں گا کہ محبوب خدا کا گستاخ اس دھرتی پہ زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ پھانسی کا پھندا دیکھ کر بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں مگر میانوالی جیل کی انتظامیہ حیران ہے کہ جب علم دین آیا تھا تو تنکے کی طرح کمزور تھا اور آج پھانسی کا پھندا دیکھ کر مسکرا بھی رہا ہے اور خوب توانا بھی دکھائی دے رہا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ آج یہ اپنے محبوب سے ملنے والا ہے اسی لیے ؎ چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا:

؎ جھڑے عشق دے بوہے لنگدے نیں سر دین توں مول نہ سنگدے نیں
اوہ عشق سلامت منگدے نیں، اوہ جان سلامت نہیں منگدے

(آپ کی سوانح کی کتب میں یہ واقعہ بھی لکھا ہوا ہے) علم دین نے گھر سے نکلتے وقت اپنی ماں سے کہا: مجھے اپنے مبارک ہاتھوں سے کھانا بنا دے۔ ماں نے لہجہ سے پہچان لیا اور پوچھا: آج تیرا لہجہ کیوں بدلا ہوا ہے؟ عرض کیا: میں زندہ رہوں اور کوئی میرے رسول کی توہین کر جائے اور میرا لہجہ نہ بدلے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اماں! تیرا بیٹا آج گھر سے یہ عہد کر کے نکل رہا ہے کہ گستاخ رسول کا کام تمام کر کے تحفظ ناموس رسالت پہ قربان ہونے جا رہا ہے۔ اے ماں تو تو جانتی ہے کہ میں کوئی اتنا پرہیز گار نہیں ہوں لیکن اگر آج میں اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

؎ زاہد! کم نگاہ سے کسی رند کو نہ دیکھ
شاید کہ اُس کریم کو تو ہے یا وہ پسند

سزائے موت کے فیصلے پہ غازی کے تأثرات:

علم دین کو لاہور سے گوجرانوالہ اور پھر وہاں سے بذریعہ ریل رات ساڑھے بارہ بجے میانوالی بھیجا گیا۔ غازی علم دین کو جب ہائی کورٹ کے سزائے موت کے فیصلے کی خبر دی گئی تو تو اس نے مسکرا کر کہا:

''شکر الحمدللہ! میں یہی چاہتا تھا کہ بزدلوں کی طرح قیدی بن کر جیل میں گلنے سڑنے کی بجائے تختۂ دار پہ چڑھ کر اپنے شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین پیغمبر خدا ہادئ برحق، رسالتمآب پر اس حقیر اور ننھی سی جان کو قربان کر دینا موجب صد ہزار ابدی سکون و راحت ہے۔ خدا میری اس ادنیٰ مگر پرخلوص قربانی کو قبول فرمائے''۔

اور ایک موقع پہ جب پریوی کونسل لندن نے سزائے موت کا فیصلہ برقرار رکھا تو علم دین نے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے خوشی سے اچھل کر فرمایا:

کاتب تقدیر نے شہادت کا مرتبہ پانا میری قسمت میں روز ازل سے ہی لکھ دیا تھا۔ یقیناً میری قربانی اللہ نے قبول فرمالی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ میری روح بہشت بریں میں آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مستفید ہو رہی ہوگی۔ غازی صاحب اکثر کہا کرتے کہ حضور علیہ السلام کے مرتبے و مقام کو صرف وہی جان سکتا ہے جو آپ کے کارناموں سے واقف ہے۔ آپ کی بعثت سے قبل یہ دنیا بدکاریوں میں ڈوبی ہوئی تھی، انسان اپنے خالق سے ناآشنا اور بے مقصد زندگی گزار رہا تھا۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

محبوب خدا نے ان غافلوں کو خدا سے ملایا، ان کی خفیہ طاقتوں سے ان کو آگاہ فرمایا اوجِ ترقی پر پہنچایا اور اس خوار و زار دنیا کو کشت زعفران بنایا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

جو شخص بھی میانوالی جیل میں ملاقات کیلئے جاتا وہ غازی کو خوش باش اور مطمئن

پاتا بلکہ آپ نے اپنے والدین کو ملاقات کیلئے بار بار آنے سے صرف اس لیے روک دیا کہ والدہ آ کر روتی ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا کیونکہ میں کوئی جرم کر کے تو جیل میں نہیں آیا بلکہ اپنے رسول کی ناموس کا تحفظ کر کے آیا ہوں اور مجھے جیل کی اس اندھیری کوٹھری میں ایک طرف امام الانبیاء کی زیارت ہو رہی ہے تو دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے جلوے دکھا رہے ہیں۔ میں تو اگر کبھی روتا ہوں تو اس لیے کہ میری وجہ سے میرے نبی علیہ السلام کو میانوالی جیل کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔

سپرینٹنڈنٹ جیل کہتا ہے کہ ایک دفعہ بتی نہ ہونے کی وجہ سے پوری جیل میں اندھیرا ہو گیا لیکن علم دین کا کمرہ روشن تھا اور اسی روشنی میں علم دین تلاوت کر رہا تھا، داروغۂ جیل نے قرآن کا واسطہ دے کر پوچھا بتا یہ کیسی روشنی ہے تو فرمایا:

آئے تھے وہ کھڑے کھڑے نہ وہ بیٹھے نہ میں بٹھا سکا
رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں نہ وہ سن سکے نہ میں سنا سکا

یہی وجہ ہے کہ جیل کی ساری انتظامیہ علم دین کا احترام کرتی اور آج میانوالی جیل ساری نئی بن چکی ہے مگر جس کوٹھری میں علم دین زیارتیں کرتے رہے وہ تبرک کے طور پر اسی طرح پرانی ہے اور اہلِ محبت کو آج بھی وہاں سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ اسی لیے تو غازی علم دین جیل میں بھی اطمینان قلب اور مسرت ابدی سے ہم کنار ہے اور موت اس کے سامنے لرزہ براندام ہے۔ سیاست اخبار لاہور ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء کا ایک منظوم سوال و جواب اس حوالے سے ملاحظہ ہو۔

کسی نے جا کے علم دین سے پوچھا — تو حکم قتل سن کر بھی ہے ہشاش
مقام ایسے پہ اب تیرا گذر ہے — جہاں ہوتا ہے شیروں کا جگر پاش
تجھے مرنے کا اپنے کیا نہیں غم — کہ آتا ہے نظر ہشاش بشاش
کہا اس مرد غازی نے یہ سن کر — سنو! کرتا ہوں میں رازِ دل فاش
مجھے ہے شوق دیدارِ محمد — ہو دل کو خوف سے مرنے کا کیوں جاش

میں سنتا ہوں محمد کہہ رہے ہیں — کہ علم الدین خوش آئی و خوش باش
یہ مژدہ سن کے سیروں بڑھ گیا خون — نظر آؤں میں کیوں غمگین و طیاش،
محمد کو میری آنکھوں سے دیکھو — پڑے ہو کیوں جہاں میں مثل خفاش

میانوالی جیل میں علم دین کا صبر واستقلال:

جن لوگوں نے میانوالی جیل میں غازی علم الدین سے ملاقاتیں کیں ان میں سجادہ نشین سیال شریف (جن کی ملاقات کا حال مختصراً گذشتہ صفحات میں گذر چکا) کے علاوہ میانوالی کے ڈپٹی کمشنر راجہ زمان مہدی خان جو بہت نیک سیرت، بزرگوں کے معتقد اور متدین تھے، انہوں نے غازی صاحب کے حوصلے اور صبر واستقلال کو سراہتے ہوئے درخواست کی کہ دربارِ رسالت میں حاضری کے وقت مجھ گناہ گار کو بھی یاد رکھنا، غازی صاحب نے اس وقت فرمایا:

"عام طور پر قتل کے ملزم دو دو تین سال جیلوں میں پڑے گلتے سڑتے رہتے ہیں تب جا کر انہیں پھانسی کی سزا ہوتی ہے مگر میں خوش نصیب ہوں کہ چھ ماہ نو دن کے اندر تمام مراحل طے کر کے اس دارِ فانی سے جدا ہو کر واصل بحق ہو رہا ہوں اور اب مجھے کوئی طاقت بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام کی حاضری سے نہیں روک سکتی"۔

اس پر ڈی سی نے کہا: میں نے پھانسی پانے والے بیشمار قیدیوں کو دیکھا ہے کہ موت کی سزا سن کر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور غم وفکر سے سوکھ کر کانٹے کی طرح ہو جاتے ہیں مگر واہ رے غازی تیرے صبر واستقلال پر! تیرے چہرے پہ نور اور لبوں پہ مسکراہٹ ہے اور دن بدن تیرے جسمانی وزن میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، تجھے دیکھنے والے پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ تجھے دیکھتا رہوں اور جس کی ناموس پہ تو فدا ہو رہا ہے اس پر درود پڑھتا رہوں۔

کسی نے جیل میں جا کر یہ علم الدین سے کہا
کہ سن کے موت کا فتویٰ بھی تو ملول نہیں
یہ سن کے بولا وہ جانباز مردِ غیرت مند
سمجھ گیا ہوں کہ تو عاشقِ رسول نہیں
نبی عزیز نہ ہوں جان و مال سے جس کو
ہزار دعویٰ ایماں کرے قبول نہیں
رسول پاک کی حرمت پہ جان دے دینا
نہ ہو اصول جو اپنا تو کچھ حصول نہیں
یہ حکم موت ہے میرے لیے پیامِ حیات
مے بقا سے ہے لبریز میرا جامِ حیات

معمولی بڑھئی کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے ایسا رتبہ دیا کہ اس کے الفاظ آبِ زر سے لکھے جانے لگے اور اس کی باتیں خود بخود ہی قرآن وسنت کا مفہوم وخلاصہ قرار پانے لگیں کیا مذکورہ اشعار حضور علیہ السلام کے اس فرمان کی ترجمانی نہیں کرتے جس میں آپ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور سارے انسانوں سے عزیز تر نہ ہو جاؤں۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اور یہ وہی سبق ہے جس کے بارے میں حضرت سلطان العارفین سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

؎ مرشد ہادی سبق پڑھایا بن پڑھیوں بیا پڑھیوے ہو

علم الدین بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، سلطان ٹیپو کی طرح تاریخ کا ایک سنہری باب بن گیا۔ بلکہ اس نے عشق رسالت مآب علیہ السلام کا ایک ایسا باب کھول دیا کہ جس سے عاشقانِ مصطفیٰ علیہ السلام کو تا قیامت یہ سبق ملتا رہے گا۔

علم دین نے سولی کو قبول کر لیا مگر گستاخی رسول کو گوارا نہ کیا۔ دنیا کو چھوڑ دیا مگر دامن رسول کو چھوڑنا برداشت نہ کیا اور کائنات کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک نرالا سبق دے گئے۔

انشاء اللہ جب بھی کوئی راجپال کا چمچہ پیدا ہوگا کوئی نہ کوئی علم الدین، غازی عبدالعزیز، عبدالرشید اور عامر چیمہ کا غلام ضرور میدان عمل میں آ کر کائنات کو یہ بتا دے گا۔

یہ ایسی وراثت ہے کہ جس پر کسی خاندان قبیلے، رنگ ونسل اور ملک وقوم کی اجارہ داری نہیں ہے یہ اللہ کی مرضی ہے چاہے تو ابوجہل وابولہب کو ٹھکرا دے اور بلال حبشی اور صہیب رومی کو منتخب فرما لے۔ بڑے بڑے علماء، صلحاء یہ کام نہ کر سکیں اور ترکھان کا بیٹا بازی لے جائے مولانا جامی فرماتے ہیں:

؎ بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

عشق لہر سے عاشق رسول کی ملاقات:

استاذ عشق لہر پنجابی زبان کے مشہور شاعر ہوئے ہیں جن دنوں غازی صاحب نے راجپال کو کیفر کردار تک پہنچایا ان دنوں استاذ عشق لہر کا طوطی بولتا تھا اور غازی صاحب کے خاندان سے استاذ کے دوستانہ مراسم بھی تھے، غازی صاحب سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو بیحد مسرور پایا، استاذ سے غازی نے کلام سننے کی فرمائش کی تو استاذ نے کہا: میں بھی کچھ ضرور سناؤں گا مگر پہلے آپ سے کچھ سنوں گا اس پر

غازی نے سلطان حاکم المتوفی ۳۷۷ھ کے مندرجہ ذیل فارسی اشعار بڑے ہی مستانہ لہجے میں پڑھے اور پھر ان اشعار کا منظوم ترجمہ بھی بڑی مسحور کن آواز میں سنایا دونوں کلام حاضر خدمت ہیں۔

من عاشق سرمستم از دار نیندیشم
پروانۂ جانبازم از نار نیندیشم
چوں طالب دیدارم از اغیار چہ غم دارم
چو عاشق گلزارم از خار نیندیشم
باد وست چو مشغولم دشمن چہ کند بر من
چو گنج بدست آمد از مار نیندیشم
من دار بلاکش را چو تخت شہی دانم
حلاج وشم عاشق از دار نیندیشم

جب عاشق سرمست ہوں میں دار سے ڈرتا نہیں
جانباز پروانہ جو ہوں میں نار سے ڈرتا نہیں
میں طالب دیدار ہوں اس کا نہیں کچھ غم مجھے
جب عاشق گلزار ہوں میں خار سے ڈرتا نہیں
مشغول ہوں میں دوست سے دشمنی کا اندیشہ نہیں
حاصل خزانہ ہوگیا میں مار سے ڈرتا نہیں
پھانسی کا تختہ واسطے میرے ہے اک تخت شہی
ہاں عشق میں حلاج ہوں میں دار سے ڈرتا نہیں

استاذ یہ کلام اور یہ انداز دیکھ کر جذب و مستی میں گم ہو گئے اور پھر پوچھا کوئی آخری خواہش؟ غازی نے فرمایا: بس انتظار کی گھڑیاں ختم ہوں اور محبوب کے قدموں میں پہنچ جاؤں۔ کیونکہ

○ مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت میں گزرتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گذرتی ہیں مہینوں میں

اس کے بعد غازی کی فرمائش پوری کرتے ہوئے استاد نے مندرجہ ذیل دو رباعیاں سُنائیں۔

علم دین محمد دے ناں اُتوں میاں جان جوانی نوں واریا ای
آفرین غازی تیرے حوصلے تے راج پال کم بخت نوں ماریا ای
جھڑا چکیا بوجھ محبتاں دا چڑھ کے دار تے سروں اتاریا ای
بیڑا ڈوب کے نبی دے دشمناں دا علم الدین توں کل نوں تاریا ای

وچ چودھویں صدی دے ہویا روشن تیرا عشق اوئے عاشق حضور دیا
جھوٹا دار دی پینگھ نے جھوٹیا ای شوق نال اوئے ساتھی منصور دیا
سب دی اکھیاں وچ سما گیا ایں علم الدین توں ذرّیا طور دیا
عشق لہر دی عرض دربار اندر پہلے کریں مسافرا دور دیا

روحانی تاثیر:

○ غازی علم الدین شہید میانوالی جیل کی جس کوٹھری میں بند تھے اس کے باہر ایک گھڑا رکھا ہوا تھا، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس گھڑے کا پانی آبِ شفا ہو گیا۔ جیسا بھی کوئی بیمار ہوتا اس پانی کے دو گھونٹ پینے کی دیر ہوتی کہ شفایاب ہو جاتا۔ یہ بات غازی صاحب کے والد کے علاوہ ایک غیر مسلم نے بھی لوگوں کو بتائی۔

نزاب دین سپاہی کا بیان ہے کہ ہم نے ایک دن علم دین کو کوٹھری سے گم پایا، ہم تلاش کرنے لگ گئے کہ یکا یک کوٹھری سے روشنی نمودار ہوئی اور غازی کو وہیں موجود پایا جبکہ ایک نورانی صورت والے بزرگ پاس کھڑے ہیں اور غازی سے پیار کرتے ہوئے فرما رہے ہیں۔ بیٹا حوصلہ رکھنا، گھبرانا نہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ بزرگ

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔اسی کوٹھری میں ۳۰،اکتوبر ۱۹۲۹ء کو غازی نے دعا مانگی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور دن کو غازی بے حد مسرور تھے۔

ناز کر اپنے مقدر پر شہید راہ عشق
آج تو آرائش بزم جہان نور ہے

خاکیان ہند سے اتنا ہی بالا تر ہے تو
جس قدر اس دوزخ صغریٰ سے جنت دور ہے

تیری جانبازی سے زندہ ہو گیا عشق بلال
اے ندائے مصطفیٰ تو رشک صد منصور ہے

زندہ ہیں کاغذ کی دنیا میں سلاطین جہاں
تذکروں میں بند ذکر قیصر و فغفور ہے

آشنا ہے بچہ بچہ قیس اور فرہاد سے
نام ہفت اقلیم میں عشاق کا مشہور ہے

تجھ کو دی عشق محمد نے حیات سرمدی
گو کہ تیری موت سینوں کیلئے ناسور ہے

پھول برساتی ہے تجھ پر رحمت پروردگار
ہے نہیں اس میں ذرا بھی شک کہ تو مغفور ہے

پوچھتے ہیں آج جبریل امیں بھی بار بار
مصطفیٰ کی گود میں کس کا سرِ رنجور ہے

آخری وصیت:

غازی علم دین نے آخری ملاقات میں اپنے گھر والوں کو شرعی اصولوں کی پابندی کی وصیتیں کیں۔ جنازے کے ساتھ باآواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنے کو کہا۔ لاہور میں چوبرجی گراؤنڈ جنازہ پڑھنے کا کہا۔ پھر اپنی ماں سے مخاطب ہو کر کہا: مجھے اپنا دودھ بخش دینا اور آپ کو خوشی ہونی چاہیے کہ آپ کا بیٹا غازی ہو کر دنیا سے جا رہا ہے۔ یہ خدا کا کرم ہے کہ آگ لینے جانے والے کو پیغمبری مل جاتی ہے یہ صرف میرے رب کا فضل ہے۔ پھر اپنے اعزہ کو سلام بھیجا۔ (روزنامہ سیاست)

لوگ حیران تھے کہ علم دین موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بھی خوش وخرم ہے۔ جس طرح حضرت بلال حبشی کی موت کا وقت آیا تو گھر والے رو رہے تھے اور الفراق الفراق کہہ رہے تھے۔ مگر حضرت بلال مسکرا رہے تھے کہ میں آج اپنے محبوب علیہ السلام اور آپ کے اور صحابہ سے ملنے والا ہوں۔ غازی علم دین بھی رنگ بلالی میں رنگے ہوئے تھے اور محبوب دو جہاں کی زیارت کیلئے بے تاب دکھائی دے رہے تھے۔

ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روز جزا
دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

فرمایا: مجھے دفن کرنے کے بعد دو دو رکعت شکرانے کے نوافل ادا کرنا اور میرے جنازے کے ساتھ ننگے سر کوئی نہ چلے۔ (چنانچہ غازی صاحب کے جنازے کی تصویر دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کے سروں پہ پگڑیاں ہیں اور باقی لوگ سر پہ ٹوپی رکھے ہوئے ایک بندہ بھی ننگے سر دکھائی نہیں دیتا)۔

فرمایا: میری قمیص میرے ماموں سراج دین کو، میری شلوار بھائی محمد دین کو، میری پگڑی تایا جان کو، ململ کی قمیص چھوٹے تایا نور دین کو اور کرتی جھنڈو کو دے دینا۔

فرمایا: اگر کسی کو میری ملاقات کی خواہش ہو تو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات درود شریف اور آیۃ الکرسی پڑھ کر مجھے ایصالِ ثواب کرے اور ملاقات کی دعا کرے اور

سونے سے پہلے تمباکو نوشی اور بدبودار یا کھٹی چیز پیاز، لہسن وغیرہ استعمال نہ کرے۔ انشاء اللہ خواب میں ملاقات ہو جائے گی۔

کیسے کہوں میں الوداع کیسے تمہیں جدا کروں
آنے کا وعدہ تم کرو ملنے کی میں دعا کروں

فرمایا: میرے نزدیک عشق رسول ﷺ میں کٹ مرنا بلند ترین مرتبہ ہے جو کسی مسلمان کو ہی ملتا ہے، میں اس لیے پریوی کونسل میں اپیل کی نامنظوری پہ خوش ہوں کہ اللہ نے چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے مجھے اس سعادت کیلئے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا میرے جنازے پہ آنسو بہانے کی بجائے درود و ذکر کیا جائے۔

فرمایا: میرے والد بھی غمگین نہ ہوں اور میری والدہ کو بھی یہ کہہ کر تسلی دیتا کہ اگر علم دین کسی مرض میں مبتلا ہو کر مر جاتا تو اس صورت میں بھی تو آخر انہیں صبر کرنا ہی پڑتا۔ (اخبار زمیندار)

نغمے بھی کچھ ایسے ہیں محبت کے جہاں میں
محسوس تو ہوتے ہیں دکھائی نہیں دیتے

غازی علم الدین تختۂ دار پر:

کیا ہے عشق و محبت کا میں نے فرض ادا
کہ ہو رہا ہوں میں ناموس مصطفیٰ (ﷺ) پہ فدا

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ بمطابق ۳۱، اکتوبر بروز جمعرات کو علم دین نے نماز تہجد ادا فرمائی پھر نماز فجر کے بعد قبلہ رو ہو کر مصلّی پہ بیٹھے تھے کہ داروغۂ جیل نے آ کر کہا: علم دین اُٹھ وہ وقت آ گیا جس کی تجھے انتظار تھی۔ بڑی خوشی سے اُٹھے، داروغے نے آخری خواہش پوچھی تو فرمایا: دو رکعت نفل شکرانے کے ادا کرلوں۔

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
سر سجدے میں دینا ہے دستور ہمارا

نوافل سے فارغ ہو کر خود ہی بصد شوق سوئے دار چلے، تختۂ دار پہ قدم رکھا اور حاضرین سے فرمایا:

میں نے عشقِ رسول ﷺ میں سرشار ہو کر حضور علیہ السلام کے ناموس کے تحفظ کی خاطر گستاخِ رسول علیہ السلام کو واصلِ جہنم کیا ہے میں آپ سب کے سامنے کلمہ شہادت پڑھتا ہوں۔ آپ میرے ایمان کے گواہ ہو جائیں۔ یہ کہہ کر آپ خود ہی پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالنے لگے تو مجسٹریٹ نے کہا: ایسا کرنا خودکشی قرار پائے گا۔ آپ نے فرمایا: کیسی باتیں کرتے ہو وہ دیکھو میری روح کے استقبال کیلئے سینکڑوں فرشتے آئے ہوئے ہیں یہ کہہ کر پھندے کو چوما۔ گویا یوں کہہ رہے ہیں کہ اے مجھے یار سے ملانے والے تو نے اتنی دیر لگا دی چنانچہ قانون کے مطابق آپ اپنے آپ کو داروغہ کے سپرد کر دیا۔ ادھر گلے میں پھندا آیا، نیچے سے تختہ ہٹایا ہی تھا کہ بڑے آرام سے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور جسم کو تڑپنے پھڑکنے کی زحمت بھی نہ اٹھانا پڑی یوں معلوم ہوا کہ پھول سے خوشبو نکل گئی ہے۔

بجرم عشق محمد اسیر علم الدین   چہ مہ باوج حمیت منیر علم الدین
رسید مژدہ ز رضواں چو شد رسن بگلو   کہ ہست خلد برینت میسر علم الدین
رسید و گفت حبیب خدا سلام علیک   ندائے سرور دوراں فقیر علم الدین
بگفت رحمت عالم رسیدۂ بمراد   تراست نزد محمد سریر علم الدین
مثال زید و خبیب اے بجرمتم قرباں   شدی بزمرۂ عشاق میر علم الدین
بدرجۂ کہ رسیدی نصیب امت باد   شوند مثل تو روشن ضمیر علم الدین

برائے سال وفاتش بگفت ہاتف غیب
شہید عشق محمد کبیر علم الدین

۱۳۴۸ھ

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے:

حکومت نے نقص امن کے خطرے سے بڑی چالاکی کے ساتھ شہید ناموس رسالت کو قیدیوں کے قبرستان میانوالی میں مختصر سا جنازہ پڑھا کر دفن کرنے کی کوشش کی مگر شمع رسالت کے پروانوں نے اس قدر غم وغصہ کا اظہار کیا کہ غازی کی وصیت کے مطابق جسم اقدس لاہور لانا پڑا۔ ۳۱، اکتوبر کو جو اس سلسلہ میں جلوس نکالا گیا ننانوے فیصد لوگوں نے اس میں حصہ لیا اور اکثر مسلمان اس دن روزے سے تھے۔ جلسے جلوس ہوتے رہے، قراردادیں پاس ہوئیں۔ پڑتالیں ہوئیں تا آنکہ تیرھویں دن غازی کا جسم لاہور لانے کیلئے مسلمانوں کے حوالے کیا گیا اور چودہ نومبر بروز جمعرات کو میاں طالع منہ نے جنازہ پڑھانے کے اختیارات علامہ اقبال کے سپرد کیے اور علامہ اقبال نے شیخ المحدثین حضرت سید دیدار علی کا نام تجویز کیا۔ لیکن سید صاحب ابھی تشریف نہ لائے تھے چنانچہ قاری محمد شمس الدین نے نماز جنازہ پڑھائی، اتنی دیر میں سید صاحب بھی تشریف لے آئے اور دوسری بار سید دیدار علی شاہ صاحب اور تیسری بار ان کے صاحبزادے سید احمد شاہ (مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات) کو نماز جنازہ پڑھانے کا اعزاز حاصل ہوا۔

یاد رہے کہ غازی صاحب کی وصیت کے مطابق جنازے کے ساتھ ساتھ تمام راستے میں کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد جاری رہا اور آپ کی چارپائی کے ساتھ ڈاکٹر محمد دین تاثیر سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے لمبے لمبے بانس باندھے ہوئے تھے۔ چارپائی پہ پھولوں کا بستر تھا اس پہ لکڑی کا صندوق تھا جو ہر قسم کی خوشبویات سے معطر تھا، راستے میں جگہ جگہ گل پاشی ہوتی رہی کئی من پھول اور عطر وعرق چھڑکا گیا۔ کلمہ شہادت کی پکار تھی اور کئی لوگ حضرت سعدی کے اس شعر کا ورد کر رہے تھے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اخبارات میں ضمیمے چھپے اکثر اخبارات کے حاشیے سیاہ تھے جبکہ سیاست اخبار کا سرورق شہید کے خون کی طرح سرخ تھا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
محبوب کے کوچے سے ذرا گھوم کے نکلے

چنانچہ ساڑھے دس بجے یہ جلوس میانی صاحب قبرستان کی طرف روانہ ہوا اور پون میل کا فاصلہ ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوا۔ میانی صاحب قبرستان میں حضرت سید دیدار علی شاہ اور علامہ اقبال نے غازی علم دین کے جسد خاکی کو لحد میں اتارا۔ تو ہر کوئی پکار اٹھا کہ کاش یہ مقام مجھے حاصل ہوتا۔

جنہوں نے دیا بوسہ دار و رسن کو
آثم ایسے خاصان حق بھی ہیں ہم میں
محمد کی عزت پہ جو مر مٹے ہیں
ان کے ہیں چرچے عرب و عجم میں
شریک ان شہیدوں میں ہے علم دیں بھی
اسے دیکھ لو آج باغ ارم میں

-----☆☆☆-----

تقریر نمبر ۲۵

اصحاب کہف کا واقعہ

حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کی وجہ سے یہود کے علماء و امراء آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچانے لگے اور اس حد تک پہنچ گئے کہ آپ پر تحریف دین جیسا سنگین الزام لگا کر اس علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس دعویٰ دائر کر دیا اور گورنر کو دھمکی دی کہ اگر مسیح علیہ السلام کو اس جرم کی پاداش میں تختہ دار پہ نہ لٹکایا گیا تو ہم بغاوت کر دیں گے اور اس مؤقف پر عیسیٰ علیہ السلام کے چند حواریوں کے علاوہ ملک کی پوری آبادی یہود کی ہمنوا ہو گئی اور اس وقت کی شدت سے منتظر ہوئی کہ کب اللہ کے نبی کو سولی پہ لٹکایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے خلاف یہود کے ناپاک منصوبے کو خاک میں ملا دیا چنانچہ فرمایا و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین انہوں (یہودیوں) نے (عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکے کے ساتھ مارنے کا) مکر کیا اور اللہ نے بھی (عیسیٰ علیہ السلام کو بچانے کی) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔ (آل عمران: ۵۴)

سورۃ النساء میں مزید وضاحت کے ساتھ یہود کے اس غلط پروپیگنڈا کی تردید فرمائی جو وہ کہتے تھے انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ۔ بیشک ہم نے عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ (یہ یہود نے کہا اور نصاریٰ نے ان کے اس عقیدے کی تصدیق کی، اللہ نے دونوں کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا) وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم نہ تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ انہیں سولی پہ چڑھایا (بات دراصل یہ ہے کہ) ولکن شبہ لھم ان کے لئے (ایک شخص کو

عیسیٰ علیہ السلام کی) شبیہ بنا دیا گیا (جس کو قتل کر کے وہ سمجھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا اور ان کو سولی پہ چڑھا دیا ہے) مزید فرمایا: وان الذین اختلفوا فیه لفی شك منه یہ لوگ خود بھی اس بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں (چنانچہ انہی میں سے بعض نے کہا: مقتول حضرت عیسی علیہ السلام ہیں اور بعض دوسرے بولے کہ چہرہ تو عیسیٰ علیہ السلام کا ہے مگر جسم ان کا نہیں ہے۔ ما لھم به من علم الا اتباع الظن انہیں خود بھی اس واقعہ کی یقینی خبر نہیں مگر صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔

باقی رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یقینی عقیدہ تو وہ قرآن پاک نے ہمیں یہ عطا فرمایا۔ وما قتلوہ یقینا یہ تو بات پکی ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔ سوال پیدا ہوا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا؟ تو فرمایا: بل رفعه الله الیه۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں (صحیح وسالم بسوئے آسمان) اپنی طرف اُٹھالیا۔ اس بارے میں جو کچھ صحیح احادیث میں آیا وہ ملاحظہ ہو۔

۞ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما مکم منکم (متفق علیہ)

(اے میرے امتیو!) تمہارا اس وقت (خوشی ومسرت سے) کیا حال ہوگا جب تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۲۶۵)

۞ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل منکم ابن مریم حکما عدلا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عدل کے ساتھ فیصلے کرنے والے بن کر نازل ہوں گے۔

فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر ویضع الجزیة و یفیض المال حتی لا یقبله احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیها۔

(بخاری: حدیث نمبر ۳۲۶۴)

پس آپ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال اتنا بڑھ جائے گا کہ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

✿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لیھبطن عیسیٰ ابن مریم حکما عدلا و اماما مقسطا و لیسکن فجا حاجا او معتمر...... یقیناً عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے عدل کے ساتھ فیصلے فرمائیں گے، منصف امام بن کر حج وعمرہ یا دونوں کی غرض سے مکہ کے راستے پہ چلیں گے اور میری قبر پہ حاضر ہو کر مجھے سلام کہیں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا (اتنا بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ فرماتے) ای بنی احی ان رایتموہ فقولوا ابو ھریرۃ یقرئك السلام اے میرے بھتیجو! اگر تم عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو تو انہیں میرا سلام کہو۔

✿ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا۔ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کو قائم رکھنے کیلئے لڑتی رہے گی فیزل عیسیٰ ابن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمہ اللّٰہ ھذہ الامۃ۔ (رواہ مسلم)

پس عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے تو مسلمانوں کا امیر انہیں عرض کرے گا آگے بڑھیے اور ہمیں نماز پڑھائیے جس پر آپ فرمائیں گے نہیں تم خود ہی ایک دوسرے کے امیر و امام ہو یہ وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔

اس ایمان افروز اور باطل سوز قرآنی وآسمانی عقیدے کے بعد ذرا شک نہیں رہ جاتا کہ یہود و نصاریٰ کے من گھڑت عقیدے کی طرف نظر بھی کی جائے۔ چنانچہ ان حالات میں چونکہ دین عیسیٰ علیہ السلام کے پھیلنے کا امکان اگرچہ نہ تھا لیکن جن چند حواریوں کے دلوں میں عیسیٰ علیہ السلام دین حق کا چراغ روشن کر چکے تھے وہ مصائب کی آندھیوں

سے بھی بجھ نہ سکا، ان کی پر جوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ دین مسیح کی طرف آتے گئے اور پورے علاقے میں توحید، رسالت عیسیٰ اور ایمان بالاخرت پہ حلقے قائم ہوتے گئے حالانکہ ملک کی اکثریت رومی حکمرانوں کی طرح بت پرست تھی۔ تا آنکہ ۲۴۸ء کے اواخر میں جب دقیانوس بادشاہ روما کے تخت پہ متمکن ہوا تو اس نے قانوناً اس صحیح عقیدے (دین مسیح) پہ پابندی لگادی اور اس دین کے پیروکاروں کے قتل کا بازار گرم کر دیا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۷ صفحہ ۱۲۰)

اصحاب کہف کے بارے میں قرآنی معلومات کے مطابق یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ چند نوجوان شہر طرطوس (پرانا نام) یا افسوس (نیا نام المدينة اسمه فى الجاهلية طرطوس وفى الاسلام افسوس) کے تھے جو اپنے دین و ایمان کو بچانے کے لئے گھروں سے نکل پڑے اور جب حکومتی سطح پہ ان کو شرک پہ مجبور کیا گیا اور نہ ماننے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے یہ نعرۂ مستانہ بلند کیا۔

سر کٹے کنبہ مرے اور گھر لٹے
دامن عیسیٰ نہ ہاتھوں سے چھٹے

واقعہ کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت:

اصحاب کہف کا واقعہ تاریخی اعتبار سے حضور علیہ السلام کے دور اقدس سے کئی سو سال پہلے کا ہے لیکن اس کو پڑھیں تو ایسا لگتا ہے کہ ابھی ماضی قریب میں تازہ واقعہ ہوا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اس قدر دور دراز علاقے میں ہوا کہ ابن بطوطہ نے پوری دنیا کا سفر کیا ہے اس نے بھی نہیں لکھا کہ میں کہف غار پر گیا ہوں، حضرت سعدی نے آدھی دنیا کا سفر کیا انہوں نے بھی اس کی نشاندھی نہیں فرمائی، آج کل امیر لوگ سیر و سیاحت کیلئے اور بے روزگار طبقہ کاروباری سلسلہ میں کوئی امریکہ جاتا ہے کوئی افریقہ، کوئی انگلینڈ کوئی ہالینڈ کوئی تھائی لینڈ کوئی آرلینڈ مگر مجھے آج تک کسی نے نہیں بتایا کہ میں اصحاف کہف کی غار تک گیا ہوں۔ قرآن کا مطالعہ بتاتا ہے وہ غار ایسی جگہ ہے کہ دونوں

طرف سے کھلی ہے سورج نکلے تو بھی دھوپ اندر جاتی تھی سورج غروب ہوتو بھی یا پھر سورج کے طلوع وغروب کے قریب پڑتی ہے، عقلاً ایسا عجیب واقعہ ہے کہ خود رب العالمین نے اس کو عجیب قرار دیا ہے۔فرمایا:

ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوامن ایتنا عجبا کیا تجھے معلوم ہوا ہے کہ غار ورقیم والے ہماری ایک عجیب نشانی تھی کہف وسیع غار کو کہا جاتا ہے جبکہ الرقیم کے بارے میں اختلاف ہے حضرت کعب اس سے وہ شہر مراد لیتے ہیں جہاں یہ جوان رہتے تھے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں رقیم وہ وادی ہے جس میں کہف (غار) ہے لیکن عموماً مفسرین نے رقیم بمعنی مرقوم یعنی تانبے کی وہ تختی جس پر اصحاب کہف کے نام اوران کے احوال بطور یادگار ایک صندوق میں لکھ کر رکھے ہوئے تھے تاکہ بعد والے لوگوں کو ان کے بارے میں علم ہو سکے اور جب اصحاب کہف میں سے ایک (یملیخا) کھانا لینے گیا اور اس کو پکڑ کر حاکم شہر کے پاس لے جایا گیا اور اس نے ساری صورت حال بیان کی تو اس تختی نے اس کے بیان کی تصدیق کی:

(الرقیم اللوح المکتوب فیہ اسمائھم وانسابھم وضعوا علی باب الکھف کان اللوح من الرصاص قال ابن عباس الرقیم اسم الوادی قال کعب اسم القریۃ التی خرجوا منھا قیل اسم الجبل قال ابن عباس الرقیم کتاب مرقوم عندھم فیہ الشرع الذی تمسکوابہ قال قتادہ الدراھم الذی کانت معھم) (واللہ اعلم)

اور دنیا کو معلوم ہوا کہ یہ ہیں وہ جوان جنہوں نے اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے سارا جہاں ناراض کرلیا ہے اور اپنے اوپر ہر قسم کی آسائشوں کا دروازہ بند کرلیا ہے اور یہی ان کا مشن ہے کہ کچھ رہے یا نہ رہے عقیدۂ توحید سلامت رہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اصحاب کہف کا تعارف:

قرآن پاک میں بڑے شاندار الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا تعارف کرایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انھم فتیة امنوابربھم وزدنھم ھدی وربطنا علی قلوبھم۔

وہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو ہدایت میں بڑھادیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کردیا۔

(اصحاب کہف گھر سے نکلے تو قدم قدم پہ اپنے رب سے مدد کے طلبگار ہوئے، اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوئے چنانچہ ان کی اس شان کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

اذاوی الفتیة الی الکھف فقالو اربنا اتنا من لدنك رحمة وھئی لنا من امرنا رشدا۔

جب انہوں نے (کافر قوم سے اپنا ایمان بچانے کے لئے) غار میں پناہ لی تو اپنے رب سے یوں دعا کی، اے ہمارے پالنے والے ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے ہدایت کا سامان پیدا فرما)

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے جب اصحاب کہف بادشاہ وقت کے سامنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے اپنی قوم کو دعوت توحید دی اور جابر سلطان کے سامنے بھی کلمہ حق بلند کیا۔

اذ قاموا فقالو اربنا رب السمٰوٰت والارض لن ندعو من دونه الھا لقد قلنا اذا اشططا۔ ھولاء قومنا اتخذوا من دونه الھة لولا یاتون علیھم بسلطن بین فمن اظلم فمن افتریٰ علی اللہ کذبا۔

جب وہ کھڑے ہوئے تو بولے ہمارا رب تو وہ ہے جو زمین وآسمان کا رب ہے ہم تو اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں گے، (اگر ہم نے ایسی بات بھی کی تو) ہم نے اس وقت حد سے بڑھی ہوئی بات کی۔ اس ہماری قوم نے جو اللہ تعالیٰ کے سوائی

معبود بنا رکھے ہیں، اپنے اس مشرکانہ عقیدے پر کیوں کوئی واضح دلیل نہیں پیش کی (جب ان کے پاس دلیل کوئی نہیں) تو اس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے)

اصحاب کہف کا آپس میں مشورہ:

جب اصحاب کہف نے اپنی قوم کو مندرجہ بالا الفاظ میں دعوت توحید دی اور بادشاہ وقت کے سامنے اعلان حق کر کے اپنا فرض ادا کر دیا تو اب وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے جس کا ذکر بھی اللہ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا۔

واذ اعتنرلتموهم وما يعبد ون الا الله فاوٗا الى الكهف ينشرلكم ربكم من رحمة و يهئى لكم من امر كم مرفقا۔

اور جب تم ان (شرک کرنے والوں) سے اور جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں ان سب سے الگ ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو اور (یقیناً) تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت کو پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کا سامان پیدا فرما دے گا۔

اصحاب کہف کے قدم غار میں لگے تو اللہ تعالیٰ کو وہ غار اتنا پسند آیا کہ سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی اس غار کو یاد رکھا اور اپنے محبوب پر قرآن نازل کیا تو پوری سورۃ غار کے نام پر اتار دی۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا محبوب بندہ غار میں رہے تو وہ غار اللہ کو پسند ہے اور اللہ کا نیک بندہ مزار میں رہے تو وہ مزار بھی اللہ کو پسند ہے۔

اصحاب کہف کا غار میں قیام:

ارشاد باری تعالیٰ ہے فضر بنا على اذانهم فى الكهف سنين عددا۔ ہم نے ان (اصحاب کہف) کو اس غار میں گنتی کے کئی سال تھپکا۔ (اور انہیں ایسی نیند سلایا کہ کوئی آواز ان کو اس سکون کی نیند سے بیدار نہ کر سکی) اور نیند کا یہ سلسلہ کب تک چلتا رہا۔ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا: و لبثوا فى كهفهم ثلث مائة

سنین وازدا دواتسعاوہ اپنی غار میں تین سونو سال ٹھہرے اس کے معاً بعد ہی فرمایا کہ اگر لوگ اتنی مدت ان کا قیام و آرام نہ مانیں جیسا کہ تفاسیر کہا گیا کہ یہ مدت یہود کا قول ہے تو بھی اس واقعہ کے حیرت انگریز ہونے میں شک نہیں ہے تم خود ہی جس مدت پہ رضا مند ہوئے ہو وہ بھی مان لی جائے تو پھر بھی یہ عجیب وغریب واقعہ ہے کیونکہ جنہوں نے قرآن پاک کی بتائی ہوئی تین سونو سال کی مدت کا انکار کیا (گبن وغیرہ) انہوں نے بھی ایک سو ستاسی سال کی مدت مانی ہے۔تو پھر یہ کس دلیل سے مانی ہے لہٰذا یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔قل اللہ اعلم بما لبثوا۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا ٹھہرے۔

عجیب بات ہے کہ ہم نے چند گھنٹے کہیں ٹھہرنا ہو تو تین سونو بار کروٹ بدل لیتے ہیں وہ تین سونو سال ٹھہرے نہ ان کو پیاس لگی نہ بھوک، نہ ان کے جسم کا خون جمانہ رعشہ ہوا نہ فالج، نہ ان کے ناخن و بال بڑھے نہ کپڑے میلے ہوئے، آخر کیوں؟ اس کا جواب بھی قرآن پاک دیتا ہے و تری الشمس اذا طلعت تزور عن کھفھم ذات الیمین واذاغربت تقرضھم ذات الشمال وھم فی فجوۃ منہ ذلك من ایت اللہ من یھد اللہ فھوا المھتد ومن یضلل فلن نجدلہ ولیا مرشدا۔

اور اے پیارے تو سورج کو دیکھے گا کہ جب نکلتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف ہٹ کر گزر جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کترا جاتا ہے (یعنی کسی وقت بھی دھوپ نہیں آتی) حالانکہ وہ اس غار کے کھلے میدان میں ہیں (کہ طلوع و غروب کے وقت دھوپ اس غار میں لگتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے نظام قدرت ایسا فرما دیا کہ ان کو تازہ ہوا کے جھونکے پہنچتے رہے (کیونکہ) یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ تزور کا معنی یوں کرتے تھے کہ سورج روزانہ طلوع وغروب کے وقت اصحاب کہف کی زیارت کر کے

گزرتا تھا۔

نکتۂ قرآنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے والشمس تجری لمستقرلھا۔ سورج اپنے مدار پہ چلتا ہے یعنی اپنے مقررہ راستوں پہ سورج کو طلوع وغروب کے وقت ہٹا کر دنیا کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے لیے نظام شمسی میں تبدیلی کر دیتا ہے کیونکہ من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے پھر اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور جب اللہ اس کا ہو جاتا ہے تو اللہ کی ہر شی اس کے حکم کے تابع ہو جاتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت نے یہ بھی بتا دیا کہ سورج کا چلنا قرآن سے ثابت ہے جب کہ حرکت زمین کا نظریہ خود انسان کا ایجاد کردہ ہے اور اس نظریہ میں انسان نے ۵۹۰ ق م سے لے کر ۱۷۲۷ء تک چھ مرتبہ اپنا مؤقف تبدیل کیا ہے۔ سب سے پہلے حرکت زمین کا نظریہ فیثا غورث نے ایجاد کیا اور تب سے اب تک سائنس نے اس نظریہ کے بارے میں چھ بار پلٹا کھایا اور اب دو صدیوں سے پھر سائنس اس نظریئے پر رُک گئی ہے، جب کہ اگر سورج رُکا ہوا ہوتا اور زمین گردش کرتی تو قرآن میں تزٰور عن کھفھم ذات الیمین واذا غربت تقرضھم ذات الشمال فرما کر سورج کو دائیں بائیں کرنے کی بات نہ ہوتی بلکہ زمین کے چلنے کی بات ہوتی۔

تو کیا ہم قرآن کو چھوڑ کر اس سائنس کی بات مان لیں جس نے کبھی انسان کو حیوانی سطح سے اوپر جانے ہی نہیں دیا، ارسطو نے حیوان ناطق کیا، ڈارون نے بندر کی اولاد کہا، سگمنڈ فرائیڈ نے جنسی حیوان کہا اور مارکس، لینن نے معاشی حیوان کہہ کر انسان کی تذلیل کی اور انہی سے متاثر ہو کر سرسید جیسوں نے کونوا قردۃ خسئین کی تفسیر میں انسان کو بندروں کی اولاد کہہ دیا۔ جب کہ قرآن انسان کو ''کرمنا بنی ادم'' کہہ کر عزت کا تاج پہناتا ہے کبھی اس کے سر پر احسن تقویم کا سہرا سجاتا ہے اور انسان اگر مسلمان اور خدا کا تابع فرمان ہو تو اس کو اصحاب کہف کا رتبہ عطا فرماتا۔

صحابہ کرام کی شان کا نکتہ:

اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کے سونے کو بھی بیان کیا کیونکہ یہ معمولی لوگ نہیں تھے بلکہ اللہ کے پیارے عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے ولی تھے چنانچہ فرمایا و تحسبھم ایقاظاوھم رقود اور تم ان کی آنکھیں کھلی ہونے کی وجہ سے انہیں جاگتا ہوا سمجھو گے حالانکہ وہ تو سو رہے ہیں، و نقلبھم ذات الیمین و ذات الشمال اور ہم ان کی کروٹ بدلتے ہیں (کبھی) دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب۔

تاکہ ان کے جسم محفوظ رہیں دیمک وغیرہ نہ لگے اللہ تعالیٰ علی کل شئی قدیر ہے اگر چاہے تو بغیر کروٹ بدلے بھی دیمک وغیرہ سے جسم محفوظ رکھے اور پھر اگر اللہ تعالیٰ کروٹ بدلنے کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے فرشتوں کی طرف فرما دیتا، مگر نہیں ایسا نہیں کیا، کیوں؟ اس لیے تاکہ دنیا جان لے کر جب عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے ولیوں سے خدا کو اتنا پیار ہے اور جب اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ دنیا میں گرمی و سردی کی شدت و حدّت سے بچانے کا اس قدر اہتمام فرماتا ہے تو اصحاب محمد ﷺ کا رب کے دربار میں کتنا بلند مقام ہوگا اور وہ بدنصیب لوگ جو اصحاب النار اصحاب الجنۃ سے عوام الناس کو دھوکہ دے کر یہ کہتے ہیں کہ نعوذباللہ کچھ صحابی جنتی ہیں کچھ جہنمی، ایسے بدعقیدہ خود جہنمی ہیں جو اللہ پاک اصحاب کہف کو سورج کی شعاعوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اللہ پاک اصحاب محمد ﷺ کو بھلا دوزخ کی آگ سے محفوظ نہ رکھے گا؟ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تمس النار مسلما رانی او رای من رانی (رواہ الترمذی عن جابر و حسّنہ)

اس مسلمان کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔ تو جب صحابی کو دیکھنے والے کو آگ چھو نہیں سکتی تو محبوب خدا کو دیکھنے والے کے قریب آگ کیسے آسکتی ہے۔

علامہ آلوسی بغداری علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا چونکہ جنت میں جائے گا اس لیے بعض شیعہ اپنے بچوں کو نام کلب علی رکھتے ہیں کہ جب اصحاب کہف کا کتا دوزخ میں نہ جائے گا تو حضرت علی کا کتا کیوں دوزخ میں جائے گا اس کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ولعمری ان قبله علی کلباله نجا ولکن لا اظن یقبله لانه عقور۔ ہاں اگر حضرت علی المرتضی کتے کو قبول فرمائیں گے تو ضرور اس کلب علی کو جنت ملے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت علی کے یاروں کو کاٹنے والے باولے کُتے کو حضرت علی کبھی قبول نہیں فرمائیں گے۔

ارے بدبختو! علی کے کتے کے لئے جنت مانتے ہو اور نبی علیہ السلام کے صحابہ کی شان میں بھونکتے ہو۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

اصحاب کہف اور ان کا کتا:

قرآن مجید میں متعدد مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اصحابہ کہف کے کتے کا ذکر خیر فرمایا مثلاً مندجہ بالا آیت سے اگلے الفاظ اس طرح ہیں و کلبھم باسط ذرا عیه بالو صید۔ اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے غار کی چوکھٹ پر۔ یعنی جب اصحاب کہف کروٹ لیتے ہیں تو ان کا کتا بھی کروٹ بدلتا ہے کیونکہ ان کا کتا جو ہوا پھرا نہی والے کام کیوں نہ کرے الکلب و کانوا اذا انقلبوا انقلب و ھو مثلھم فی النوم وا الیقظة (حاشیہ جلالین) مندجہ بالا قرآنی جملہ کے الفاظ وہ بابرکت الفاظ ہیں کہ تفسیر ثعلبی میں ہے۔ جو شخص ان الفاظ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر کتے کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔

دوسرے مقام پہ ایک ہی آیت میں تین مرتبہ کتے کا نام لے کر اس کا ذکر فرمایا اور وہ آیت یہ ہے۔ سیقولون ثلثة رابعھم کلبھم ویقولون خمسة سادسھم کلبھم رجما بالغیب ویقولون سبعة و ثامنھم کلبھم۔

اصحاب کہف کے بارے میں عنقریب کچھ لوگ کہیں گے وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور کچھ کہیں گے، وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا اندازے سے بات کرتے ہوئے اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا:

قل ربی اعلم بعدتھم ما یعلمھم الاقلیل۔ آپ فرمادیں ان کی گنتی میرا رب خوب جانتا ہے اور (لوگوں میں سے) نہیں جانتے مگر تھوڑے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ جو تھوڑے لوگ اصحاب کہف کی تعداد جانتے ہیں میں انہی میں سے ہوں چنانچہ قال ابن عباس انا من القلیل و ذکر ھم سبعة (حاشیہ جلالین) اور آپ نے ان کی تعداد سات بتائی ہے۔

جو تفسیر خازن میں روایت ہے اس میں اصحاب کہف کے نام یہ ہیں مکسلمینا، یملیخا، مرطونس، بیونس، ساریونس، ذونوانس، کشفیط، طنونس اور کتے کا نام قطمیر ہے، ان ناموں کے خواص جو تفسیر جمل کے حوالے سے تفسیر خزائن العرفان میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں ''ان ناموں کی برکت سے دکان جلنے سے محفوظ رہے، سرمایہ چوری سے محفوظ رہے کشتی و جہاز غرق ہونے سے بچا رہے، بھاگا ہوا شخص ان ناموں کی برکت سے واپس آجائے، بچہ رونے سے محفوظ رہے، سفر وحضر میں جان و مال کی حفاظت میں ہو، دردسر، بخار، ام الصبیان کے مرض سے افاقہ ہو، عقل تیز ہو، قیدی آزاد ہو، آگ بجھ جائے اگر ان ناموں کو کپڑے پر لکھ کر آگ میں ڈالا جائے''

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اصحب کہف بزمانہ امام مہدی بیدار شدند و بمعیت امام موصوف جہاد خواہند کرد، اصحاب کہف امام مہدی کے دور میں بیدار ہوں گے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔

امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح البیان میں ان دس جانوروں کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کئی عبادت گزار اولیاء کرام کی دشمنی کی وجہ سے دوزخ میں جارہے ہوں گے اور اللہ کے محبوبوں کا احترام کر کے اصحاب کہف کا کتا جنت میں جارہا ہوگا۔

اس کتے کے علاوہ باقی جانوروں کی نسبت بھی اللہ کے محبوبوں کی طرف ہے مثلاً صالح علیہ السلام کی اونٹنی ابراہیم علیہ السلام کا وہ بچھڑا کہ جب فرشتے انسانی شکل میں مہمان بن کر آپ کے پاس آئے تو آپ نے بھون کران کے سامنے رکھا مگر انہوں نے نہ کھایا قرآن پاک میں صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر بھی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے بچھڑے کا بھی، وہ گائے بھی جنت میں جائے گی جس کے نام پر سورۂ بقرہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے طور پر اس گائے کا گوشت جب مقتول کو مارا گیا تو مقتول نے بول کر اپنے قاتل کا پتہ بتادیا، وہ اونٹنی جس پر سوار ہو کر حضور علیہ السلام نے خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا۔ سلیمان علیہ السلام جس چیونٹی کی بات سن کر مسکرائے وہ چیونٹی بھی جنت میں جائے گی اس کا ذکر سورۂ نمل کے دوسرے رکوع میں ہے۔

کتا ہو کر جنت میں:

تفسیر روح البیان میں ہے روی انه یدخل الجنة مع المومنین اصحاب کہف کا کتا اہل ایمان (اصحاب کہف) کے ساتھ ہی جنت میں جائے گا۔ کیونکہ جب اللہ نے قرآن میں ہر جگہ اصحاب کہف کے ساتھ کتے کا ذکر فرمایا ہے تو جنت میں بھی ساتھ ہی رہے گا حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

روح المعانی میں ہے:

وھو جاء فی شان کلبھم انه یدخل الجنة یوم القیمة۔ (پ۱۵)

تفسیر روح البیان میں ہے داخل جنت شود درصورت کبش۔ مینڈھے کی صورت میں یہ کتا داخل جنت ہوگا (ج نمبر ۵) بعض کتب میں ہے کہ نبی اسرائیل کے ایک گستاخ کی شکل اس کتے کو دے کر جنت میں بھیجا جائے گا اور اس گستاخ کو اس کتے کی انسانی شکل دے کر دوزخ میں بھیجا جائے گا یہ صحبت پاکاں کا اثر ہے کہ کتے کو یہ

مقام مل رہا ہے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا بما وجدت ما وجدت؟ جو کچھ آپ نے پایا کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا بحسن الصحبة میں نے جو کچھ بھی پایا ہے اچھی صحبت سے پایا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح تراطالح کند

نکتہ:

حدیث شریف میں ہے لا تدخل الملائکۃ فیہ کلب جس گھر میں کتا ہو وہاں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہ کتا رحمت کے مرکز جنت میں جا رہا ہے کیوں؟ یہ ان کی صحبت میں بیٹھا ہے کہ لا یشقیٰ جلیسھم۔ جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں ہوتا، تفاسیر میں لکھا ہے کہ جب بزرگوں کی صحبت سے کتوں کو بھی برکت حاصل ہو جاتی ہے تو بندوں کو کیونکر محروم کر دیا جائے گا۔

شاید اسی کتے کا ذکر مولانا جامی نے پڑھا اور سوچا کہ جب اصحاب کہف کے کتے کی یہ شان ہے تو در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتے کی کیا شان ہوگی اور وجد میں آ کر عرض کیا۔

سگت را کاش جامی نام بودے
کہ آمد برزبانت گاہے گاہے

حضور! کاش آپ کے در کے کسی کتے کا نام جامی ہوتا تا کہ اسی بہانے میرا نام بھی کبھی آپ کی زبان پر آ جاتا۔

اور اسی وجہ سے حضرت امیر ملت مدینہ کی گلی کے کتوں کا احترام کرتے ہوئے اور ان کی خدمت میں کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور تاجدار گولڑہ نے تو حد ہی کر دی۔ فرماتے ہیں۔

ہوواں میں سگ مدینے دی گلی دا
ایہو رتبہ اے ہر کامل ولی دا

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ طیبہ کی گلی میں ایک چادر بچھادی کہ مدینے کی گلی کا کتا میری چادر پہ پاؤں رکھ دے تاکہ میں اس چادر کو اپنا کفن بنالوں۔ مدینے کے کتے بھی جانتے تھے کہ یہ عاشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے، چنانچہ کوئی کتا بھی چادر پہ پاؤں نہیں رکھ رہا تھا، آخر خواجہ صاحب نے مدینہ شریف کے کتوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور رو کر منت کرنے لگے، ایک کتے نے آپ کی درخواست کو قبول کرلیا اور چادر پہ پاؤں رکھ ہی دیے یہ دیکھ کر خواجہ صاحب وجد میں آ کر کہنے لگے کہ مدینہ کی گلی کے کتے نے مجھے قبول کرلیا۔

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

خاک چھانیں تو رہِ عشق نبی کی چھانیں
ذرّے ذرّے سے یہاں بوئے وفا آتی ہے

غم احمد میں مرے دل سے نکلتا ہے دھواں
یا اڈتی ہوئی طیبہ سے گھٹا آتی ہے

روضۂ پاک میں سب ضبط کیے چاک رفو
اس گلستاں میں دبے پاؤں ہوا آتی ہے

(امیر مینائی)

لوگ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام رسول خدا ہو کر اپنے بیٹے کو نہ بچا سکے مگر یہ بھی تو دیکھو کہ عیسیٰ علیہ السلام کے غلام ایک کتے کو کیا مقام دلا رہے ہیں باقی رہا نوح علیہ السلام کے بیٹے کا معاملہ تو کیا یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ، رب العالمین ہو کر شیطان سے سجدہ نہ کرا سکا اور یہ ظالم علی کل شئی قدیر کے سامنے اکڑ گیا۔

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ عقیدہ دینا چاہتا ہے کہ بیٹا نبی کا ہو اگر وسیلے کا انکار کرے تو تباہ ہوگا اور کتا ہو کر ولیوں کا وسیلہ مان لے تو نجات پا جائے گا۔

کتا ولیوں کی صحبت میں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں فمر وا براع معه کلب فاتبعهم علی دینهم (الجامع لاحکام القرآن)

(جب اصحاب کہف غار کی طرف جارہے تھے تو) ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جس کے ساتھ ایک کتا تھا (جبھی کتے نے اللہ والوں کو دیکھا تو بجائے بھونکنے کے) وہ ان کے ساتھ ہوگیا اور ان کے دین پر ان کی اطاعت کی۔ معلوم ہوا کہ بعض کتے بھی دین دار ہو جاتے ہیں مگر ولیوں کی زیارت کے بعد، اور بعض انسان بھی بے دین ہوتے ہیں دلوں میں ولیوں کا بغض رکھ کر۔ اصحاب کہف نے کتے کو دھتکارا تو ہوگا کہ ہم اپنا دین بچا کر لوگوں سے چھپ کر کہیں جارہے ہیں اور تو کتا ہے تیرا کام بھونکنا ہے لہٰذا تو ہمارے ساتھ نہ چل مگر کتے نے کہا: اگرچہ میں کتا سہی اور کتے کا کام بھونکنا ہوتا ہو مگر میں ان کتوں میں سے نہیں ہوں جو ولیوں کو بھونکتے ہیں۔ اور تمہارے ساتھ اس لئے رہنا چاہتوں ہوں کہ

نہ میں بھونکاں نہ میں ٹونکاں نہ میں شور مچاواں
نیکاں دے سنگ رَل کے کدھرے میں وی بخشیا جاواں

لہٰذا اے اللہ والو! اگر تم نے سب کچھ چھوڑ کر بھی عیسیٰ علیہ السلام کا دامن نہیں چھوڑا تو میں بھی تمہارا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ میں سارے جہاں کو بھونکوں تو بھونکوں مگر تمہیں نہیں بھونکوں گا۔ تمہاری طرف منہ کر کے نہیں بھونکوں گا، تمہارے علاقے میں نہیں بھونکوں گا۔ بزرگ فرماتے ہیں کوئی کتا کتنا بھی کاٹنے والا کیوں نہ ہو، تم پر حملہ کرے تو اصحاب کہف کے کتے والے الفاظ پڑھ لو تمہیں نہیں کاٹے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری دنیا کے کتے عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے ولیوں کے کتے کا احترام

کرتے ہیں، اس دور میں پتہ نہیں کس نسل کے کُتے پیدا ہوگئے ہیں جو حضور علیہ السلام کی امت کے ولیوں کا بھی احترام نہیں کرتے، مولانا روم فرماتے ہیں:

شد سرِ شیرانِ عالم جملہ پست　　　چوں سگ اصحاب را دادند دست
چہ زیاں استش ازاں نقش نفور　　　چونکہ جانِ غرق شد در بحر نور

وہ کتا ہو کر جہان کے شیروں سے نمبر لے گیا کیونکہ اس کی جان ولایت کے نور میں غرق ہوگئی۔

تفسیر قرطبی میں ہے فقام الکلب علی رجلہ و رفع یدیہ الی السماء کھیئۃ الداعی فنطق فقال لاتخافوا منی انا احب اولیاء اللّٰہ تعالٰی وہ کتا اصحاب کہف کو دیکھ کر (خوشی سے) اپنے پاؤں پہ کھڑا ہوگیا اور دعا کرنے والوں کی طرح اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس نے بولنا شروع کر دیا پس (اصحاب کہف سے عرض کرنے لگا) مجھ سے بھونکنے کا خطرہ محسوس نہ کرو کیونکہ میں ولیوں سے محبت کرنے والا کتا ہوں۔ (لہٰذا تم سو جانا میں تمہارا پہرہ دوں گا۔ اور پہرہ بھی کیسے دوں گا۔ کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید)

معلوم ہوا! کتے کا مقدر بھی اگر بدلتا ہے تو کسی ولی کے در سے بدلتا ہے مگر کب؟ جب ولیوں کو بھونکنا بند کرے گا۔ پھر جہاں تین سو نو سال ولی اللہ زندہ رہیں گے ان کے صدقے میں کتے کو بھی زندگی نصیب رہے گی، کم از کم اتنا تو مانو کہ اللہ کے ولیوں نے اپنا ادب کرنے والے کتے کو بھی تین سو نو سال تک مرنے نہ دیا، تو جو اپنے در پہ رہنے والے کتوں کو بھی نہیں مرنے دیتے خود کیسے مر جاتے ہیں؟ اگر اس کتے سے پوچھو کہ اے کتے! تجھے کیا لگ گیا ہے کہ تیرا ذکر بار بار قرآن میں آرہا ہے تو کتا جواب دے گا مجھے کچھ نہیں لگا بلکہ میں ولیوں کے قدموں سے لگ گیا ہوں اور میری شان کو وہی جان سکتے ہیں جو بستروں کا بوجھ نہیں بلکہ عشق کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ ارے اگر تمہیں ولیوں کے پاس بیٹھنے کا طریقہ نہیں آتا تو اصحاب کہف کے کتے سے ہی سیکھ

لو، کتنی دیر بیٹھا رہا، کیوں بیٹھا رہا کیسے بیٹھا رہاو کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید۔ اصحاب کہف تو خدا کی رضا کے لئے ٹھہرے رہے اوران کا کتاان کی رضا کے لئے بازو پھیلا کر بیٹھا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ غار عام تھی مگر اب کھفھم، خاص غار ہوگئی کتا عام تھا مگر اب ''کلبھم ''خاص ان کا کتا ہوگیا، معلوم ہوا کہ ولیوں کی ہر شی خاص ہوتی ہے جب ان کا کتا خاص ہو جاتا ہے تو باقی ہر شی کیوں نہ خاص ہوگی، غار میں جائیں تو غار خاص، مزار میں جائیں تو مزار خاص۔

کتے کا نعام:

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب اللہ تعالیٰ صابروں کو بغیر حساب کے اجر سے نوازتا ہے۔ اصحاب کہف کے کتے نے صبر کیا اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں نہ صرف اس کا نام لے کر ذکر کیا بلکہ اس کے بیٹھنے کا انداز کو بھی بیان کردیاو کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید حالانکہ خدا کے کتے تو ہزاروں ہیں مگر یہ صرف خدا کا نہیں ساتھ ولیوں کا کتا بھی تھا۔ لہٰذا جو یہ کہتا ہے کہ خدا کا کتا مسجد میں نہیں آسکتا تو غوث اعظم کا کتا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تو اس کو اصحاب کہف کے کتے کی عظمت پر غور کرنا چاہیے کہ خدا کے کئی بندے بھی دوزخ میں جائیں گے لیکن یہ کتا جنت میں جائے گا پھر اگر کوئی بڑے سے بڑا عالم، پیر سید، امامت کروا رہا ہو اور یہ سمجھے کہ باقی ساری سورۃ کہف پڑھ لیتا ہوں مگر کتے کا ذکر چھوڑ دیتا ہوں بلکہ اس جگہ کسی بادشاہ یا وزیر کا نام لے لیتا ہوں تو نماز نہ ہوگی کیونکہ اگر خدا نے اس کا ذکر نہیں چھوڑا تو تم کون ہوتے ہو چھوڑنے والے؟ اگر کوئی کعبہ کے اندر جا کر بھی نماز پڑھے گا تو اس کو اصحاب کہف کے کتے کا نام لینا ہی پڑے گا۔

میں نے عالم تصورات میں پوچھا اے اصحاب کہف کے کُتے! تو خود کتا تیری ماں کتی، تیرا باپ کتا، تجھ سے اللہ کو اتنا پیار کیوں آگیا؟ تو اس نے کہا: اللہ کو میرا عقیدہ اچھا لگا کہ میں اس کے ولیوں کا احترام کر کے اس مقام پر پہنچ گیا کہ آج سے کئی سو

سال بعد اللہ نے اپنے محبوب پر قرآن اتارا تو جہاں اس نے اس قرآن میں اپنے نبیوں کا ذکر فرمایا وہاں میرا بھی ذکر کر دیا ثابت ہوا کہ جو انسان ہو کر اس کے ولیوں کا احترام نہ کرے اللہ اس کا بیڑا غرق کرتا ہے (من عادیٰ لی ولیا فقد اذنته بالحرب) اور اگر کتا ہو کر بھی اس کے ولیوں کا احترام کرے تو اس کے درجے بلند بھی کرتا ہے اور قرآن میں جہاں اپنے محبوبوں کا ذکر محبت کے ساتھ فرماتا ہے وہاں اس کتے کا ذکر بھی خیر سے کرتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ بندہ اگر گالی بھی دے تو کہتے ہیں بول رہا ہے اور کتا اگر چور کی نشاندھی بھی کرے تو کہتے ہیں بھونک رہا ہے۔ مگر اصحاب کہف کے کتے نے سب کچھ بدل کے رکھ دیا اور اپنے عقیدے سے بتا دیا کہ بھونکتا وہ ہے جو ولیوں کی گستاخی کرتا ہے اس لحاظ سے کوئی انسان ہو کر بھونکتا ہے اور کوئی کتا ہو کر یہ کہتا ہے لا تخافو منی انا احب اولیاء اللہ۔ گھبراؤ نہیں میں تو اولیاءاللہ کا احترام کرنے والا ہوں۔

ولی اللہ نگاہ کر کے تقدیر بدل دیندے
لکھی لوح وقلم والی تحریر بدل دیندے

پیر اور مرید کیلئے سبق:

اصحاب کہف کے کتے نے تین سو نو سال صبر کے ساتھ ولیوں کے دروازے پر بیٹھ کر ان بے صبرے مریدوں کو سبق دیا ہے جو چند دن مرشد کی خدمت کر کے تھک جاتے ہیں اور شکوے شروع کر دیتے ہیں کہ اتنی دیر ہو گئی ہمیں ملا کچھ نہیں ہے لہٰذا ایسے مرید سگ اصحاب کہف سے سبق سیکھیں کہ جو تین سو نو سال تک صبر کر کے بیٹھا رہا اور شکوہ نہ کیا۔ اور پیروں کیلئے بھی سبق ہے کہ اگر تمہارے پلے کچھ نہیں تو مرید صادق کا وقت ضائع نہ کرو بلکہ اس کو جلدی فارغ کر دو کیونکہ جن کے پاس کچھ ہوتا ہے وہ تو کتے کو بھی محروم نہیں کرتے، ہاں مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ منزلیں طے ہو رہی ہوتی ہیں لیکن مرید کو علم ہی نہیں ہوتا جس طرح مسافر شیشے بند کر کے ریل میں سویا ہوتا ہے اور

سفر طے ہو رہا ہوتا ہے۔ دیکھو خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام یتیم بچوں کی دیوار درست کر رہے ہیں، ان کا خزانہ محفوظ کر رہے ہیں مگر بچوں کو خبر تک نہیں کہ ہمارا کام سنور رہا ہے، اسی طرح مرید راہ طریقت میں بچے کی طرح ہوتا ہے لہٰذا اس کے روحانی خزانے کی حفاظت کا اس کو علم نہ ہونا اس کے حق میں بہتر ہے کیونکہ ابھی خزانے کو صحیح استعمال نہ کر سکے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تکبر پیدا ہو جائے تو سارا سفر بے کار ہو جائے۔ لہٰذا اس کے اخلاق رزیلہ کو ختم کر کے صابر بنا کر فیض کا دریا اس کو پلایا جائے، اہل اللہ کی صحبت مردہ دل کو زندگی دیتی ہے جس طرح بی بی مریم نے کھجور کے خشک تنے کو ہاتھ لگایا تو ہرا بھرا ہو کر کھجوریں دینے لگا، اسی طرح محبوبان خدا کا حال ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے جب اتنا عرصہ کتا نہیں مرتا تو دل کیسے مر سکتا ہے؟

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ کی محفل میں ایک کتا آ کر بیٹھتا تھا اور ولی اللہ کی نگاہ اس کتے پہ بھی پڑ جاتی تھی، ایک دن دیکھا گیا کہ وہ کتا دوسرے کتوں کے ساتھ اونچی جگہ پہ بیٹھا ہوا ہے اور تمام کتے اس کے ارد گرد سر جھکائے مؤدب ہو کر بیٹھے رہے۔ تو جب کتے اولیاء اللہ کے فیض سے محروم نہیں رہ سکتے تو انسان کیسے محروم رہے گا بس ضرورت اس امر کی ہے۔

؎ دل کا حجرہ صاف کر جاناں کے آنے کیلئے

اصحاب کہف نیند سے بیدار ہوتے ہیں:

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات حق ہے مگر اصحاب کہف کے قصے کے بارے میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نحن نقص علیك نبأھم بالحق۔ ہم ان کا ٹھیک ٹھیک حال آپ کو سناتے ہیں۔ جب وہ سو رہے تھے تب بھی اور اب بھی اور قیامت تک ان کی خواب گاہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے لو اطلعت علیھم لو لیت منھم فرارا و لملئت منھم رعبا۔ اے سننے والے اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے اور (تیرا دل) ان کی طرف سے رعب کے ساتھ بھر

جائے جب ان کی حالت نیند میں یہ ہیبت ہے تو حالت بیداری میں کیا ہوگی اور پھر ان کے دیدار کی تاب کس میں ہو سکتی ہے؟ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جب آپ جنگ روم کیلئے نکلے تو کہف (غار) کے پاس سے گزرے اور چاہا کہ غار میں جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی آیت پڑھ کر ان کو داخل ہونے سے منع کر دیا، پھر ایک جماعت انہی کے حکم سے غار میں داخل ہوئی تو اللہ نے ایسی ہوا چلائی کہ سب جل گئے۔ (خزائن العرفان)

اصحاب کہف کے سو کر اُٹھنے کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔ ثم بعثنهم لنعلم ای الحزبین احصیٰ لما لبثوا امدا۔ پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں (اصحاب کہف کے) دونوں گرہوں میں سے کون ہے جو اپنے ٹھہرنے کی مدت ٹھیک ٹھیک جانتا ہے۔ دوسرے مقام پہ یہی بات قدرے تفصیل سے فرمائی:

و کذلك بعثنٰھم لیتساءلوا بینھم قال قائل منھم کم لبثتم قالوا لبثنا یوما او بعض یوم قالوا ربکم اعلم بما لبثتم۔

اور (ایک مدت دراز کے بعد) یونہی ہم نے ان کو جگایا کہ آپس میں ایک دوسرے کے احوال پوچھیں، تو ان میں سے ایک (ان کے سردار مکسلمینا) نے کہا: تم یہاں کتنی دیر رہے؟ کچھ نے کہا ایک دن، کچھ نے کہا آدھا دن (کیونکہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور اب جبکہ اُٹھے ہیں تو سورج غروب ہو رہا ہے تو انہوں نے سمجھا آج ہی کے دن ہم سوئے ہیں اور آج ہی اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں) بعض دوسروں نے کہا: تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے تم جتنی دیر بھی ٹھہرے۔ (اب جو کرنے والا کام ہے وہ کرو)

فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ الی المدینۃ فلینظر ایھا ازکی طعاما فلیأتکم برزق منه و لیتلطف و لا یشعرن بکم احدا۔

ترجمہ: اپنے میں سے ایک کو یہ چاندی (کے سکّے) دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ

غور کرے کہ وہاں کونسا کھانا زیادہ ستھرا ہے پس چاہیے کہ وہ تمہارے لیے اس میں سے کھانا لائے اور بات کرتے ہوئے نرمی کرے اور کسی کو (پورے حالات کی) خبر نہ دے۔

انهم ان يظهروا عليكم يرجموكم او يعيدوكم في ملتهم و لن تفلحوا اذا ابدا۔

ترجمہ: بیشک اگر انہوں نے تم پر اطلاع پالی تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا واپس اپنے دین کی طرف پھیر لیں گے اور اس طرح تمہارا بھلا نہ ہوگا۔

تفاسیر میں لکھا ہے اس دور میں لوگ آخرت اور حیات بعد الموت کے منکر ہو چکے تھے اور اس دور کا بادشاہ مومن تھا رات کو رو رو کر دعائیں کرتا ''یا اللہ کوئی ایسا واقعہ دکھادے کہ لوگ اس عقیدے پر پکے ہو جائیں'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نشانی کا ظہور فرمایا اور اس کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں کیا:

و كذلك اعثرنا عليهم ليعلموا ان وعد الله حق و ان الساعة لا ريب فيها۔

ترجمہ: اور اس طرح ہم نے ان پر لوگوں کو اطلاع کر دی تاکہ لوگ جانیں کہ (مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا) وعدہ الٰہی سچا ہے اور قیامت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

چنانچہ دنیا نے کھلی آنکھوں سے اس نشانی کو دیکھا اور اصحاب کہف پھر دوبارہ غار میں تشریف لے گئے: بادشاہ نے ان کے اجساد کو خوبصورت صندوقوں میں محفوظ کیا اور غار کا دروازہ بند کر کے وہاں مسجد بنوادی، ہر سال خاص دن میں لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں گویا کہ اس طریقے سے ان کا ہر سال عُرس منایا جاتا ہے۔ (خزائن)

عقیدے کی بات:

اس دور میں اصحاب کہف کے ماننے والوں کا عقیدہ کیسا تھا؟ اس بارے میں قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کا مندرجہ ذیل حصہ پیش نظر رہے کہ جب اصحاب کہف کی یادگار قائم کرنے کی بات چلی تو ان میں اختلاف پیدا ہوا اور فیصلہ اس پہ ہوا کہ ان کے قرب میں مسجد بنائی جائے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اذیتنازعون امرھم بینھم فقالوا ابنوا علیھم بنیانا ربھم اعلم بھم قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا۔

ترجمہ: جب وہ لوگ ان کے (گرد عمارت بنانے کے) معاملہ میں جھگڑنے لگے، پس کہنے لگے کہ ان پر کوئی عمارت بناؤ، ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے تو جو اس معاملہ میں غالب آئے انہوں نے کہا ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ (تاکہ مسجد میں نماز ہو اور نمازی اصحاب کہف کے قرب سے بھی برکت حاصل کریں)۔ (مدارک)

کیونکہ آج کل ولیوں پر بھی قبضے ہو رہے ہیں ایک آدھ بات دیکھ کر ولی اللہ کو اپنے مسلک کا قرار دے دیا جاتا ہے جس طرح حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حنبلی المذہب ہونے کی وجہ سے رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام جیسے چند مسائل کو دیکھ کر غیر مقلدین حضرات ان کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارے ہاں تو ولایت کا کھاتہ ہی نہیں ہے۔ فقہی مسائل کی بنا پر اتنا بڑا کام نہیں ہو سکتا بات تو ساری عقائد کی ہے اگر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تمہارے ساتھ ملتا ہے تو بسم اللہ! جبکہ تم لوگوں کا سارا عقیدہ تو غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کے ایک شعر سے لرزہ براندام نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

نظرت الی بلاد اللہ جمعا

کخردلۃ علی حکم اتصال

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے سارے شہروں کو بیک وقت ایسے دیکھتا ہوں جس طرح رائی کا دانہ۔

اور جناب کا تو امام الانبیاء علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ دیوار پیچھے کا علم نہیں ہے۔

اصحاب کہف کے واقعہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے واضح اشارہ دے دیا کہ ان کے ماننے والے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مزارات کے ساتھ مسجد بنانے کے قائل تھے۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے ساتھ مسجد بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر کر کے اس سے منع نہ فرمانا اس عقیدہ کے درست ہونے کی قوی دلیل ہے، اس میں حکمت یہی ہے کہ بزرگوں کے قرب میں برکت ہوتی ہے اسی وجہ سے لوگ ان کے مزارات پہ حاضری دیتے ہیں اور حضور علیہ السلام نے قبروں کی زیارت کو سنت اور حصول ثواب کا ذریعہ قرار دیا۔

آج پاک و ہند سے لے کر مدینہ شریف مسجد نبوی تک چلے جاؤ لاہور میں داتا کا دربار ہے ساتھ مسجد، قصور میں بابا بلھے شاہ کا مزار ہے ساتھ مسجد، جھنگ میں سلطان العارفین کا مزار ہے ساتھ مسجد، پاکپتن میں بابا فرید کا مزار ہے ساتھ مسجد، گولڑہ شریف میں تاجدار گولڑہ کا مزار ہے ساتھ مسجد، شرقپور شریف میں میاں شیر ربانی کا مزار ہے ساتھ مسجد، سرہند شریف میں مجدد الف ثانی کا مزار ہے ساتھ مسجد، بریلی شریف میں امام احمد رضا کا مزار ہے ساتھ مسجد، اجمیر شریف میں خواجہ غریب نواز کا مزار ہے ساتھ مسجد، دلی میں محبوب الٰہی کا مزار ہے ساتھ مسجد، بغداد شریف میں غوث صمدانی کا مزار ہے ساتھ مسجد، بغداد ہی میں امام ابوحنیفہ کا مزار ہے ساتھ مسجد، اصحاب کہف کا مزار ہے ساتھ مسجد اور مدینہ پاک میں امام الانبیاء کا روضہ اقدس ہے ساتھ مسجد۔

ے اِس طرف روضے کا منظر اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

اشارے قرآن کرتا ہے، عالم بیان کرتا ہے سمجھنا تمہارا کام ہے اور

ے نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے سُنّی مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

واقعۂ اصحاب کہف کا خلاصہ:

سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع آسمانی کے بعد اہل انجیل کی حالت

ابتر ہوگئی وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اور دوسروں کو بت پرستی پر مجبور کرنے لگے ان میں دقیانوس بادشاہ بڑا جابر تھا جو شخص بت پرستی نہ کرتا وہ اس کو قتل کر دیتا اصحاب کہف شہر افسوس کے شرفاء و معززین میں سے ایماندار لوگ تھے دقیانوس کے جبر و ظلم سے اپنا ایمان بچانے کیلئے بھاگے اور قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہو گئے۔

وہاں سو گئے تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک اسی حال میں رہے بادشاہ کو جستجو سے معلوم ہوا کہ وہ غار کے اندر ہیں تو اس نے حکم دیا کہ غار کو ایک سنگین دیوار کھینچ کر بند کر دیا جائے تا کہ وہ اس میں مر کر رہ جائیں اور وہ اُن کی قبر ہو جائے یہی اُن کی سزا ہے۔ عمالِ حکومت میں سے یہ کام جس کے سپرد کیا گیا وہ نیک آدمی تھا اُس نے ان اصحاب کے نام، تعداد اور پورا واقعہ رانگ کی تختی پر کندہ کرا کر تانبے کے صندوق میں دیوار کی بنیاد کے اندر محفوظ کر دیا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسی طرح ایک تختی شاہی خزانے میں بھی محفوظ کرا دی گئی کچھ عرصہ بعد دقیانوس ہلاک ہوا زمانے گزرے، سلطنتیں بدلیں تا آنکہ ایک نیک بادشاہ فرمانروا ہوا اس کا نام بیدروس تھا جس نے اڑسٹھ سال حکومت کی پھر ملک میں فرقہ بندی پیدا ہوئی اور بعض لوگ مرنے کے بعد اُٹھنے اور قیامت آنے کے منکر ہو گئے بادشاہ ایک تنہا مکان میں بند ہو گیا اور اس نے گریہ وزاری سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی یارب کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما جس سے خلق کو مُردوں کے اُٹھنے اور قیامت آنے کا یقین حاصل ہو۔ اسی زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بکریوں کیلئے آرام کی جگہ حاصل کرنے کے واسطے اسی غار کو تجویز کیا اور دیوار گرا دی دیوار گرنے کے بعد کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ گرانے والے بھاگ گئے اصحابِ کہف بحکم الٰہی فرحاں و شاداں اُٹھے چہرے شگفتہ، طبیعتیں خوش، زندگی کی تر و تازگی موجود، ایک نے دوسرے کو سلام کیا نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، فارغ ہو کر یملیخا سے کہا: آپ جائیے اور بازار سے کچھ کھانے کو بھی لائیے اور یہ خبر بھی لائیے کہ دقیانوس کا ہم لوگوں کی نسبت کیا ارادہ ہے وہ بازار گئے اور شہر پناہ کے دروازے پر اسلامی علامت

دیکھی نئے نئے لوگ پائے، انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی قسم کھاتے سُنا تعجب ہوا یہ کیا معاملہ ہے کل تو کوئی شخص اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لینے سے قتل کر دیا جاتا تھا آج اسلامی علامتیں شہر پناہ پر ظاہر ہیں لوگ بیخوف وخطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی قسم کھاتے ہیں پھر آپ نان پز کی دوکان پر گئے کھانا خریدنے کیلئے اس کو دقیانوسی سکہ کا روپیہ دیا جس کا چلن صدیوں سے موقوف ہو گیا تھا اور اس کا دیکھنے والا کوئی بھی باقی نہ رہا تھا۔ بازار والوں نے خیال کیا کہ کوئی پُرانا خزانہ اُن کے ہاتھ آ گیا ہے اُنہیں پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے وہ نیک شخص تھا اُس نے بھی ان سے دریافت کیا کہ خزانہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: خزانہ کہیں نہیں ہے یہ روپیہ ہمارا اپنا ہے حاکم نے کہا یہ بات کسی طرح قابل یقین نہیں اس میں جو سنہ موجود ہے وہ تین سو برس سے زیادہ کا ہے اور آپ نوجوان ہیں ہم لوگ بوڑھے ہیں ہم نے تو کبھی یہ سکہ دیکھا ہی نہیں، آپ نے فرمایا: میں جو دریافت کروں وہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ تو عقدہ حل ہو جائے گا یہ بتاؤ کہ دقیانوس بادشاہ کس حال وخیال میں ہے حاکم نے کہا کہ آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں سینکڑوں برس ہوئے جب ایک بے ایمان بادشاہ اس نام کا گزرا ہے آپ نے فرمایا: کل ہی تو ہم اس کے خوف سے جان بچا کر بھاگے ہیں میرے ساتھی قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہیں چلو میں تمہیں ان سے ملا دوں حاکم اور شہر کے عمائد اور ایک خلقِ کثیر ان کے ہمراہ سر غار پہنچے اصحاب کہف یملیخا کے انتظار میں تھے کثیر لوگوں کے آنے کی آواز اور کھٹکے سُن کر سمجھے کہ یملیخا پکڑے گئے اور دقیانوسی فوج ہماری جستجو میں آ رہی ہے! اللہ کی حمد اور شکر بجالانے لگے اتنے میں یہ لوگ پہنچے یملیخا نے تمام قصہ سُنایا اُن حضرات نے سمجھ لیا کہ بحکم الٰہی اتنا طویل زمانہ سوئے اور اب اس لیے اُٹھائے گئے ہیں کہ لوگوں کیلئے بعد موت زندہ کیے جانے کی دلیل اور نشانی ہو۔ حاکم سر غار پہنچا تو اس نے تانبے کا صندوق دیکھا، اس کو کھولا تو تختی برآمد ہوئی اس تختی میں ان اصحاب کے اسماء

اوران کے کتے کا نام لکھا تھا یہ بھی لکھا تھا کہ یہ جماعت اپنے دین کی حفاظت کیلیے دقیانوس کے ڈر سے اس غار میں پناہ گزیں ہوئی۔ دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے انہیں غار میں بند کر دینے کا حکم دیا ہم یہ حال اس لیے لکھتے ہیں کہ جب کبھی غار کھلے تو لوگ حال پر مطلع ہو جائیں یہ لوح پڑھ کر سب کو تعجب ہوا اور لوگ اللہ کی حمد و ثنا بجالائے کہ اس نے ایسی نشانی ظاہر فرمادی جس سے موت کے بعد اُٹھنے کا یقین حاصل ہوتا ہے حاکم نے اپنے بادشاہ بیدروس کو واقعہ کی اطلاع دی وہ امراء وعمائد کو لے کر حاضر ہوا اور سجدۂ شکر الٰہی بجالایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اصحابِ کہف نے بادشاہ سے معانقہ کیا اور فرمایا ہم تمہیں اللہ کے سپرد کرتے ہیں والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت فرمائے اور جن وانس کے شر سے بچائے بادشاہ کھڑا ہی تھا کہ وہ حضرات اپنی خوابگاہوں کی طرف واپس ہو کر مصروف خواب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وفات دی بادشاہ نے صندوق میں ان کے اجساد کو محفوظ کیا اور اللہ تعالیٰ نے رعب سے ان کی حفاظت فرمائی کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہاں پہنچ سکے۔ بادشاہ نے سرِ غار مسجد بنانے کا حکم دیا اور ایک سرور کا دن معیّن کیا کہ ہر سال لوگ عید کی طرح وہاں آیا کریں۔ (خازن، خزائن وغیرہ)

حرف آخر کے طور پر مسجد کی عظمت اور مزار کی فضیلت نیز مزارات پہ حاضری کی اہمیت وادب کے بارے میں چند معروضات ملاحظہ ہوں۔ (لیکن پہلے ایک ضروری بات)

ضروری بات:

بخاری شریف میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: لعنة الله على اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد يحذر ما صنعوا۔

ترجمہ: حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ تعالیٰ کی

لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا، آپ ﷺ ان کے برے اعمال سے امت کو ڈرا رہے تھے"۔ (جلد۲، صفحہ ۶۳۹)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیضاوی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں توریشتی سے نقل فرماتے ہیں۔

قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنے ہیں کہ قبر کو قبلہ بنایا جائے اور قبر کی تعظیم مقصود ہو۔ اور قبر کی طرف بلا حجاب دیوار وغیرہ سجدہ کیا جائے۔

حضرت قبلہ سید دیدار علی شاہ محدث الوری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

استاذی ومولائی مولانا احمد علی صاحب مرحوم ومغفور سہارنپوری شرح حدیث مذکور میں حاشیہ بخاری شریف پر قسطلانی اور لمعات سے تحریر فرماتے ہیں:

قوله يحذرنا ماصنعوا من اتخاذ المساجد على القبور قال البيضاوى لما كانت اليهود و النصارى يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لشانهم و يجعلونها قبلة يتوجهون فى الصلوة نحوها و اتخذوها او ثانا لعنهم و منعهم عن مثل ذالك فاما من اتخذ مسجدا فى جوار صالح و قصد التبرك بالقرب منه لا التعظيم و لا التوجه نحوه فلا يدخل فى ذالك الوعيد و فى اللمعات قال التوريشتى فاما اذا وجد بقربها موضع بنى للصلوة او مكان يسلم فيه المصلى عن التوجه الى القبور فانه فسحة من الامر۔ (جلد۲، صفحہ ۶۳۹ حاشیہ ۸)

ترجمہ: قولہ! ہم کو ان کے برے اعمال سے ڈرا رہے تھے کہ انہوں نے قبروں کے اوپر مسجدیں بنالیں تھیں۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہودی اور عیسائی انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو ان کی شان کی تعظیم کے لئے سجدہ کیا کرتے تھے۔ انہیں اپنا قبلہ قرار دیتے کہ نماز وغیرہ میں ان کی جانب رخ کرتے تھے۔ انہوں نے ان قبور کو قبلہ بنا رکھا تھا۔ آپ نے ان پر لعنت فرمائی اور اہلِ ایمان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

لیکن اگر کوئی شخص کسی نیک آدمی کی قبر کے قریب مسجد بنائے اور اس کے قرب سے

برکت کے حصول کا ارادہ کرے نہ الوہی تعظیم اور نہ ہی اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی نیت ہو تو وہ اس وعیدِ نبوی میں داخل نہیں ہے۔ لمعات میں ہے کہ علامہ توریشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر قبروں کے قریب مسجد کیلئے جگہ بنادی جائے یا ایسی جگہ ہو جہاں نمازی کا رخ قبور کی جانب ہونے سے بچت ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ دیداریہ صفحہ ۴۲۴، ۴۲۵)

مسجد کی اہمیت وفضیلت:

اس کائنات کی ابتداء تو مسجد سے ہوئی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا و ھدی للعالمین ۔ لیکن اس کائنات کی انتہا بھی مسجد پر ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، جب قیامت کو ہر شئی فنا ہو جائے گی تو مساجد پھر بھی قائم رہیں گی فانھا تنضم بعضھا الی بعض۔ اور تمام مسجدیں اکٹھی ہو کر کعبہ کے پاس چلی جائیں گی کیونکہ کل شئی یرجع الی اصلہ۔ ہر شئی اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اور مساجد کی اصل کعبۃ اللہ ہے اسی لیے مسجد کو بنت کعبہ کہا جاتا ہے اور بیٹی مشکل وقت میں باپ ہی کے گھر آتی ہے پھر مسجدیں کعبہ کے ساتھ مل کر جنت میں چلی جائیں گی۔ شاید یہی مساجد جنت میں باغات کی شکل میں متشکل کر کے اہل ایمان کو عطا کی جائیں۔ تو گویا مسجد ہمارے ایمان اور آخرت کا سرمایہ ہے، ہماری ساری عزت مساجد کی وجہ سے ہے جب تک مسجد کی عزت ہوتی رہے گی دنیا میں ہمارا بھی کوئی مقام ہوگا۔ دنیا کے سرمائے کی جس طرح ہم بدل وجاں حفاظت کرتے ہیں مسجد کی عزت کا تحفظ بھی ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

دیکھو حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور علیہ السلام کے قدمون کو معراج کی رات بوسہ دے کر اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں اور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنے ہاتھ سے مسجد کی صفائی فرما کر مسجد کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار فرما رہے ہیں

اور کائنات کو درس دے رہے ہیں کہ

؎ یہی مسجد یہی کعبہ یہی گلزار جنت ہے
چلے آؤ مسلمانو! یہی تخت محمد ہے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی کریم علیہ السلام مسجد قبا میں تشریف لے جاتے ہیں کمر باندھتے ہیں، ایک ٹہنی لیتے ہیں اور اپنے دست رحمت سے مسجد کی صفائی فرماتے ہیں، تھوک اگرچہ ناپاک نہیں ہے لیکن حضور علیہ السلام نے کسی کی تھوک کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ مسجد سے صاف فرمایا۔

ہمارے گھر کی کوئی توہین کرے تو جان پر کھیل جاتے ہیں اور مساجد تو اللہ کے گھر ہیں ان بیوت اللہ من الارض مساجدھا۔ تو گویا مسجد کی توہین خدا کی توہین ہے، اسی لیے مسجد میں پیاز، لہسن اور کوئی بھی بدبودار شی کھا کر آنے سے منع فرمایا گیا۔ تو جب اتنی سی توہین برداشت نہیں ہے تو مسجد میں بمباری اور خون خرابہ کیسے برداشت ہو سکتے ہیں، مسجد میں جب مستعمل پانی نہیں گرایا جا سکتا تو خون مسلم گرانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ اسی لیے مساجد کے ماحول کو خراب کر کے مسجد کو بے آباد کرنے کی کوشش کرنے والے کو قرآن پاک میں بڑا ظالم کہا گیا ہے۔ (و من اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذ کر فیھا اسمہ و سعیٰ فی خرابھا) اور حدیث شریف میں ہے:

المساجد سوق من اسواق الاخرۃ من دخلھا کان ضیفاللّٰہ قراہ المغفرۃ و تحفتہ الکرامۃ۔

ترجمہ: مسجدیں آخرت کے بازار ہیں جو ان میں داخل ہوا وہ اللہ کا مہمان بن گیا اور اس کی مہمانی اللہ تعالیٰ اس کی بخشش سے فرمائے گا اور اس کو عزت کا تحفہ عطا کیا جائے گا۔

آج بڑا عجیب دور آ گیا ہے کہ مسلمان نماز پڑھنے تو مساجد میں نہیں آتے مگر لڑائی جھگڑے کیلئے اور فضولیات کیلئے مسجد کا رُخ کرتے ہیں۔ اگر غیر مسلم ہماری مساجد کا احترام نہیں کرتے تو خود مسلمان کتنا احترام کرتے ہیں۔ مساجد اور شعائر

اسلام کا مذاق کافروں سے زیادہ خود مسلمان اُڑاتے ہیں۔ کیا سنت رسول کو روزانہ چہرے سے اتار پھینکنا اور پانچ وقت حی علی الصلوٰۃ کی آواز مسجد سے سن کر نماز نہ پڑھنا اللہ رسول کے ساتھ دھوکہ و مذاق نہیں ہے؟

نبی کریم علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے ادوار میں مسجد کو مرکزیت حاصل تھی، صرف نماز ہی نہیں فیصلے بھی مسجد میں ہوتے تھے، تھانہ اور عدالت بھی مسجد میں قائم تھے تاکہ ہر مسلمان ہر وقت مسجد کی طرف اپنی محتاجی کو محسوس کرتا رہے، ہم نے اس کی مرکزیت کو ختم کر دیا تاکہ نہ مسلمان پانچ وقت مسجد میں حاضری دیں، نہ مل کر بیٹھیں اور نہ ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس ہو اور معاشرہ اخلاق و محبت سے عاری ہو جائے، آج عدالتوں، تھانوں، سینماؤں میں رش ہے اور مسجدیں ویران ہیں۔ ایک جج اگر جوتے اتار کر مسجد میں آ کے فیصلے کرے گا اور پانچ وقت دربارِ خداوندی میں سر جھکائے گا تو اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوگا جس کی روشنی میں وہ فیصلے کرے گا تو جرائم کا خاتمہ بھی ہوگا۔

مگر کیا کیا جائے وہی مسجد کہ ہمارے آقا علیہ السلام کے معراج کی ابتداء جس مسجد سے ہوتی ہے اور انتہا بھی (سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ) بظاہر آباد ہونے کے باوجود نہ نمازیوں میں وہ نور و سرور ہے اور نہ مسجد کے میناروں سے بلند ہونے والی صدائے آذان میں وہ سوز و گداز ہے۔

رہ گئی رسم آذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اسلام کا صرف نام باقی رہ گیا، قرآن کی صرف رسم باقی رہ گئی۔ مسجدوں کی صرف عمارتیں خوشنما نظر آتی ہیں مساجدھم معمورۃ وھی خراب۔ دیکھنے میں مسجدیں آباد ہوں گی مگر روح عبادت اور لذت سجود سے مسجدیں بھی خالی ہوں گی اور نمازی بھی۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اصحابِ کہف کے ماننے والوں نے ان کی زیارت کے ساتھ مسجد اسی لیے بنائی تھی کہ ادھر سے فیضانِ اولیاء لیا جائے اور ادھر ذکر خدا کیا جائے کیونکہ دامن صلحاء ہاتھ میں ہو تو گمراہی سے بھی بچا سکتا ہے اور عبادت میں سرور بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جب سے لوگوں نے دامن اولیاء چھوڑا ہے تب سے مساجد کا احترام بھی ختم ہو گیا ہے اور عبادت میں لذت بھی دکھائی نہیں دیتی۔

مزارات کی عظمت وبرکت:

کراچی کے ایک ڈاکٹر صاحب ہیں جن کو دنیا بھر کا شرک مزارات اولیاء پہ ہی نظر آتا ہے تعصب میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ کبھی یوں بھی لکھ دیتے ہیں کہ جتنی قبریں ہیں سب خالی ہیں۔ نہایت سادگی سے عرض کرتا ہوں کہ جتنی خالی ہیں سب تمہاری ہیں۔

کیونکہ اگر سب خالی ہوتیں تو معراج کی رات سب نبی قبروں سے آ کر حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز کیسے ادا کر رہے ہیں؟ اور پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو صحیح مسلم میں ہے: مررت بقبر موسٰی وھو قائم یصلّی فی قبرہ میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گذرا تو وہ قبر میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ ادا فرما رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ہر قبر نہ خالی ہوتی ہے، نہ ہر قبر والا مر کے مٹی ہو گیا ہوتا ہے، کئی قبروں میں رہ کر زندہ بھی ہوتے ہیں اور کھڑے ہو کر نماز بھی ادا کرتے ہیں۔

ہم بھی ہر قبر کی بات نہیں کرتے مگر کیا بات ہے آپ کو حضور علیہ السلام کے طریقوں سے چڑھ کیوں ہے؟ حضور علیہ السلام نے تو مسلمان کی قبر کا اکرام کرنے کا حکم دیا ہے۔ قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھنے والے ایک شخص کو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا توذ صاحب ھذا القبر۔

ترجمہ: اس قبر والے کو تکلیف نہ پہنچا۔

مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۸ پہ حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا:

لان يجلس احدکم علی جمرة فتحرق ثیابه فتخلص علی جلده خیر له من ان یجلس علی قبر۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص جلتے ہوئے انگارے پہ بیٹھ جائے اور اس کے کپڑے اور بدن جل جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر پہ بیٹھے۔

تو حضور علیہ السلام قبر مسلم کے احترام کا حکم دیں اور تم ان کو گرانے کے درپے ہو جاؤ، حضور علیہ السلام قبور مشرکین کو اکھیڑنے کا حضرت علی کو حکم دیں (جیسا کہ صحیح بخاری میں پورا باب ہے۔ باب نبش قبور المشرکین) اور تم ان پہ پھول چڑھاؤ تمہاری حضور سے دشمنی اور مشرکین سے رشتہ داری کیا ہے۔

مشرک سے عہد باندھ کے مشرک ہوئے یہود
یہ مشرکوں کے عبد مسلمان ہی رہے

اولیاء اللہ میں سے کوئی نقشبندی کہلا کر خوش ہو، کوئی قادری ہونے پر فخر کرے مگر آپ عجیب ہیں کہ بزرگوں سے ناطہ جوڑنے کی بجائے بہروی اور گاندھوی ہونے پہ فخر کریں جیسا کہ حسین احمد ٹانڈوی کے بارے میں ظفر علی نے کہا:

کوئی نقشبندی کوئی سہروردی
میرا فخر یہ ہے کہ میں گاندھوی ہوں

ارے مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات کو یہودیوں نے تو نہیں گرایا، کہا جاتا ہے کہ چین میں حضرت سعد کا مزار آج بھی موجود ہے۔ خود حکومت چین اس کی حفاظت کر رہی ہے مگر مدینہ شریف میں صحابہ وصحابیات، امہات المؤمنین، بنات رسول اور اہلِ بیت اطہار کے مزارات پہ بلڈوزر چلا دیے گئے ہیں۔ آخر مزارات سے تمہیں دشمنی کس وجہ سے ہے۔ ہمارے آقا علیہ السلام تو قبروں پر ٹہنیاں لگا کر قبر والوں سے خیر خواہی کریں اور امت کو یہ عقیدہ عطا فرمائیں کہ اگر شجر کی تسبیح سے عذاب قبر ٹل سکتا ہے تو بشر کی دعا سے بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے کیونکہ ٹہنی بے جان، غیر ذی روح

ہے اور بشر ایماندار، جاندار اور روح والا ہے۔ اور اپنے اسی عمل سے آقا یہ بھی بتائیں کہ ان میں سے ایک غیبت کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، اس سے حضور علیہ السلام اپنا غیبی علم ثابت فرمائیں، بلکہ جس خچر پہ آپ سوار تھے اُس کا بدکنا ہمیں بتائے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کی برکت ہے کہ جو تمہیں نظر نہیں آ رہا وہ میں قبر کے اندر دیکھ رہا ہوں۔ شاید یہی وہ باتیں ہیں کہ جوان کے عقیدے کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کو اہل اللہ کے خلاف ابھارتی ہیں۔

اسی لیے ہمیں بزرگانِ دین ان کے پاس جانے سے منع کرتے ہیں ہم اپنی نادانی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ متعصب ہیں لیکن اللہ کے بندے چونکہ مخلوق خدا کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا نظریہ ہوتا ہے کہ جاؤ ان کے پاس جن کے دل میں ایمان کا چراغ روشن ہے جن کا اپنا بجھا ہوا ہے وہ تمہارا ٹمٹماتا ہوا بھی گل کر دیں گے، ان کا تو جلے گا نہیں تمہارا بھی بجھ جائے گا۔ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔

کیونکہ چراغ روشن کرنے کیلئے کسی روشنی والے کے پاس جانا پڑتا ہے اور روشنی لینے کیلئے چراغ کو جھکانا پڑتا ہے۔ بجلی سے بھی روشنی لینی ہو تو اس کے بٹن کو نیچے دبا کر جھکانا پڑتا ہے تو جن کا بڑا ہمارے بڑے کو سامنے نہ جھکا۔ ابی واستکبر و کان من الکفرین۔ تو یہ چھوٹے کیا جھکیں گے اور جب انہیں جھکنا نہیں آتا تو خود بھی اندھیرے میں رہیں گے اور دوسروں کو بھی اندھیرے میں رکھیں گے۔ اسی لیے اصحاب کہف کے ذکر میں ہی فرمایا: ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ ولیا مرشدا۔

ترجمہ: جس کو اللہ ہی گمراہ کر دے اس کیلئے نہ کوئی ولی ہے اور نہ اس کا کوئی مرشد ہے۔

چراغ روشن ہو تو اس کی حفاظت بھی کی جاتی ہے کبھی دائیں ہاتھ پہ جاتا ہے کبھی بائیں پہ تا کہ ہوا کا جھونکا بجھا نہ دے اور بجھا ہوا ہو تو کون حفاظت کرتا ہے۔ اس کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اس کا کون دشمن ہو گا، جو دل کا اندھا ہوتا ہے وہ اسی لیے احتیاط، لحاظ

نہیں کرتا اور اپنی زبان کو محبوبانِ خدا کے خلاف قینچی کی طرح چلاتا ہے کہ

؎ بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

مگر عجیب بات ہے کہ جب کوئی لالچ ہوتا ہے تو یہ حضرات بھی انہی ''مراکزِ شرک'' پہ آجاتے ہیں اور آکر کونوا مع الصدقین کا وظیفہ پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ جیسا کہ قومی اتحاد کے دور میں دربار داتا پہ زمانے نے دیکھا۔

؎ مفتی اور عبید ہیں حاضر مزار پر
داتا کے در پہ آتے تو حلوہ بھی کھا لیا
دستار بندی کے وقت منظر عجیب تھا
اپنے مفاد کیلئے سر کو جھکا دیا
لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے ابنائے وقت ہیں
دین اپنا جیسا وقت ہو ویسا بنا لیا

حالانکہ کونوا مع الصادقین کا یہ مطلب نہیں کہ الیکشن آئیں تو ساتھ ہو جاؤ پھر دشمن ہو جاؤ۔ بلکہ معیت تامہ مراد ہے اور اگر تمہیں یہ نصیب ہو جائے تو قسم بخدا جیسے آج دربار داتا پہ دن رات تلاوتیں ہو رہی ہیں تمہاری قبریں بھی اسی طرح آباد ہو جائیں۔ مگر ادھر تو حالت یہ ہے کہ

؎ وہ پھول چڑھانے آئے تھے قسمت ہی بری تھی مدفن کی
شمع تو بجھانا یاد رہا اور پھول چڑھانا بھول گئے

کیونکہ اس منافقانہ حاضری سے بھی ان کا مقصد دنیا ہوتا ہے اور نیت وہی ہوتی ہے کہ ہماری حکومت آگئی تو مزارات کو گرا کر صفا کر دیں گے یہ بجوؤں والی عادت چھوڑو گے تو کسی مقام تک پہنچو گے۔ ہم تو آج تک یہی سنتے آئے ہیں کہ قبریں بجو اکھیڑتے ہیں مگر اب معلوم ہوا کہ

؎ سنڈا پھٹے کھرلی ڈھاوے
مولوی پھٹے قبراں ڈھاوے

یعنی جس طرح بھینسا زورآور ہو جائے تو اپنے چارے کی جگہ کو ٹکریں مار مار کر گرا دیتا ہے یہ مولوی حضرات جب اپنے آپ سے باہر ہوتے ہیں اور ڈالروں کی ان پر بارش ہوتی ہے تو یہ پاک لوگوں کے مزارات پہ حملے کرتے ہیں، کیونکہ یہ مولوی ہی نہیں ورنہ ایسا نہ کرتے۔

مولوی بس مولوی یہ بات کے
درحقیقت بیل ہیں گجرات کے

قصور ان کا بھی نہیں ہے کیونکہ حکماء کا اصول ہے کہ جس طرح کی کوئی خوراک کھاتا ہے اسی طرح کی اس کی طبیعت ہو جاتی ہے سنی لوگ تو کبھی کھیر کبھی حلوہ، کبھی میلاد کے لڈو کبھی عید کی سویاں کھاتے ہیں لہٰذا ان کے مزاج تروتازہ اور طبیعت خوش و خرم رہتی ہے اس لیے اللہ کے بندون کا بعد الوصال بھی احترام کرتے ہیں اور ان حضرات کے نزدیک چونکہ یہ سب کچھ شرک و بدعت ہے لہٰذا کبھی کوا کھالیا، کبھی گوہ کھالی کبھی سانڈھا کھالیا اس لیے طبیعت میں کرختگی، درشتگی اور مزاج میں چڑ چڑا پن ان کا مقدر بن گئی۔ ''چیں بہ جبیں کف در دھاں بندہ نیڑے آیا مَیں تے مُلّاں گل پیا مَیں''۔ (صاحبزادہ فیض الحسن علیہ الرحمۃ کا جملہ)

ایک صاحب اسی طرح شدید غصے میں کہنے لگے تم اپنی ماؤں بہنوں کو مُردوں کے پاس لے جاتے ہو جو کر کچھ نہیں سکتے۔ آگے بھی دل جلا جواب تیار کر کے بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا: اچھا تم زندوں کے پاس لے جایا کرو جو کچھ کر سکتے ہیں۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

ان حضرات کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ قبروں کو صاف کر دیا جائے اسی وجہ سے سعودیہ میں سب سے پہلے یہی کام کیا گیا اور قرآن مجید میں اس قسم کی تمنا کافروں کی بیان کی گئی ہے۔

یومئذ یود الذین کفروا و عصوا الرسول لو تسوی بھم الارض ولا یکتمون اللہ حدیثا۔ (النساء:۴۲)

ترجمہ: اس (قیامت کے) دن کافر جنہوں نے رسول پاک کی نافرمانی کی ہوگی تمنا کریں گے کہ کاش ان کو زمین کے ساتھ برابر کر دیا جاتا اور وہ کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔

اپنوں کے لیے:

اب ہم نے چند گذارشات اپنے سنی بھائیوں سے کرنی ہیں۔ بالخصوص پیران عظام، سجادہ نشینان اور مزارات پہ حاضری دینوالے عوام الناس سے کہ خدارا آپ بھی اپنے رویے میں تبدیلی لائیں اور اپنے علماء کی ہدایات کے مطابق خانقاہی نظام چلائیں ورنہ تمہاری زیارات جنت البقیع کی زیارات سے زیادہ عظمت نہیں رکھتیں جو لوگ وہاں بے حرمتی کر سکتے ہیں وہ تمہاری خانقاہوں کے ساتھ بھی ایسا کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ ''خدا گنجے کو ناخن نہ دے''۔

اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دینا باعثِ سعادت ہے ہمیشہ سے علماء، صلحاء، مشائخ اور بزرگانِ دین مزاراتِ اولیاء پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مزارات کی زیارت کی خود صرف اجازت ہی نہیں حکم بھی فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو کیونکہ اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد و فکر دلوں میں پیدا ہوتی ہے''۔ (مشکوۃ صفحہ ۱۵۴ بحوالہ ابنِ ماجہ)

ایک بہت بڑا المیہ

المیہ یہ ہے کہ ایک کلرک اور چپڑاسی کیلئے تو میرٹ ہے مگر پیر بننے کیلئے کوئی

میرٹ نہیں جس کا دل چاہے پیر بن جائے یہی وجہ ہے کہ آج خانقاہی نظام ختم ہو کر رہ گیا ہے خانقاہوں اور آستانوں میں عوام کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہیں۔

کبھی خانقاہوں میں لوگوں کو علم قرآن، علم حدیث، علم فقہ، علم تصوف، اخلاقیات، تزکیہ نفس، خدمت خلق، تبلیغِ دین، جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

آج ان خانقاہوں میں میلے، ڈھول، باجے، طبلے سارنگیاں، دھمال، بھنگڑے وغیرہ وغیرہ خرافات نے لے لی ہے۔

ان جاہل پیروں کی موجودگی میں مزارات پر غیر شرعی رسومات سجدے طواف نہ جانے کیا کیا ہو رہا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا سجادہ نشین بن جاتا ہے۔ چاہے بیٹا نابالغ ہو جاہل ہو بے نمازی ہو بھنگی چرسی ہو چاہے ناظرہ قرآن مجید بھی پڑھنا نہ آتا ہو۔

وہ گدی پر بیٹھ کر اپنی ولایت چمکانے کے چکر میں پڑ جائے گا اپنے بزرگوں کی کرامتیں سنا سنا کر اپنے مرید بڑھانے کی فکر میں لگا ہو گا۔

ایسے پیروں کی موجودگی میں خانقاہی نظام کی بحالی کی توقع بے سود ہے اور مزارات پر ہونے والی خرافات اور میلوں ٹھیلوں پر پابندی مشکل ہے۔

ضرورت ہے کہ عوام اہلسنّت علمائے اہلسنّت سے رابطہ مضبوط بنائیں۔

باعمل متقی پرہیزگار علماء کی صحبت اختیار کریں اور باعمل متقی پرہیزگار، متبع شریعت مشائخ کی سرپرستی میں کام کرنے والی تنظیموں میں شامل ہو کر دین کا کام کریں بالخصوص مندرجہ ذیل بدعات و خرافات کا قلع قمع کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

1۔ زائرین مراقبے اور سلام و دعا میں لگے ہیں ساتھ ہی مسجد میں جماعت ہو رہی ہے امور مذہبیہ کمیٹی ہو یا سجادہ نشین کی نگرانی، مجاور ہوں یا اوقاف جس کے انڈر مزار کا نظام ہو وہ نماز کے اوقات میں خدام کی ڈیوٹی لگائیں کہ آذان سے لے کر جماعت کے اختتام تک کوئی شخص مزار شریف کے گرد کھڑا نہ ہو، تاکہ انہیں نماز کی اہمیت کا پتہ چلے۔

2- عورتوں کا داخلہ بند ہو۔ کسی کو مزار میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

3- چادریں چڑھانے کا عمل جس قباحت کے ساتھ جاری ہے اس کی شدید مخالفت کی جائے۔

4- چڑھاوے (کئی مزاروں پر بت شیر گھوڑے گڈیاں وغیرہ چڑھاوے کے طور پر چڑھائی جاتی ہیں)۔

5- مزار چومنا۔

6- زمیں بوسی۔

7- مزارات کا طواف۔

8- سجدہ کرنا۔

9- ڈھول ڈھمکے۔

10- مزارات پر کھانے اور دعوتوں کے انعقاد کرنا۔ (ابتدا میں لکھا جا چکا ہے کہ مزارات پر حاضری کیوں دی جائے مقصد کیا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو اور آخرت کی فکر پیدا ہو اسی مقصد کو ملحوظ رکھا جائے)

11- مزارات کی تزئین و آرائش پر بے دریغ پیسہ خرچ کرنا۔

12- قبر کا حد شرع سے اونچا بنانا (ایک بالشت سے اونچی قبر نہ بنائی جائے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنی اونچی قبر ہو گی اتنی ہی صاحب مزار کی ہیبت وجلالت ظاہر ہو گی یہ جاہلانہ تصور ہے۔)

اس بارے میں رہنمائی کیلئے اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت کی کتب سے چند راہنما اصول لکھے جا رہے ہیں۔ جن کی پوری زندگی دین اسلام اور تعلیم دین کی خدمت و اشاعت میں گذری۔ آپ نے بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسومات کے خلاف بھرپور قلمی جہاد فرمایا ہے۔ آپ کے بیان کیے ہوئے زریں اصولوں سے راہنمائی حاصل کر کے اپنے مسلک حقہ کا تحفظ کیجئے اور حضور ﷺ کے سچے غلام بن کر آپ کے

لائے ہوئے دین خالص کو شرق و غرب تک پہنچا دیجیے تا کہ محبوب دو جہاں ﷺ آپ کی خدمت دینیہ پہ خوش ہو کر آپ کو اپنی بارگاہ کا قرب عطا فرمائیں۔

مرے حضور! مجھے اذنِ باریابی ہو
جبینِ شوق تڑپتی ہے آستاں کیلئے
مرے حضور کے قدموں کو اس نے چوما ہے
بہت بڑا ہے یہ اعزاز آسماں کیلئے

تعلیماتِ اعلیٰ حضرت:

- سب سے بدتر لوگ قبروں کو سجدہ کرنے والے ہیں۔ (حدیث) (الزبدة الزکیہ)
- اولیاء اللہ کے مزارات پر عرس جائز ہے میلہ حرام میلہ کرنے والے کو امام بنانا ناجائز ہے۔
- (بغیر محرم کے، بے پردہ ہو کر، جزع و فزع کے لیے) قبروں اور مزارات پر جانے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور صاحبِ قبر کی لعنت ہوتی ہے۔
- فرضی (بناوٹی) مزار بنانا اور اس پر عرس کرنا اور تعظیم کرنا ناجائز و بدعت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

- طوافِ تعظیمی مزار کا ناجائز ہے۔
- سجدہ تعظیمی حرام ہے۔
- بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے احوط منع ہے۔ (احکامِ شریعت)
- اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسی طرح سلام کر کے واپس آئے مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۳)
- قبر کا اونچا بنانا خلافِ سنت ہے۔ (الملفوظ)
- زمین بوسی بوجہ مشابہت بت پرستی کہ صورۃ قریب سجود ہے حرام ہے۔
- مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے کی زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا

ممنوع ہے۔

۞ غیر خدا کو سجدہ کبھی کفر ہے اور کبھی حرام۔ مزار کو سجدہ تو در کنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہی ہو۔

۞ قوالی مع مزامیر کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ایسی قوالی حرام ہے حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ لگ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ، وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بتایا ان کیلئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے اسے سنایا اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔

(احکام شریعت)

چشتیوں پر الزام لگانے والے اب حضور محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین کا فرمان بھی سن لیں آپ فرماتے ہیں: ''مزامیر حرام است'' دیکھئے فوائد الفواد شریف۔

مزارات پر حاضری اور فاتحہ کا طریقہ:

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ (یعنی مزار پر چہرہ) کی طرف کھڑا ہو اور متوسط آواز میں باادب سلام کرے۔ السلام علیکم یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف تین بار، آیت الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص سات بار پھر درود غوثیہ یا کوئی سا بھی درود سات بار اور اگر وقت فرصت دے تو سورۃ یٰسین اور سورۃ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل

سے دعا کرے کہ الٰہی اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندہ مقبول کو نذر پہنچا پھر اپنا جو مطلب شرعی ہو اور جائز ہو اس کیلئے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے۔ پھر اسی طرح سلام کر کے واپس آئے۔ مزار کو ہاتھ نہ لگائے نہ بوسہ دے اور طواف بالاتفاق ناجائز اور سجدہ حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

خدا کے آخری پیغامبر کا دیں ہے اٹل
یہ تا قیامِ قیامت ہے انس و جاں کیلئے
ہزار ہا صلوات اُن پہ جس نے بتلایا
روا ہے سجدہ فقط ذاتِ کن فکاں کیلئے

(عابد نظامی)



کتابیات

(ا)

اسرارالاولیاء	شیخ بدرالدین اسحاق
الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ	علامہ ابن حجر عسقلانی
انوارالحدیث	مفتی جلال الدین احمد امجدی
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
اربعین	مرزا قادیانی
ازالۂ اوہام	مرزا قادیانی
اعجاز احمدی	مرزا قادیانی
آئینۂ کمالات	مرزا قادیانی
آبِ حیات	مرزا قادیانی
احکام القرآن	ابوبکر ابن العربی
اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
امیرالکونین	حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ
احکامِ شریعت	امام احمد رضا خاں بریلوی
اخبار زمیندار	

(ب)

بدائع الصنائع	امام ابوبکر کاسانی

(ت)

تفسیر قرطبی	امام قرطبی
تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی
تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی
تفسیر ابن کثیر	امام ابن کثیر
تفسیر درّ منثور	امام جلال الدین سیوطی
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
تفسیر ابو سعود	علامہ ابوالسعود حنفی
تفسیر بینات القرآن	قاری محمد طیب
تاریخ کبیر	امام بخاری
تقویۃ الایمان	اسمٰعیل دہلوی
تفسیر صاوی	امام صاوی
تفسیر جلالین	جلال الدین محلی، سیوطی
تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری
تفسیر روح البیان	علامہ اسمٰعیل حقی
التمہید	علامہ ابن عبد البر
تنویر المقیاس	علامہ فیروز آبادی

(ج)

جامع ترمذی	امام ترمذی
الجامع لاحکام القرآن	امام جصاص حنفی

جامع البیان فی تفسیر القرآن	امام طبری

(ح)

حقیقۃ الوحی	مرزا قادیانی
الحاوی للفتاویٰ	امام جلال الدین سیوطی
حیات انبیاء	امام بیہقی
حلیۃ الاولیاء	امام ابونعیم اصبہانی

(خ)

خزائن العرفان فی تفسیر القرآن	علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
خصائص کبریٰ	امام جلال الدین سیوطی
خصائص اسماء الحسنیٰ	علامہ واحد بخش غزنوی مہاروی
خلاصۃ المفاخر	بدرالدین جعفر بدخشی

(د)

دلائل النبوۃ	امام ابونعیم اصبہانی

(ر)

رسالہ قشیریہ	امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری
الروح	ابن قیم جوزی
روض الریاحین	علامہ نابلسی

(ز)

زہرۃ الریاض	حبیب بن سہل

(س)

سنن دارمی	امام دارمی
سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ

سنن کبریٰ	امام بیہقی
سنن نسائی	امام نسائی
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد
سیرت عائشہ صدیقہ	سید سلیمان ندوی
سر الاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار	حضرت غوث اعظم جیلانی
سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ	شیخ البانی
سیاست (روزنامہ)	

(ش)

شانِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ	غلام حسن قادری
شعب الایمان	امام بیہقی
شمائل ترمذی	امام ترمذی
شرح الصدور	امام جلال الدین سیوطی
شرح السنہ	امام بغوی

(ص)

صحیح بخاری	امام بخاری
صحیح مسلم	امام مسلم

(ض)

ضمیمہ انجام آتھم	مرزا قادیانی

(ط)

طحاوی شریف	امام طحاوی
الطبقات الکبریٰ	ابنِ سعد
طبقات الاولیاء	شیخ سراج الدین بن الملقن

(ع)

عین الفقر — حضرت سلطانِ باہو

(ف)

فتاوٰی رضویہ — امام احمد رضا خاں بریلوی

فتاوٰی برکاتیہ — علامہ سید ابوالبرکات قادری

فتاوٰی دیداریہ — سید دیدار علی شاہ الوری

فیض الباری — انور شاہ کاشمیری

(ق)

قرآن کریم

(ک)

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن — امام احمد رضا خاں بریلوی

کلیاتِ اقبال — علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

کتاب الجہاد — ابن مبارک

کریما سعدی — شیخ سعدی

کنز العمال — حسام الدین برہان پوری

کشف المحجوب — داتا گنج بخش ہجویری

کیمیائے سعادت — امام غزالی

الکلام الموزون — مفتی کفایت اللہ

(ل)

لواقح الانوار القدسیہ — امام عبدالوہاب شعرانی

لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ — احمد بن محمود اویسی

(م)

مرآت الوحدت	سید گل حسن قلندری قادری
مسند احمد	امام احمد بن حنبل
مثنوی	مولانا روم
مفید الطالبین	اعزاز علی
معرفۃ علوم الحدیث	ابن صلاح
مستدرک	امام حاکم نیشاپوری
مفتاح العلوم	مولانا محمد نذیر احمد عرشی
مجمع الزوائد	امام ہیثمی
مہر منیر	مولانا فیض احمد فیض گولڑوی
مسند ابو یعلیٰ	امام ابو یعلیٰ
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	ملا علی قاری
مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابن ابی شیبہ
مقاصد حسنہ	امام سخاوی
مجمع البحار	علامہ طاہر پٹنی
الموضوعات	علامہ شوکانی
المبسوط	امام سرخسی
معجم کبیر	امام طبرانی
منہاج الدین معراج المسلمین	عبد اللہ انصاری
میزان کبریٰ	امام عبد الوہاب شعرانی

(ن)

نوائے وقت (روزنامہ

النجبۃ النبہانیہ	امام نبہانی
نسیم یمن (ترجمہ)	محمد اشفاق رزاقی

(و)

الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابنِ جوزی

-----☆☆☆-----

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ آل عمران)

یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے (ترجمہ کنز الایمان)

زُبْدَةُ الْمِحَنْ مقالات وخطبات حسن

المعروف

اٹھارہ تقریریں

تالیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور۔ فون: 042-7352022